Muhammad Jamaluddin Khan Qadiri +917860520899
تمنائے رحمت
یہ کتاب میرے اکلوتے بیٹے محمد ریاض خاں مرحوم کی یاد میں ہے، جو ۱۹؍فروری ۲۰۲۲ء مطابق: ۱۷؍رجب المرجب ۱۴۴۳ھ ۳۱؍سال کی عمر میں مجھے ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے کر اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ گئے۔
ابر رحمت ان کی مرقد پہ گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے
اپنے تمام قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی التجا ہے۔ اللہ میرے والد گرامی مرحوم رمضان علی خاں، بیٹی مرحومہ آمنہ بانو اور نور نظر لخت جگر مرحوم محمد ریاض خاں کی مغفرت فرمائے۔ قبر کے تمام عذاب اور پریشانیوں سے انہیں محفوظ رکھے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوس عطا فرمائے اور کل بروز قیامت آقائے کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)
کیا بھروسہ ہے زندگانی کا
آدمی بلبلہ ہے پانی کا
• • •
ایک غمزدہ باپ
محمد الیاس خان نوری
رتن پور، کھیڑا (گجرات)
RAZAVI KITAB GHAR
423, Urdu Market, Matia Mahal Jama Masjid Delhi-6
Contact:. 9350505879,011-23264524
E-MAIL : RAZAVIKITABGHAR@GMAIL.COM
Rs. 280/-
Muhammad Jamaluddin Khan Qadiri +917860520899
ایمان افروز تقریروں کا حسین گلدستہ
صدائے منبر
مؤلف
مولانا محمد الیاس خان نوری
فاضل علوم اسلامیہ کانپور (یوپی)
مقام و پوسٹ رتن پور تعلقہ ماتر ضلع کھیڑا گجرات الہند
رضوی کتاب گھر دہلی
محمد جمال الدین خان قادری 7860520899

کتاب : صدائے منبر

مؤلف : مولانا محمد الیاس خاں نوری

ناشر : رضوی کتاب گھر

کمپوزنگ : محمد صغیر احمد مصباحی

سن اشاعت : ٢٠١٨ء مطابق ١٤٣٩ھ

صفحات : ۴٣٢

قیمت :

ملنے کا پتہ

رضوی کتاب گھر، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔٦
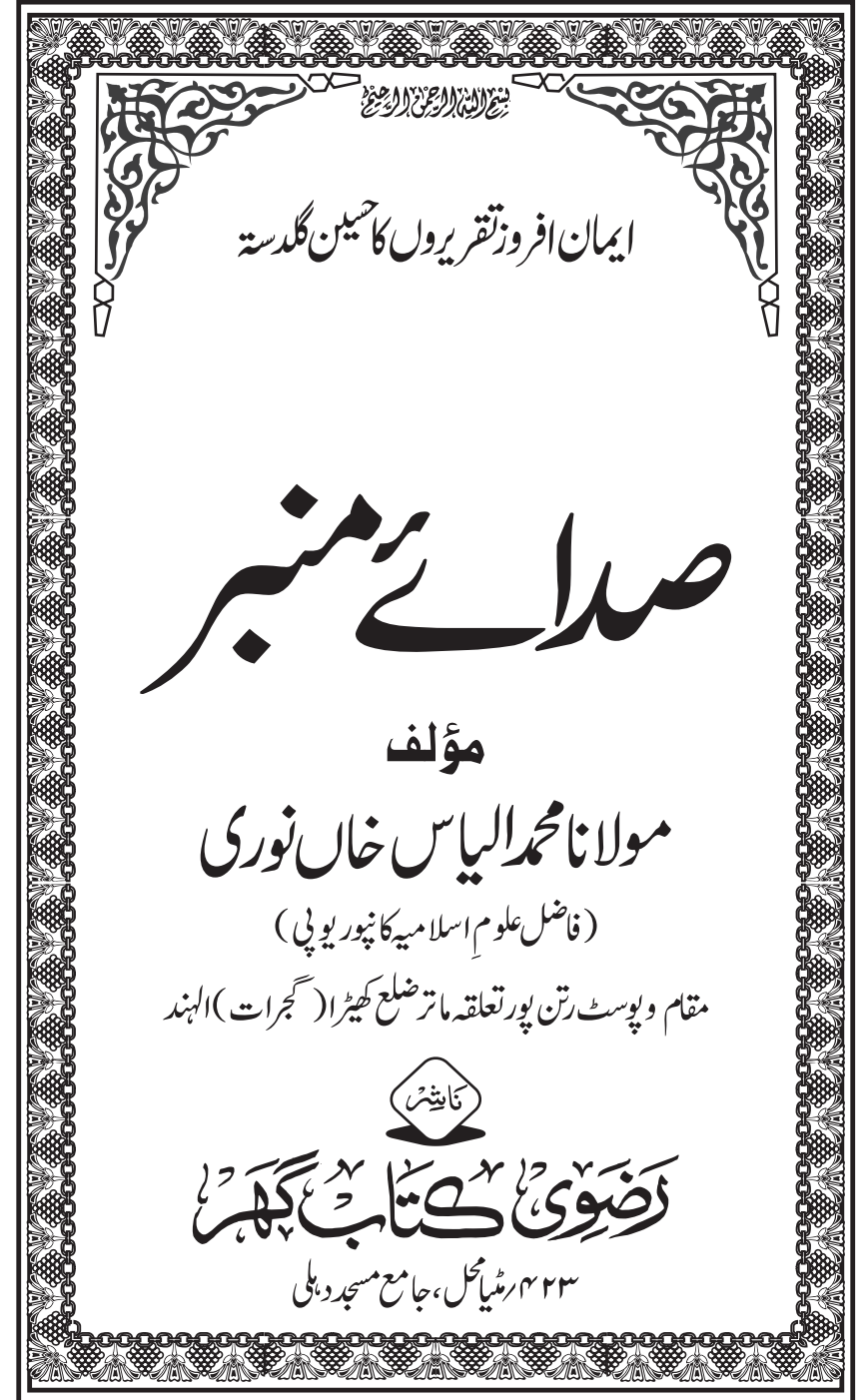
تمنائے رحمت

یہ کتاب میرے اکلوتے بیٹے محمد ریاض خاں مرحوم کی یاد میں ہے، جو ۱۹؍فروری ۲۰۲۲ء مطابق ۱۷؍رجب المرجب ۱۴۴۳ھ ۳۱؍سال کی عمر میں مجھے ہمیشہ کے لئے داغِ مُفارقت دے کر اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ گئے۔

ابر رحمت ان کی مرقد پہ گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

اپنے تمام قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی التجا ہے۔ اللہ میرے والد گرامی مرحوم رمضان علی خاں، بیٹی مرحومہ آمنہ بانو اور نور نظر لخت جگر مرحوم محمد ریاض خاں کی مغفرت فرمائے۔ قبر کے تمام عذاب اور پریشانیوں سے انھیں محفوظ رکھے۔ آقائے کریم ﷺ کا پڑوس عطا فرمائے اور کل بروز قیامت آقائے کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی شفاعت نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

کیا بھروسہ ہے زندگانی کا
آدمی بلبلہ ہے پانی کا

ایک غمزدہ باپ: محمد الیاس خان نوری
ایک غمزدہ ماں: یاسمین بانو
رتن پور، کھیڑا (گجرات)

مختصر تعارف مؤلف کتاب ہذا

نام مصنف ومؤلف: محمد الیاس خاں نوری
والد گرامی : رمضان علی خان
تاریخ پیدائش : ۱۹۶۲ء
وطن عزیز : موضع شنکر پور رانی جوت تحصیل تلشی پور ضلع بلرام پور یوپی
مقیم حال : مقام و پوسٹ رتن پور تحصیل ماتر ضلع کھیڑا گجرات
اسناد : منشی، مولوی، عالم، فاضل، الہ آباد بورڈ یوپی گورمنٹ
مادر علمی : جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور یوپی
سند فراغت : جامعہ عربیہ احسن المدارس قدیم نئی سڑک کانپور یوپی
پیرو مرشد : شہزادہ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ بریلی شریف
تاریخ حج وزیارت: ۱۴ مئی ۱۹۹۰ء
مشغلہ : درس وتدریس اور دینی خدمات

اساتذۂ کرام

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ	مفتی غلام محمد عزیزی اعظمی علیہ الرحمہ
امین شریعت مفتی رفاقت حسین علیہ الرحمہ	مفتی شہباز عالم مونگیری
مفتی محمد اسلم صاحب بستوی علیہ الرحمہ	مولانا کمال احمد خان اکڑہروی
مفتی دانش علی فریدی بلرام پوری	علامہ زین العابدین شمسی
مولانا علامہ ابواللیث اعظمی	علامہ وکیل احمد رضوی پچھروی
مفتی زین العابدین اکبر پوری	مولانا شاہ محمد کیفی بستوی
مفتی حفیظ اللہ خان صاحب نعیمی	مفتی عبدالرحمٰن خان صاحب نعیمی تلشی پوری

مولانا علی احمد صاحب اعظمی (بی۔اے۔علیگ)

ان میں جو اساتذۂ کرام اس دنیا میں نہیں رہے اللہ تعالیٰ ان کے قبر پر رحمتوں کی بارش برسائے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔اور جو بقید حیات ہیں مولیٰ تعالیٰ ان کی عمروں میں اضافہ فرمائے۔اور ان سے دین کی خدمت لیتا ہی رہے۔آمین

خاکپائے علماء

محمد الیاس خاں نوری

مقام و پوسٹ رتن پور،تعلقہ ماتر

ضلع کھیڑا،گجرات 387570

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمات تحسین

خلیفۂ سرکار مفتی اعظم ہند،اولاد غوث اعظم ،فقیہ العصر،مفتئ جام نگر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد تسنیم القادری نوری،جام نگر (گجرات)

یہ کس نے سازِ دل پر نغمۂ عشق نبی چھیڑا
صدائے مرحبا آنے لگی محراب و منبر سے

صاحب الفضیلت والسماحت متبع الشریعت والسنت محقق اعظم حضرت علامہ محمد الیاس صاحب نوری مدظلہ النورانی ایک باوقار خطیب روشن خیال مصنف اور مولف ہیں اور قوم وملت کی پر خلوص ودلنواز شخصیت ہیں جنھوں نے درجنوں کتابیں تصنیف فرمائیں اور معمارِ سنیت کے لقب سے متعارف ہوئے۔

اور میرے دل ودماغ پر اُن کی پر خلوص محبت کا چراغ آویزاں ہے۔ان میں جو باتیں میں نے دیکھی ہیں،وہ یہ ہیں:

(۱) سنت وشریعت کی پاسداری

(۲) قوم وملت کا دردِ فراواں

(۳) علمی استحضار

(۴) تزکیۂ نفس

(۵) تصوف ان کا اوڑھنا بچھونا

(۶) اجتناب معصیت

(۷) اعلیٰ اخلاق وکردار

(۸) اصلاحِ امت کا جذبۂ دروں

(۹) ملنساری وجواں مردی

(۱۰) استقامت فی الدین

(۱۱) نمونۂ اسلاف

یہ وہ اوصاف ہیں جن سے آپ متصف ہیں۔قوم کو اور کیا چاہیے۔ایسے شخص سے موانست و محبت ہونی چاہیے لیکن کیا کہا جائے قوم کی ناقدری و بے توجہی نے ماحول بگاڑ رکھا ہے۔اللہ سچی سمجھ عطا فرمائے اور علمائے کرام کا احترام اور ان کی دل جوئی نصیب ہو تو کچھ سنیت کا کام آگے بڑھے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

عشق نبی وہ دولت لازوال ہے جس سے معرفت خداوندی حاصل ہوتی ہے جس دل میں یہ دولت بے بہا آجائے تو اس کے اعصاب پر وہ نورانیت چھا جاتی ہے کہ معصوم فرشتوں پر بھی سبقت لے جاتا ہے اور اطاعت مصطفیٰ انسان کو اوجِ ثریا پر پہنچا دیتی ہے۔

جو اتباعِ محمد میں ڈھل گیا تسنیمؔ
خدا گواہ دو عالم کا تاجدرا بنا

میں نے علامہ موصوف کی کئی کتابیں پڑھی ہیں اور ان کا خطاب نایاب بھی جام نگر میں سنا ہے۔ماشاءاللہ ان کا ہر لفظ چاہے زبان سے نکلے یا تحریری طور پر ہو دُرِ نایاب ہے۔

صدائے منبر آپ کی بے نظیر تالیف ہے جسے پڑھ کر انسان بامِ ثریا پر پہنچ سکتا ہے۔مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے ہر قاری کو لذت سرمدی حاصل ہوگی۔

نوری نسبت کا پانے والا بڑا خوش بخت ہے کیوں کہ یہ وہ شخصیت ہے جنھوں نے نو لاکھ مشرکین کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا۔اور مریدین کی تعداد تو تقریباً پانچ کروڑ سے زائد ہے۔جو مظہر غوث الوریٰ ہے اور شہزادۂ امام احمد رضا ہے۔نام مصطفیٰ رضا ہے۔حضرت الیاس صاحب نوری تمام نوریوں میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور بحمدہٖ تعالیٰ یہ فقیر بھی نوری ہے،میں نے بارگاہِ نوری میں ایک غزل کہی تھی۔بارگاہِ نوری یعنی تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت غوث الامت خواجہ آلِ رحمان ابوالبرکات محی الدین جیلانی امام الفقہاء سید

الاولیاء علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی المعروف بہ سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان پاک میں جو ہدیۂ ناظرین ہے:

شبیہ غوث اعظم آلِ رحماں مصطفیٰ نوری
لقب ہے مفتی اعظم امام الاولیا نوری
مرے نوری تری نورانیت کی بات کیا کہنا
ترے دربارِ نوری کا ہے اک اک گدا نوری
تصور سے کسی کے میری دنیا جگمگا اٹھی
مری فکر ونظر کا چاند ہے وہ مصطفیٰ نوری
تمہارا نام لینے سے دلوں میں نور بھرتا ہے
وظیفہ عارفانِ حق کا ہے یا نوری یا نوری
تسلسل ہے ازل سے تا ابد اک نور کا تسنیمؔ
میں نوری پیر میرا نوری میرا سلسلہ نوری

رب کریم اپنے محبوبوں کی چاہت پر خاتمہ فرمائے اور کتاب کو روزانہ مطالعہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مولف کو تادیر اسی طرح سنیت کی خدمات کرنے کا جذبۂ صادقہ عطا فرمائے۔آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

الفقیر جیلانی

سید تسنیم القادری نوری

خلیفۂ سرکار مفتی اعظم ہند

حال مقیم سلور سوسائٹی خواجہ گیٹ، جام نگر، گجرات

۲۷؍جولائی ۲۰۲۱ء مطابق ۱۶؍ذوی الحجہ شریف

بروز منگل بوقت صبح بعد نماز فجر

پیش لفظ

میرے نزدیک ایک اچھی کتاب کا مطالعہ غم اور اداسی کا بہترین علاج ہے۔ پندو نصائح سے بھرپور عمدہ اور اچھی کتابیں چراغ حیات ہیں۔ ان کی موجودگی میں اگر کوئی تاریکی میں رہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ وہ خود ذمہ دار ہے۔ علم روشنی ہے اسی لئے معلم کائنات محمد عربی ﷺ نے اپنی امت پر فرض قرار دیا ہے اور فرمایا کہ انسان کو تادم حیات حصول علم میں کوشاں رہنا چاہیے۔

تصنیف وتالیف یہ ایک ذرائع ابلاغ ہے۔ جس کے ذریعہ احکام الٰہی اور تعلیمات نبوی لوگوں تک پہونچایا جاتا ہے تاکہ لوگ پڑھ کر اپنی دنیا و آخرت سنوار سکیں۔ خیال رہے کہ پڑھنا معلومات کے لئے ہوتا ہے اور معلومات (جاننا) عمل کے لئے ہوتا ہے۔ علم وہی بہتر ہے جس میں عمل شامل ہو ورنہ بے سود ہے۔

لوگوں کی رہنمائی کے لئے دعوت وتبلیغ یہ بہت ہی قدیم سلسلہ ہے جس پر تمام انبیاء و رسل اور ہمارے اسلاف گامزن رہے۔ ہر دور میں وعظ ونصیحت اور تقریر ہی رشد وہدایت کے لئے موثر ذریعہ رہی ہے۔ خود معلم کائنات ﷺ نے طریقۂ تبلیغ و دعوت تقریر ہی کو اختیار فرمایا۔

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے مجھ گنہگار وکم علم کو وعظ ونصیحت سے بھرپور یہ علمی گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت بخشی۔ میں نے یہ کتاب ممتاز علمائے دین کی کتابوں سے تالیف وترتیب دیا ہے تاکہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے حضرات اس سے زیادہ استفادہ کرسکیں۔ جمعہ میں چونکہ وقت تقریر کے لئے بالکل مختصر ہوتا ہے اس لئے میں نے اختصار سے کام لیا ہے۔ ویسے اگر علمی صلاحیت اور مطالعہ وسیع ہو تو کسی بھی موضوع پر خوب سیر حاصل کیا جاسکتا ہے

اسلام اور سنیت کا درد رکھنے والے بھائیوں سے بصد احترام گزارش ہے کہ وہ دینی کتابیں خرید کر اپنے دوست واحباب بالخصوص علمائے کرام اور ائمۂ مساجد کی خدمت میں ہدیتاً وتحفتاً پیش کیا کریں۔ یہ صدقۂ جاریہ بھی ہے اور خدمت دین بھی۔ آخر میں اپنے عزیز خاص محب گرامی محترم المقام لائق صد احترام ہمدرد قوم وملت عالی جناب حاجی صدرو میاں مترال والوں کا بہت بہت شکر گزار ہوں جن کا اس کتاب کی اشاعت میں پر خلوص تعاون شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں دارین کی تمام سعادتوں سے ہم کنار فرمائے اور یہ کتاب سب کے لئے مشعل راہ بنائے۔ آمین

فقیر قادری محمد الیاس خاں نوری
(فاضل علوم اسلامیہ کانپور یوپی)
مقام و پوسٹ رتن پور، تعلقہ ماتر
ضلع کھیڑا، گجرات

انتساب

مصدر فیوض و برکات: پیکر تقویٰ و کرامات آقائے نعمت شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہلسنت نائب غوث الوریٰ۔ قطب العالم حضور مفتی اعظم ہند سیّدی مرشدی سرکار علامہ شاہ ابوالبرکات مصطفیٰ رضا نوری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام جن کی فیضان کرم نے مجھے اس لائق بنایا اور جن کی تربت پاک سے آج بھی یہ آواز آرہی ہے:

پیش فرعوناں بگو حرف کلیم
تا کند ضربے تو دریا رادو نیم

گدائے کوچہ مرشد

فقیر قادری محمد الیاس خان نوری

گلہائے عقیدت

نہایت ادب واحترام کے ساتھ ان فرزندان اسلام کی خدمت میں جو دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں

فقیر قادری

محمد الیاس خان نوری

(فاضل علوم اسلامیہ کانپور یوپی)

فہرست

●●●

جمالِ محمدی (حسنِ رسول)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ (پ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۴۶)

نازاں ہے جس پہ حُسن وہ حُسنِ رسول ہے
یہ کہکشاں تو آپ کے قدموں کی دھول ہے

ترجمہ: اے غیب کی خبریں دینے والے۔ بے شک ہم نے تمہیں حاضر و ناظر بنا کر بھیجا۔ اور خوشخبری دینے والا۔ ڈر سنانے والا۔ اللہ کی طرف بلانے والا۔ اور چمکانے والا آفتاب بنا کر بھیجا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے محبوب کی بہت سی نعتیں بیان فرمائی ہیں اور اس آیت کی تخصیص ہی کیا ہے پورا قرآن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتوں کا حسین گلدستہ ہے حضور کی تعریف آپ کی شان عظمت آپ کے اخلاقِ حسنہ اور اوصاف حمیدہ بیان کرنے کو نعت کہتے ہیں۔ اللہ نے پورے قرآن میں اپنے محبوب کی شانِ عظمت کو بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نعت لکھنا یا پڑھنا حضور کے فضائل وکمالات کو بیان کرنا یہ سُنّت الٰہیہ ہے۔

ایک مرتبہ کچھ صحابۂ کرام امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت با برکت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں حضور کا اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ بتائیے آپنے فرمایا کیا تم لوگوں نے قرآن نہیں پڑھا؟ قرآن ہی تو حضور کا اخلاقِ حسنہ اور اوصاف حمیدہ ہے تو اب اگر کسی کو حضور کے فضل وکمالات سے چڑھ ہو تو اسے چاہئے کہ قرآن پڑھنا چھوڑ دے کیونکہ پورا قرآن حضور پاک کی نعتوں کا حدائقِ بخشش ہے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ و السلام کے فضل وکمال کا مجموعہ ہے۔

اللہ اللہ یہ ہے عظمت مصطفےٰ نام لے کر خدا نے پکارا نہیں
ذکر جس میں حبیب خدا کا نہ ہو کوئی قرآن میں ایسا پارہ نہیں

صحابۂ کرام اور نعت مصطفےٰ

آؤ بارگاہِ رسالت میں چلیں اور سرکار سے پوچھیں کہ نعت وسلام پڑھنا کیسا ہے تو جواب ملے گا یہ تو میرے عاشق اور پیارے صحابی حسّان بن ثابت انصاری کی سنت ہے۔ میں تصور میں قدمِ ناز نبوت کو چوم کے بڑے ادب سے عرض کیا آقا یہ کیسے؟ فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہر جمعہ کو میں اپنے انھیں نبوت والے ہاتھوں سے پکڑ کے انھیں ممبر پہ کھڑا کرتا اور کہتا حسان میری شان میں نعتیں پڑھو۔ حکم پاتے ہی حسان جھوم اٹھتے اور یوں گنگناتے:۔

وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ
وَاَكْمَلُ مِنْكَ تَلَدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَیْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اہلِ عشق ومحبت کا عقیدہ ہے کہ اگر بطورِ دلیلِ بنوت حضور کو قرآن یا معجزات نہ بھی عطا کیے جاتے تو آپکو اللہ نے جو حسن وجمال عطا فرمایا ہے وہی دلیل نبوت کے لئے کافی تھا۔

تمام انبیائے کرام اپنی دلیل نبوت کے لئے چند معجزات لیکر آئے مگر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شان عالی ہے کہ آپ خود اپنی نبوت کے لئے سراپا دلیل بن کر آئے۔ جس طرح سورج کو ایک نظر دیکھنے والا یہ اقرار کرنے پر مجبور ہے کہ سورج موجود ہے اسی طرح رحمت عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفر کی عینک اتار کر حق بین نگاہوں سے ایک بار جو بھی دیکھ لے گا تو اس کے دل و دماغ میں سورج سے بھی بڑھ کر یہ حقیقت روشن و آشکارا ہو جائے گی کہ محمد الرسول اللہ۔ اللہ کے رسول ہیں مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن سلام ہیں۔ آپ قوم یہود کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہودیوں نے محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بہت غلط باتیں بتا رکھی تھیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت

کر کے مدینۃ المنورہ تشریف لائے اور میں سرکار کا چہرۂ نبوت زندگی میں پہلی بار دیکھا تو
یقین ہو گیا اور دل پکار اٹھا وَاللّٰہِ اِنَّ وَجْھَہٗ لَیْسَ بِوَجْھِ الْکَذَّابْ۔ خدا کی قسم یہ
چہرہ کسی جھوٹے کا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ کہہ کر نبی کے قدموں میں گرے قربان ہو گئے اور کلمہ
پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

کوئی کہتا ہے کہ کعبے میں خدا رہتا ہے
کوئی کہتا ہے سر عرش علیٰ رہتا ہے
ہم فقیروں کا عقیدہ ہے کہ وہ معبود عظیم
اپنے محبوب کے جلوؤں میں چھپا رہتا ہے

ربیعہ بنتِ معوّذ جو صحابیہ ہیں وہ فرماتی ہیں لَوْ رَاَیْتَہٗ رَاَیْتُ الشَّمْسَ طَالِعَۃً
اگر تو ان کے حسن و جمال کو دیکھتا تو دیکھتے ہی پکار اٹھتا کہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔ ہندہ ابی
ہالہ نے کہا کہ سرکار کا چہرہ چودھویں رات کے چاند جیسا روشن تھا۔ حضرتِ کعب بن مالک
فرماتے ہیں کہ جب حضور پر خوشی و مسرت کے آثار ظاہر ہوتے تو چہرۂ اقدس ایسا چمکنے لگتا گو
یا چاند کا ٹکڑا ہے۔ حضرت جابر بن سمرٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چودھویں رات کا چاند اپنی
پوری چمک اور دمک کے ساتھ نکلا ہوا تھا اور مدنی تاجدار دونوں عالم کے سردار کونین کے
مالک و مختار سرخ رنگ کا دھاری دار حُلّہ مبارک زیب تن کئے تشریف فرما تھے تو میں نے
مقابلے کے لئے اک نظر آسمان کے چاند پر ڈالی اور ایک نظر نبوت کے چاند محبوب علیہ
الصلوٰۃ والسلام پر کہ دیکھوں ان میں سے کون زیادہ خوبصورت ہے فَاِذَا ھُوَ اَحْسَنُ
عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ تو میری دل و نظر نے فیصلہ کر لیا کہ محمد رسول اللہ چاند سے بھی کہیں
زیادہ حسین و جمیل اور خوبصورت ہیں۔

میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہہ دوں ان کے چہرے کو
میں ان کے نقش پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور سے بڑھ کر کسی کو حسین و جمیل اور خوبصوت نہیں
پایا۔ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْھِہٖ ایسا لگتا تھا جیسے چاند و سورج آپ کے چہرے کا

طواف کر رہے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت نے سرکار کے حسن و جمال کو دیکھا تو پکار
اٹھے۔ آپ سے زیادہ حسین و جمیل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ پھر سوچا کہ کوئی کہے گا
اے حسّان اگر تیری آنکھوں نے نہیں دیکھا تو تیری آنکھوں کا قصور ہے کیونکہ ہو سکتا ہے
کوئی ہو جسکو تو نہ دیکھ سکا ہو۔ آپ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آنکھ کیا
دیکھے گی خدا کی قسم! آپ جیسا حسین و جمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ پیدا ہی نہیں کیا۔ اللہ
نے آپ کو آپ کے چاہت کے مطابق بنایا۔ گویا ہر نبی کو اپنی مرضی سے بنایا۔ آدم کو اپنی
مرضی سے بنایا شیث کو اپنی مرضی سے بنایا۔ نوح کو اپنی مرضی سے بنایا۔ ابراہیم کو اپنی مرضی
سے بنایا۔ زکریا کو اپنی مرضی سے بنایا۔ یحییٰ کو اپنی مرضی سے بنایا۔ سلیمان کو اپنی مرضی
سے بنایا۔ موسیٰ کو اپنی مرضی سے بنایا۔ عیسیٰ کو اپنی مرضی سے بنایا اور جب محبوب کو بنانا چاہا
تو پوچھا اے محبوب تجھے کیسے بناؤں۔ محبوب نے عرض کیا مولیٰ اگر پوچھ ہی لیا ہے تو پھر ایسا
بنا دے کہ زبان میری ہو کلام تیرا ہو سینہ میرا ہو علم تیرا ہو۔ ہاتھ میری ہو طاقت تیری ہو براق
تیری ہو سواری میری ہو۔ ربوبیت تیری ہو ختم نبوت میری ہو۔ عبادت تیری ہو اور سب
نبیوں کے آگے امامت میری ہو۔ بخشش تیری ہو شفاعت میری ہو۔ خلقت تیری ہو امت
میری ہو۔ اے بنانے والے اگر بنانا چاہتا ہے تو مجھے ایسا بنا دے کہ چہرہ میرا ہو دیدار تیرا
ہو۔ جو مجھے دیکھ لے وہ تجھے دیکھ لے۔ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ۔ جس نے مجھے دیکھا
اس نے اللہ کو دیکھا۔

باب العلم مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے بھی آپ کو دیکھا
آپ کے حسن کی تاب نہ کر وہ مبہوت ہو گیا۔ اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اور جو آپ کے قریب
ہوتا گیا آپ کا شیدائی ہوتا گیا اور جس نے بھی آپ کی تعریف کی اس نے یہی کہا کہ آپ
جیسا حسین نہ کبھی پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ اور نہ ہی صبح قیامت تک کوئی دیکھے گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسان حضرت جابر حضرت ابو ہریرہ اور صحابہ کرام نے
پوری دنیا کو دیکھا ہے؟ پھر یہ کیسے کہتے ہیں کہ حضور جیسا کوئی نہیں ممکن ہے مکہ میں نہ ہو
مدینے میں نہ ہو پورے عرب میں نہ ہو ہندستان میں ہو پاکستان میں ہو جاپان میں ہو

امریکہ اور یوروپ میں ہو آیئے اس سوال کے جواب میں ایک ایسی عظیم ہستی کو پیش کروں جنہوں نے پوری دنیا کو دیکھا ہے وہ سید الملائکہ بلبلِ سدرہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جنہیں تمام پیغمبروں اور رسولوں کے پاس وحیٔ الٰہی اور پیغام خداوندی لانے کا شرف حاصل ہے۔ان کی گواہی سماعت فرمایئے۔

حضرت جبرئیل کی گواہی

ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں بلبل سدرہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے سرکار نے پوچھا اے جبریل تم نے پوری دنیا کی سیر کی ہے۔ بڑے بڑے حسن و جمال والوں کی محفلوں کو دیکھا ہے مگر یہ تو بتاؤ کہیں میرے جیسا دیکھا۔عرض کیا لَمْ وَجَدتُّ مَثْلُكَ یارسول اللہ۔دنیا کا چپہ چپہ چھان مارا۔بڑے بڑے حسن و جمال والوں کی محفلوں کو دیکھا مگر آپ جیسا حسین وجمیل کہیں نہیں دیکھا۔بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔
عاشقوں کے امام حسان الھند اعلیٰ حضرت بریلوی فرماتے ہیں۔

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے تیرا پائے کا نہ پایا
تجھے اک نے اک بنایا تجھے حمد ہے خدایا

معراج کی رات میرے آقا کے ساتھ جبریل سدرہ کی بلندی تک گئے ،وہاں رک گئے ،فرمایا آجا جبریل آجا۔عرض کیا سرکار اگر ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں گا تو تجلیاتِ الٰہی سے جل جاؤں گا سرکار اب میری آخری حد آگئی ہے۔میں تھک گیا ہوں۔اب چلنے کی تاب وطاقت باقی نہیں رہی۔بازو شل ہوگئے دم بھر چکا اب میری انتہائی منزل آگئی۔اب میں اس سے آگے نہیں جاسکتا۔سرکار آپ جایئے!
سوچو دوستو! اگر جبرئیل اپنے آپ کو رسول کی طرح سمجھتے تو رسول کے ساتھ چلے جاتے اور اگر رسول کو اپنی طرح سمجھتے تو رسول کو روک لیتے اور کہتے یا رسول اللہ آپ نہ جائیں جب سدرہ والے کا پر جل رہا ہے تو مکے والے کا بازو کہاں سلامت رہے گا۔نہ خود

گئے نہ جانے والے کو روکا بلکہ جانے والے کو جانے دیا اور دنیا کو یہ بتادیا، یہ عقیدہ دے دیا کہ اے دنیا والوں سنو! سنو! جبرئیل رسول کی طرح نہیں اور رسول جبرئیل کی طرح نہیں

ہزاروں جبرئیل الجھے ہوئے ہیں گرد منزل میں
نہ جانے کس بلندی پہ ہے کاشانہ محمد کا

ایک مرتبہ نورمجسم سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ عالی وقار میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے۔آقا نے پوچھا اے جبریل یہ تو بتاؤ کہ تمہاری عمر کتنی ہے۔عرض کیا سرکار مجھے اپنی عمر کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ چوتھے آسمان میں ستر ہزار سال بعد ایک ستارہ چمکتا تھا اور میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔فرمایا: یَا جِبْرِیْلُ وَ عِزَّۃِ رَبِّی اَنَا ذَالِكَ الْكَوْكَبُ۔خدا کی قسم اے جبرئیل وہ ستارہ میں ہی ہوں۔جبرئیل نے بہتر ہزار بار تارے میں عرش پہ دیکھا۔چالیس ہزار بار فرش پہ دیکھا مگر ایک بار بھی اپنے جیسا نہیں کہا۔صحابۂ کرام زندگی بھر سرکار کو دیکھتے رہے اور فرماتے رہے اَنَا لَسْنَا بِمِثْلِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ۔حضور ہم آپ کی طرح نہیں ہوسکتے۔سوچو! جو دیکھنے والے ہیں وہ بے مثل وبے مثال مان رہے ہیں اور یہ چودہ سو سال بعد آنے والے، گنجے سر والے، اونچے پائجامہ والے، ٹھنگنے قد والے مثل مثل کی رٹ لگا رہے ہیں۔سوچو جب صحابی آپ کے مثل نہیں ہوسکتا تو وہابی کیسے مثل ہوسکتا ہے۔
مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے جبرئیل سے فرمایا اے جبرئیل میں تمہارا حسن دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنا سارا حسن دکھاؤ۔یہ سن کر جبرئیل نے اپنے چھ سو پر کھول دیئے تو ہر طرف حسن کے جلوے بکھر گئے۔پھر جبرئیل نے عرض کیا سرکار! آپ بھی اپنا حسن جو بشریت کے پردوں میں چھپا رکھا ہے دکھا دیجئے۔ فرمایا اے جبرئیل تو میرا حسن نہیں دیکھ سکتا۔میں اللہ کا محبوب ہوں۔اور محبوب کی غیرت کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اس کے محبوب کو سوائے اس کے اور کوئی نہ دیکھے اس لئے میرے رب نے میرے چہرے پر اپنی صفتِ غیرت کے ستر ہزار پردے ڈال دیئے ہیں۔خدا کی قسم ان میں سے صرف ایک ہی پردہ اگر ہٹ جائے تو اے جبرئیل تو دیکھ کر قیامت تک بیہوش

ہوجائے گا۔

نازاں ہے جس پہ حسن وہ حسنِ رسول ہے
یہ کہکشاں تو آپ کے قدموں کی دھول ہے

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کہتے ہیں حسن جب تک دیکھا نہ جائے حدِ کمال کو نہیں پہونچتا اس لئے اللہ نے جب اپنے غیر محدود حسن کو دکھانا چاہا تو اس نے اپنے حسن کے تمام جلوؤں کو سمیٹا اور سمیٹ کر محمد بنا دیا ﷺ شاعر کہتا ہے۔

جب اپنے حسن کی محفل سجانے کا خیال آیا
حریم ناز کے پردے اٹھانے کا خیال آیا
خدا کو حسن جب اپنا دکھانے کا خیال آیا
محمد کملی والے کو بنانے کا خیال آیا

تفاسیر کی کتابوں میں ہے کہ انسان کی تخلیق سے پہلے اللہ نے دنیا میں مختلف چیزیں پیدا فرمائیں۔ دریا، سمندر، ندی، نالے، تالاب، نہریں، پہاڑ، اشجار، بہتے جھرنے کھلتے ہوئے پھول، مسکراتی کلیاں غرضیکہ بہت سی مخلوقات کو اللہ نے پیدا کیا اور ان مخلوقات میں اپنی مختلف صفات کے جلوے رکھے۔ چنانچہ پہاڑوں کو دیکھو اس میں صفتِ وقار کا جلوہ نظر آتا ہے۔ سمندروں کو دیکھو اس میں صفتِ جلال کا جلوہ نظر آتا ہے۔ بہتے ہوئے جھرنوں اور خوشنما پھولوں کو دیکھو اس میں محبت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اللہ نے چاہا کہیں حسن کا شاہکار بھی ہونا چاہئے ، پھر اللہ نے انسان کو بنایا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔ سے اسے زینت بخشا اور پوری نسل انسانیت میں اپنے حسن کو پھیلا دیا۔ پھر انسانوں کا تمام حسن نبیوں میں اکٹھا فرما دیا۔ گویا حسن خدا جب بکھرتا ہے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں تقسیم ہوجاتا ہے اور جب سمٹتا ہے تو چہرۂ مصطفےٰ بن جاتا ہے تاکہ کوئی رسول کو جب دیکھے تو جلوۂ رب نظر آئے اور جسے جلوۂ رب نظر آئے اسے سب کا سب نظر

آئے۔ اسی لئے رب فرماتا ہے جسے مجھے دیکھنا ہو وہ میرے محبوب کو دیکھ لے۔ اور میرے آقا فرماتے ہیں جسے رب کو دیکھنا ہو وہ مجھے دیکھ لے میں اپنے رب کی مشیت کا آئینہ ہوں۔ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

رخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب کوئی دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

کہتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی جلوہ آرائیوں کے لئے مصر کا بازار سجا دیکھنے والوں نے ان کے حسن کے جلوؤں کا نظارہ کیا مگر ان کے حسن کا اثر صرف مصر کے محلوں تک محدود رہا مگر حسن مصطفےٰ فرش پہ بھی چمکا اور عرش پہ بھی چمکا۔ اور سچ جو پوچھو تو حسن یوسف بھی اگر بڑھا تو اسی در سے بڑھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایسا حسن و جمال بخشا جس کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ لیں مگر سید المرسلین خاتم النبین رحمۃ للعلمین ﷺ کو وہ حسن و جمال عطا ہوا کہ جس کو دیکھنے کے لئے خود حضرت یوسف بے تاب ہو گئے۔ گویا حُسنِ یوسف پہ مصر کی عورتیں فریفتہ ہو گئیں اور حسن محمدی پہ حضرت یوسف خود شیدا ہو گئے۔ غور کیجئے مصر کی عورتوں نے حسن یوسف کو دیکھنے کی تمنا کی اور دیکھ لیا مگر حسنِ مصطفےٰ کو دیکھنے کی کس میں تاب ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ آقا علیہ السلام کا جمال اگر آشکار ہوجائے تو لوگوں کا حال اس سے بھی زیادہ بے حال ہوجائے جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا۔ اس وجہ سے اللہ نے آپ کے حسن و جمال کو صرف اپنے دیکھنے کے لئے لوگوں کی نظروں سے چھپا رکھا ہے اس کے باوجود حسن مصطفےٰ کا یہ عالم ہے کہ وہاں صرف انگلیاں کٹی تھیں اور یہاں حسن محبوب پر مردان عرب اور عاشقان رسول اپنی گردنیں کٹا دیئے۔

حسن یوسف پہ کٹی مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پر مردانِ عرب

امام اہلسنت پیشوائے امت۔ مجدد دین وملت شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں میرے آقا ﷺ حُسنِ کل ہیں۔ دنیا بھر کے حسین وجمیل حسنِ محمد کی ایک جھلک

ہیں، ﷺ، حضرت یوسف علیہ السلام کوحسن کا ایک حصہ ملا تھا مگر میرے آقا ﷺ کو پورا حسن دیا گیا تھا۔ جمالِ محمدی پورے عالم پہ چمکا اسی کی چمک حضرت یوسف میں ہے، حضرت آدم میں ہے، حضرت نوح میں ہے، حضرت ابراہیم میں ہے، حضرت یحیٰ اور زکریا میں ہے، حضرت داؤد وسلمان میں ہے، حضرت موسیٰ وعیسیٰ میں ہے، اسی کی چمک شمس وقمر میں ہے، بحر وبر میں ہے، ہر خشک وتر میں ہے، فرش پر اسی کی جھلک ہے، عرش پر اسی کی چمک ہے، جنت میں اسی کی مہک ہے، سینۂ عشاق میں اسی کی کھٹک ہے، مستوں میں اسی کی لٹک ہے، ہر جامِ عشق میں اسی کی جھلک ہے، ہر حسن میں اسی کا نمک ہے، بریلی سے میرا امجد کہتا ہے۔

انہیں کی بو مایۂ سمن ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

دیکھو محبت کے لئے کچھ نظر آنا ضروری ہے۔ آنکھ ہو، رخسار ہو، چہرہ ہو، اللہ آنکھ، ناک، کان، سے پاک ہے، فرمایا اے دنیا والو! اگر صورت پہ مرتے ہو تو ایسی صورت بناؤں گا جسے دیکھ کر زمانہ کہے گا کہ۔

تیری صورت سے نہیں ملتی کسی کی صورت
ہم جہاں میں تیری تصویر لئے پھرتے ہیں

اے دنیا والو صورت میرے محبوب کی دیکھتے جاؤ اور محبت مجھ سے کرتے جاؤ
فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ۔

دوستو! اس دنیا میں بڑے بڑے حسین آئے آج ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ ان کی روحوں کو سلام کرنے والا کوئی نہیں۔ ان کے حسن کے چرچے ختم ہوگئے، ان کے چاہنے والے ان سے محبت کرنے والے نہ رہے لیکن ہمارے آقا ﷺ ایسے محبوب ہیں، ایسے حسین وجمیل ہیں کہ خدا کی خدائی آپ کے حسن کی دیوانی اور خدا بھی آپ کے حسن کا مشتاق خدا غفور الرحیم ہے۔ مصطفیٰ رؤف الرحیم ہیں۔ خدا بھی رحیم مصطفیٰ بھی رحیم مگر وہ رحیم بنانے والا اور یہ رحیم بننے والے، غفور میں ریب نہیں، حضور میں عیب نہیں، خدا بھی بے مثل وبے مثال، مصطفیٰ بھی بے مثل وبے مثال، وہ خدائی میں بے مثال یہ مصطفائی میں بے

مثال، خدا جیسا محب نہیں مصطفیٰ جیسا محبوب نہیں، خالق میں خدا جیسا نہیں مخلوق میں مصطفیٰ جیسا نہیں، خدا بھی لاجواب مصطفیٰ بھی لاجواب، ان کے حسن جیسا کوئی حسن نہیں ہے، ان کے ولادت جیسا کسی کی ولادت نہیں، ان کے بچپن جیسا کسی کا بچپن نہیں، ان کے جوانی جیسا کسی کی جوانی نہیں، ان کے شباب جیسا کسی کا شباب نہیں، ان کے بڑھاپے جیسا کسی کا بڑھاپہ نہیں، ان کے معجزے جیسا کسی کا معجزہ نہیں، ان کے یاروں جیسا کوئی یار نہیں، ان کے جاں نثاروں جیسا کسی کے جاں نثار نہیں، ان کے اہلبیت جیسا کوئی اہلبیت نہیں، ان کے آل جیسا کسی کی آل نہیں، ان کے کعبے جیسا کوئی کعبہ نہیں، ان کے مدینے جیسا کوئی مدینہ نہیں، ان کے قرآن جیسا کوئی کتاب نہیں، ان کے نظام جیسا کوئی سسٹم نہیں، نہ قرآن کے سورتوں جیسی کوئی سورت، نہ مصطفیٰ کی صورت جیسی کوئی صورت، دنیا جب قرآن کی مثال نہ لاسکی اور نہ صبح قیامت تک لاسکے گی تو صاحب قرآن کی مثال کہاں سے لائے گی۔

دل میں دنیا سوچتی ہے مصطفیٰ کو دیکھ کر
وہ مصوّر کیسا ہوگا جس کی یہ تصویر ہے

حضور پرنور ﷺ کی حالت بشری تو سب نے دیکھی اور حالت نورانی زمین پر صدیق نے دیکھی۔ آسمان پر گئے تو فرشتوں نے دیکھی، سدرہ پر گئے تو جبرئیل نے دیکھی، لامکاں پہ گئے تو جبرئیل بھی نہ دیکھ سکے صرف ربّ جلیل نے دیکھی شیخ محقق عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بشریت کا پردہ جمال محمدی پہ نہ ہوتا تو کسی میں بھی دیکھنے کی مجال اور طاقت نہ ہوتی۔

اک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

حضرت امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اعظم کے شاگرد ہیں وہ بہت ہی حسین وجمیل تھے اسی لئے پردہ کرتے۔ اتنے خوبصورت تھے کہ ایک مرتبہ یہودی نے ان کو دیکھ لیا اور دیکھتے ہی مسلمان ہوگیا۔ اس سے پوچھا گیا تو کہنے لگا! جب چھوٹا محمد (امام محمد شیبانی) اتنا خوبصورت ہے تو بڑا محمد (ﷺ) کتنا خوبصورت ہوگا۔ (سبحان اللہ)

جب حسن تھا ان کا جلوہ نما انوار کا عالم کیا ہوگا
ہر کوئی فدا ہے بن دیکھے دیدار کا عالم کیا ہوگا
جب ان کے گدا بھر دیتے ہیں شاہان زمانہ کی جھولی
محتاج کا جب یہ عالم ہے مختار کا عالم کیا ہوگا

امام اہلسنت سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں کہ ساری کائنات کا حسن و جمال ایک طرف اور آقا ﷺ کے زلف مبارک کا بال ایک طرف، اسی لئے تو اللہ اس زلف معنبر کی قسمیں کھا رہا ہے۔ وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى فرما رہا ہے، اے میرے محبوب آپ کے چہرۂ انور کی قسم! آپ کے زمانے کی قسم! آپ کے سرگیں آنکھوں کی قسم! آپ کے رخ روشن کی قسم، آپ کی لہراتی ہوئی زلفوں کی قسم! آپ کے حسن وادا کی قسم! میرا امجد داور امام کہتا ہے۔

کھائی قرآن نے خاکِ گذر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ والضحیٰ سے مراد چہرۂ مصطفےٰ ہے اور والیل سے مراد آپ کی زلف عنبریں ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ نے آپ کے حسن کو چڑھتے ہوئے سورج سے کیوں تشبیہ دی جب کہ چڑھتے ہوئے سورج میں روشنی اور چمک کم ہوتی ہے۔ کہنا تھا تو دوپہر کا سورج کہا ہوتا کیونکہ دوپہر کے سورج میں روشنی اور چمک زیادہ ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت محدثِ بریلوی فرماتے ہیں کہ صبح کا سورج چڑھتا ہی جاتا ہے بڑھتا ہی جاتا ہے، اس کی چمک دمک اور روشنی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ اور دوپہر کا سورج ڈھلنے لگتا ہے، اس لئے اللہ نے اپنے محبوب کے حسن کو ڈھلنے والی چیز سے تشبیہ دینا گوارہ نہ کیا۔ فرمایا چہرۂ نبوی حسن جمال الٰہی کا مظہر اور تمام کمالات کا معدن ومخزن ہے۔

تمہاری شان سے بڑھ کر نہیں نبی کوئی
تری کتاب سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں
یہ انتخاب ہمارا ہی انتخاب نہیں
خدا کے گھر میں بھی آقا ترا جواب نہیں

چشم صدیق سے دیکھو

اگر کوئی انسان ایک نظر بھر کر جمال نبوت کا نظارہ کرے یا آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کا صحیح طور سے مطالعہ کرے تو اگر اس میں ذرا بھی عقل سلیم ہے تو وہ آپ کے نبوت و رسالت کے اقرار پر مجبور ہو جائے گا اور اسلام کے سوا اس کے لئے کوئی راستہ نہ ہوگا۔ البتہ وہ بدنصیب انسان جن کے دلوں پر کفر و شرک کی مہر لگ چکی ہے اور جو اپنے آنکھوں پر بغض و کینہ کی عینک لگائے ہوئے ہیں وہ اگر لاکھوں بار بھی جمالِ نبوت کے جلوے دیکھیں پھر بھی انہیں رحمت عالم ﷺ کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کا آفتاب نظر نہیں آسکتا۔ یہ ان کی اپنی آنکھوں کا قصور ہے جن پر حسد بغض و کینہ اور کفر و نفاق کی پٹی بندھی ہوئی ہے جس کی وجہ سے انہیں محمد عربی کے معجزات و کمالات اور اسلام کی حقانیت نظر نہیں آتی۔

ابوجہل نے حضور کو کئی مرتبہ دیکھا مگر حقیقت میں اس نے دیکھا ہی نہیں تھا، یہ میں نہیں کہتا اللہ کا قرآن کہتا ہے وَرَاهُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔ اے میرے محبوب تم ان کو دیکھتے ہو وہ تمہاری طرف نظریں تو کرتے ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں۔ وہ گونگے ہیں، بہرے ہیں، اندھے ہیں، بتاؤ مجھے یہ سارے کافر گونگے تھے بہرے تھے اندھے تھے لیکن اللہ فرماتا ہے اے میرے محبوب یہ دنیا بھر کی باتیں کرتے ہیں مگر تیرا کلمہ نہیں پڑھتے اس لئے گونگے ہیں۔ یہ دنیا بھر کی باتیں سنتے ہیں لیکن تیری بات نہیں سنتے اس لئے بہرے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ایمان والا وہ ہے جو حضور کا کلمہ پڑھے ایمان والا وہ ہے جو مصطفےٰ کا ذکر سنے، ایمان والا وہ ہے جو مصطفےٰ کو دیکھنے والی آنکھ رکھے اور جس نے آنکھ رکھ کر کے بھی مصطفےٰ کی بشریت دیکھی گویا اس نے حضور کو دیکھا ہی نہیں، حضور کو دیکھنے کے لئے ایمان کے نور کی ضرورت ہے اور جن میں ایمان کا نور نہیں وہ آقا کو اپنا جیسا بشر سمجھتے ہیں، حضور کو دیکھنے کے لئے ابوبکر صدیق کی آنکھ چاہئے۔ اے دیکھنے والے میرے حضور کو اگر صدیق

اکبر کی آنکھ سے دیکھے گا۔ حسان کی آنکھ سے دیکھے گا۔ عبداللہ بن سلام کی آنکھ سے دیکھے گا تو میرے حضور بے مثل و بے مثال نظر آئیں گے، اور اگر ابولہب اور ابوجہل کے آنکھ سے دیکھے گا تو اپنے جیسا نظر آئیگا۔ اب جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا نبی بے مثل و بے مثال ہے حسین ہے ساری کائنات میں بہترین ہے تو سمجھو اس کی آنکھ صدیق اکبر جیسی ہے اور جو اپنے جیسا کہتے ہیں ان کی آنکھ ابولہب اور ابوجہل جیسی ہے۔ سرکار کو دیکھنے کے لئے ایمان کے آنکھ کی ضرورت ہے تب حضور کا نور نظر آئے گا۔ اور قبر میں بھی وہی نور کام آئے گا۔ روشنی دیکھ کر عاشق قبر میں پہچان لیں گے اور کہیں گے آگیا وہ نور والا جس کا سارا نور ہے۔ محدث بریلوی فرماتے ہیں۔

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہو گی جب طلعت رسول اللہ کی

ہمارا عقیدہ

ہم اہلسنت حضور کو مکمل خیر البشر اور سراپا نور مانتے ہیں اللہ نے حضور کو بشر اس لئے نہیں بنایا کہ کوئی بشر بشر کہہ کے توہین کرتا پھرے بلکہ آپ کی بشریت اس لئے تھی کہ عالم بشریت، انسانی برادری حضور سے فیض پا سکے۔ اور نورانیت اس لئے تھی کہ عالم نور، اللہ کے فرشتے آپ سے مستفیض ہو سکیں۔ نہ بلال و سلمان محروم رہیں نہ جبرئیل و میکائیل ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی مخلوق خالص نور ہو کر بھی آقا کی گرد راہ کو نہیں پہنچ سکتی۔

محمد سرد حدت ہیں کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہیں حقیقت میں خدا جانے

ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی ہماری طرح نہیں بلکہ ہمارا نبی بے مثل و بے مثال ہے نبی کو اپنا جیسا بشر کہنا یا خطاب عامہ سے پکارنا شرعاً حرام ہے اور اگر توہین کی نیت سے کسی نے نبی کو بشر کہا تو کہنے والا کافر ہے۔ جیسا کہ قرآن خود شاہد ہے: مَآ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا۔ کافروں نے کہا اے محمد تم ہمارے جیسے بشر ہو۔ معلوم ہوا کہ نبی کو اپنا جیسا بشر کہنا کیا واقعی

حضور ہم جیسے بشر ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو آیت کریمہ میں اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ سے کیا مراد ہے۔ اللہ کا قرآن کہتا ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صرف دو معجزے دیکھے۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا اور مردوں کو زندہ کرنا ان دونوں معجزوں کو دیکھ کر ان کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اسی طرح یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کا صرف ایک معجزہ یعنی سو برس کے بعد زندہ ہونے کو دیکھ کر ان کو بھی خدا کا بیٹا کہہ دیا غرضیکہ اگلی امتوں نے انبیائے سابقین کے معجزات کو دیکھ کر ان کو خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ اب میں آپ کو بارگاہ مصطفیٰ میں لے چلوں اور بتاؤں کہ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ تمام نبیوں کو جو معجزات فضل و کمالات متفرق طور سے دیا گیا تھا وہ سب مجموعی طور پر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا کیا گیا۔ آپ کے دست حق پرست پر انبیائے سابقین کے معجزات سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر معجزے ظاہر ہوئے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ آقا علیہ السلام کے دست نبوت پر ایک لاکھ چوراسی ہزار معجزات کا ظہور ہوا۔ اشارہ پا کر چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ انگلیوں کے اشاروں سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا۔ حالانکہ سورج کو پلٹانا خدا کے اختیار میں ہے۔ حکم ربی سے آ کر بادل برسا۔ بے جان کنکریوں میں جان ڈال دیا۔ پتھروں نے سلامی دی۔ درختوں نے چل کر رسالت کی گواہی دی۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔ اشاروں پہ مردے زندہ ہوئے۔ غرضیکہ بے شمار معجزات کا ظہور ہوا تو خدشہ تھا کہ کوئی حضور کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیتا۔ اس لئے خدا نے اپنے محبوب سے فرمایا کہ اے میرے محبوب آپ کافروں سے فرما دیجیے کہ اے کافرو میرے معجزات کو دیکھ کر کہیں تم مجھے بھی خدا نہ کہہ دینا۔ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔

اب جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آقا نے اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ کافروں سے فرمایا اور اَیُّکُمۡ مِثۡلِیۡ ایمان والوں سے فرمایا تو جس کو جو کہا وہ اسی کی رٹ لگا رہا ہے تا کہ پتہ چلے کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ والے کون ہیں اور اَیُّکُمۡ مِثۡلِیۡ والے کون ہیں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہہ دے کہ تیری پیٹھ میری ماں کی طرح ہے یا تو میری ماں کی طرح ہے تو بیوی اس پر اس وقت تک حرام ہو جائے گی جب تک اس کا کفارہ نہ ادا کرے گا یعنی دوبارہ نکاح نہ پڑھائے گا۔ بیوی کو ماں کی طرح کہنے والے کو سزا اس

لئے دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو ماں کے مثل کیوں بنا دیا کیونکہ ماں کے قدموں میں جنت ہے۔ ماں کا دیکھنا عبادت ہے۔ ماں راضی تو خدا راضی۔ تو وہ خدا جو ہماری ماؤں کے مثل برداشت نہیں کرسکتا وہ اپنے محبوب کی مثال کیسے برداشت کرسکتا ہے جس نے اپنی بیوی کو ماں کی مثل کہہ دیا اس پر بیوی حرام اور جس نے سرکار کو اپنی مثل کہہ دیا اس پر جنت حرام۔ جب تک وہ اپنے تمام بدعقیدگی سے توبہ نہ کرلے جنت کا حق دار نہیں بن سکتا۔

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ۔

دیکھئے شاعر شعر پیش کرتا ہے۔ عالم علم پیش کرتا ہے۔ عطار خوشبو پیش کرتا ہے، کاریگر، معمار عمارت پیش کرتا ہے اور اپنی بنائی ہوئی اس خوبصورت عمارت کے ذریعہ اپنا تعارف کراتا ہے اور کہتا ہے لوگو! میں وہ ہوں جس نے تاج محل بنایا۔ میں وہ ہوں جس نے لال قلعہ بنایا۔ میں وہ ہوں جس نے قطب مینار بنایا۔ میں وہ ہوں جس نے چار مینار بنایا۔ معمار عمارت کے ذریعے اپنی پہچان کراتا ہے۔ یہاں خدا مصطفٰے کے ذریعہ اپنا تعارف کرا رہا ہے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ۔ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو دنیا کی تمام قوموں کے لئے ہادی بنا کر بھیجا۔ اسی لئے مجدد پاک فرماتے ہیں کہ میں خدا کو اس لئے خدا مانتا ہوں کہ وہ میرے محمد کا خدا ہے۔

ترے ہی نام سے ہر ابتدا ہے ترے ہی نام سے ہر انتہا ہے
تری حمد وثناء الحمد للہ کہ تو میرے محمد کا خدا ہے

معمار کے تعمیر کی جتنی تعریف کرو وہ خوش ہوگا۔ اس میں عیب نکالو گے کبھی خوش نہ ہوگا۔ خدا کی قسم آقا کی جتنی تعریف کرو گے اس سے خدا خوش ہوگا لیکن اگر اس کے محبوب میں عیب نکالو گے کبھی خوش نہ ہوگا۔ نمازیں منھ پہ ماردی جائیں گی۔ سارے اعمال برباد کر دیئے جائیں گے اور منھ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ سوچو! جب عیب والا کسی عیب والے کو محبوب نہیں بناتا تو بےعیب کیسے عیب والے کو محبوب بنائے گا۔ اللہ نے اپنے محبوب کو تمام عیبوں سے پاک رکھا ہے۔ حضور کو اللہ نے اتنا حسین وخوبصورت اس لئے بنایا کہ جب آپ بتوں کی عیب بیان فرماتے تو کافر کہہ سکتے تھے آپ ہمارے بتوں میں عیب

نکالتے ہیں آپ اپنے خدا کو لائیں ہم اس میں عیب نکالیں گے۔ اللہ نے محبوب کو اتنا حسین بنایا فرمایا خدا کی بات تو بعد میں کرنا پہلے میرے محبوب میں عیب نکال کر دکھاؤ۔ جب یہ بے عیب ہے تو اس کا بنانے والا کیسے عیب دار ہوسکتا ہے۔ فرمایا اے دنیا والو تم عیب کے پاس مت جانا۔ اے انسانو تم عیب کے قریب مت جانا۔ مفسرین کو حکم دیا تم عیب کے قریب مت جانا۔ محدثین کو حکم دیا تم عیب کے قریب مت جانا۔ علماء کو حکم دیا تم عیب کے قریب مت جانا۔ مسلمانو! قربان جاؤ اپنے نبی کی شانِ عظمت پہ یہاں عیب کو حکم دیا خبردار اے عیب تو ہمارے نبیوں کے قریب مت جانا۔ قرآن لاریب ہے نبی بےعیب ہے اسی لئے تو بریلی کے تاجدار فرماتے ہیں:

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

نور مجسم ﷺ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں سحری کے وقت کپڑا سی رہی تھی۔ چراغ جل رہا تھا کہ اچانک ہوا کا ایک جھونکا آیا اور چراغ بجھ گیا اچانک اسی دوران سوئی ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی میں نے بہت تلاش کیا مگر نہیں ملی میں حیران و پریشان ہوگئی کہ اتنے میں نور مجسم رحمت عالم ﷺ میرے حجرے میں داخل ہوئے۔ پوچھا عائشہ کیا تلاش کر رہی ہو۔ عرض کیا سرکار کپڑا سی رہی تھی سوئی گر گئی ہے۔ بہت تلاش کیا مگر نہیں ملی یہ سنکر آقا مسکرا پڑے۔ فرماتی ہیں بس مسکرانا تھا کہ پورا کمرہ روشن ہوگیا اور اسی روشنی میں میں نے اپنی سوئی اٹھالی۔ امام اہلسنت فرماتے ہیں۔

سوزنِ گمشدہ ملتی ہے تبسم سے تیرے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جب رحمت عالم نور مجسم ﷺ کو مکے سے دودھ پلانے کے لیئے اپنے گھر لائی تو میرے گھر میں ہر طرح سے رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہونے لگی۔ میرا گھر روشن ہوگیا۔ رات کے اندھیرے میں بھی مجھے چراغ کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ ایک دن میری پڑوسن اُمِ خولہ نے مجھ سے کہا اے حلیمہ تیل اتنا مہنگا ہے پھر بھی تو ساری ساری رات گھر میں چراغ جلائے رکھتی ہے میں نے جواب دیا اللہ کی قسم میں چراغ نہیں جلاتی یہ نور والے بچے کا نوری فیضان ہے کہ میرا گھر روشن رہتا ہے۔ ارے آقا کی شان تو یہ ہے کہ جس کے چہرے پر دست مبارک پھیر دیتے ہیں وہ چہرہ بھی سیاہ رات کو روشن کر دیتا ہے جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت اسید بن ایاس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو ان کے چہرے میں اتنا نور آ گیا کہ جب وہ کسی اندھیری جگہ یا کوٹھری میں جاتے تو وہ روشن اور منور ہو جاتی۔

دست نبوت کا اعجاز

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ید بیضا کا معجزہ عطا فرمایا تھا۔ وہ بغل میں اپنا ہاتھ چھپا کر جب باہر نکالتے تو سورج کی طرح چمکنے لگتا لیکن آؤ دیکھو میرے آقا کی یہ شان ہے۔ اللہ نے آپ کو یہ معجزہ دیا کہ صرف ہاتھ ہی نہیں بلکہ اگر کسی چیز یا کسی چھڑی کو ہاتھ لگا دیتے تو وہ لکڑی گلیوں اور بازاروں کو روشن کر دیتی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن بشیر اور اُسید بن حُضیر یہ دونوں صحابی حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے رات زیادہ دیر تک بیٹھے رہے۔ حضور سے باتیں کیں۔ جب جانے لگے تو عرض کیا سرکار! باہر بہت ہی اندھیرا ہے۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ راستہ پر خطر ہے۔ موذی جانوروں کا ڈر ہے۔ اندھیرے میں ادھر اُدھر پیر پھسلنے کا امکان ہے۔ آقا نے ایک چھڑی اٹھائی بس اٹھانا تھا کہ چھڑی ٹارچ کی طرح روشن ہوگئی۔ آپ نے صحابی کو دے دیا اور کہا لو اس کی روشنی میں گھر چلے جاؤ۔ دونوں صحابی بارگاہ رسالت سے اٹھے، کچھ دور ایک ساتھ چلتے رہے آگے چل کے دونوں صحابی کی منزلیں الگ الگ ہوگئیں۔ دونوں کی راہیں جدا ہونے لگیں۔ ایک کو داہنی طرف

دوسرے کو بائیں طرف سمت مخالف جانا ہے۔ اب کیا کیا جائے۔ مشعال ایک ہی ہے۔ صحابی نے اس مشعال والی چھڑی کو بیچ سے توڑ دیا اور اس ٹوٹے ہوئے لکڑی کو روشن چھڑی سے لگا دیا تو وہ بھی ٹارچ کی طرح روشن ہوگئی۔ صحابی نے دوسرے صحابی کو دے دیا اور وہ اس کی روشنی میں گھر تک پہنچ گئے۔

دوستو! یہ میرے آقا کی دست نبوت کا اعجاز ہے۔ نورانی ہاتھوں کا کمال ہے کہ اگر وہ لکڑی کو چھو جائے تو لکڑی روشن ہو جائے۔ (سبحان اللہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معجزہ سے اگر لکڑی کی نوعیت و کیفیت بدلی تو کچھ دیر بعد وہ اژدھا بن گیا پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ لکڑی بن گیا لیکن میرے آقا ﷺ کی یہ شانِ عالی ہے کہ ایک صحابی کو جن کی تلوار جنگ بدر میں لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی میرے آقا نے دیکھا تو انہیں کھجور کی ایک شاخ عنایت فرما دی وہ تلوار بن گئی اور ساری عمر تلوار ہی رہی اور وہ اس کو لے کر جہاد فرماتے رہے۔ سچ کہا کسی خوش عقیدہ شاعر نے:

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

ان واضح تشریحات کے بعد بھی جو حضور سے مثلیت کا دعویٰ کرے جی میں آتا ہے کہ اسے ایک آئینہ دکھادوں تا کہ وہ اپنا منحوس چہرہ اور گنجا سر دیکھ لے۔

حضور سے سب روشن ہیں

اللہ نے حضور کو سراجاً مُّنیرًا فرمایا۔ فرمایا اے میرے محبوب ہم نے تمہیں چمکانے والا روشن کرنے والا آفتاب، سورج بنا کر بھیجا جس طرح سورج کے آنے سے پہلے آسمان پر ستارے چمکتے ہیں یہ بتانے کے لئے کہ ہمارے بعد ہمارا فیض دہندہ آ رہا ہے۔ اسی طرح آسمانِ نبوت پر بھی آفتاب نبوت کے چمکنے سے پہلے سارے نبی ستارے بن کے چمکے۔ کوئی ستارہ آدم صفی اللہ بن کے چمکا، کوئی ستارہ نوح نجی اللہ بن کے چمکا، کوئی ستارہ ابراہیم خلیل اللہ بن کے چمکا، کوئی موسیٰ کلیم اللہ بن کے چمکا، کوئی عیسیٰ روح اللہ بن کے چمکا یہ بتانے کے لئے کہ ہمارے بعد ساری دنیا کا نجات دہندہ آ رہا ہے۔ چنانچہ انجیل کے

سولہویں باب میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے بڑے ہی
نرالے انداز میں وعظ فرمایا۔ آپ کی وعظ سن کر لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ مجمع میں
سے ایک عورت خوشی میں کھڑی ہو کر بولی۔ مبارک ہے وہ ماں اے عیسیٰ مسیح جس کا دودھ تو
نے پیا مبارک ہے وہ گود جس میں تم کھیلے۔ آپ نے فرمایا بے شک واقعی میری ماں بڑی
مبارک ہے مگر میری ماں سے بھی بڑھ کر ایک اور ماں اس دنیا میں آنے والی ہے جس کی گود
میں تمام نبیوں کا سردار رسولوں کا تاجدار اللہ کا آخری پیغمبر کھیلے گا۔ اس عورت نے پوچھا وہ
کون ہوگا اور اس کا حلیہ واوصاف کیا ہوگا۔ اس سوال پر آپ نے حضور کا نام پاک اور آپ
کا حلیہ وحالات بیان کیے اور کہا اے دنیا والو! میرے بعد ایک عظیم پیغمبر اس دنیا میں آنے
والا ہے جو محسنِ انسانیت ہے۔ معلم کائنات ہے جگت گرو ہے۔ جو ان پر ایمان لائے گا جو
ان کی پیروی کرے گا وہ دونوں جہان میں کامیاب رہے گا۔ اور جو ان کی نبوت و رسالت
سے انکار کرے گا ان کی نافرمانی کرے گا وہ دونوں جہان میں ذلیل وخوار ہوگا۔ وہ کونین کا
سرور ہے۔ ساقیٔ کوثر ہے۔ شافع محشر ہے۔ انبیاء کا افسر ہے جو حسین ہے اور ساری کائنات
میں بہترین ہے اس کا نام نامی احمد مجتبیٰ ہے محمد مصطفیٰ ہے۔ یہ سن کر سارا مجمع چیخ اٹھا پکارنے
لگا۔ اے محمد تو آجا ہمیں اپنا نوری جمال دکھا جا۔

ان تمام شواھد وحقائق سے معلوم ہوا کہ ستاروں میں جو نور ہے وہ آفتاب کا ہے سورج کا
ہے۔ سورج نے ستاروں کو چمکا دیا ہے۔ اسی طرح انبیائے کرام میں جو نور ہے وہ آفتاب
رسالت وماہتاب نبوت آقائے دو عالم محسنِ انسانیت محمد عربی ﷺ کا ہے۔ آفتاب رسالت
نے سب کو چمکا دیا ہے۔ سب حضور سے روشن ہیں حضور کسی سے نہیں۔

سورج کی روشنی اگر ایک سرمایہ دار کے محل کو روشن کرتی ہے تو دوسری طرف ایک
غریب مزدور کا جھونپڑا بھی اس کی روشنی سے محروم نہیں رہتا۔ آفتاب رسالت اگر ایک
طرف عثمان غنی اور عبدالرحمٰن بن عوف جیسے سرمایہ داروں کے گھروں کو روشنی بخش رہا تھا تو
دوسری طرف بلال وعمار کے جھونپڑے بھی اس سے محروم نہیں تھے۔ میرے آقا کا فیضان
نبوت عام ہے ہر جگہ برسا۔ جس طرح آفتاب کی روشنی بلا امتیاز مذہب وملت عام ہے۔

آفتاب اپنا نور دینے میں بخل نہیں کرتا کوئی خود ہی دروازہ بند کر لے تو اس کی مرضی۔ ابوبکر و
عمر نے دل کا دروازہ کھول دیا۔ آفتاب نبوت و رسالت نے ان کے سینے کو علم وعرفان کا
مدینہ بنا دیا جبکہ ابوجہل ابولہب اینڈ کمپنی نے دل کا دروازہ بند کر دیا محروم ہوگئے پھر دروازہ
بند بھی ہو تو سوراخوں سے روشنی پہنچ جاتی ہے پھر ابولہب نے دروازہ بند بھی کیا مگر ولادت کی
خوشی میں اپنی لونڈی ثُویبہ کو آزاد کرنے سے سوراخ ہو جاتی ہے۔ سوچو! ابولہب جیسے کافر کو
جب یوم ولادت کی خوشی سے فائدہ ہوا تو ہم جیسے غلاموں کو کیوں نہ ہوگا۔

چند علمی نکات

سراجًا مُّنیرًا کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح
البیان میں فرماتے ہیں کہ سورج بھی چراغ ہے اور حضور بھی چراغ ہیں۔ آں چراغ آسمان
است وایں چراغ زمین است۔ آں چراغ دنیا است وایں چراغ دین است یعنی سورج
آسمان کا چراغ ہے اور حضور زمین کے چراغ ہیں۔ سورج دنیا کا چراغ ہے اور حضور دین
کے چراغ ہیں، سورج نکلنے پر سوئے ہوئے لوگ بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور حضور کے آنے
سے ساری کائنات وجود میں آگئی۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آقا ﷺ کو اس لئے
سراج یعنی چراغ کہا گیا کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کئے جا سکتے ہیں اور پہلے
چراغ کی روشنی میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سید المرسلین ﷺ کے چراغ نبوت سے ہی
تمام انبیائے کرام کی نبوتوں کے چراغ روشن ہوئے اور اسی چراغ نبوت سے ساری
کائنات عدم کے اندھیروں سے نکل کر وجود کے اجالوں میں آئی۔ جیسا کی آپ نے خود
ارشاد فرمایا اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَکُلُّ خَلَائِقَ مِنْ نُوْرِیْ۔ میں اللہ کے نور سے ہوں اور
تمام مخلوق میرے نور سے ہیں۔

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اللہ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کو سراج یعنی چراغ کیوں فرمایا جبکہ سورج کی روشنی چاند کی چمک ستاروں کی دمک چراغ سے بہت زیادہ ہے تو سورج کہنا چاہئے۔ چاند کہنا چاہئے چراغ کیوں کہا۔ اس کے بہت سے وجوہات ہیں میں چند دجوہات اپنی معلومات کے مطابق پیش کرتا ہوں سماعت کیجئے۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ چاند وسورج کے بجائے چراغ اس لئے کہا گیا کہ سورج بہت دور ہے اور حضور ہر پکارنے والے کے قریب ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے **اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ** ۔ نبی تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ نیز قرآن کے مطابق چاند وسورج اور ستاروں کے راستے اور منزلیں مقرر ہیں۔ ان راستوں کے علاوہ وہ اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے مگر چراغ کے لئے کوئی راہ اور منزل مقرر نہیں۔ اسے جہاں کوئی چاہے لے جا سکتا ہے۔ جہاں اندھیرا ہو چراغ کو لے جایا جا سکتا ہے، سورج اور چاند کو نہیں لے جا سکتے۔ چراغ ہر جگہ حاضر کیا جا سکتا ہے چاند وسورج کو نہیں۔ اسی لئے حضور ہر جگہ حاضر بھی ہیں ناظر بھی ہیں۔

سنا ہے رہتے ہیں آقا فقط مدینے میں
غلط ہے رہتے ہیں وہ عاشقوں کے سینے میں

(۲) دوسری وجہ سید المرسلین ﷺ کو اس لئے چراغ کہا گیا کہ سورج کی طرف دیکھا جائے تو آنکھیں چندھیاں جاتی ہیں اور نظر نہیں ٹھہرتی، دل بھر جاتا ہے۔
دوبارہ دیکھنے کے لئے دل نہیں کہتا مگر چراغ کو کوئی جب بھی چاہے دیکھ سکتا ہے۔ دل نہیں اکتائے گا۔ اس لئے کہ سورج میں جلال ہے اور چراغ میں جمال ہے۔ جس نے بھی میرے آقا کو ایک بار دیکھا خدا کی قسم بار بار دیکھنے کے لئے وہ تڑپتا رہا۔

(۳) تیسری وجہ خواجۂ عالم کو چاند وسورج اس لئے نہیں کہا گیا کہ قیامت کے دن نہ سورج رہے گا نہ چاند۔ ستارے جھڑ جائیں گے، سورج بے نور ہو جائے گا، چاند پھٹ

جائے گا۔ رب کو گوارہ نہ ہوا کہ اپنے محبوب کو ایسی چیز سے تشبیہ دے جو مٹنے والی ہو۔ یہ تو سب مٹ جائیں گے مگر امام الانبیا کی نبوت کا چراغ تو قیامت میں بھی چمکے گا۔

(۴) چوتھی وجہ یہ کہ لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ اللہ نے مناسب نہ سمجھا کہ جس چیز کی لوگ پوجا پاٹ کریں اس چیز اور اس مخلوق کا نام میں اپنے محبوب پاک کو دوں اس لئے خدائے تعالیٰ نے حضور کو سورج کے بجائے چراغ کہا کیوں کہ آج تک کسی نے چراغ کو رب نہیں مانا۔ نیز چاند وسورج اور ستاروں کی روشنی اوپر کو منور کرتی ہے۔ زمین کے تہہ خانوں میں نہیں جاتی جبکہ چراغ کو زمین کے تہہ خانے میں لے جایا جا سکتا ہے اور اس سے زمین کی باطنی اور اندرونی حصے کو روشن کر سکتے ہیں۔ بعینہٖ حضور کا چراغ نبوت صرف ظاہر ہی کو روشن نہیں کرتا، دلوں کو بھی نور ایمان سے روشن کر دیتا ہے اور قبر کے ظلمت کدے کو بھی **نورٌ علی نور** فرما دیتا ہے۔

(۵) پانچویں وجہ حضور کو چراغ کہنے کی یہ ہے کہ سورج چاند اور ستارے اپنا قائم مقام نہیں رکھتے یعنی ان سے کسی چیز کو روشن ومنور نہیں کیا جا سکتا اور ان سے کوئی اپنا چراغ بھی نہیں جلا سکتا جبکہ چراغ سے ہزاروں چراغ جلائے اور روشن کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ چراغ مصطفویٰ سے آج تک روشنی لے کر ولایت کے چراغ روشن کیے جارہے ہیں۔ نیز دنیا کے چراغوں کو پھونکوں سے بجھایا جاتا تیز ہوائیں اور آندھیاں اس کو گل کر دیتی ہیں۔ یہ چراغ جلتے اور بجھتے ہیں مگر چراغ نبوت یہ وہ چراغ ہے جسے انسان نے نہیں بلکہ رحمٰن نے روشن کیا ہے اور جسے رحمان روشن کرے اسے سراج منیر کہتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے
یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔
اے میرے محبوب تیری نبوت کے چراغ کو میں نے روشن کیا ہے۔ کفار ومشرکین چاہتے ہیں کہ نور خدا کو پھونکوں سے بجھا دیں لیکن وہ صبح قیامت تک ایسا نہ کر سکیں گے۔

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

(۶) چھٹی وجہ حضور کو روشن چراغ کہنے کی یہ ہے کہ گھر والوں کے لئے چراغ راحت

خوشی، امن وسلامتی کا باعث ہوتا ہے اور چور ڈاکوؤں کے لئے شرمندگی اور سزا کا باعث ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس گھر میں چراغ جلتا ہو اس گھر میں چور نہیں آسکتے اور جس دل میں حضور کے محبتوں کے چراغ روشن ہوں اس دل میں شیطان نہیں آسکتا۔ نیز اندھیری کوٹھری میں اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو وہاں سورج کی روشنی کام نہیں آئے گی بلکہ چراغ کی روشنی ہی کام آئے گی۔ چراغ کی روشنی میں ہی اسے تلاش کیا جاسکتا ہے۔ بعینہٖ اگر کسی کا زیور ایمان گم ہو جائے تو حضور سید المرسلین کی نبوت ومحبت کے چراغ سے ہی اسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ چراغ تو بجھانا بھی پڑتا ہے جب گھر والے گھر کا کام کاج کر لیتے ہیں۔ مدرسہ اور اسکول کے بچے جب ہوم ورک کر چکتے ہیں اور جب گھر والوں کو سونا ہوتا ہے تو گھر کا مالک نوکر کو کہتا ہے کہ چراغ بجھا دو تو وہ بجھا دیتا ہے مگر کملی والے آقا کی مالک کی یہ شان ہے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ کملی والے آقا کا مالک وہ ہے جسے نیند ہی نہیں آتی لہٰذا یہ چراغ ہمیشہ روشن رہے گا۔ جب تک اللہ موجود ہے اس چراغ کو کوئی بجھا نہیں سکتا۔ بجلی کے بلب کو ہزار بار پھونکیں مارو وہ نہیں بجھے گا اس لئے کہ اس کا منبع اور مرکز پاور ہاؤس ہے وہ بلب زبانِ حال سے پکار اٹھے گا کہ مجھے پھونکیں مار کر بجھانے والے مجھے بجھانا چاہتا ہے تو پہلے اسے بجھا کے آ جہاں سے میں آیا ہوں اور آقا فرماتے ہیں دنیا والوں جانتے ہو میں کہاں سے آیا ہوں اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ میں اللہ کے نور سے ہوں مجھے بجھانے کے لئے اللہ کے نور کو بجھانا ہوگا اور اللہ کا نور نہ بجھا ہے نہ بجھے گا۔ شاعر کہتا:

(۱) نور حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

(۲) جمال یار کی رعنائیاں بیاں نہ ہوئیں
بہت ہی کام لیا میں نے خوش بیانی سے

●●●

میلاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نحمدہٗ ونصلی علی رسول الکریم

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔

اے لوگو! اللہ کی فضل اور اس کی رحمت کے ملنے پر خوشیاں مناؤ۔

(پ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۸۵)

یہاں پر غور طلب بات یہ ہے۔ عربی گرامر کے اعتبار سے فَلْيَفْرَحُوْا صیغۂ امر ہے اور جمع غائب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت تک ہر مومن کو خوشیاں منانے کا حکم دے رہا ہے۔

دوستو! ہم عید میلاد کے موقع پر خوشیاں مناتے ہیں۔ درود وسلام کی محفل سجاتے ہیں۔ حمد الٰہی کے نغمے پڑھتے ہیں۔ نعت رسول پڑھتے ہیں۔ اپنے پیارے نبی کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمارا یہ طریقہ اور عمل قرآن کے حکم اور آئین کے مطابق ہے کیونکہ قرآن نے خدا کی رحمت اور اس کی فضل پر خوشیاں منانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اللہ کی فضل اور اس کی رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔

انسان کی زندگی میں خوشی کے بہت سے مواقع آتے ہیں جس میں انسان خوشی سے پھول جاتا ہے۔ خدا کو بھول جاتا ہے ایسی خوشی جس میں انسان پھول جائے اور خدا کی ذات کو بھول کے خلافِ شرع کام کرنے لگے۔ ایسی خوشی ناجائز اور حرام ہے۔ اور جس خوشی میں انسان کی نظر خدا کی ذات پر ہو، انسان کا سر سجدے میں ہو۔ ہونٹوں پر نغمات الٰہی ہو۔ زبان پر نعت رسول کا ترانہ ہو تو ایسی خوشی جائز اور عبادت ہے۔

دوستو! اس دنیا میں خوشیوں کی عمریں مختلف ہوتی ہیں۔ کوئی خوشی ایک گھنٹے کی ہوتی ہے، کوئی خوشی دن بھر کی ہوتی ہے، کوئی مہینے بھر کی، کوئی خوشی سال بھر کی مگر عید میلاد النبی کی خوشی ہمیشہ سے منائی گئی ہے اور ہمیشہ منائی جائے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے

کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی پیغمبر دنیا میں تشریف لائے سب حضور کی آمد کی بشارتیں دیتے ہوئے اور خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے ولادت کی دعائیں مانگیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی خوش خبری لوگوں کو دی اور یہ کہا کہ اے لوگو! میں صبح کے اس تارے کی طرح ہوں جو آسمان پر چمک کر آفتاب کے آنے کی خبر دیتا ہے اور خبر دے کر آفتاب ہی کے دامن نور میں چھپ جاتا ہے۔ غرضیکہ سارے نبیوں اور رسولوں نے اپنی اپنی قوموں کو حضور پاک ﷺ کا میلاد پاک سنایا۔ چنانچہ انجیل کے سولھویں باب میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے بڑے ہی نرالے انداز میں وعظ فرمایا۔ آپ کی وعظ سن کر لوگوں کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں، مجمع میں سے ایک عورت خوشی میں کھڑی ہو کر بولی۔ مبارک ہے وہ ماں اے عیسیٰ مسیح جس کا دودھ تو نے پیا ہے۔ مبارک ہے وہ گود جس میں تم کھیلے ہو۔ آپ نے فرمایا بے شک واقعی میری ماں بڑی مبارک ہے مگر میری ماں سے بھی بڑھ کر ایک اور ماں اس دنیا میں آنے والی ہے جس کی گود میں نبیوں کا سردار رسولوں کا تاجدار کونین کا مالک ومختار اللہ کا آخری پیغمبر کھیلے گا۔ اس عورت نے پوچھا وہ کون ہوگا اور اس کے اخلاق واوصاف کیا ہوں گے۔ اس سوال پر آپ نے حضور پاک ﷺ کا نام پاک اور آپ کا حلیہ وحالات بیان کئے اور کہا اے دنیا والو! میرے بعد ایک عظیم پیغمبر دنیا میں تشریف لانے والا ہے جو ان کی پیروی کرے گا، ان پر ایمان لائے گا وہ دونوں جہاں میں کامیاب ہوجائے گا اور جو ان کی نافرمانی کرے گا وہ دونوں جہان میں ذلیل وخوار ورسوا ہوگا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے ایک دفعہ عیسیٰ علیہ السلام نے بڑے عجیب وغریب انداز میں وعظ فرمایا تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا اے مسیح کیا تو وہی ہے جس کی خبر حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے دی تھی اور جن کی آمد کا شور پوری دنیا میں مچا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں وہ نہیں ہوں بلکہ مجھ میں اس کا کچھ بھی نہیں، میں تو اس قابل بھی نہیں وہ تو میرے بعد آئے گا۔ اور اس کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ وہ خاتم النبیین ہے، فخر رسول ہے، کونین کا سردار ہے۔ ابنیاء کا افسر ہے۔ دنیا میں سب سے حسین ہے، ساری کائنات میں بہترین

ہے۔ زمین پر اس کا نام محمد ہے اور آسمان پر احمد ہے۔ فرش والے اسے محمد ﷺ کے نام سے پکاریں گے اور عرش والے اسے احمد کے نام سے پکاریں گے۔ جس نے سب سے زیادہ اللہ کی تعریف کی ہو اسے احمد کہتے ہیں اور جس کی سب سے زیادہ اللہ نے تعریف کی ہو اسے محمد کہتے ہیں۔ یہ سن کر سارا مجمع چیخ اٹھا اور پکارنے لگا۔ اے محمد تو آجا ہمیں اپنا نوری جمال دکھا جا۔

سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ جب میرے شکم میں تشریف لائے۔ جلوہ گر ہوئے تو تمام برکات وعجائبات کا ظہور ہونے لگا۔ جب میں گھڑا اٹھا کر رسی ڈول لے کر کنویں پر پانی بھرنے کے لئے چلتیں تو سخت گرمیوں میں بادل میرے اوپر سایہ کر لیتے۔ میری ساری سکھیاں سہیلیاں دھوپ میں چلتی اور میں بادلوں کے سائے میں۔ پہلے جب چلتی تھی تو پتھروں سے میرے پیر زخمی ہوجاتے تھے لیکن جب سرکار میرے شکم میں تشریف لائے تو میں جس پتھر پہ قدم رکھتی وہ پتھر موم کی طرح میرے قدموں میں نرم ہوجاتا۔ جب میں کنویں پہ پہونچتی تو میری سہیلیاں رسی ڈول کے ذریعہ پانی کھینچ کر نکالتی لیکن جب میری باری آتی، میرا نمبر آتا تو کیا دیکھتی کہ پانی نیچے سے خودبخود اوپر کناروں تک آجاتا اور غیب سے آواز آتی اے مقدس بی بی! تو زحمت نہ کر، تکلیف نہ اٹھا تو پریشان نہ ہو، پانی خودبخود تیرے قدموں میں آجائے گا۔

حضرت سیدہ آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دن میں بہت حیران ہوئی سوچنے لگی۔ آخر یہ بادل میرے اوپر سایہ کیوں کرتا ہے، پتھر موم کی طرح نرم ہو کر قدم کیوں چومتا ہے، پانی خودبخود اوپر کیوں آجاتا ہے، یہ ماجرا کیا ہے، یہ معاملہ کیا ہے۔ حضرت آمنہ ابھی یہ سوچ ہی رہی ہوتی ہیں کہ پانی سے، پتھروں سے، بادلوں سے آواز آتی ہے اے آمنہ تجھے پتہ نہیں تیرے شکم پاک میں عظمت والا پیغمبر صرف انسانوں ہی کا نہیں بلکہ پتھروں کا بھی وہ رسول ہے۔ بادلوں کا بھی وہ رسول ہے، سمندروں کا بھی وہ رسول ہے، خشک وتر کا بھی وہ رسول ہے، شمس وقمر کا بھی وہ رسول ہے، شجر وحجر کا بھی وہ رسول ہے، جن وبشر کا بھی وہ رسول ہے، تمام مخلوقات کا وہ رسول ہے۔ جہاں جہاں خدا کی خدائی ہے وہاں

وہاں مصطفیٰ کی مصطفائی ہے۔جس ذرہ، جس قطرہ، جس پتہ کے لئے اللہ رب العٰلمین ہے اسی ذرہ، اسی قطرہ، اسی پتہ کے لئے میرا رسول رحمۃ اللعٰلمین ہے۔تمام پیغمبروں کی رسالت کا دائرہ کچھ قوموں، کچھ نسلوں اور کچھ علاقوں ہی تک محدود تھا مگر میرا پیغمبر پوری نسل انسانیت کے لئے پیغمبر بن کر آیا۔میرا پیغمبر تمام پیغمبروں کا بھی پیغمبر ہے اور صرف یہی نہیں بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبروں نے میرے پیغمبر کا امتی بننے پر فخر محسوس کیا ہے۔میرا رسول سید المرسلین ہے، رحمۃ اللعٰلمین ہے، امام الانبیاء ہے، ساقی کوثر ہے اور مل کے کہہ دو تمام نبیوں کا افسر ہے۔

سیدہ آمنہ ؓ فرماتی ہیں کہ سرکار سید کائنات ﷺ میرے شکم میں تشریف فرما ہیں۔آٹھواں مہینہ ہے، شام کے وقت میں گھر سے نکلی چلتے چلتے حرم کعبہ میں پہونچی اور کعبہ کا طواف کرنا شروع کر دیا۔میں جب طواف کعبہ سے فارغ ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کعبہ خود میرا طواف کر رہا ہے۔میں بہت حیران ہوئی۔میں نے کعبے کو مخاطب کر کے کہا اے کعبہ کیا بات ہے ساری دنیا تیرا طواف کر رہی ہے اور تو میرا طواف کر رہا ہے۔کعبے سے آواز آئی اے بی بی آمنہ بے شک ساری دنیا کا کعبہ میں ہوں، نبیوں کا کعبہ میں ہوں، پیغمبروں کا کعبہ میں ہوں، رسولوں کا کعبہ میں ہوں، ولیوں کا کعبہ میں ہوں۔غوث وقطب کا کعبہ میں ہوں، تمام مومنوں اور مسلمانوں کا کعبہ میں ہوں لیکن میرا کعبہ وہ بچہ ہے جو تیرے شکم میں جلوہ فرما ہے۔(سبحان اللہ)

مسلمانو! اپنے نبی کی شان عظمت پہ قربان جاؤ جن کی برکت سے کعبہ بھی سیدہ آمنہ کا طواف کر رہا ہے۔ممکن ہے کوئی اعتراض کرے کہ بے جان دیواریں کس طرح چل سکتی ہیں، کس طرح آمنہ کا طواف کر سکتی ہیں، جواباً صرف اتنا کہوں گا کہ جو خدا بے جان پتھروں سے محبوب کو سلام کروا سکتا ہے، بے جان کنکریوں سے کلمہ پڑھوا سکتا ہے، درختوں سے اپنے محبوب کو رسالت کی گواہی دلوا سکتا ہے، وہ خدا کعبے کی بے جان دیواروں سے محبوب کے ماں کا طواف بھی کروا سکتا ہے لیکن یہ بات وہی مانے گا جو محبت والا ہوگا، عشق والا ہوگا، آنکھ والا ہوگا سرکار اعلیٰ حضرت دریائے عشق ومحبت فرماتے ہیں:

آنکھ والا تیرے جلووں کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

جس رات میں حضور کی ولادت ہوئی اس رات میں نبی کریم ﷺ کے دادا جان حضرت عبد المطلب ؓ طواف کعبہ کے لئے حرم چلے گئے تھے۔سرکار کی والدہ گھر میں بالکل اکیلی ہیں، ساس وفات پا چکی تھی۔سسر کعبے کی زیارت کے لئے جا چکا تھا۔ولادت سے چھ مہینے پہلے ہی خاوند کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔اچانک دردِ ولادت شروع ہو جاتی ہے، گھر میں کوئی نہیں ہے۔آمنہ اپنی بے بسی پر رو دیتی ہیں۔اِدھر آمنہ روئیں، اُدھر فرشتوں کے سردار جبریل امین نے بارگاہِ خداوندی میں سر جھکا کر عرض کیا مولیٰ! تیرے محبوب کی ولادت کا وقت قریب ہے، آمنہ اکیلی ہیں، تنہا ہیں۔پاس میں کوئی عورت نہیں۔فرمایا جبریل جا چار دائیوں کا انتظام کر جو آج تک کسی انسان کی دائیاں نہ بنی ہوں۔ان کے ہاتھ بھی پاک ہوں۔آنکھ بھی پاک ہوں، جسم بھی پاک ہوں، کپڑے بھی پاک ہوں، دل بھی پاک ہوں، عقیدہ بھی پاک ہو کیوں کہ آج میرے محبوب کا میلاد پاک ہے اس میں پاک لوگوں ہی کی ضرورت ہے۔عرض کی مولیٰ! فہرست عطا فرما۔نام تو بتا میں بلا لاتا ہوں۔ فرمایا جا حوّا کو بلا لاؤ، ہاجرہ کو بلا لاؤ، مریم کو بلا لاؤ، آسیہ کو بلا لاؤ۔یا اللہ! یہ حوا، ہاجرہ، مریم یہ تو نبیوں کی مائیں ہیں۔فرمایا کیا ہوا آنے والا بھی تو امام الانبیاء ہے۔یا اللہ! یہ آسیہ کو کیوں بلا رہا ہے یہ تو فرعون کی بیوی ہیں۔فرمایا ہم نے آسیہ سے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے کلیم کو پال میں تجھے اپنے محبوب کی دائی بننے کا شرف عطا کر دوں گا۔عرض کیا مولیٰ یہ تمام بیبیاں تو وفات پا چکی ہیں۔اپنی اپنی قبروں میں آرام فرما رہی ہیں، کیا میں قبروں پر جاؤں؟ ارے لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے کہ جبریل بھی قبر پجوا ہو گیا ہے۔فرمایا گھبرا نہیں میں تجھے ان قبروں پہ بھیج کر مسئلہ بتانا چاہتا ہوں کہ محبوب بندوں کی قبروں پہ ولیوں کی قبروں پہ جانا بدعت نہیں، جبریل کی سنت ہے۔جبریل تو آواز مارتے جانا میں ان کو جگاتا جاؤں گا تا کہ دنیا والوں کو پتہ چل جائے کہ اللہ کے پیارے اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اللہ کے حکم سے جہاں چاہیں آ جا سکتے ہیں۔فرمایا جبریل! عرض کیا جی رب جلیل۔فرمایا حوّا، ہاجرہ، مریم، آسیہ کو لے لو اور

سنو حوروں اور فرشتوں کی ایک جماعت بھی لے لو۔ سیدھے مکہ میں میرے محبوب کے والدہ کے گھر چلے جاؤ۔ جب میرے محبوب کی امی پوچھے کہ یہ کون ہیں تو کہنا کہ یہ سب محبوب کی دائیاں ہیں، حوریں نعت پڑھیں گی۔ فرشتے جشن ولادت کی خوشی میں جلوس نکال کر خوشی کا اظہار کریں گے تا کہ پتہ چل جائے کہ جشن عید میلاد النبی منانا بدعت نہیں فرشتوں کی سنت ہے۔

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ گھر کا سارا صحن عورتوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، حیران ہو گئیں۔ یا اللہ! یہ حسین وجمیل عورتیں میرے گھر کہاں سے آ گئیں۔ دروازہ بند ہے کنڈی لگی ہوئی ہے۔ ابھی آپ یہ سوچ ہی رہی تھیں کہ آگے بڑھ کر ان میں سے ایک بی بی نے آپ کے قدموں کو بوسہ دیا۔ دوسری نے ہاتھ چوما، تیسری نے پیشانی چوما، چوتھی نے آگے بڑھ کر سر چوم لیا۔ پوچھا اے بیبیو! تم کون ہو کہاں سے آئی ہے، بہت اچھی لگتی ہو، مکے کی نہیں لگتی، مدینے کی نہیں لگتی، عرب کی نہیں لگتی، عجم کی نہیں لگتی۔ پیر چومنے والی بی بی نے کہا میرا نام آسیہ ہے، ہاتھ چومنے والی بولی میرا نام حوا ہے۔ فرمایا تم تو میری مائیں ہو میرے لئے قابل تعظیم ہو، چاروں بیبیاں بول پڑیں، ٹھیک ہے ہم مائیں ہیں پر تیرا مرتبہ زیادہ ہے، ہم عام نبیوں کی مائیں ہیں مگر اے آمنہ تو نبیوں کے سردار کی ماں بننے والی ہے۔ مبارک ہو ہم سب تمہیں مبارک بادی دینے آئی ہیں۔

روایت میں آیا ہے کہ ولادتِ پاک کے وقت حضرت عبد المطلب خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ کعبہ بی بی آمنہ کے مکان کی طرف جھک گیا ہے۔ سجدہ کر رہا ہے۔ عبد المطلب نے جب کعبہ کو سجدہ کرتے دیکھا تو سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا اے کعبہ کے مالک یہ کعبہ آج سجدہ کیوں کر رہا ہے۔ فرمایا مجھ سے کیوں پوچھتے ہو کعبے سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔ کہنے لگے کعبہ بولے گا۔ فرمایا پہلے تو کبھی نہیں بولا تھا لیکن آج محبوب کی ولادت کی خوشی میں ضرور بولے گا۔

پوچھا اے کعبہ آج سجدہ کیوں کر رہا ہے، ساری دنیا تیرا طواف کرتی ہے، تیری طرف سجدہ کرتی ہے اور تو آمنہ کے مکان کی طرف سجدہ ریز ہے۔ کعبے سے آواز آئی اے سردار مکہ ٹھیک کہتے ہیں۔ ساری دنیا کا کعبہ میں ہوں۔ نبیوں کا کعبہ میں ہوں۔ ولیوں کا کعبہ میں

ہوں۔ سارے نسل انسانی کا کعبہ میں ہوں مگر میرا کعبہ وہ ہے جو آج پیدا ہوا ہے۔ حسان الہند امام اہل سنت دریائے عشق ومحبت سرکار اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

حاجیوں آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

خانۂ کعبہ سے آواز آرہی ہے شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بتوں کی گندگی سے پاک کرنے والا بھیج دیا۔ سرکار کے دادا جان حضرت عبد المطلب فرماتے ہیں میں کعبے کو سجدے میں دیکھ کر اور بتوں کی آواز سن کر خوشی خوشی گھر کی طرف دوڑا کہ دیکھوں تو سہی وہ کون سا بچہ ہے جس کی ولادت پر کائنات کا ذرہ ذرہ جھوم رہا ہے۔ کعبہ سجدے میں گرا ہے جب میں کعبہ سے نکل کر گھر کی جانب چلا تو صفا مروہ دونوں پہاڑوں کے بیچ چند فرشتوں نے مجھے کہا عبد المطلب مبارک ہو۔ میں نے کہا کس بات کی مبارک بادی دے رہے ہو۔ کہنے لگے تمہارے گھر اللہ کے مقدس اور آخری رسول تشریف لائے ہیں۔ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو۔ جب میں نے دیکھا تو ہر طرف اللہ کے معصوم فرشتے چکر لگا رہے تھے۔ جب میں اپنے مکان کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ کچھ پرندے میرے مکان کے ارد گرد چکر کاٹ رہے ہیں اور میرے مکان سے کستوری وعنبر کی خوشبو آرہی ہے اور ایک روشن چہرے والا انسان ہاتھ میں ننگی تلوار لئے میرے گھر کے دروازے کے سامنے پہرہ دے رہا ہے۔ میں حیران ہوا کہ یہ پہریدار کون ہے۔ کہاں سے آیا ہے کیوں پہرہ دے رہا ہے، میں نے اس پہریدار سے پوچھا مَنْ اَنْتَ جناب آپ کون ہیں۔ میرے گھر پہرے کیوں دے رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ بابا جی آپ کون ہیں۔ میں نے کہا میں اس گھر کا مالک ہوں۔ میرا نام عبد المطلب ہے، میں مکہ کا سردار ہوں۔ پہریدار مسکرا کر کہنے لگا اچھا تو آپ ہی عبد المطلب ہیں۔ فرمایا ہاں میں ہی عبد المطلب ہوں۔ آپ کون ہیں؟ کہا میں اللہ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہوں۔ اللہ نے میری ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں آپ کے مکان کا پہرہ دوں تا کہ کوئی عام انسان اندر نہ چلا جائے۔ اس لئے کہ آج آپ کے گھر دعائے خلیل، بشارت عیسیٰ جناب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے

ہیں۔ اللہ کے تمام فرشتے ان کے چہرے کی زیارت کر رہے ہیں۔

عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ میں جب حضور کی زیارت کے لئے مکان میں داخل ہوا تو سرکار ریشمی لباس میں ملبوس تھے۔ چہرے سے انوار الٰہی کے تجلیات پھوٹ رہے تھے۔ فرشتے زیارت کے لئے آرہے تھے۔ میں گنتی نہیں کر سکتا تھا۔ عرش کی بلندیاں انہیں سلامی دے رہی تھیں۔ تمام فرشتے درود وسلام کی ڈالیاں نچھاور کر رہے تھے۔ پورے مکے میں سرکار کی ولادت کی خبر پھیل گئی کہ عبدالمطلب کے گھر ایک ایسا خوبصورت بچہ پیدا ہوا ہے جو چاند سے بھی زیادہ روشن ہے جو بے مثل و بے مثال ہے۔ اعلیٰ حضرت سرکار فرماتے ہیں:

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی ہم نے چھان ڈالے ترے پائے کا نہ پایا
تجھے ایک نے اک بنایا، تجھے حمد ہے خدایا، تجھے حمد ہے خدایا

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب میری امت میں کوئی ایماندار بچہ پیدا ہوتا ہے تو فرشتے اس بچے کی ولادت پر خوشیاں مناتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ دیکھو سرکار کا فرمانبردار امتی دنیا میں تشریف لایا ہے۔

سوچو! جب امتی کی ولادت پر فرشتے خوشیاں مناتے ہیں تو امام الانبیاء کی ولادت پر فرشتے کتنے خوش ہوئے ہوں گے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سرکار کے آمد پر کائنات عالم کی ہر شے جشن مسرت میں ڈوب گئی۔ خدا کی ساری خدائی خوش ہوگئی۔ خود خدا بھی خوش ہوگیا۔ فرمایا اے جبریل محبوب کی پیدائش کی خوشی میں کوئی ایسی چیز بانٹو جو ایک عرصے تک باقی رہے۔ عرض کی مولیٰ پھر تو ہی بتا کیا تقسیم کروں۔ فرمایا محبوب کی ولادت کی خوشی میں آج پوری دنیا میں جس عورت کے یہاں بچی پیدا ہونے والی ہے جا لڑکے تقسیم کر دے۔ جبریل عرض کئے مولیٰ! یہ لڑکے تقسیم کرنے کا حکم کیوں دے رہا ہے۔ فرمایا جبریل یہ عرب کے لوگ بڑے سنگ دل ہیں۔ بڑے ظالم ہیں، بڑے قاتل اور جلاد ہیں، یہ بیٹیاں پیدا ہوتے

ہی مار کر قبروں میں دبا دیتے ہیں۔ یہ لڑکیوں کے قاتل ہیں۔ آج میرے محبوب کی ولادت کا جشن ہے، آج رحمت عالم دنیا میں تشریف لا چکے ہیں۔ آج اگر کسی کے یہاں بچی پیدا ہوئی تو اسے بھی مار دیا جائے گا۔ اسے بھی قبر میں زندہ دفن کر دیا جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی بیٹی کو قتل کر کے بیٹی کو جان سے مار کے میرے محبوب کی رحمت والی چادر پہ دھبہ لگائے۔ اس لئے آج محبوب کی رحمت کے صدقے میں جہاں جہاں بیٹی پیدا ہونا ہے وہاں وہاں ساری ماؤں کو بیٹے تقسیم کر دو۔ چنانچہ صرف اس رات میں نہیں بلکہ اس سال ہر عورت کے گھر لڑکا ہی پیدا ہوا تا کہ محمد عربی کی بزرگی اور شان عظمت سب پہ ظاہر ہو جائے، سچ ہے۔

دو عالم کی بستی بسی ان کے صدقے
نبی ان کے صدقے ولی ان کے صدقے

جب حضور سید عالم ﷺ پیدا ہوئے تو سارا ماحول جشن مسرت اور خوشیوں میں ڈوب گیا۔ آپ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب نے پورے مکہ میں اعلان کروا دیا کہ تمام مکے والے تین دن تک اپنے گھروں میں کھانا نہیں پکائیں گے بلکہ رئیس مکہ سردار مکہ عبدالمطلب کے گھر کھانا کھائیں گے۔ خادم کو بھیجا جاؤ اعلان کر دو اور اگر کوئی پوچھے تو بتا دینا کہ یہ کھانا عبداللہ کے بیٹے اور عبدالمطلب کے پوتے کی ولادت کی خوشی میں کھلایا جارہا ہے۔ اِدھر یہ اعلان ہو رہا ہے اور اُدھر عبدالمطلب نے ایک اور خادم کو بلایا اور اس سے کہا تم خانۂ کعبہ میں جاؤ اور اعلان کر دو کہ پوری دنیا سے جتنے بھی مہمان کعبہ شریف کی زیارت کے لئے آئے ہیں ان سب کو بلا لاؤ اور کھانا کھلاؤ پھر تو دنیا بھر سے آئے ہوئے تمام مہمان اور مکہ کا ہر فرد سرکار کی ولادت کی خوشی میں کھانا کھا رہا تھا اور جشن ولادت کی خوشی منا رہا تھا۔

جب تین دن پورے ہوگئے، عبدالمطلب گھر میں تشریف لائے۔ سرکار کو اپنے سینے سے لگا لیا اور ماتھا چوم کر کہا بیٹا! آج اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ہم نے اس کے بیٹے کی ولادت کی خوشی میں کتنا جشن منایا ہے۔ عید میلاد کی خوشی میں کتنا اہتمام کیا ہے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں بابا اپنے پوتے کا نام تجویز کیا ہے۔ فرمایا بیٹا ہاں نام تجویز کر لیا ہے۔ پوچھا کون سا نام تجویز کیا ہے۔ فرمایا میں اپنے پوتے کا نام محمد رکھوں

کیسا ہے۔عرض کی بابا جان بہت ہی اچھا نام ہے۔یہی نام ہونا چاہیے کیونکہ ایام حمل میں ہر مہینے کوئی نہ کوئی پیغمبر مجھے خواب میں آ کر بشارت دے جاتے اور کہہ جاتے کہ اے آمنہ تیرے پیٹ میں جو بچہ ہے یہ رحمتوں عظمتوں اور برکتوں والا ہے۔ یہ بچہ جب دنیا میں تشریف لائے تو اس کا نام محمد رکھنا۔کیوں کہ ہمیشہ ہر جگہ قیامت تک ان کی تعریف ہوتی رہے گی۔ان کا چرچا ہوتا رہے گا۔ان کی عظمتوں کا پرچم بلند رہے گا۔

عبد المطلب اپنے پوتے کو اٹھائے ہوئے سینے سے لگائے ہوئے باہر آئے۔کعبہ شریف کی حاضری دی اور تمام مکہ والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔اے مکہ والو! سنو میں نے اپنے پوتے کا نام محمد رکھا ہے کیونکہ اس بچے کی قیامت تک تعریف ہوتی رہے گی۔قیامت تک جس کی ساری خدائی تعریف کرے،عرش اس کی تعریف کرے فرش اس کی تعریف کرے،چاند اس کی تعریف کرے،سورج اس کی تعریف کرے،ستارے اس کی تعریف کریں،علماء اس کی تعریف کریں،فقہا اس کی تعریف کریں،اولیا اس کی تعریف کریں، انبیاء اس کی تعریف کریں،بحر و بر اس کی تعریف کریں،خشک وتر اس کی تعریف کریں۔ مختصر یہ کہ سارا جگ اس کی تعریف کرے اور حد تو یہ ہے کہ رب اس کی تعریف کرے اور جس کی تعریف رب کرے اسی کو محمد کہتے ہیں۔

نغمۂ اذاں بن کر گونجتا ہے نام ان کا
جس طرف نظر ڈالو ان کا بول بالا ہے

یہ حقیقت ہے کہ آج ساری دنیا میں میرے سرکار کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے اور قیامت تک بجتا رہے گا۔دیکھو سرکار کو دنیا سے پردہ فرمائے چودہ سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔ان چودہ سو سال میں کتنے وزیر آئے سفیر آئے،سلطان آئے بادشاہ آئے،شہنشاہ آئے۔آج ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ان کی روحوں کو سلام کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ان کے چرچے ختم ہو گئے۔ان کے چاہنے والے نہ رہے لیکن قربان جاؤں شان مصطفےٰ پر آپ کا چرچہ آپ کی تعریف آپ کی عظمتوں کے پرچم آج بھی لہرا رہا ہے اور صبح قیامت تک لہراتا رہے گا۔آپ کے چرچے ختم نہیں ہوئے بلکہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے چرچے

بڑھتے جاتے ہیں۔شان بلند ہو رہی ہے کیونکہ خالق کائنات کا وعدہ ہے محبوب! جوں جوں وقت گزرتا جائے گا ہم تیری شانِ عظمت بلند کرتے جائیں گے۔اسی بات کو امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی نے یوں پیش کیا ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر
ذکر اونچا ہے ترا بول ہے بالا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے دشمن تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

آقا کی جب ولادت پاک ہوئی تو اس عظیم مسرت کے ساتھ آمنہ کا دل بھر آیا۔مرحوم شوہر کی یاد آ گئی۔سوچنے لگیں کاش آج اس بچے کا باپ زندہ ہوتا تو وہ اپنے اس بچے کو دیکھ کر خوشیوں سے پھولے نہ سماتا۔وہ اپنے اس بچے کو بار بار سینے سے لگاتا اس کے لئے خوشبوئیں لاتا۔بازار سے اس کے لئے کھلونوں کا ڈھیر لگا دیتا۔کبھی کندھے پہ بٹھا کر کبھی انگلی پکڑا کر گھمانے پھرانے لے جاتا اور میں اپنے گھر کے چوکھٹ پہ بیٹھ کر اپنے بچے کی راہ دیکھا کرتی۔بیٹھی بیٹھی اس کی انتظار میں پلکیں بچھاتی۔یہی سب باتیں حضرت آمنہ سوچ رہی تھیں۔یہ تصورات تھے ایک بیکس ماں کے،یہ تصورات تھے ایک بے بس عرب خاتون کے۔انہیں تصورات میں جناب آمنہ کھوئی ہوئی ہیں کہ اچانک آپ کے دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے اور آپ پکار اٹھتی ہیں۔ہائے اب کون ہوگا جو میرے بچے کے لئے کھلونا لائے گا۔کون ہوگا جو میرے چاند کے لئے خوشبوئیں لائے گا،کون ہوگا جو میرے جگر پارے کی انگلی پکڑ کر چلنا سکھائے گا۔کون ہوگا جو اس کی یتیمی کا سہارا بنے گا۔آواز آئی اے آمنہ فکر نہ کر کھلونا مانگے گا تو چاند کا کھلونا بنا دوں گا۔درختوں کو انگلی کے اشارے سے نچا دوں گا۔پتھروں سے سلامی دلا دوں گا۔انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دوں گا۔سونے کے لئے دل کہے گا تو کعبہ میں حطیم کے پاس سلا دوں گا۔سیر و تفریح کے لئے دل کہے گا تو معراج کی

رات میں اپنے پاس بلالوں گا۔آسمانی دنیا کا سیر کرادوں گا۔(سبحان اللہ)

میلا د رسول کے سلسلے میں آیئے دیکھیں صحابہ کا طرز عمل کیا تھا۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دن اپنے محلے کے لوگوں کو گھر پہ بلایا جب تمام صحابہ تمام عاشقان رسول آگئے تو آپنے سب کو کھانا کھلایا اور فرش بچھایا تمام دوستوں کے سامنے اپنے نبی کا میلاد بیان کرنا شروع کر دیا۔ولادت کے واقعات لوگوں کو سنایا۔جسے سن کر لوگ عشق رسول میں جھوم اٹھے، بارگاہ خدا میں سجدہ ریز ہو گئے کہ مولیٰ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ہمیں ایسا نرالا حسین وجمیل محبوب عطا فرمایا پھر آپنے آقا پر سلام پڑھنا شروع کیا۔کہ اچانک آقا بھی آگئے۔سرکار نے دیکھ لیا کانوں سے سن لیا کہ میرے صحابہ میرا میلاد سن رہے ہیں۔مجھ پر درودسلام پیش کر رہے ہیں۔دریائے کرم جوش میں آگیا۔فرمایا اے میرا میلاد بیان کرنے والو اور سننے والو سنو تمھیں مبارک ہو۔صحابہ نے پوچھا آقا کس بات کی مبارک بادی دے رہے ہیں فرمایا تم سب پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔اور میں جنت میں اس وقت تک قدم نہیں رکھوں گا جب تک تم سب میرے ساتھ نہیں ہوگے۔سُنّی مسلمانوں مبارک ہو سرکار کا میلاد منانے والے وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کو میرے آقا ومولیٰ اپنی شفاعت کی خوشخبری سنا رہے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ خصائص کبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ میں فرماتے ہیں کہ سرکار کے صحابی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ایک دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے سوموار کا دن تھا۔حضور مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ابودرداء نے آقا کی بارگاہ میں سلام پیش کیا اور تھوڑی دیر بارگاہ رسالت میں سر جھکائے بیٹھے رہے۔تھوڑی دیر بعد سرکار سے گھر جانے کی اجازت مانگی۔میرے آقا نے فرمایا۔اے ابودرداء آج میرا دل مدینے کی گلیوں میں گھومنے پھرنے کے لئے چاہتا ہے۔عرض کیا آقا یہ غلام حاضر ہے جو حکم سرکار ہو۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔یہ کہہ کر آقا اٹھے اور چل پڑے۔میں بھی پیچھے پیچھے چل پڑا سرکار مدینہ کے بازاروں سے ہوتے ہوئے مدینے کے گلیوں سے پھرتے پھرتے حضرت عامر انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ حضرت عامر

انصاری رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں اپنے خاندان والوں کے ساتھ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی ساتھ محفل میلاد سجائے بیٹھے ہیں اور تمام لوگ باادب سر جھکائے اپنے نبی کا میلاد سن رہے ہیں۔سرکار کا صحابی میلاد پاک بیان کر رہا ہے۔آقا کی ولادت کا ذکر ہو رہا ہے۔آقا کی پیدائش کا بیان ہو رہا ہے کہ ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور حضرت آدم کی پیشانی سے چلتے چلتے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی بطن مبارک میں تشریف لا یا اور پھر اس طرح سرکار دنیا میں تشریف لائے۔

قربان جاؤں اس میلاد رسول پر جسے بیان کرنے والے بھی صحابی اور سننے والے بھی صحابی اور حقیقت میں میرے نبی کی شان جیسا صحابہ نے سمجھا کسی نے نہیں سمجھا۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عامر انصاری رضی اللہ عنہ اپنے گھر پہ اپنے خاندان اور محلے والوں کو جمع کر کے آقا کی میلاد بیان کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے میرے نبی کے یارو! آج کا دن تھا جس دن میرے نبی دنیا میں تشریف لائے اس دن ولادت کی خوشی میں کائنات کی ہر شئے جشن مسرت سے جھوم اٹھی۔خدا کی ساری خدائی خوش ہوگئی یہاں تک کہ خود خدا بھی خوش ہو گیا۔سرکار نے جب اپنے صحابہ کو اپنا میلاد بیان کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے عامر! عرض کی جی آقا۔فرمایا مبارک ہو۔عرض کی آقا کس بات کی فرمایا تمہارے اس عمل کو دیکھ کر اللہ نے تیرے لئے اپنے رحمتوں کے تمام دروازے کھول دیئے ہیں اِنَّ اللہ تَعَالیٰ فَتَحَ لَكَ اَبوَابُ الرَّحمَةَ وَالْملَائِكَةَ كُلُّهُم يَستَغفِرُونَ لَكَ ط فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے او پر اپنی رحمتوں اور بخششوں کا درروازہ کھول دیا ہے۔اور اللہ کے تمام فرشتے تیری بخشش کی دعا مانگ رہے ہیں۔حضرت عامر انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی آقا یہ خوشخبری صرف میرے لئے ہی ہے؟ فرمایا نہیں نہیں بلکہ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ قیامت تک جو بھی میرا امتی تیری طرح محفل سجائے گا۔میری نعتیں پڑھے گا۔میری شان عظمت بیان کرے گا۔میری میلاد سنے گا اور سنائے گا۔میری عظمتوں کے پرچم لہرائے گا۔اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمایا ہے۔

دوستو! حضور کا میلاد منانا بدعت نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے۔حصولِ برکت کا ذریعہ ہے اللہ رب العزت سے مانگنے کا بہترین طریقہ ہے دونوں جہان میں کامیابی کا راستہ ہے۔

بخشش اور نجات کا سند ہے۔

اللہ کا قرآن کہتا ہے کہ جس دن اللہ کی طرف سے کوئی نعمت عطا ہو وہ دن ایمان والوں کے لئے عید کا دن بن جاتا ہے۔ خوشی اور جشن کا دن بن جاتا ہے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ بارہ ربیع الاول شریف کے مبارک دن میں اللہ رب العزت کی طرف سے سب سے بڑی نعمت سید المرسلین رحمۃ اللعلمین امام الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی نورانی صورت نسل انسانی کو عطا ہوئی۔ اسی لئے تمام عاشقان رسول اس نعمت عظمٰی کی خوشی میں جشن عید میلاد النبی مناتے ہیں۔ مٹھائی تقسیم کرتے ہیں۔ کھانا کھلاتے ہیں۔ بازار سجاتے ہیں۔ چراغاں کرتے ہیں۔ جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ جھنڈے لہراتے ہیں۔ اپنے گھروں اور محلوں میں میلاد کی محفلیں منعقد کرتے ہیں نعت رسول اور درود وسلام پڑھتے ہیں۔ یہ سب قرآن کے آئین کے مطابق ہے۔ سرکار کی ولادت کے موقع پر یہ سب کچھ ہوا۔ حکم خدا سے جھنڈے جبریل نے لہرائے۔ درود وسلام اللہ اور اس کے فرشتوں نے پڑھا۔ مبارکبادی تمام مخلوقات نے دی۔ اعلان نبیوں نے کیا۔ منادی جبریل نے سنائی۔ اور گواہی شجر وحجر نے دی۔

روح الامین نے گاڑا کعبے کے چھت پہ جھنڈا
تا عرش اڑا پھریرا صبح شب ولادت

تفسیر اور سیرت کی کتابوں میں ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں حضور کے نور کو جب ڈالا تو ان کے پشت مبارک کے پیچھے کھڑے ہو کر فرشتے درود وسلام پڑھنے لگے، آدم نے عرض کیا مولیٰ یہ فرشتے میرے پیٹھ کے پیچھے کھڑے ہو کر کیا دیکھ کر درود وسلام پڑھ رہے ہیں آواز آئی يَنْظُرُوْنَ اِلٰى نُوْرِ مُحَمَّدٍ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ۔ اے آدم یہ نور محمدی کی زیارت سے فیضیاب اور محظوظ ہو رہے ہیں اور ان پر درود وسلام پڑھ رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ کے دل میں نور مصطفٰے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ عرض کیا یا اللہ! مجھے بھی اپنے محبوب کی زیارت سے مشرف فرما۔ تو اللہ نے حضور کے نور کو حضرت آدم علیہ السلام کی انگلیوں کی ناخنوں میں ظاہر فرمایا۔ حضرت آدم نے فرط مسرت وعقیدت سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگائے۔

معلوم ہوا کہ حضور کا نام نامی اسم گرامی سنکر درود شریف پڑھتے ہوئے انگوٹھا چومنا اور آنکھوں پر لگانا یہ ابو البشر تمام انسانوں کے باپ دادا حضرت آدم علیہ السلام کا طریقہ اور سنت ہے۔ اب جو اس طریقہ پر قائم ہیں سمجھو وہ اپنے باپ کی راہ پر ہیں بس وہی اس کے فرمانبردار ہیں اور جو اس طریقے کو ادا نہیں کرتے گو یا وہ اپنے باپ کی شرکش نافرمان اولاد ہیں۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نور مصطفٰے آدم کی پشت سے نکل کر نسلاً بعض نسلٍ پشت در پشت منتقل ہوتا ہوا حضرت عبد المطلب کے صلب میں جلوہ گر ہوا۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت عبد المطلب جوانی کے عالم میں ایک دن خانہ کعبہ میں حطیم کے پاس سو گئے جب آپ سو کر اٹھے تو عجیب کیفیت تھی۔ آنکھوں میں سرمہ اور سر پر تیل لگا ہوا تھا۔ نہایت خوبصورت لباس میں ملبوس تھے جن سے آپ کے جسن و جمال کا عالم ہی کچھ اور تھا، عبد المطلب اپنی اس نرالی ہیئت پر سخت حیرت زدہ تھے۔ خانہ کعبہ سے سیدھے گھر آئے۔ اپنے والد حضرت ہاشم بن مناف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا۔ وہ انہیں قریشی کاہنوں، نجومیوں اور جوتشیون کے پاس لائے اور پورا واقعہ بیان فرمایا جسے سنکر کاہنوں نے جواب دیا کہ آپ عبد المطلب کی شادی کر دیجئے۔ چنانچہ آپ نے شادی کر دی۔ تھوڑے عرصے کے بعد عورت فوت ہوگئی تو دوسری شادی فاطمہ بنت عمر سے ہوئی جس کے شکم سے ہمارے حضور کے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

علماء فرماتے ہیں جب تک نور مصطفٰے حضرت عبد المطلب کی پشت میں جلوہ افروز رہا ان کے بدن مبارک سے ہر وقت بھینی بھینی مشک وعنبر کی خوشبو آتی تھی۔ جہاں سے گزرتے فضا مشکبار ہو جاتی گلیاں مہکنے لگتیں۔ آپ کے دادا جان حضرت عبد المطلب بہت ہی متقی پرہیزگار اور موحد مومن مسلمان تھے اور اتنے بارگاہِ الٰہی میں مقبول تھے کہ اگر بارش نہ ہوتی اور مکہ میں قحط پڑ جاتا تو لوگ عبد المطلب کا ہاتھ پکڑ کر کوہِ صفا پر لاتے اور ان کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگتے تو اللہ بارش کا نزول فرما دیتا اور قحط دور ہو جاتی۔ (سبحان اللہ)

ادھر عبد المطلب کے پشت سے نور مصطفٰے منتقل ہو کر آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پشت میں جلوہ گر ہو گیا تو شیطان حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ پر طرح طرح

کے وار چلانا شروع کر دیا حضرت عبداللہ نہ صرف عبدالمطلب ہی کے آنکھوں کے تارے تھے بلکہ آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر مکہ کا ہر بوڑھا، جوان، مرد عورتیں سب فدا تھے شرم و حیاء اور شرافت کا آپ مجسمہ تھے۔ایک روز خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے طوافِ کعبہ سے فارغ ہو کر گھر کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں مکہ کی رہنے والی ایک حسینہ نے آپ کو اپنی طرف توجہ دلائی اور اپنی خواہش کی تکمیل پر ۱۰۰ سرخ اونٹوں کی پیشکش کی تو آپ نے اسے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور کہا کہ فعلِ حرام کے ارتکاب سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔ میں حلال کو پسند کرتا ہوں لیکن تم مجھے حرام کام کرنے کے لئے پھسلاتی ہو مگر شریف آدمی کو لازم ہے کہ وہ اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرے۔

اس کے بعد جب آپ گھر آئے تو طبیعت پر بے حد بوجھ تھا۔ بار بار آپکو یہ خیال آتا کہ میرے جیسا پاکیزہ کردار والے کی طرف اسے دیکھنے کی جرأت کیوں کر ہوئی۔آپ کے والد حضرت عبدالمطلب نے آپ کے اندرونی کیفیت کو جاننے کی کوشش کی مگر ایک غیرت مند انسان کی طرح آپ نے شرم وحیا سے کام لیتے ہوئے عرض کیا ابا جان گھر میں بیٹھے بیٹھے میری طبیعت کچھ اکتا سی گئی ہے آپ اجازت دو تا کہ میں ہرن کا شکار کھیل آؤں۔حضرت عبدالمطلب نے اجازت دے دی۔آپ جنگل میں شکار کھیلنے کے لئے تشریف لے گئے انھیں دنوں خیبر سے آئے ہوئے پانچ یہودی تاجر مکہ سے واپسی کا سامان باندھے آپس میں باتیں کرتے جا رہے تھے۔ان میں سے ایک نے کہا میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ وادئ بطحا میں ایک نبی کا ظہور ہوگا۔ دوسرا بولا بے شک مگر وہ ہماری قوم سے ہوگا تیسرے نے کہا ہماری قوم بنی اسرائیل کو اللہ نے پوری دنیا میں فضیلت دی ہے اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اولاد کے سوا کوئی نبی ہو ہی نہیں سکتا۔ چوتھے نے کہا وہ مدینہ پاک سے اٹھے گا اور ہماری قوم سے ہوگا۔ پانچویں نے ان چاروں کی باتوں کی تائید وتصدیق کی کہ اچانک شیطان ایک بزرگ کی شکل میں ظاہر ہوا اور نہایت مکاری عیاری سے اس نے ان پانچوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور کہا میں نے تمہاری ساری باتیں بیت المقدس میں بیٹھے بیٹھے سنی ہیں مگر میں تمہاری خیر خواہی کے لئے وہاں سے یہاں آیا ہوں۔ تمہیں مشورہ دینا چاہتا

ہوں تو اگر تم یہودی قوم کا بھلا چاہتے ہو تو سنو آج کل پروردگار کی توجہ عرب کے مشہور خاندان قریش کی طرف ہے۔ مکہ کے سردار عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کی پشت میں اس نبی کا نور منتقل ہو چکا ہے۔آخری نبی کا نور عبداللہ کے صلب میں آ چکا ہے۔اگر میری بات مانو تو عبداللہ کو قتل کر دو۔وہ بہت جلد اس وادی میں ہرنوں کی شکار کے لئے آنے والا ہے۔

سحر کے وقت نکلو غار سے میدان میں جاؤ
وہیں اس نوجواں کو قتل کر ڈالو جہاں پاؤ

اسی اثناء میں حضرت عبداللہ شکار کھیلتے ہوئے ان یہودیوں کے قریب پہونچ گئے آناً فاناً انہوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔آپنے ان کے وار روکے اور بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ پہلے ہی حلے میں ان کا ایک ساتھی ڈھیر ہو گیا۔ وہ تجربہ کار جنگ جو سوار تھے بہت دیر تک ان چاروں سے مقابلہ کرتے رہے۔

اسی دوران حضرت وہب بن عبد مناف کا اونٹ گم ہو گیا اس کی تلاش میں وہ ادھر آ نکلے۔ دیکھا کہ حضرت عبداللہ کو چار آدمی گھیرے ہوئے ہیں اور ان پر حملہ کر رہے ہیں۔ ان کے دل میں مدد کا خیال آیا سوچا چلو اس نوجوان کی مدد کروں۔ یہ سوچکر اٹھے ہی تھے کہ اچانک پاؤں میں کپڑا الجھ گیا اور گر پڑے۔ دوبارہ اٹھے تو پھر پھسل گئے۔ سر پر چوٹ آ گئی۔ تیسری مرتبہ پھر خون نے جوش مارا تو اچانک اژدھا راہ میں حائل ہو گیا، تقدیر پر شاکر دل میں سوچا کہ اب آنکھیں بند کر لوں کیونکہ میں ہاشمی شہزادے کو قتل ہوتے ہوئے دیکھ نہیں سکتا۔اس بات کے دل میں خیال آتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ چار فرشتے آسمان سے اترے اور ان یہودیوں کو ختم کر ڈالا۔ حضرت وہب وہاں پہونچے تو دیکھا ان کے سر قلم ہو چکے ہیں اور لاشیں تڑپ رہی ہیں۔ زخمی نوجوان عبداللہ کو حضرت وہب لیکر گھر آئے۔اور تمام ماجرا جو جنگل میں آپنے دیکھا تھا وہ کہہ سنایا حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور حضرت وہب بن عبد مناف کے دل میں اس عظیم الشان واقعہ کو دیکھنے کے بعد حضرت عبداللہ کی محبت نے گھیر کر لیا اور انہیں اپنا داماد بنانے کا پکا ارادہ ٹھان لیا۔

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد حضرت وھب بن عبد مناف اپنی آنکھوں سے حضرت عبداللہ کی شان وجلالت کا معائنہ کر چکے تھے۔تو ان کے دل میں آپکو اپنانے کے لئے خواہش کا پیدا ہونا فطری تقاضا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی نہایت ہی پاکباز صاحبزادی حضرت آمنہ کے عقد کے لئے حضرت عبدالمطلب سے بات کی انہوں نے آمادگی کا اظہار فرمایا اور پھر چند ہی دنوں کے بعد حضرت عبداللہ کا نکاح سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے میلاد کا تذکرہ بارہا فرمایا اور بڑے والہانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں، پہلا حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام جن کی قربانی کا واقعہ مکہ مکرمہ میں ظہور پذیر ہوا۔دوسرا میرے والد گرامی حضرت عبداللہ بن مطلب کا جن کی ذبح کا واقعہ بڑا ہی دل دوز ہے۔

سیرت نبوی کی تمام کتابوں میں ہے کہ ایک دن حضرت عبدالمطلب نے دعا مانگی، الٰہی تو مجھے دس بیٹے عطا فرما۔ جوان ہونے پر ان میں سے ایک تیری راہ میں قربان کروں گا۔ چنانچہ اللہ نے آپکو مختلف بیویوں سے دس فرزند عطا کئے۔جن میں حضرت عبداللہ سب سے زیادہ خوبصورت تھے، اور تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹے بھی تھے۔وعدہ کے مطابق حضرت عبداللہ کے ذبح کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ پورے مکے میں اعلان کر دیا گیا مگر مکہ کے تمام لوگوں نے اس قربانی کے خلاف اظہار خیال کیا اور کہا عبداللہ کو ذبح نہ کیجئے۔ اس کے بدلے میں ہم کو ذبح کر دیں ان کی جان کا کفارہ ہم سب اپنی جان سے دے رہے ہیں۔انہیں بخش دیا جائے۔ معاملہ بڑا نازک مرحلے میں داخل ہو گیا تھا۔ آخر کار سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے اور جب تک اونٹوں کے نام قرعہ کا فال نہ نکلے دس دس اونٹ کا اضافہ کیا جائے چنانچہ دسویں مرتبہ سو اونٹوں کے نام کا قرعہ نکلا جو حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے فدیئے میں ذبح کر دیئے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی والد ماجد حضرت عبداللہ کی زندگی محفوظ رکھی اور کیوں نہ ہو اللہ نے آپ کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خود اپنے ذمۂ کرم پر لے رکھا تھا۔ اللہ رب العزت اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

میرے محبوب جس طرح چاہو جہاں چاہو تبلیغ کرو تمہاری حفاظت ہم خود کریں گے۔ تمہارے دشمنوں سے ہم خود نپٹ لیں گے۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

تاریخ شاھد ہے کہ معلم کائنات محسن انسانیت محمد عربی ﷺ کی جلوہ گری سے پہلے انسانی کردار مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ پوری دنیا میں وحشت و بربریت کا دور دورہ تھا انسان حیوان بن گیا تھا۔روحانیت پر شیطانیت کا راج تھا۔ پھر وہ آفتاب رسالت طلوع ہوا جس کی کرنوں سے شب دیجور کا اندھیرا اجالوں میں بدل گیا۔ظلم وستم کی جگہ عدل وانصاف نے لے لی نفرت وعداوت کی جگہ پیار ومحبت کے گیت گائے جانے لگے۔تلوار کے دستے وقبضے پر ہاتھ رکھنے والے ہاتھ تعلیم واخلاق کے لئے میدانِ عمل میں نکلے۔ بچوں کو زندہ دفن کرنے والوں کے دلوں میں یک بیک رحم ومروت کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ایک مختصر سے عرصے میں زمانے کی کایا پلٹ گئی۔

ایک امی نے عرب کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذرّوں کو ہمدوش ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ھادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

میرے پیغمبر نے فاران کی چوٹی سے جب اپنی نبوت ورسالت کا اعلان کیا تو آپ کی آواز پر ابتدا میں چند پاکیزہ روحوں نے لبیک پکارا ابتدائی دور میں مسلمانوں کی زندگی جس تنگی اور غربت وافلاس میں گذری وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ان کے پاس نہ کوئی دولت تھی اور نہ ہی شاہی بنگلے وکوٹھیاں تھیں لیکن اس غربت اور فاقہ کشی میں بھی ان کو جو سکونِ قلب اور تسکین روح حاصل تھی وہ آج کی فضا میں کسی کو بھی حاصل نہیں جب ان کی پر شوق نگاہیں جمال مصطفےٰ کو دیکھ لیتیں تو نہ انھیں بھوک لگتی اور نہ ہی پیاس محسوس کرتے بلکہ دنیا کی ہر چیز بھول جاتے کیونکہ جمالِ یار کو دیکھنا ہی ان کے نزدیک سب سے بڑی نعمت تھی۔

ایمان کے مقابل انھیں دنیا کی ہر چیز ہیچ سے ہیچ تر نظر آتی تھی لیکن ان کی غربت وتنگدستی کو دیکھ کر مکہ کے فرعونی دماغ رکھنے والے کافر اسلام اور پیغمبر اسلام محمد عربی ﷺ کے جھوٹا ہونے کی ایک دلیل سمجھ لیتے کیونکہ دولت کے نشے نے ان کے آنکھوں پر پردے اور دلوں پر مہر لگادی تھی۔ یہاں تک کہ ان کے نزدیک حق وصداقت کا معیار ہی بدل گیا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مفلس اور غریب انسان خدا کی رحمتوں کا حقدار ہی نہیں ہوسکتا ہے ان کے نزدیک سچا وہی ہے جس کے پاس حکومت ہو۔ دولت ہو شہرت ہو، کرسی اور اقتدار ہو۔ اسی بنا پر وہ پیغمبر اسلام کی نبوت ورسالت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر خدا کو کسی کو نبی بنا کر بھیجنا ہی تھا تو مکے کے کسی بڑے سردار کو نبوت عطا فرماتا۔ آخر یہ نبی کیسے ہوسکتا ہے جو ٹوٹے ہوئے حجرے میں رہتا ہے۔ کھجور کی چٹائی پر بیٹھتا ہے۔ پھٹے ہوئے کپڑے پہنتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں پوری دنیا کا نبی ہوں۔ جگت گرو ہوں۔ معلم کائنات ہوں۔ اگر یہ نبی ہوتا تو اس کے پاس سونے کے خزانے ہوتے۔ ہیرے جواہرات کا ڈھیر ہوتا۔ دولت کا انبار ہوتا۔ رہنے کے لئے سنہرے محلات ہوتے، کھانے کے لئے مرغن غذائیں ہوتیں، پہننے کے لئے عمدہ اور زرق برق لباس ہوتے۔

جب ان کی غرور وتکبر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو پھر غیرت حق نے پکار کر کہا۔ اے میرے محبوب کی نبوت کو سونے اور چاندی کے خزانے سے تولنے والو! میرے محبوب کی نبوت کو زرق برق ریشمی لباس اور سنہرے محلوں میں تلاش نہ کرو۔ بلکہ میرے محبوب کی نبوت کو دیکھنا ہو تو کسی یتیم کے ٹوٹے ہوئے دل میں دیکھو میرے عزت وجلال کی قسم میرے محبوب کی شان تو یہ ہے کہ اگر وہ کہہ دیں تو میں پوری زمین کو ان کے لئے سونا بنا دوں۔ نواسۂ سرکار مفتی اعظم، مفتی عالم، شیخ العرب والعجم امام العلماء، ولی کامل، شاہ اختر رضا خان ازہری حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

جہاں بانی عطا کر دیں بھری جنت ہبہ کر دیں
نبی مختار کل ہیں جس کو جو چاہیں عطا کر دیں
فضا میں اڑنے والے یوں نہ اترائیں ندا کر دیں

وہ جب چاہیں جسے چاہیں اسے فرماں رواں کر دیں
جہاں میں ان کی چلتی ہے وہ دم میں کیا سے کیا کر دیں
زمیں کو آسماں کر دیں ثریا کو ثریٰ کر دیں
نبی سے جو ہو بیگانہ اسے دل سے جدا کر دیں
پدر مادر برادر جان و مال ان پر فدا کر دیں

آہستہ آہستہ زمانے نے کروٹ بدلی۔ لوگ بڑی تیزی کے ساتھ اسلام کے دامن میں پناہ لینے لگے وہی دلق پوشوں کی مقدس جماعت فاقہ مستوں کا متبرک گروہ اور صحرا نشینوں کا نورانی ٹولہ ساری دنیا کے لئے امن وسلامتی عدل وانصاف، اخوت ومحبت، لطف و کرم انسانیت اور مساوات سماننتا اور مانوتا کا ایک مضبوط قلعہ بن گیا اور پھر وہی غربت و افلاس کی زندگی بسر کرنے والے دنیا کے تاجدار بن گئے۔ اور انھوں نے دنیا سے ان تمام شیطانی اور فرعونی ظالم حکومتوں کا خاتمہ کیا جو مخلوق خدا کے لئے مصیبت بنی ہوئی تھیں۔

آج دنیا کے نفس پرست، انسانیت کے دشمن، ظالم حکمران، اقتدار اور کرسی کے بھوکے سیاسی لیڈر آئے دن اعلان کرتے رہتے ہیں کہ غریبو ہم تمہارے لئے ہیں امریکہ، انگلینڈ کی نام نہاد جمہوریت اور روس کی نسل انسانی کو تباہ کرنے والی آمریت اور دنیا کی تمام نام نہاد سیکولر حکومتیں بھی غریبوں کی حمایت کا مدعی ہیں مگر یہ سب دھوکہ ہے فراڈ ہے، فریب ہے، مکاری ہے عیاری ہے، ایسے اعلانات اور بیانات میں ذرا بھی سچائی نہیں۔ اس لئے کہ آج تک کسی حکمران نے اس کا عملی ثبوت پیش نہیں کیا۔ کوئی مہنگی چمکتی کار میں بیٹھ کر کوئی ہوائی جہاز میں اڑ کر کوئی ایئر کنڈیشن بنگلوں اور محلوں کی پر لطف فضاؤں میں رہکر غریبوں سے ہمدردی کا اعلان کرتا ہے مگر غریب کے آنسوؤں نے بھیگی ہوئی پلکوں سے دیکھا تو اسے موجودہ ترقی یافتہ دور میں ہر طرف مایوسی ہی مایوسی نظر آئی۔ پھر حسرت بھرے دل سے مدینے کی طرف نگاہ اٹھائی تو اس نے دیکھا کہ کائنات کا معلم جگت گرو۔ زمین وآسمان اور دونوں جہان کا شہنشاہ عرب وعجم کا تاجدار کونین کا والی۔ عرش اعظم کی آنکھوں کا تارا آمنہ کا دولارا عبداللہ کا لخت جگر اللہ کا پیارا محبوب مسجد نبوی کے حجرے میں ایک ٹوٹی ہوئی چٹائی پر

بیٹھ کر یوں دعا کر رہا ہے یا اللہ مجھے غریبوں میں زندہ رکھ اور مسکینی و غربت میں وصال عطا فرما۔ شاعر اسلام حضرت حفیظ جالندھری فرماتے ہیں۔

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریہ جس کا بچھونا تھا
سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

آج کے مہذب اور ترقی یافتہ دور میں غریبوں کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن دولت و سرمایہ داری کے نشے میں بدمست اور مغرور انسان یہ بھی نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد جتنی زمین کسی بڑے سے بڑے امیر کو ملتی ہے اتنے ہی غریب مزدور اور فقیر کو بھی ملتی ہے جتنا کفن ملک کے بادشاہ کو پہنایا جاتا ہے اتنا ہی کفن ایک بستی کے گدا کو دیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک آدمی شیر کی کھال پہن کر بڑی غرور و گھمنڈ میں چل رہا تھا ایک اللہ والے نے دیکھ کر عبرت ناک جملہ بولا اور اس کی کایا پلٹ کر رکھ دیا۔ فرمایا بھائی یہ کھال جس کی تھی اس کے پاس نہ رہی تو تیرے پاس کیا رہے گی اور ساتھ ہی ساتھ ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا اے غرور کرنے والے۔ اے دولت کے نشے میں رہنے والے دیکھ!

کیسے حسیں کے قبر پر کانٹوں کی باڑھ ہے
وہ پھول سا بدن وہ نزاکت کہاں گئی

گنبدِ خضریٰ سے ایک ہی پیغام آج بھی سنائی دے رہی ہے، کہ اے دنیا کے انسانوں، اے میرے دامن رحمت سے وابستہ ہونے والو اگر تم دنیا میں عزت و وقار سے رہنا چاہتے ہو تو میری تعلیمات کو عام کرو۔ میرے بتائے ہوئے راستے پر چلو! میری سنتوں پر عمل کرو، فتح و کامیابی تمہارے قدموں کا بوسہ لے گی۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

اے دنیا والو! آمنہ کے گھر میں دنیائے انسانیت کا وہ مسیحا آ گیا جس کا انتظار سب کو

تھا، خدا کا وہ نور آ گیا جس سے کائنات عالم میں اجالا پھیل گیا۔ وہ انسان آ گیا جس پر انسانیت مکمل ہوگئی، وہ نبی آ گیا جس کی نور نبوت سے تمام انبیائے کرام کے چراغ نبوت روشن ہوئے، وہ رسول آ گیا جو تمام نبیوں اور رسولوں کا سردار ہے وہ آقا آ گیا جسکی غلامی پر ہزاروں آقا قربان کئے جا سکتے ہیں۔ وہ مسیحا آ گیا جو بیمار انسانیت کو ظاہری باطنی بیماریوں سے نجات دینے والا ہے ہاں وہ دعائے خلیل آ گیا۔ نوید مسیحا آ گیا، بشارت انبیاء آ گیا رحمت والا آ گیا نور والا آ گیا، جس کی آمد بھی برکت ہے، جسکی ولادت بھی برکت ہے، جسکی زندگی بھی برکت ہے جس کا وصال بھی برکت ہے، جس کی تعلیمات بھی برکت ہے، جسکی غلامی بھی برکت ہے۔

●●●

ولادت رسول ﷺ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۔ (پ٦، سورۂ مائدہ، آیت نمبر ١٥)

سیرت نبوی کے حوالے سے علماء کے زبانی آپنے سنا ہوگا کہ ہمارے آقا ومولیٰ ﷺ دعائے خلیل ہیں۔ آپ کے تشریف آوری کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے جو دعا مانگی تھی اللہ نے اسے قبول فرما کر محمد رسول اللہ کو حضرت بی بی آمنہ کے گود میں ڈال دیا۔ آپ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول عیسوی ۵۷۱ء میں ہوئی۔ اس لئے میں آج آپ حضرات کے سامنے حضور کی ولادت اور بچپن شریف کے بعض معجزات کا تذکرہ کروں گا تا کہ آپ کو حضور کے بچپن کے کچھ حالات وواقعات سے واقفیت حاصل ہو سکے۔

خدا کی شان دیکھئے کہ حضور کی ولادت سے پہلے ہی اللہ نے آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سایہ سر سے اٹھالیا اور آپ کو یتیم پیدا کیا تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ میرا یتیم کسی دنیاوی سہارے کا محتاج نہیں ہے بلکہ بچپن ہی سے اس کی تعلیم و تربیت وہ ذاتِ پاک کرے گی جس نے اس کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجایا ہے۔

ابھی دنیا میں آپ کی تشریف آوری کا پہلا ہی دن تھا کہ ایوانِ قیصر و کسریٰ میں ہنگامہ برپا ہو گیا ہزاروں برس سے سلگائے ہوئے فارس کے آتش کدے بجھ گئے۔ کسریٰ کے شاہی محل کے کنگرے سلامی کے لئے جھک گئے۔ ہر طرف سے آواز آنے لگی رحمۃ اللعلمین آ گئے۔ اب بچیوں کو زندہ دفن نہیں کیا جائے گا۔ عورتوں پر ظلم نہیں ہوگا کمزوروں کو ستایا نہیں جائے گا۔ یتیموں کا حق مارا نہیں جائے گا کعبہ بتوں کی گندگی سے پاک کیا جائے گا۔ اب اس میں صبح قیامت تک معبودان باطل کی پوجا نہیں ہوگی۔ اب ہر طرف توحید کا ڈنکا بجے گا۔ ہر سمت اجالا ہی اجالا روشنی ہی روشنی ہوگی۔ کیونکہ

نور والا آیا ہے نور لے کر آیا ہے
دیکھو سارے عالم پر کیسا نور چھایا ہے

وہ دیکھو حرم کی طرف لات وھبل پر لرزہ طاری ہے وہ کپکپا رہے ہیں لرز رہے ہیں۔ کانپ رہے ہیں۔ ابوجہل کا اس طرف سے گزر ہوتا ہے۔ دیکھا میرے معبودوں پر لرزہ طاری ہے کہنے لگا اے میرے معبودو! یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے کیوں کانپ رہے ہو؟ آواز آتی ہے رحمت والا آ گیا، کملی والا آ گیا۔ شیطان کی پوجا اب کعبے میں نہیں ہوگی، بتوں کو توڑ دیا جائے گا۔

دوستو! دنیا میں جب کسی کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے تو شادیانے بجتے ہیں۔ کسی کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے تو دنیا کے ترانے بجتے ہیں مگر وہ دیکھو حضرت آمنہ کے گھر فرشتوں کے سردار جبریل کی قیادت میں نوری ترانہ گایا جا رہا ہے۔

سلام اے آمنہ کے لعل اے محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی
ترے آنے سے رونق آگئی گلزار ہستی میں
شریک حال قسمت ہو گیا پھر فضل ربانی

سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ جب میرے نبی اس دنیا میں تشریف لائے تو کائنات عالم کی ہر مخلوق خوشی سے جھوم اٹھی اور پوری کائنات جشن مسرت میں ڈوب گئی حتی کہ اللہ ربُّ العزت کے تمام فرشتے وہ بھی عید میلاد کی خوشی میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ میں نے کہا اے فرشتو! تم کیوں خوشیاں منا رہے ہو۔ کہنے لگے اب ہُبل ٹوٹے گا۔ لات کے ٹکڑے ٹکڑے ہو نگے عُزّیٰ کے سر پر خاک اڑے گی منات منہ کے بل گرے گا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ پکار کر کہہ رہا ہے۔ وہ آ گیا ہے جس کا انتظار ماؤں کو تھا، وہ آ گیا جس کا انتظار زندہ دفن ہونے والی بچیوں کو تھا، وہ آ گیا جس کا انتظار یتیموں کو تھا، وہ آ گیا جس کا انتظار بیواؤں کو تھا، وہ آ گیا جس کا انتظار مظلوموں کو تھا، وہ آ گیا جس کا انتظار مجبوروں کو تھا، وہ آ گیا جس کا انتظار بوڑھوں کو تھا، وہ آ گیا جس کا انتظار کمزوروں کو تھا، وہ

آ گیا جس کا انتظار تمام مردوں اور عورتوں کو تھا، وہ آ گیا جس کا انتظار مزدوروں اور غلاموں کو تھا، وہ آ گیا جس کا انتظار سلیم الفطرت انسانوں کو تھا، وہ آ گیا جس کا انتظار کائنات کے ہر مخلوق کو تھا، ذرے ذرے کو تھا۔ چپے چپے کو تھا۔

اس کے آتے ہی پوری دنیا میں ایک عظیم انقلاب بر پا ہو گیا۔ بیواؤں کی سسکیاں خاموش ہو گئیں، یتیموں کی آہیں بند ہو گئیں، کمزوروں کے نالے رک گئے، لڑکیوں کو ایک نئی زندگی مل گئی، ماؤں کے آنکھوں سے بہنے والے آنسو تھم گئے، مظلوموں نے کہا میرا سہارا آ گیا، یتیموں نے کہا میرا گزارا آ گیا، مجبوروں نے کہا اللہ کا پیارہ آ گیا، بیواؤں نے کہا انسانی کشتی کا کھیون ہارا آ گیا، آسمان مارے خوشی کے اچھل پڑا، زمین اپنے خوش نصیبی پر فخر کرنے لگی، مکہ کی گلیاں خوشبوؤں سے مہک اٹھیں، وہ آیا تو بے قرار دلوں کو قرار ملا، وہ آیا تو گلشن عالم کی ڈالی ڈالی پھولوں سے لدگئی، وہ آیا تو مرجھائی ہوئی کلیاں مسکرنے لگیں، وہ آیا تو کہلائے ہوئے پھول کھلنے لگے، وہ آیا تو کاروانِ حیات کو منزل کا صحیح پتہ ملا، وہ آیا تو ساری کائنات کی لئے رحمت بنکر آیا، مختصر یہ کہ وہ ہر حیثیت سے اتنا بلند کردار تھا کہ بچپن ہی سے لوگ اسے صادق الامین کہنے لگے، جب اس نے لوگوں کو جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے نجات ولانا چاہا تو لوگ اس کے دشمن بن گئے جب اس نے امن وشانتی، سانتہ اور مانوتہ کا اپدیش دنیا چاہا تو لوگ اس کے خون کے پیاسے نظر آنے لگے، جب اس نے وحدانیت کا درس دینا چاہا تو لوگوں نے اس کے پیغام کا مذاق اڑایا۔ جب اس نے لوگوں کے سامنے دعوت حق پیش کیا تو لوگوں نے اس کے اوپر پتھروں کی بارش کی۔

الغرض اس کے مشن کو ہر طرح سے ناکام بنانا چاہا۔ اس کے پیغام کو اپنی طاقت وقوت کے ذریعہ کچلنا چاہا لیکن وہ ہر سختی اور مصیبت کے باوجود بھی اسکے لائے ہوئے خدائی نظام اور سسٹم کو دبا نہ سکے اور نہ ہی اس کے بلند اخلاق میں جنبش ہوئی بلکہ ہر موڑ پر مسکراتے ہوئے ان پر رحمتوں کے پھول برساتا رہا۔ جب اس پر پتھروں کی بارش کی گئی تو وہ مسکراتا نظر آیا، جب اسکو گالیاں دی گئیں تو وہ دعائیں دیتا نظر آیا، جب اس کے راہ میں کانٹے بچھائے گئے ہے تو وہ چادر رحمت بچھاتا ہوا نظر آیا، حفیظ جالندھری فرماتے ہیں۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سنکر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے رحمتوں کے پھول برسائے

عبد المطلب آئے کہنے لگے۔ آمنہ کہا جی۔ فرمایا بیٹے کا کوئی نام سوچا۔ کہا کیا بتاؤں جب یہ بچہ میری شکم میں تھا تو ہر مہینے کوئی نہ کوئی پیغمبر خواب میں آکر بشارت دے جاتے اور کہہ جاتے کہ ان کا نام محمد رکھنا۔ کیونکہ ہمیشہ ہر جگہ قیامت تک ان کی تعریفیں ہوتی رہیں گی اس لئے میں نے اپنے بچے کا نام محمد رکھا ہے۔ عبد المطلب حیرانگی میں بولے یہ بڑا ہی پیارا نام ہے، اس نام کا بچہ تو پورے عرب میں نہ دیکھا نہ سنا۔ میرے بھی دل سے بس اسی نام کی آواز آتی ہے۔ **محمد محمد محمد** (ﷺ)

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
وہ اپنے پرائے کے کام آنے والا
محمد محمد بڑی شان والا

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضور ﷺ کا نام مبارک آپ کی والدہ ماجدہ اور دادا عبد المطلب کے قلب مبارک میں القاء فرما دیا تھا۔ گویا اللہ نے اپنے محبوب کا نام مبارک محمد اس لئے رکھا ہے کہ قیامت تک ان کی تعریف ہوتی رہے۔ اَلَّذِیْ یَحْمَدُہٗ حَمْدًا کَثِیْرًا وہ ذاتِ پاک جس کی خوب خوب تعریف کی جائے، چاند اس کی تعریف کرے، سورج اس کی تعریف کرے، ستارے اس کی تعریف کریں، فرش اس کی تعریف عرش اس کی تعریف کرے، علماء اس کی تعریف کریں، اولیاء اس کی تعریف کریں، انبیاء اس کی تعریف کریں، بحر وبر اس کی تعریف کریں، خشک وتر اس کی تعریف کریں، مختصر یہ کہ سارا جگ اس کی تعریف کرے۔ اور حد تو یہ ہے کہ رب اس کی تعریف کرے اور جس کی تعریف رب کرے اسی کو محمد کہتے ہیں۔

نغمۂ اذاں بن کر گونجتا ہے نام ان کا
جس طرف نظر ڈالو ان کا بول بالا ہے

محمد نام ہی نہیں بلکہ عنوان ہے تمام خوبیوں کا۔ محمد الرسول اللہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیائے کرام کے جلوے نظر آئیں گے۔ ان میں آدم کا خلق ہے، شیث کی معرفت ہے، نوح کی شجاعت ہے، ابراہیم کی دوستی ہے، اسماعیل کی زبان ہے، اسحاق کی رضا ہے، صالح کی فصاحت ہے، لوط کی حکمت ہے، موسیٰ کا جلال ہے، ایوب کا صبر ہے، یونس کی اطاعت ہے، یوشع کا جہاد ہے، داؤد کی آواز ہے، الیاس کا وقار ہے، یحییٰ کی پاک دامنی ہے اور عیسیٰ کا زہد و اخلاق۔ سب کچھ ذات محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ملے گا۔ جو کچھ فضل و کمال اور انبیاء کو متفرق طور سے عطا ہوا تھا وہ سب مجموعی طور سے جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا گیا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرات گرامی! سرکار کی جب ولادت ہوئی، عرب میں دستور تھا کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد شہروں کے لوگ اسے دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ صحت اس کی اچھی رہے کیوں کہ شہر کی آب و ہوا کی بنسبت دیہات کی آب و ہوا صاف اور ستھری ہوتی ہے۔ اس لئے مکہ والے اپنے بچوں کو دیہات میں دودھ پلانے والی دایہ کے حوالے کر دیتے تھے۔ اسی لئے ہر سال دیہات کی قبائلی عورتیں مکہ مکرمہ آیا کرتی تھیں اور اپنی من پسند بچوں کا انتخاب کرتی تھیں جس سال آقا کی ولادت ہوئی۔ اس سال بھی حسب معمول قبائلی عورتیں آئیں مگر اس دفعہ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سرمایہ دار عورتیں آمنہ کے دروازے پر آئیں۔ اور حلیمہ سرمایہ داروں کے دروازے پر گئیں مگر فیصلہ نہ تو آمنہ کے ہاتھ میں تھا اور نہ ہی آنے والی عورتوں کے ہاتھ میں۔ عورتیں کہنے لگیں اس کا والد زندہ ہے؟ آمنہ نے جواب دیا نہیں ،وفات پا چکے ہیں۔ عورتیں کہنے لگیں یتیم ہے۔ فرمایا جی ہاں یتیم ہے۔ عورتیں آپس میں ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگیں اور آپس میں کہنے لگیں چھوڑو یتیم ہے یہاں سے کیا ملے گا۔ یہ سن کر حضرت آمنہ کا دل درد سے ایک بار پھر بھر گیا۔ مرحوم شوہر کا چہرہ سامنے آ گیا۔ رونے لگیں، آواز آئی آمنہ رو نہیں۔ محمد اب صرف تیرا ہی نہیں محمد میرا بھی ہے۔

وہ بدنصیب عورتیں آپ کو یتیم سمجھ کر چھوڑ گئیں بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کو دھکے دے کر در رسول سے ہٹا دیا گیا اور دست قدرت حلیمہ کا بازو پکڑ کر در مصطفیٰ پہ لے آئی۔ ذرے کو آفتاب بنا دیا۔ چھوڑنے والیاں مٹ گئیں ان کے نام مٹ گئے۔ ان کے قبروں کے نشان مٹ گئے۔ آج کسی کو ان کا نام یاد نہیں۔ ہے کسی کو ان کا نام یاد؟ یادِ ہو تو آگے آئے اور یہ بتا دے کہ مصطفیٰ کو چھوڑ جانے والیوں کے نام یہ یہ تھے۔ کوئی نہیں بتا سکتا لیکن کسی سے بھی پوچھو مرد سے پوچھو، عورت سے پوچھو۔ بڑے سے پوچھو چھوٹے سے پوچھو، ایم اے والے سے پوچھو، پرائمری والے سے پوچھو، کم علم والے سے پوچھو، بتاؤ حضور کی دایہ کا نام کیا ہے؟

فوراً جواب ملے گا حلیمہ حلیمہ حلیمہ۔ معلوم ہوا کہ جو حضور سے جڑ گئے وہ اڑ گئے۔ ان کے نام روشن ہو گئے۔ انہیں رفعتیں اور بلندیاں مل گئیں۔ وہ آسمانِ رشد و ہدایت کے چمکتے ہوئے ستارے بن گئے۔

قدم بوسی کی دولت مل گئی تھی چند ذروں کو
ابھی تک وہ چمکتے ہیں ستاروں کی جبیں ہو کر

حلیمہ آمنہ کے دروازے پر دستک دیتی ہیں۔ اندر سے آواز آتی ہے کون؟ عرض کیا حلیمہ کیوں بی بی کیسے آئی ہو۔ بچہ لینے، آمنہ کا دل پھر بھر آیا۔ سوچنے لگیں پہلے عورتیں، یتیم سمجھ کر چھوڑ گئیں۔ اب نہ معلوم یہ کیا کیا کہے گی۔ حلیمہ اندر گئیں اور کہا بی بی بچہ ہے۔ فرمایا ہاں پوچھا اس کا والد زندہ ہے۔ فرمایا نہیں اچھا دکھاؤ تو ذرا بچے کو دیکھ لوں۔ جناب آمنہ حلیمہ کو اندر لے جاتی ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں۔ نبوت والی سفید چادر چہرۂ انور پر ڈالی ہوئی ہے۔ آمنہ نے رُخِ انور سے چادر جو ہٹائی تو فوراً حلیمہ بول اٹھیں۔ سبحان اللہ۔ میں نے زندگی میں ایسا خوبصورت بچہ کبھی نہیں دیکھا۔ عبد المطلب کہتے ہیں میں نے ایسا بچہ کبھی نہیں دیکھا۔ اللہ فرماتا ہے جبریل تو بتا، جبریل کہتے ہیں۔

آفاقہا گردیدہ ام شہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

جبریل کہتے ہیں میں نے پوری دنیا کا چکر لگایا میں نے بھی ایسا خوبصورت بچہ کبھی نہیں دیکھا۔غیب سے آواز آئی۔ میں نے ایسا بچہ اس سے پہلے پیدا ہی نہیں کیا۔ دیکھو گے کہاں سے۔جناب حلیمہ سعدیہ کا مقدر جاگ اٹھتا ہے اور وہ سرکار دو عالم ﷺ کو لے جانے کے لئے جناب آمنہ سے عرض کرتی ہیں اور جناب آمنہ نہایت مسرت سے اپنے یتیم کو حلیمہ کی جھولی میں ڈال دیتی ہیں اور اشکبار آنکھوں سے اپنے یتیم بچے کو رخصت فرماتی ہیں۔

جناب حلیمہ سعدیہ حضور ﷺ کو گود میں لے کر باہر آتی ہیں تو خاوند جو پہلے سے سواری لے کر انتظار میں کھڑا تھا بول اٹھتا ہے۔حلیمہ کچھ ملا؟ فرمایا کچھ نہیں سب کچھ مل گیا، پوچھا یتیم ہے۔فرمایا یتیم نہیں دُرِّ یتیم ہے۔حلیمہ غنی ہوگئی، قسمت کی دھنی ہوگئی۔خاوند نے کہا جلدی کرو۔سوار ہو جاؤ، تمہاری سہیلیاں بچے لے کر جا چکی ہیں اور وہ جاتے ہوئے پیغام دے گئی ہیں کہ ہم تمہارا اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتیں۔تم آہستہ آہستہ آجانا۔حلیمہ فکرمند ہو جاتی ہیں۔آواز آتی ہے حلیمہ فکر نہ کر۔محمد کا قافلہ اور ہوتا ہے۔چھوڑنے والوں کا قافلہ اور ہوتا ہے۔حلیمہ کے پاس ایک دبلی پتلی کمزور سواری ہے جسے دیکھ کر حلیمہ کی غربت و افلاس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔خاوند سواری کے آگے بیٹھ جاتا ہے اور حلیمہ حضور کو گود میں لے کر سواری کے پیچھے بیٹھ جاتی ہیں۔خاوند سواری کو چلاتا ہے لیکن وہ چلتی نہیں۔ بہت زور لگایا نہ چلی۔آخر آواز آتی ہے جتنا طاقت ہو زور لگا لے جب تک میرا محمد آگے نہیں آئے گا، سواری نہیں چلے گی۔حضور کو آگے گود میں لیا گیا تو سواری جس سے چلا نہیں جاتا تھا وہ ہوا کی طرح اڑنے لگی۔وہ حلیمہ کی سہیلیاں جو میلوں آگے جا چکی تھیں، آنِ واحد میں حلیمہ ان سے جا ملی۔سہیلیاں حیران ہو جاتی ہیں۔حلیمہ تو! فرمایا ہاں میں۔ یہ سواری اس قدر تیز رَو کہاں سے لائی، کیا سواری بدل دیا ہے۔کہا سواری نہیں سوار بدل گیا ہے۔سواری وہی ہے جو پہلے میرے پاس تھی۔حلیمہ باتیں کر رہی ہیں اور سواری آگے بڑھ رہی ہے۔سہیلیاں کہتی ہیں حلیمہ سواری کو روک تو سہی۔فرمایا سہیلیو! پہلے سواری کی لگام میرے ہاتھ میں تھی، اب لگام میرے محمد کے ہاتھ میں ہے، ہمت ہے تو اب آگے نکل کر دیکھو۔

حلیمہ سعدیہ حضور کو لے کر اپنے گھر کی طرف جا رہی ہیں۔دل میں سوچ رہی ہیں۔

دودھ کا کیا انتظامات کروں، سلاؤں گی کہاں، وہ اپنے دل میں تدبیریں سوچتی جا رہی ہیں۔ ادھر قدرت خداوندی نے تمام رحمتوں اور برکتوں کو حکم دے دیا کہ حلیمہ کے جانے سے پہلے اس کے گھر میں جا کر ڈیرے ڈال دو۔اب وہ حلیمہ کا گھر بعد میں ہوگا میرے محمد کا گھر پہلے ہوگا۔ پہلے حلیمہ میزبان ہوتی تھی اب میرا محبوب میزبان ہوگا۔

قدم قدم پہ برکتیں نفس نفس پہ رحمتیں
جہاں جہاں سے وہ شفیع عاصیاں گزر گیا

رحمت دو عالم ﷺ کی سواری حلیمہ کے گھر پہنچ جاتی ہے۔حلیمہ کے گھر تمام رحمتوں اور برکتوں کے چشمے ابل پڑتے ہیں۔حلیمہ کے گھر کی نہ صرف رونق بڑھ جاتی ہے بلکہ پورا قبیلہ تمام سعادتوں کا مرکز بن گیا۔حلیمہ نہایت پیار اور شفقت سے حضور کو لٹا دیتی ہیں اور خاوند سے کہتی ہیں بکری کا دودھ نکالو تاکہ محمد کو دودھ پلا دوں۔خاوند بکری کو لے کر دودھ دوہنے کے لئے بیٹھتا ہے۔بکری کو حکم ہوتا ہے اے بکری خبردار میرے محبوب کو شکایت نہ ہونے پائے۔خاوند تھنوں کو ہاتھ لگاتا ہے۔تھن دودھ سے بھر جاتے ہیں۔دودھ ہی دودھ جس گھر میں پانی میسر نہیں تھا حضور ﷺ کے آنے سے دودھ کی نہریں جاری ہوگئیں۔ ایک برتن بھر گیا، حلیمہ دوسرا برتن لاؤ، وہ بھی بھر گیا۔حلیمہ اور برتن لاؤ، کہنے لگیں میرے گھر کے تو تمام برتن ہی ختم ہوگئے۔

آپ کا خطیب الیاس نوری کہتا ہے یہ اس رسول کی میزبانی تھی جس کی ناز برداری اس کائنات کا خدا کر رہا تھا۔لوگ کہتے ہیں حلیمہ نے حضور کو پالا ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ حضور نے حلیمہ کو پالا ہے۔

ایک دن پڑوس کی عورتیں آئیں۔ کہنے لگیں اے حلیمہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ عرب میں غریبی زیادہ ہے۔تیل مہنگا ہو گیا ہے تو ساری ساری رات چراغ جلاتی ہے۔ میں دیکھتی ہوں پوری رات تیرے گھر میں روشنی ہوتی ہے۔فرمایا خدا کی قسم! جب سے محمد کو لے کر آئی ہوں۔گھر میں کوئی چراغ نہیں جلاتی۔ارے جس کے گھر میں چراغ نبوت ہوا سے دنیا کے چراغ کی کیا ضرورت۔ یہ جو تم میرے گھر میں روشنی دیکھ رہی ہو یہ ان کے رخِ روشن کا عکس

ہے جس سے میرا گھر اجالوں کا مرکز بن گیا ہے۔

حضور کے آنے سے حضرت حلیمہ کے گھر میں ایک عجیب روشنی اور رونق پیدا ہوگئی۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ آپ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں اور زبان مبارک حرکت میں ہے۔ میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا تو میری حیرانگی کی انتہا نہ رہی کہ آپ چاند سے باتیں کر رہے ہیں اور چاند آپ سے باتیں کر رہا ہے۔ حلیمہ یہ بھی فرماتی ہیں کہ آپ جب کبھی پنگھوڑے میں ہوتے اور ہاتھ پاؤں اِدھر اُدھر مارتے تو میں دیکھتی کہ جدھر آپ کے ہاتھ جاتے چاند اُدھر چلا جاتا۔ جدھر آپ کے پیر جاتے چاند اُدھر ہو جاتا۔

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کو بہت ہی پیار اور شفقت سے رکھا کرتی تھی۔ آپ کے ہر وقت قریب رہتی تھیں تا کہ آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ میں اگر کبھی باہر چلی جاتی تو آپ کی رضائی (دودھ شریک) بہن شیما کو کہہ دیتی تھی کہ بیٹی اپنے بھائی محمد کا خیال رکھنا۔ شیما پہلے ہی اس اشتیاق میں ہوا کرتی تھی کہ ماں حلیمہ کہیں جائے تو میں اپنے چاند جیسے بھائی کو گود میں لے کر خوب پیار کروں اور گود میں اٹھا کر لوری دوں۔ شیما بعض اوقات اس وجد آفریں لہجے میں لوری دیا کرتی تھیں کہ حلیمہ کے گھر کے درو دیوار پر بھی وجد طاری ہو جاتا تھا۔ بچپن کے بعد پھر حضرت شیما سے ملاقات غزوۂ حنین میں ہوئی وہ منظر بڑا ہی رقت آمیز تھا جب رحمت دو عالم ﷺ کے قیدیوں میں آپ کی رضائی بہن شیما بھی شامل تھیں لیکن سرور کونین ﷺ نے شیما کو یہ اعزاز بخشا کہ ان کے لئے نبوت والی چادر کندھے سے اتار کر بچھا دی۔ آپ کی سفارش پر چھ ہزار قیدیوں کو رہا کیا اور صحابہ میں تقسیم کیا ہوا تمام مال غنیمت واپس کر دی۔ آپکے اس احسان اور اخلاق کا یہ نتیجہ نکلا کہ شیما سمیت تمام لوگ مسلمان ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور نے مجھ سے پوچھا کہ میرا رضائی بھائی کہاں جاتا ہے۔ میں نے کہا بیٹا وہ جنگل میں بکریاں چرانے کے لئے جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا

کل میں بھی ان کے ساتھ بکریاں چرانے جاؤں گا۔ میں نے بہت اصرار کیا کہ حضور تشریف نہ لے جائیں لیکن آپ نے اس قدر اصرار کیا کہ میں انکار نہ کر سکی اور دوسرے روز حضور اپنے رضائی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے کے لئے جنگل چلے گئے۔ میں نے دوسرے بیٹے کو تاکید کر دی کہ بیٹا محمد کا خیال رکھنا۔ انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔ شام کو جب واپس آئے تو میں نے پوچھا بیٹا محمد کو تو کوئی تکلیف نہیں ہونے دی۔ اس نے کہا امی محمد کی تکلیف کا تو مجھے احساس تھا ہی میں نے ہر طرح سے ان کی راحت کا سامان کیا تھا مگر میں نے عجیب بات دیکھی ہے کہ میں اور وہ بکریاں چھوڑ کر درخت کے نیچے بیٹھے رہے اور وہی بھیڑیا جو ہمیشہ ہماری بکریاں چیر پھاڑ کر کھا جاتا تھا وہی بکریوں کا پہرہ دیتا رہا۔ میں کہتا ہوں جن بکریوں کی نسبت حضور کی طرف ہوگئی ان سے جنگل کے درندے بھی حیا کرتے تھے۔ انسانی بھیڑیوں کو بھی حضور کے جاں نثاروں پر تبرا بازی اور لعن طعن کرتے ہوئے شرم کرنی چاہئے۔

ایک بار حضور ﷺ مسلسل تین روز تک بکریاں چرانے نہیں گئے۔ تیسرے دن شیما دوڑتی ہوئی گھر آئیں اور حلیمہ سے کہا۔ ماں ہم جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے کہ ایک شیر جنگل سے نمودار ہوا اور اس نے ہماری بکریوں کی ریوڑ میں سے ایک بکری کو بغل میں دبا کر اٹھا لے گیا۔ حضور نے جب یہ سنا تو فرمایا چل میں چلتا ہوں یہ کہہ کر آپ شیما کے ساتھ جنگل کی طرف چل دیے۔ جیسے ہی آپ جنگل میں بکریوں کے ریوڑ کے پاس پہنچے تو کیا دیکھا کہ وہی شیر اسی بکری کو لے کر واپس آ رہا ہے۔ آپ شیر کے قریب گئے تو اس نے اپنی زبان میں سلام کیا اور بڑے ادب سے عرض کیا سرکار گستاخی معاف فرمائیں۔ بکری لے جانا تو ایک بہانہ ہے حقیقت میں سرکار کا دیدار مقصود ہے۔ سرکار تین دن ہو گیا تھا دیکھا نہیں تھا۔ اس لئے دیدار کا اشتیاق جب حد سے بڑھا تو میں نے یہ سوچ کر ایسا کیا کہ آپ ضرورت تشریف لائیں گے اور میں اپنے آقا کا دیدار کر لوں گا۔

اللہ اللہ! جانور بھی میرے آقا سے اس قدر محبت کرتے تھے پھر کوئی انسان ہو کر محبت نہ کرے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

جب حضور کی عمر چار سال کی ہوتی ہے تو جناب حلیمہ سعدیہ حضور کو مکہ ان کے والدۂ محترمہ کے پاس چھوڑ جاتی ہیں۔ بچپن شریف میں بہت معجزات کا ظہور ہوا جو سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور کا بچپن بھی اعلیٰ، جوانی بھی اعلیٰ، بڑھاپا بھی اعلیٰ، دنیا کی کسی ماں نے آج تک ایسا کوئی لعل نہیں جنا جو آپ کے بچپن کا، جوانی کا اور بڑھاپے کا مقابلہ کر سکے۔ بچپن بچوں کے لئے جوانی جوانوں کے لئے۔ بڑھاپا بوڑھوں کے لئے بے مثال مینارۂ نور ہے۔

●●●

سلام بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱ آپ کا تشریف لانا — وقت بھی کتنا سہانا

جگمگا اٹھا زمانہ — حوریں گاتی تھیں ترانہ

۲ باغ جنت کا سجا ہو — تخت نورانی بچھا ہو

اس پہ تم جلوہ نما ہو — ہر طرف سے یہ صدا ہو

۳ جب نبی پیدا ہوئے تھے — سب ملک در پہ کھڑے تھے

رب سلم پڑھ رہے تھے — باادب یوں کہہ رہے تھے

۴ جان کر کافی سہارا — لے لیا ہے در تمہارا

خلق کے وارث خدا را — لو سلام آقا ہمارا

۵ سامنے ہوتی وہ جالی — کہتے اے امت کے والی

صدقۂ عشق بلالی — ڈالئے جھولی ہے خالی

۶ حشر میں سرکار آنا — میرے عیبوں کو چھپانا

اپنے رب سے بخشوانا — ساتھ جنت میں بسانا

۷ جانکنی کے وقت آنا — چہرۂ انور دکھانا

مکر شیطاں سے بچانا — اپنے کملی میں چھپانا

۸ جس نے یہ محفل سجایا — جس نے پڑھ کر کے سنایا

اور سننے کے خاطر جو آیا — سب پہ ہو رحمت کا سایہ

●●●

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہٖ کریم

وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ۔

(پ ۲، سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۵۴)

آج میں اسلام کے نامور اور عظیم شہید کا تذکرہ کروں گا جن کی شہادت کا خون اسلام کے گلشن کو ہرا بھرا کر گیا۔ اور رہتی دنیا تک مسلمان اس عظیم فرزند اسلام کو خراج تحسین اور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے رہیں گے۔

دوستوں اور بزرگوں! یوں تو تاریخ اسلام میں ہزاروں شہداء کا تذکرہ موجود ہے اور ہر شہید اپنی قربانی اور بے مثال بہادری کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہے مگر دربار رسالت سے جس شہید کو تمام شہیدوں کا سردار قرار دیا گیا وہ سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے آپ کے ایمان لانے کا واقعہ سیرت نبوی کی کتابوں میں اس طرح تحریر ہے۔

مُصنّفین لکھتے ہیں کہ ایک دن شکار کے لئے نکلے ہوئے تھے اور ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑا رہے تھے تا کہ اسے اپنی شکار کا نشانہ بنا سکیں۔ جب ہرن نے امیر حمزہ کی طرف دیکھا تو بزبان فصیح بولا تَرۡقِیۡ بِالسَّھۡمِ اِلَیَّ وَلَا تَرۡمِیۡ اِلٰی قَاتِلِ اِبۡنِ اَخِیۡكَ لَوۡ رَمَیۡتَ ھٰذَا السَّھۡمُ اِلٰی قَاتِلِ اِبۡنِ اَخِیۡكَ لَكَانَ خَیۡرًا۔ ہرن نے کہا تو میری طرف تیر پھینکتا ہے اور اپنے بھتیجے کو قتل کرنے والوں کی طرف نہیں پھینکتا اگر اس تیر کو بھتیجے کے قاتل کی طرف پھینکتے تو بہتر ہوتا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہرن کی یہ بات سنی تو بڑے تعجب میں پڑ گئے، پھر جب اپنے گھر پہونچے تو ان کے گھر کی ایک خاتون جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل اور کفار و مشرکین کے ہاتھ ایذاء تکلیف اور چوٹ کھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ حضرت امیر حمزہ کے سامنے کھانا لے کر آئیں۔ حضرت امیر حمزہ کو دیکھ کر ضبط اور صبر نہ کرسکیں اور

بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس خادمہ سے رونے کا سبب پوچھا تو اس عورت نے کہا آج یہ معلوم ہوا ہے کہ یتیمی کسے کہتے ہیں۔ آج تمہارے بھتیجے محمد کو ابو جہل نے اتنا مارا کہ اس کا چہرا خون سے رنگین ہو گیا۔ آج اگر ان کے والد عبداللہ زندہ ہوتے تو کوئی مشرک اتنی جرأت نہ کرتا۔

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو کہا اس وقت ابو طالب کہاں تھے۔ اس نے بتایا کہ وہ تو مکے سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ پھر پوچھا ابولہب کہاں تھا تو اس عورت نے کہا وہ سنگدل تو لوگوں کو آپ کے قتل پر ابھار رہا تھا۔ پوچھا کیا اس وقت عباس نہیں تھے۔ تو اس عورت نے کہا وہ تو پروانہ وار آپ پر نثار ہو رہے تھے اور لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ اے مشرکو اپنی قرابت داری کا تو کچھ لحاظ کرو، میرے بھتیجے محمد کو مت مارو لیکن ان کی کون سنتا تھا۔

حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ واقعہ سنا تو زار و قطار رونے لگے۔ اور کہا جب تک میں اپنے بھتیجے کا انتقام نہ لے لوں گا مجھ پر کھانا پینا حرام ہے یہ کہہ کر کھانے پر سے اٹھ گئے۔ تلوار لیا ذرع پہنی اور ہاتھ میں کمان لے کر گھوڑے پر سوار ہوئے، کوہِ صفا پر پہونچے تو وہاں تمام مشرک سرداروں کو موجود پایا۔ مشرکین اور ان کے سرداروں نے جب امیر حمزہ کو ہتھیار اٹھائے آتے ہوئے دیکھا تو سب ڈر گئے۔ آپ جب ان مشرکوں کے پاس پہونچے تو ان سے کہا اے قریشیو! تم میں سے کس نے میرے بھتیجے کے ساتھ ظلم و زیادتی کی ہے سب سے پہلے ابو جہل بولا، ہاں میں نے کی ہے، اتنا سننا تھا کہ آپنے اسکو پکڑ لیا اور اس قدر مارا کہ اس کا سر کئی جگہ سے پھٹ گیا۔ پھر بھی آپ کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر تمام مشرک سردار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد آپنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کی کہ وہ کہاں ہیں۔ اتنے میں کیا دیکھا کہ آپ مسجد حرم میں ایک کونے میں قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے ہیں۔ حضرت امیر حمزہ (رضی اللہ عنہ) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور کہا السلام علیک یا ابنِ اخی، آپنے کوئی توجہ نہیں فرمائی، انہوں نے دوبارہ سلام کی تو بھی آپنے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ جب تیسری بار آپ کو سلام کیا اور بلایا تو آپنے اپنا سر انور اٹھایا اور روتے ہوئے کہا۔ بھتیجہ کسے کہتے ہو۔ میں وہ ہوں جس کا نہ کوئی چچا ہے، نہ کوئی باپ نہ ماں، نہ بھائی نہ کوئی دوست،

نہ کوئی ساتھی نہ کوئی مونس وغمخوار۔

حضرت امیر حمزہ نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا میں آپ کی مدد کی لئے آیا ہوں جن جن لوگوں نے آپکو مارا ہے میں ان کا سر پھوڑ کر آیا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے ساری کائنات کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اے چچا اگر آپ میرے دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کریں اور تلوار کے ساتھ میرے دشمنوں سے اتنی جنگ کریں کہ آپ کے سارے اعضاء ان کے خون سے تر ہو جائیں اور مجھے ستانے والوں کو اپنے گھوڑے کے پاؤں تلے روند ڈالیں پھر بھی اللہ آپ سے راضی نہیں ہوگا جب تک آپ زبان سے کلمہ شہادت پڑھ کر اللہ کی وحدانیت اور میرے رسالت کا اقرار نہ کریں گے۔ فرمایا چچا اگر آپ دولت ایمان قبول کرلو۔ اسلام لے آؤ، مسلمان ہو جاؤ، تو یہ کافروں سے انتقام لینے سے زیادہ مجھے خوشی حاصل ہوگی۔ امیر حمزہ نے کہا میں نے قریش سے سنا ہے ایک فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آتا ہے جو دنیا والوں کے نام اللہ کا پیغام ہے۔ آپنے فرمایا، ہاں وہ میرے خالق و مالک اللہ رب العزت کا کلام ہے عرض کی ذرا مجھے بھی سناؤ۔ آپنے سورۂ مومن کی ابتدائی آیات تلات فرمائی۔ امیر حمزہ نے عرض کیا اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خدا گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ آپنے فرمایا ہاں وہ غفور الرحیم ہے۔ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ سب اسی کا ہے۔ وہی اس کا خالق و مالک ہے۔ امیر حمزہ کے دل پر قرآنی آیات کا گہرا اثر ہوا عرض کیا مجھے ایک رات سوچنے کا موقع دیجئے۔ میں کل آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ حضور سید عالم ﷺ کی پوری توجہ امیر حمزہ ؓ کے ایمان کے طرف تھی چنانچہ آپنے وہ ساری رات دعا میں گزاری اور یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اَقِرَّ عَیْنِیْ اِسْلَامِ عَمِّیْ حَمْزَۃَ۔ اے اللہ میری آنکھوں کو میرے چچا حمزہ کے قبول اسلام کرنے سے ٹھنڈا کر۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اس رات حضرت امیر حمزہ ؓ چالیس مرتبہ حضور کے کاشانۂ نبوت پر آئے اور محبت واشتیاق کا اظہار فرماتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت امیر حمزہ نے حضور ﷺ سے ملاقات کی۔ سرکار نے فرمایا اے چچا آج تمہارا ایمان قبول کرنے کا وعدہ ہے اسے پورا کیجئے۔ عرض کیا ضرور پورا کروں گا لیکن مجھے اللہ کا کلام مقدس ضرور سنا دیجئے جو کل سنایا

تھا۔ چنانچہ حضور نے سورۂ رحمٰن کی ابتدائی چند آیات کی تلاوت فرمائی تو امیر حمزہ نے عرض کیا بس اتنا ہی کافی ہے اور رُخِ مصطفیٰ کی زیارت کرتے ہوئے کہا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ امیر حمزہ ؓ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضور ﷺ کو آپ کے ایمان لانے سے بہت بڑی خوشی ہوئی کہ اب اسلام کو مزید طاقت وقوت حاصل ہوگی۔

حضرت امیر حمزہ ؓ حضور کے بہت ہی پیارے چچا تھے۔ اسلام لانے سے پہلے بھی وہ حضور کو دل جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے گیارہ چچاؤں میں صرف دو ہی چچا تھے جو اسلام قبول کئے ایک حضرت عباس ؓ اور دوسرے حضرت امیر حمزہ ؓ آپ پر ایمان لانے کے بعد آپ نے جنگ بدر میں وہ عظیم کارنامہ انجام دیا ہے کہ اللہ کے تمام فرشتے بھی عش عش کرا ٹھے تھے۔ آپ بہترین شہشوار بے باک نڈر، تیرانداز اور جاں باز تھے۔ جنگ بدر میں مکہ کے بڑے بڑے کافر اور مشرک سردار آپ ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔ یہی وجہ تھی کہ دنیائے کفر وشرک میں آپ کے نام کی دہشت تھی۔ آپ کو انتقام کا نشانہ بنانے کے لئے کرائے کے قاتل تلاش کئے گئے اور منہ مانگا انعام دے کر حضرت امیر حمزہ ؓ کو شہید کرنے کے لئے آمادہ کیا گیا۔

حضرت امیر حمزہ ؓ جنگ بدر کے بعد جنگ اُحد میں شریک ہوئے اور جنگ احد میں جنگ بدر ہی کی طرح جوہر شجاعت دکھائے۔ توحید کے دشمنوں کو للکارا اور لات وعزیٰ کے پجاریوں کے چھکے چھڑا دیئے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ جبیر بن مطعم کے چچا کو بدر میں حضرت امیر حمزہ ؓ نے قتل کیا تھا۔ اسے اپنے چچا کے قتل کا بہت صدمہ تھا۔ اس نے اپنے غلام وحشی کو کہا کہ اگر تو حمزہ کو کسی طرح قتل کردے تو میں تجھے آزاد کردوں گا، اسی طرح ہندہ نے بھی کہا تھا کہ تو حمزہ کو جو میرے باپ کا قاتل ہے اگر اسے قتل کردے گا تو میں منھ مانگا انعام دوں گی۔ جنگ احد میں وحشی ایک پتھر کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور اس انتظار میں رہا کہ حمزہ سامنے آئیں تو وہ ان پر حملہ کرے بالآخر حضرت حمزہ ؓ میدان جنگ میں مصروف جنگ تھے کہ وحشی نے

آپ پر ایسا نشانہ لگا کر نیزہ پھینکا جو سیدھا آپ کا پیٹ چاک کر کے پار ہو گیا اور حضرت حمزہ اسی نیزے سے شہید ہو گئے۔ آپ کو شہادت کے بعد بھی معاف نہیں کیا گیا بلکہ آپ کے جسم کی بے حرمتی کی گئی۔ آپ کا ناک کان کاٹا گیا، کلیجہ نکالا گیا، آنکھوں میں نیزے مارے گئے، دانت توڑے گئے، زبان کاٹی گئی۔ اس طرح حضرت حمزہ کے جسم کے ایک ایک حصے نے شہادت کا حق ادا کر دیا۔

حضور پاک ﷺ نے جب حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کو اس حال میں دیکھا تو آپ رو پڑے۔ روتے روتے آپ کی ہچکی بندھ گئی۔ ارشاد فرمایا سَیِّدُ الشُّھَدَاءِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ حَمْزَۃ۔ قیامت کے دن اللہ کے یہاں شہیدوں کے سردار حمزہ ہوں گے۔

میں کہتا ہوں قیامت کا دن ہوگا۔ جب تمام شہداء کو اکٹھا کر کے ان سے ان کی شہادت کی گواہی لی جائے گی۔ تو کسی شہید کی شہادت کا گواہ محراب مسجد ہوگا۔ کسی کا گواہ ممبر ہوگا۔ کسی کا گواہ میدانِ بدر ہوگا۔ کسی کا گواہ شجر وحجر ہوگا۔ کسی کا گواہ میدان کربلا ہوگا۔ مگر قربان جاؤں حمزہ تیری شہادت عظمیٰ پر کہ تیری شہادت کا گواہ تاجدار رسالت ہوگا۔ اللہ کا محبوب ہوگا۔ اللہ فرمائے گا حمزہ شہید ہے جس کی شہادت کی گواہی میرے محبوب نے دی ہے۔ میرا محبوب تمام رسولوں کا سردار اور میرا حمزہ تمام شہیدوں کا سردار۔

زمانہ جانتا ہے کہ شہید اعظم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا خون رنگ لایا اور فتح مکہ کے دن تمام مکہ والوں کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ لینا پڑا۔ وہ گردنیں جو خدا کے سامنے جھکنے سے اکڑی ہوئی تھیں وہ گردنیں یا تو خدا کے حضور ہمیشہ کے لئے جھک گئیں یا ہمیشہ کے لئے شکست کھا کر اہل حق کے ہاتھوں کٹ گئیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ وحشی جنگ اُحد کے بعد مکہ مکرمہ میں مقیم رہا۔ جب حضور کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا تو وحشی بھاگ کر طائف چلا گیا۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا کہ نہ معلوم میرا اب کیا حشر ہوگا۔ اگر میں مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا تو میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اسی فکر میں رات ودن گھلتا رہتا تھا کہ کسی نے اس کو مشورہ دیا کہ محمد بڑے ہی رحم دل

ہیں۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ دربار رسالت میں سراپا عجز ونیاز بن کر معافی کی درخواست لے کر حاضر ہو جاؤ اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام کے آغوش میں چلے جاؤ محمد عربی بڑے رحیم وکریم ہیں وہ تمہیں معاف کر دیں گے۔

وحشی یہ سوچ کر اور دل میں اسلام لانے کا فیصلہ کر کے مدینہ منورہ پہنچا اور اچانک دربار رسالت میں پہونچ کر اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گیا۔ سرکار نے کلمہ پڑھتے ہوئے جب اسے دیکھا تو پوچھا کہ تو وحشی ہے۔ عرض کیا جی حضور۔ آپ نے فرمایا تو نے ہی میرے چچا کو قتل کیا تھا۔ بڑی ندامت سے سر جھکائے ہوئے کہا۔ جی حضور۔ آپ نے فرمایا اے وحشی میرے سامنے سے چلے جاؤ۔ میں تمہارا چہرہ کبھی نہ دیکھوں گا۔

ایمان لانے سے وحشی کا جرم معاف ہو گیا۔ حضور نے کلمہ پڑھ لینے کے بعد وحشی کا اسلام منظور بھی کر لیا مگر جب بھی وحشی سامنے آتے تو رحمت دو عالم ﷺ ان سے یہی فرماتے اے وحشی میرے سامنے نہ آیا کرو کیوں کہ تمہیں دیکھ کر شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

وحشی کہتے ہیں کہ پھر جہاں بھی سرکار ﷺ کے حضور حاضری ہوتی تھی تو میں اپنا منھ چھپا کر ایک طرف کھڑا ہو جاتا تھا تا کہ آپ کو تکلیف نہ ہو اور یہ صورت حال برابر آپ کے وصال تک جاری رہی۔

یہ بات تمام اہل علم جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کی حیات ظاہری ہی میں مسلمہ کذاب نام کا ایک شخص نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضور ﷺ کی ہمیشہ خواہش رہی کہ کوئی مرد مومن اس جھوٹے نبوت کے دعویدار کو کیفر کردار تک پہنچا کر ابدی جنت حاصل کرے۔ قربان جایئے اس تقدیر کے فیصلے کرنے والے غفور الرحیم کے کہ اس نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دینے کے لئے جس شخص کو چنا وہ حضرت وحشی ہی تھے۔ وہ وہی وحشی تھے جس نے امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قلب رسالت کو مغموم کیا تھا۔ اسی وحشی نے اسی نیزے سے نبوت کے جھوٹے دعویدار مسلمہ کذاب کو قتل کر دیا اور یوں وہ جھوٹے نبی کو قتل کر کے سچے نبی کے دل میں جگہ پا گیا۔

حضرت وحشی خود کبھی کبھی کہتے تھے کہ جب میں حالت کفر میں تھا تو میرے ہاتھوں

سے دنیا کے ایک بہترین انسان حضرت حمزہ ؓ کا خون ہوا اور جب میں ایمان لایا تو میں اپنے انھیں ہاتھوں سے دنیا کے سب سے بدترین انسان کا قتل کر کے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس کے بعد وحشی افریقہ چلے گئے اور پوری زندگی اس حال میں گزاری کہ انھیں حضرت حمزہ کے موت کا غم ستاتا رہا۔ انھیں ساری زندگی اپنے اس فعل پر افسوس وندامت رہا حتی کہ وہ اس غم کو لے کر دنیا سے چل بسے۔ ایک روایت کے مطابق کینیا (افریقہ) میں آپ کی تربت شریف ہے۔

اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ جنگ احد میں ستر (۷۰) کے قریب صحابہ کرام شہید ہوئے تھے۔ انھیں میں سے ایک حضرت امیر حمزہ بھی تھے۔ سرکار نے شہدائے اُحد کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک ایک شہید کو لایا جاتا۔ اس طرح سب سے پہلے حضرت حمزہ ؓ کا جنازہ پڑھایا اور پھر ایک ایک شہید کو حضرت حمزہ ؓ کے قریب رکھتے جاتے اور آپ اس پر نماز جنازہ پڑھاتے۔ اس طرح حضرت امیر حمزہ ؓ کے لئے ستر مرتبہ دعائے مغفرت فرمائی جو صرف آپ ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ معلوم ہوا کہ شہدائے اسلام میں حضرت امیر حمزہ ؓ کا ایک امتیازی مقام ہے۔ جن کو اللہ کے رسول نے سید الشہداء کا نبوی لقب دیا ہے۔

●●●

سلام لو

ہم بے کسوں کا شاہ مدینہ سلام لو
آقا سلام لو شہ بطحیٰ سلام لو

واللہ سارے نبیوں میں سرتاج ہو تمہیں
محبوب حق ہو صاحب معراج ہو تمہیں
پیارے رسول خلق کے دولہا سلام لو
ہم بے کسوں کا شاہ مدینہ سلام لو

تم بن نہیں ہے کوئی مددگار یا نبی
طوفانِ غم سے ہم کو کرو پار یا نبی
مجبور بے کسوں کا خدا را سلام لو
ہم بے کسوں کا شاہ مدینہ سلام لو

تم سے ہی دین مل گیا ایمان مل گیا
رحمت ملی کرم ملا ایمان مل گیا
سب کچھ تمہیں سے پایا داتا سلام لو
ہم بے کسوں کا شاہ مدینہ سلام لو

سیرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

قُلۡ لَّاۤ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی۔ (پ ۲۵، سورہ الشوریٰ، آیت ۲۳)

آج میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لاڈلی بیٹی۔ جنتی عورتوں کی سردار، حسنین کریمین کی مادرِ مشفقہ، جگر گوشۂ رسول، شہزادیٔ کونین حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر خیر کروں گا جن کی شانِ عظمت خدائے تعالیٰ نے خود بیان فرمائی جو رسول کائنات کے جسم پاک کا ایک ٹکڑا ہیں جو دنیا کی تمام عورتوں میں سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمام جنت کی عورتوں کا سردار بنایا ہے جن کی شان میں استاذ زمن علامہ حسن رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

بے اجازت جن کے گھر جبریل بھی آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر شان اہل بیت

اور امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خون ختم الرسل سے ہے جن کا خمیر
ایسی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
سیدہ زاہدہ طیبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

دوستو دنیا میں بڑی بڑی شان کی عورتیں پیدا ہوئیں جن میں پیغمبروں کی مائیں بھی ہیں اور صحابہ کرام کی مائیں بھی۔ صحابیات بھی ہیں اور صحابہ زادیاں بھی۔ پیغمبر زادیاں بھی ہیں اور پیغمبروں کی بیویاں بھی مگر ان میں سب سے بلند رتبہ اور شان کی مالک شہزادیٔ رسول حضرت فاطمہ ہیں، جو ولیہ بھی ہیں اور امام الانبیاء کے دل کی چین وقرار ہیں، ان کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

وہ فاطمہ جن کے بارے میں اللہ کے رسول اللہ نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ میرے بدن کا ایک حصہ ہے۔ میرا گوشت ہے میرا خون ہے۔ میری بیٹی فاطمہ مجھے بہت ہی پیاری ہے۔ میں فاطمہ سے بے حد محبت کرتا ہوں جس نے فاطمہ سے محبت کیا اس نے مجھ سے محبت کیا اور جس نے فاطمہ اور اس کی اولاد کو ناراض کیا اس پر جنت حرام ہے۔

وہ فاطمہ جن کی روح ملک الموت نے نہیں بلکہ پردے کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ نے خود قبض کی، وہ فاطمہ جن کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ وہ جو ظاہری اور باطنی تمام نجاستوں سے پاک وصاف ہیں، وہ فاطمہ جن کی سواری قیامت کے میدان میں جب آئے گی تو تمام اہل محشر سے اللہ فرمائے گا۔ اے محشر والو! اپنی اپنی نگاہوں کو نیچی کرلو۔ میرے محبوب کی لاڈلی بیٹی فاطمہ زہرا کی سواری آرہی ہے، وہ فاطمہ جو ساری ساری رات اللہ کی عبادت میں گزار دیا کرتی تھیں۔ کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی سجدے میں صبح ہو جاتی۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ شہیدوں کے سردار حسنین کریمین خود فرماتے ہیں کہ میری والدۂ مکرمہ عشاء کی نماز پڑھ کر جب مصلے پر بیٹھتی تھیں تو ساری ساری رات سجدے میں گزار دیا کرتی تھیں پھر بھی سجدہ پورا نہیں ہوتا تھا بالآخر صبح فجر کی اذان ہو جاتی اور آپ سجدے سے سر اٹھا کر فرماتی اے میرے اللہ! اے میرے مولیٰ تو نے راتیں کتنی چھوٹی بنائی ہیں کہ تیری فاطمہ کا ایک سجدہ پورا نہیں ہوتا۔

یہ حضرت فاطمہ کی عبادت کا عالم تھا اور ایک آج ہماری مائیں اور بہنیں ہیں جن کی زندگی میں نہ نماز ہے نہ تلاوت، نہ عبادت ہے نہ ذوق سجدہ، نہ شوہر کی فرماں برداری ہے، نہ خدا کی اطاعت وبندگی، نہ سیرت فاطمہ پر عمل ہے، نہ زندگی میں سادگی، نہ تقویٰ ہے نہ پرہیز گاری، نہ شرم وحیاء ہے اور نہ ہی پردے کا اہتمام۔

اے میری ماں بہن سن اور کان کھول کر سن۔ حضور کے آنے سے پہلے، اسلام سے پہلے یہ عورت بڑی ذلت کی زندگی گزار رہی تھی۔ لوگ اسے پیروں کی جوتیوں کی طرح استعمال کرتے تھے۔ بازاروں میں جانوروں کی طرح بکا کرتی تھی۔ لوگ اس کے حسن وجمال اور بدن کو دیکھ ٹٹول کر اس کا سودا کرتے تھے۔ اسلام آیا پیغمبر اسلام آئے تو آپ نے عورتوں کے ساتھ ایسی گھنونی حرکت سے روکا۔ عورتوں کی عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے دستور اور قانون

بنایا۔ایسی لباس پہننے سے سخت منع فرمایا جسے پہن کر عورت کی بدن نمایاں نظر آئے۔ایسی چال ڈھال حرام قرار دیا ہے جسے دیکھ کر انسان نما شیطانوں کی نظر خواہ مخواہ اٹھے۔ڈھیلا لباس اور پردے کا حکم دیا۔اسلام نے عورت کو اس کا کھویا ہوا وقار واپس دلایا۔فرمایا عورت اگر ماں ہے تو اس کے قدموں میں جنت ہے۔عورت اگر بیوی ہے تو آدھا ایمان ہے،عورت اگر بیٹی ہے تو باپ کی جائیداد میں حصے دار ہے۔کیا یہ ناشکری کی انتہا نہیں کہ جس نبی نے جس پیغمبر نے عورت پر اتنے احسان کئے اس نبی کی بات ہمیں اچھی نہیں لگتی جس کی ہر بات وحیٔ الٰہی ہے جس کا ہر پیغام پیغامِ خدا ہے،جس کی اطاعت اور پیروی میں راحت ہی راحت ہے، جنت ہی جنت ہے۔

اے میری بہن یاد رکھ اے میری بیٹی سن لے! تیری عزت بال کٹوانے میں نہیں، بھنویں بنوانے میں نہیں، بیوٹی پارلر جانے میں نہیں، سر سے ڈوپٹہ گرانے میں نہیں، چست لباس پہن کر چلنے میں نہیں، بے شرمی اور بے حیائی کی حرکتیں کرنے میں نہیں۔بلکہ فاطمہ زہرا کی غلامی میں ہے۔سیرت فاطمہ پر عمل کرنے میں ہے، فاطمہ کی نقش قدم پر چلنے میں ہے۔اپنے سر اور چہرے کو ڈھانکنے میں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاتم طائی کی بیٹی کے ننگے سر پر چادر رکھ کر بتا دیا کہ اگر چہ کوئی کسی کی بیٹی ہو میں جیسے اپنی بیٹی فاطمہ کا ننگا سر نہیں دیکھنا چاہتا ایسے ہی کسی اور بیٹی کا سر ننگا نہیں دیکھنا چاہتا۔

ماں بہن بیٹیوں کو بے پردہ نکالنے والو، انہیں اسکٹ، تاؤزر پہنانے والو، انہیں چست اور باریک لباس پہنا کر گھمانے پھرانے والو، اگر تم چاہتے ہو کہ میری ماں بہن بیٹی پر کوئی بری نظر نہ ڈالے، ان کی عزت وآبرو سلامت رہے تو بے حیائی بے شرمی اور ننگا پن کے یہ تمام لباس اپنے ماں بہن بیٹیوں کو نہ پہناؤ۔آج پوری دنیا میں ریپ اور گینگ ریپ (اجتماعی زنا بالجبر) کے جو واردات بڑھ رہے ہیں، اس میں سب سے بڑا ہاتھ ماڈرن لباس کا ہے کہ آج عورت کپڑا پہن کے بھی عریاں نظر آرہی ہے۔آج لڑکی سوچتی ہے کہ جتنا کم کپڑا پہنوں گی زیادہ اسمارٹ دکھائی دوں گی۔جتنا فٹ اور چست پہنوں گی خوبصورت زیادہ دکھائی دوں گی۔اگر ایسی بات ہے تو جانور کپڑے بھی نہیں پہنتے انہیں تو سب سے

زیادہ ترقی یافتہ اور اسمارٹ نظر آنا چاہیے۔

تعلیم پر موقوف ہے رعنائیٔ افکار
بے ہودہ کتابوں کی خیالات بدل ڈال

دوستو! اپنی ماں بہن بیٹیوں کو بے پردہ نکالوگے تو اس سے یزید خوش ہوگا، شمر خوش ہوگا، ابن زیاد خوش ہوگا، زانی کتے خوش ہوں گے، شیطان خوش ہوگا، عورت کا وقار مجروح ہوگا اور اگر اس کو پردہ میں رکھوگے تو حسین خوش ہوں گے، فاطمہ خوش ہوں گی، علی خوش ہوں گے، نبی خوش ہوں گے، مصطفیٰ خوش ہوں گے اور خدا خوش ہوگا۔

ماں فاطمہ ہو تو بیٹا حسین ہوتا ہے، ماں ام الخیر ہو تو بیٹا غوث الاعظم ہوتا ہے، ماں ماہِ نور ہو تو بیٹا سلطان الہند غریب نواز ہوتا ہے، ماں ہاجرہ ہو تو بیٹا اسماعیل ہوتا ہے، طارق بن زیاد ہوتا ہے، صلاح الدین ایوبی ہوتا ہے، محمد بن قاسم ہوتا ہے، خالد بن ولید ہوتا ہے، ٹیپو سلطان شہید ہوتا ہے۔

میری ماؤں اور بہنوں اسلام کی تاریخ پڑھو، والیٔ میسور حیدر علی کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس وقت کے مجذوب سائیں ٹیپو کی بارگاہ میں خدا سے دعا مانگی۔اللہ نے آپ کو اولاد عطا فرمائی جس کا نام ٹیپو سلطان رکھا۔ٹیپو سلطان کا اصل نام فتح علی خاں ہے۔حضرت ٹیپو سلطان کے دودھ شریک بھائی جس وقت انگریزوں سے بات چیت کرنے گئے کافی دیر ہوگیا، واپس نہیں لوٹے۔لوگوں نے کہا یہ انگریزوں سے مل گیا ہے۔یہ سن کر ٹیپو سلطان اپنی دودھ پلانے والی ماں کے پاس گئے۔پوچھا ہم نے سنا ہے تمہارا بیٹا انگریزوں سے مل گیا ہے تو دودھ پلانے والی ماں کہنے لگی بیٹا ٹیپو! میرا بیٹا تیرا بھائی ہے وہ انگریزوں سے کبھی نہیں مل سکتا۔وہ وطن کے ساتھ کبھی غداری نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے اسلام کو پڑھا ہے۔ اسلام کہتا ہے وطن کی محبت آدھا ایمان ہے۔آج کچھ لوگ دیش بھگتی کا کھوکھلا نعرہ لگاتے ہیں حالانکہ وطن کی تعمیر وترقی کے لئے کوئی نمایاں کام انھوں نے نہیں کیا ہے جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ اس وطن کی آزادی کے لئے مسلمان قوم دوسو سال تک اپنی گردنیں کٹواتی رہی۔آج اقتدار مل گیا تو ہم کچھ نہیں۔ہماری قربانیاں بے معنی ہوگئیں۔ہم محب وطن نہیں؟ کوئی بات نہیں وطن

دوستی کا سند سرٹیفکیٹ مجھے ایسے لوگوں سے نہیں لینا ہے۔ان سے صرف یہ کہنا ہے:

چلو چلتے ہیں مل جل کر وطن پہ جان دیتے ہیں
بہت آسان ہے کمرے میں وند ماترم کہنا

ہاں تو میں کہہ رہا تھا ماں نے کہا بیٹا ٹیپو! تیرا بھائی میرا بیٹا ہے وہ وطن کے ساتھ غداری کبھی نہیں کرسکتا۔خدا کی قسم کبھی بھی میں نے اسے بے وضو دودھ نہیں پلایا۔

سوچو! جب ماں باوضو دودھ پلاتی تھی تو بیٹا ٹیپو سلطان بنتا تھا۔محمد بن قاسم بنتا تھا،صلاح الدین ایوبی بنتا تھا،محمود غزنوی بنتا تھا،خالد بن ولید بنتا تھا،کربلا کا شہید بنتا تھا۔

بات بیچ میں آئی تو میں نے عرض کردیا ورنہ گفتگو شہزادیٔ کونین سیدہ فاطمہ زہرا کی سیرت پاک پر ہورہی تھی۔آپ کا نام فاطمہ اور لقب زہرا بتول ہے۔حضور کی چار بیٹیوں میں سب سے چھوٹی مگر بہت ہی پیاری اور لاڈلی جناب سیدہ فاطمہ ہیں۔سرکار جب کہیں باہر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے فاطمہ کے گھر آتے اور جب گھر سے باہر کہیں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں فاطمہ سے ملتے۔اعلانِ نبوت سے دوسال پہلے آپ پیدا ہوئیں۔آپ کی ماں کا نام خدیجۃ الکبریٰ ہے۔۱۸ رسال کی عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کا عقد ہوا۔علی کی عمر اس وقت اکیس سال کی تھی۔سرکار نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہ کی شادی بہت ہی سادگی کے ساتھ کرکے امت کو سادگی کا پیغام دیا۔سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے رشتے کے لئے کئی پیغامات حضور ﷺ کو ملے مگر آپ نے سب سے جواب میں خاموشی اختیار فرمائی اور کسی سے ہاں نہ فرمائی۔

ایک دن صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے حضرت علی سے کہا کہ آپ رحمت عالم ﷺ سے حضرت فاطمہ کے رشتے کی اپنے لئے عرض کریں۔حضرت علی نے اپنے شفیق اور ہمدرد رفقاء سے کہا مجھے خود پیغام نکاح دیتے ہوئے حیاء محسوس ہوتا ہے مگر صدیق وفاروق کے اسرار پر اور حضرت ام ایمن کی تائید نے آپ کو حوصلہ دیا۔آپ کا شانۂ نبوت میں حاضر ہوئے۔حضور نے فرمایا علی کیسے آئے ہو۔شرماتے ہوئے عرض کیا حضور آپ پر میرے ماں باپ قربان میں حضرت فاطمہ کے رشتے کی درخواست لے کر حاضر ہوا ہوں۔یعنی پیغام

نکاح لایا ہوں۔سرکار نے حضرت علی سے یہ سن کر فرمایا اھلاً سھلاً مرحبا۔حضرت علی کو وہیں بٹھا کر امام الانبیاء جناب سیدہ کے پاس تشریف لے گئے۔فرمایا بیٹی علی نے تمہارے نکاح کا پیغام دیا ہے اب تم اپنی مرضی بھی بتادو تاکہ میں علی کو خوشخبری سنادوں۔پیغام مسرت دے دوں۔حضرت سیدہ نے سنا تو حیاء سے گردن جھکالی۔سیدہ کی خاموشی سے سرکار نے سمجھ لیا۔سرکار خوش خوش واپس تشریف لائے اور علی سے فرمایا علی مبارک ہو کہ تم اللہ کے رسول کے داماد بن رہے ہو۔میرے رب کی بھی یہی مرضی ہے۔اُدھر آسمانوں پر سیدہ کے نکاح کی خوشیاں منائی جارہی ہیں۔جنت الفردوس کو دولہن کی طرح سجایا گیا ہے۔فرشتے بھی ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہیں۔حوریں بھی اس جشن مسرت میں ڈوبی ہوئی ہیں۔کس قدر عظیم ہے فاطمہ زہرا کی شان جن کے شادی کا اہتمام خداوند قدوس خود فرمائے۔

کیوں نہ ہو فاطمہ کو بھی تو اپنا سب راہ خدا میں قربان کرنا ہے۔

سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی طے ہوگئی۔نہ رسم مہندی ہے نہ ہی ڈھول باجا اور نہ ہی سہیلیوں کے گیت۔بس ایک سادہ سا علی کا سوال اور ایک پروقار نبی کا جواب۔تاجدار رسالت نے حضرت علی سے فرمایا آپ کے پاس شادی کے اخراجات کے لئے کچھ ہے۔علی نے عرض کیا حضور،ایک گھوڑا ہے اور ایک ذرع ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا اے علی تم مجاہد ہو اس لئے گھوڑے کو اپنے پاس رکھو البتہ ذرع بکتر فروخت کردو تاکہ اس سے شادی کے اخراجات پورے ہوسکیں۔علی مرتضیٰ اپنی ذرع بیچنے کے لئے بازار چلے گئے تو بازار میں مدینے کے تاجر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔پوچھا علی کیسے آئے ہو،آپ نے تمام حالات وواقعات سنادیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کتنے قیمت پر ذرع بیچوگے۔کہا چار سو درہم میں بیچوں گا۔حضرت عثمان غنی نے کہا یہ ذرع میں خریدتا ہوں۔یہ کہہ کر ساڑھے چار سو درہم حضرت علی کو ادا کردیئے۔قربان جاؤں بیچنے والے کے۔بیچنے والا علی تھا خریدنے والا عثمان غنی تھا۔ذرع بیچنے والا بھی جنتی اور ذرع خریدنے والا بھی جنتی۔جب سودا طے ہوگیا۔علی نے پیسے لئے اور ذرع دے دیا۔حضرت عثمان غنی نے فرمایا اے علی یہ ذرع میری طرف سے شادی کا تحفہ قبول فرمائیں۔لیجیے یہ ذرع میری طرف سے آپ کو

تحفہ ہے۔ میرے دوست جب تک خدا کی راہ میں جہاد کرتے رہو گے تلوار رحمٰن کی ہوگی ذرع عثمان کی ہوگی۔

پھر اللہ کے رسول نے ابو بکر کو بلایا فرمایا یہ رقم لے جاؤ اور بازار سے شادی کا سامان خرید لاؤ۔ جب سامان کاشانۂ نبوت میں پہنچا۔ آپ نے تقریب نکاح میں شرکت کے لئے اپنے جاں نثار ساتھیوں کو دعوت دی جن میں ابو بکر و عمر، عثمان و سعد اور کچھ انصار قابلِ ذکر ہیں۔ آج سرورِ دو جہاں کے گھر پہ بارات آنی ہے لیکن دنیا نے دیکھا نہ لاؤ لشکر ہے اور نہ ہی کوئی دھوم دھام ہے۔ چشمِ فلک نے شاید یہ نظارا کبھی نہ دیکھا ہو کہ صرف دولہا اکیلے آیا ہے اور وہ بھی پرانے لباس میں۔ لباس بھلے زرق برق نہ سہی مگر دل روشن ہے۔ نبی نے دوستوں کو بلایا، یہی سیدہ فاطمہ کے شادی کے معزز مہمان تھے جنھیں دنیا ابو بکر کہتی ہے، فاروق اعظم کہتی ہے، عثمان غنی کہتی ہے، عبد الرحمٰن بن عوف کہتی ہے، عبیدہ بن جراح کہتی ہے، یہی علی کے باراتی سمجھ لیجیے۔ یہی نبی کے ساتھی سمجھ لیجئے۔ مجلسِ نکاح منعقد ہوئی، تاجدار رسالت نے زبان نبوت سے خطبہ پڑھا۔ فرمایا اے علی میں نے تمہارا نکاح فاطمہ بنت محمد سے چار سو مثقال حق مہر کے عوض کر دیا۔ علی نے اسے منظور کر لیا۔ اس طرح اپنی لاڈلی بیٹی فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیا۔

سرکار نے اپنی بیٹی کو جو جہیز دیا وہ تاریخ کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔ بیٹی کو کیا دیا ذرا کلیجے پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے ایک چار پائی، ایک چکی، ایک مشکیزہ، ایک پیالہ دو گدّے وہ بھی کھجور کے پتوں سے بھرے ہوئے۔ یہ جہیز تھا اس بیٹی کا جس کا باپ دو جہاں کا مالک و مختار تھا۔ یہ جہیز تھا اس بیٹی کا جس کا باپ اگر اشارہ کر دے تو پہاڑ سونا بن کر ساتھ چلے۔

یہاں پر ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہماری شادیوں کی تقریبات کیا ہوتی ہے، جہیز کیا ہوتا ہے، فرمائشیں کیا ہوتی ہیں۔ ہم اپنے گریبان میں منھ ڈال کر سوچیں کہ ہم مسلمان ہونے کے باوجود کہاں تک خدا اور رسول کے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ ہماری بیٹیاں کتنی بھی شان والی ہوں، وہ سیدہ فاطمہ زہرا کی قدموں کے خاک کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پھر جب اس شہنشاہِ کونین کی صاحبزادی کی شادی اس

سادگی سے ہو سکتی ہے تو پھر ہمیں اپنے بچوں کی شادی کی تقریب سادگی سے مناتے ہوئے کیوں شرم محسوس ہوتی ہے۔ کیا ہم رسول پاک سے (معاذ اللہ) زیادہ عزت والے ہیں کہ سادگی سے ہماری ناک کٹنے کا اندیشہ ہے۔ امام الانبیا اگر چاہتے تو اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی پر سونے کے پہاڑ خرچ کر سکتے تھے مگر انھوں نے تمہارے لئے اس آسان ترین راستے کا تعین کیا تھا کہ جب تم اپنے بیٹیوں کی شادی کرنے لگو تو میری بیٹی فاطمہ کی شادی یاد کر لینا پھر تمہیں اپنی غربت پر رونا نہیں آئے گا۔ تمہاری غریبی تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔ تمہاری ناکیں کٹنے کا امکان ختم ہو جائے گا مگر تمہاری ناک پھر بھی محفوظ نہیں جسے ہر وقت کٹ جانے کا ڈر لگا رہتا ہے۔ خدا کے لئے اپنی حیثیت سے آگے نہ بڑھو۔ اپنی اوقات میں رہو، ہر معاملہ میں اپنے نجات دہندہ رسول کی خاندان کو پیش نظر رکھو۔ تم نے سُنّتِ مصطفےٰ چھوڑ کر خود کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ قرضے حاصل کر کے بیٹیوں کی شادی کرنا اسلام نے کب جائز قرار دیا ہے، بتاؤ مجھے۔ تم بیٹی کو دروازے سے وداع کرتے وقت خود بک جاتے ہو، مسلمان کہلانا ہے تو دین میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ ہر کام میں محمد عربی ﷺ ہی کی اتباع کرو تو تم سچے مسلمان کہلانے کے حقدار ہو گے۔ تمہاری بچیاں تمہیں اس وقت اور بھی اچھی لگیں گی جب وہ تم پر کسی قسم کا بوجھ ڈالے بغیر اپنے گھروں میں آباد ہونا شروع ہو جائیں گی۔ جو صورت اس وقت آپ لوگوں پر مسلّط ہو چکی ہے۔ اس حالت میں بیٹی کو باپ کا سچا پیار کبھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ والدین اس حالت میں ویسے ہی بیزار ہوتے ہیں پھر پیار اور سچی محبت کہاں۔ اگر آپ سُنّتِ مصطفےٰ اور سُنّتِ فاطمہ زہرا پر عمل کرنا شروع کر دیں تو آپ کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

آپ کو دعوت فکر دیتے ہوئے اب ہم جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رخصتی کا منظر بیان کرتے ہیں۔ اب سیدہ فاطمہ کی شوہر کے گھر میں رخصتی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سیدہ کی رخصتی کے کام میں تمام ازواج مطہرات پوری دلچسپی لے رہی تھیں۔ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کے زبان سے نکل گیا کہ اے کاش! آج اپنی بیٹی کی رخصتی کے وقت خدیجہ موجود ہوتیں تو وہ بھی اپنی بیٹی کے سر پر دستِ شفقت رکھتیں۔ بس سیدہ خدیجہ کا نام آنا تھا کہ صبر وضبط کے سارے

بندھن ٹوٹ گئے اور تاجدار انبیاء کے دل کا طوفان آنسوؤں کی شکل میں رخسار نبوت پر بہہ نکلا۔ اللہ کے رسول بہت روئے اور فرمایا ام سلمیٰ تم نے ٹھیک کہا ہے۔ خدیجہ نے میرے لئے بہت مصائب برداشت کئے۔ اس نے اپنا تمام مال میرے لئے وقف کر دیا۔ اس نے سب سے پہلے میری نبوت کی تصدیق کی۔ کاش خدیجہ اس وقت زندہ ہوتیں۔ انہیں دنیا سے جاتے وقت اپنی چہیتی بیٹی فاطمہ کا بہت خیال تھا۔ وہ حسرت سے کہتی تھیں کہ میں اپنی بیٹی کی شادی نہیں دیکھ سکوں گی۔ انہیں اس بات کا بہت صدمہ تھا کہ میں فاطمہ کا جہیز اپنے ہاتھوں سے تیار نہ کر سکوں گی اور پھر وہ یہی حسرت لے کر جنت الفردوس کو چلی گئیں۔

امام الانبیاء کی بیٹی کی خوشیاں ماں کی یادوں سے غم میں ڈوب گئیں۔ ایسے وقت میں سیدہ کو ماں کی یادوں نے بے قرار کر دیا۔ آپ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر اس قدر روئیں کہ آپ کے دوپٹے کا آنچل بھیگ گیا۔ ماں خدیجہ کی یاد نے دل میں طوفان برپا کر دیا۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑا۔ سینے میں یادوں کے طوفان اٹھے ہوئے تھے۔ دل کی حالت یہ تھی جیسے ڈوبتا ہی چلا جا رہا ہو۔ ماں کی شفقت اور ممتا یاد آئی تو سینے پر چھریاں چلنے لگیں۔ اگرچہ امہات المومنین نے خدمت اور پیار عطا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھا تھا مگر ماں ماں ہوتی ہے۔ ماں کی کمی کوئی دوسرا پورا نہیں کر سکتا۔ بیٹی کی رخصتی کے وقت ماں کی موجودگی کس قدر ضروری ہوتی ہے اسے یا تو ماں جان سکتی ہے یا سسرال میں جانے والی بیٹی جان سکتی ہے۔ ماں بیٹی کی ڈھرکنوں کا سکون ہوتی ہے۔ ماں بیٹی کے لئے جنت کی خوشبوؤں کا مہکتا ہوا گلدستہ ہوتی ہے۔ ماں کا وجود اولاد کے لئے سب سے بڑا انعام خداوندی ہے۔ ماں کے قدموں میں اولاد کی جنت ہے۔ ماں کی محبت ہر قسم کی لالچ سے پاک ہوتی ہے۔ ماں کے سینے میں وفا ہی وفا ہے۔ محبت ہی محبت ہے۔ راحت ہی راحت ہے۔ پیار ہی پیار ہے۔ ایثار ہی ایثار ہے۔ قرار ہی قرار ہے۔ خلوص و پیار اور محبت کی انتہائی بلندیوں کا نام ماں ہے۔ ماں کی محبت ایسی محبت ہے جس میں تصنع نہیں، دکھاوا نہیں، ریاکاری نہیں، غرض نہیں، لالچ نہیں، ماں کی ممتا میں پھولوں کی مسکراہٹ ہے۔ کلیوں کی پاکیزگی اور لطافت ہے۔ کتنی عظیم ہے ماں۔ کتنی عظیم ترین ہے ماں کی ممتا۔ ماں کی دعاؤں کی ضرورت انبیائے کرام کو بھی

پڑی ہے۔ ماں ناراض تو اللہ اور رسول ناراض، ماں کی دعاؤں سے نہ جانے کتنوں کو اللہ نے اپنا ولی بنا لیا۔

ماں کی یاد نے حضرت فاطمہ کو غمگین کر دیا۔ رحمت عالم ﷺ سے اپنی بیٹی کا غم دیکھا نہ گیا دوڑ کر بیٹی کو سینے سے لگا لیا اور آنسوں پوچھتے ہوئے فرمایا بیٹی نہ رو۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے حضور کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب نکل آیا۔ بیٹی سے فرمایا میں نے تمہارا نکاح دنیا کے سب سے افضل اور بہترین آدمی سے کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا جاؤ بیٹی خدا تمہارا حافظ و نگہبان ہو۔ اپنے شوہر کی ہر حال میں اطاعت کرنا۔ اس کے مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرنا شوہر کو ہمیشہ خوش رکھنا اس کی خوشی میں اللہ اور رسول کی رضا ہے۔ فاطمہ بیٹی تم میرے دل کا ٹکڑا ہو۔ پھر اللہ کے رسول نے ایک پیالے میں پانی منگوایا کچھ پڑھ کر دم کیا اور دونوں کو پلاتے ہوئے کہا یا اللہ میں اپنی بیٹی اور اس کی اولاد کو شیطان کے شر سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ مولیٰ قیامت تک میری اولاد کے اولاد کو شیطان مردود کے شر سے حفاظت فرما۔

محمد رسول اللہ کی بیٹی باپ کی دعائیں لے کر خانۂ مرتضیٰ کو رخصت ہو گئیں۔ خود امام الانبیاء ﷺ بیٹی کے ڈولی کے ساتھ ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں۔ راستے میں جبریل کی آواز سنی پھر دیکھا تو ایک طرف جبریل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ تکبیر پڑھتے ہوئے جا رہے ہیں۔ اور ایک طرف حضرت میکائیل ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ اللہ اکبر کی صدائیں بلند کر رہے ہیں۔ امام الانبیاء نے پوچھا جبرئیل کیسے آئے ہو۔ عرض کیا آقا آپ کے صاحبزادی کی ڈولی علی کے گھر پہنچانے کے لئے آئے ہیں۔

سبحان اللہ! یہ شان ہے اس بنت رسول کی جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر دنیا کے تمام غم و آلام جھولی میں ڈال لئے۔ خدا کے یہاں ان کو جو اعزاز حاصل ہے وہ دنیا کے کسی بھی عورت کو حاصل نہیں۔ آؤ اس سلسلے کی آخری کڑی سماعت فرمائیے۔

ایک دن سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ صحابہ کی محفل میں بیان فرمایا کہ انھوں نے اپنی بیٹی کی جہیز میں بے شمار سامان دیا اور اپنے داماد کے لئے ایک

اس قدر بیش قیمت تاج بنوایا کہ اس میں سات قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے اور انھوں نے بیٹی کی شادی میں جو جوتی دیا اس میں بھی، ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔امام الانبیاء سے یہ قصہ سن کر حضرت علی گھر آئے اور سارا واقعہ شروع سے آخر تک سب سیدہ فاطمہ زہرا کو سنا دیا۔سیدہ خاتون جنت نے یہ قصہ سنا تو دل میں خیال آ گیا کہ ممکن ہے جناب علی نے اس وجہ سے یہ بات گھر میں دہرائی ہو کہ حضرت سلیمان نے اپنی بیٹی کو اس قدر قیمتی جہیز دیا اور داماد کو ہیرے جواہرات سے مرصع تاج دیا اور تمہارے باپ نے جہیز میں مختصر سامان دیا۔ رات کو مولیٰ علی نے خواب میں دیکھا کہ جنت الفردوس میں شہزادیٔ کونین سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہیرے جواہرات سے مرصع تخت پر جلوہ فرما ہیں۔ جنت کی حوریں بصد احترام آپ کے سامنے کھڑی ہیں۔ان میں ایک لڑکی جس کا حسن و جمال حوروں کے حسن و جمال پر غالب ہے وہ ہاتھوں میں موتیوں اور جواہرات سے بھرے ہوئے طشت لے کر آپ کے سامنے کھڑی ہے۔اور اس کی نگاہیں حضرت فاطمہ زہرا کی جانب اس شوق سے بار بار اٹھ رہی ہیں کہ آپ اس کی طرف ایک بار نظر اٹھا کر دیکھ لیں۔ جناب مولیٰ علی نے فاطمہ سے پوچھا یہ لڑکی کون ہے۔تو آپ نے فرمایا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی صاحبزادی ہے خدا نے اسے میری خدمت پر معمور فرمایا ہے۔(سبحان اللہ)

حضرت علی صبح بیدار ہو کر جب اپنا خواب فاطمہ زہرا کو سنایا تو آپ نے سجدۂ شکر ادا فرمایا یہ شان ہے اس بنت رسول کی جس پہ فاقے پہ فاقہ گزر رہا تھا، ہمیں فاطمہ کی غربت کی وہ کہانی بھی یاد ہے جب کھانے کے لئے روٹی کا ٹکڑا بھی دستیاب نہیں تھا۔اسلام اس وقت بھی عزت پا گیا تھا۔ اسلام اس وقت بھی ذلیل نہیں تھا۔ اسلام اس وقت بھی سر بلند تھا۔اسلام اس وقت بھی عزتوں کے مسند پر تھا۔ یہ اسلام کا وہ دور ہے کہ جب حضور مسجد نبوی سے باہر نکلتے ہیں تو باہر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کھڑے ہیں۔ چہرے پر عجیب اداسی ہے۔کہا ابوبکر عمر اس وقت یہاں کیوں کھڑے ہو عرض کی حضور بھوک نے گھروں میں ٹکنے نہیں دیا۔ ہم نے چاہا حضور کا چہرہ دیکھ لیں تو پیاس بجھ جائے کچھ بھوک مٹ جائے۔حضور نے فرمایا میرا بھی حال یہی ہے۔جس چیز نے تم کو گھروں سے نکالا ہے وہی چیز مجھے بھی گھروں سے

نکال لائی ہے۔ چلتے ہوئے حضرت ابوایوب انصاری کے گھر کے قریب سے گزرے۔ حضور کی خوشبو پا کر وہ باہر آ گئے۔عرض کی بندہ نواز آج میرے مہمان بنئے۔حضور نے کہا تمہاری مرضی۔گھر لے گئے۔ چٹائی بچھائی اور حضور کو بٹھایا۔گھر والوں کو بکری کا بچہ ذبح کر کے دیا کہا جلدی جلدی کھانا تیار کرو میرے آقا کو بھوک لگی ہوگی۔ یہ کہہ کر واپس آئے حضور کے پاس بیٹھے نظر چہرۂ اقدس پر پڑی تو گھبرا گئے۔نقاہت کے آثار چہرے پر اتنے واضح تھے کہ سب ظاہر تھے کہ کتنے دنوں سے حضور نے کچھ نہیں کھایا۔اٹھ کے باغ میں چلے گئے۔ کھجوروں کا خوشہ توڑا حضور کے سامنے رکھا۔کہا بندہ نواز جب تک کھانا تیار نہیں ہوتا یہ کھجوریں تناول فرمائیں۔تھوڑی دیر کے بعد کھانا دسترخوان پر لگ گیا۔حضور سے عرض کی گئی۔حضور آئیں کھانا تناول کر لیں۔حضور نے دسترخوان پر تشریف فرما ہو کر کپڑا اٹھایا تو حضور نے جب دیکھا کہ کھانا ہے تو ایک روٹی اور چند بوٹیاں اٹھائیں اور ایک خادم کو بلا کر کہا جاؤ ہمارے گھر دے آؤ میری بیٹی فاطمہ کتنے دنوں سے بھوکی ہے۔اے میرے اسلامی بھائیو اور بہنو! وہ بھوکی رہ کے بھی خدا کو نہ بھولیں ہم آسودہ ہو کر بھی یاد خدا سے غافل ہیں۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

●●●

حضور کی دعاؤں کا اثر

نَحْمَدُہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝۱

منگتے خالی ہاتھ نہ لوٹے اتنی ملی خیرات نہ پوچھو
ان کا کرم بس ان کا کرم ہے ان کے کرم کی بات نہ پوچھو

آج میری تقریر کا موضوع ہے ہمارا وہ رسول جس کی ہر دعا مقبول۔ بارگاہِ الٰہی میں کسی کی دعا کا قبول ہونا اس کی بزرگی اور مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔ اللہ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو مستجاب الدعوات بنایا یعنی ان کی دعاؤں کو کبھی رد نہیں فرمایا لیکن تمام انبیائے کرام کی دعائیں جس نبی کے وسیلے سے قبول ہوتی رہیں وہ ہیں ہمارے آپ کے آقا مولیٰ تمام نبیوں کے نبی، تمام آقاؤں کے آقا تمام سرکاروں کے سرکار احمد مختار روحی فداہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ آیئے اسی سرکار ﷺ کی دعاؤں کا اثر دیکھیں۔ بریلی کے تاجدار دنیائے سُنّیت کے عظیم پیشوا سرکار اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا	بڑھی شان سے جو دعائے محمد ﷺ
اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا	دولھن بن کے نکلی دعائے محمد ﷺ
رضا پل سے اب وجد کرتے گزرئیے	کہ ہے رب سلم صدائے محمد ﷺ
ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کردیا	موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ ایک غریب اور مفلس صحابی امام الانبیاء ﷺ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے کملی والے آقا سے اپنی غربت

اور تنگدستی کی شکایت کرتے ہوئے کچھ کھانے کو مانگا۔ (اس وقت کسی کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ نبی سے مانگو تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ صحابی تھے ان کا عقیدہ تھا کہ دین ملا اسی در سے۔ دنیا ملی اسی در سے۔ ایمان ملا اسی در سے۔ قرآن ملا اسی در سے۔ اسلام ملا اسی در سے۔ رب کا پہچان ملا اسی در سے۔ توحید کا جام ملا اسی در سے۔ دنیا کی تمام نعمتیں ملیں اسی در سے۔ گناہوں سے بخشش کا پروانہ ملا اسی در سے اور حق تو یہ ہے کہ خدا بھی ملا اسی در سے۔ اسی لیے صحابہ کو جب بھی دین و دنیا کی کوئی ضرورت پیش آتی تو وہ بارگاہِ نبوت میں آیا کرتے اور سرکار سے مانگا کرتے اور عرض کرتے یارسول اللہ انظر حالنا۔ یا حبیب اللہ اسمع قالنا۔ سرکار نظر کرم کیجئے۔ ہمارے حال زار کو دیکھئے۔ سرکار ہماری فریاد سنئے۔ اِنَّنَا فِیْ بَحْرِ ھَمٍّ مِّنْ مُّغْرِقٍ۔ خُذْ یَدِیْ سَھِّلْ لَنَا اِشْقَالَنَا۔ سرکار زندگی کی کشتی غموں کے بھنور میں ہچکولے کھا رہی ہے۔ دستگیری فرمائیے کنارے لگائیے۔ آقا تمام مشکلات کو حل فرما دیجئے۔ آقا کی بارگاہ بارگاہِ خدا ہے۔ آقا سے مانگنا رب سے ہی مانگنا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ صحابی نے عرض کیا سرکار! بہت غریب ہوں گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر حضور نے انھیں ایک سیر جَو دیئے اور وہ گھر لے آئے تو ان میں اتنی برکت ہوئی اتنی برکت ہوئی کہ کئی سال تک وہ صحابی ان کے بیوی بچے اور مہمان کھاتے رہے مگر وہ ختم نہ ہوئے۔ ایک دن ان صحابی نے پکانے سے پہلے ان کو تول لیا تو وہ ختم ہو گئے۔ پھر وہ حضور کے پاس آئے اور عرض کیا یارسول اللہ! ﷺ جو ختم ہو گئے ہیں۔ تو کملی والے آقا نے فرمایا۔ اگر ان کو نہ تولتے تو ساری زندگی کھاتے رہتے مگر وہ ختم نہ ہوتے۔

یہاں پر ایک بات قابل غور ہے کہ جس نے نبی کی دی ہوئی شئے تولی وہ شئے ختم اور جس نے اللہ کا دیا ہوا نبی کا علم تولا تو اس کا ایمان ختم۔

کون کہتا ہے کہ نبی کچھ نہیں دیتا، میں کہتا ہوں نبی ایسا دیتا ہے کہ پھر ختم ہی نہیں ہوتا۔ مولیٰ علی کوفے میں جاتے ہیں لوگ سوال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اے علی حاتم طائی بڑا ہی سخی

تھا۔فرمایا کتنا بڑا سخی تھا۔لوگوں نے کہا اتنا بڑا سخی تھا کہ اس کے محل کے دس دروازے تھے۔
ایک ہی سائل دس دروازوں سے بار بار آتا وہ ہر بار عطا کرتا یہ بھی نہ کہتا کہ تو پہلے بھی آیا ہے۔
فرمایا اس کو تم اس کی سخاوت سمجھتے ہو میں اسے کنجوسی کہوں گا۔کہا وہ کیسے؟ فرمایا اس کی
ضرورت پوری نہ ہوئی تبھی وہ دس دروازوں پر بار بار آیا ارے میرے نبی نے جس کو ایک بار
دے دیا خدا کی قسم ساری عمر اسے دوبارہ مانگنے کی ضرورت نہ ہوئی۔دوسروں سے مانگنے
والے صرف گدا ہوتے ہیں مگر یہ دربار محمد ہے یہاں گدا بھی مانگتے ہیں بادشاہ بھی مانگتے ہیں۔
غزنی کا بادشاہ مشک کاندھوں پر اٹھائے مدینے کی گلیوں میں پانی کا چھڑکاؤ کر رہا تھا کسی
نے دیکھا تو پوچھا بادشاہ اور کام گداؤں کا کر رہا ہے۔جواب دیا بادشاہ تو غزنی کا ہوں مگر اس در
کا تو گدا ہوں۔سنو!

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

دوسری طرف مصر کا بادشاہ بڑے کروفر اور جاہ وجلال کے ساتھ مدینہ آرہا ہے۔لوگوں
نے کہا ارے ارے مدینہ شہر اور تو اتنی سج دھج کے کیوں آرہا ہے۔بولا مدینے والے نے ہی تو
بادشاہی دی ہے۔دکھانے آیا ہوں اچھی بھی لگتی ہے یا نہیں۔اعلیٰ حضرت سرکار فرماتے ہیں۔

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی
ملک کونین میں انبیاء تاجدار
تاجداروں کا آقا ہمارا نبی

سب کچھ اللہ ہی دیتا ہے مگر کچھ بھی ڈائرکٹ نہیں دیتا۔دولت دیتا ہے کاروبار کے
ذریعہ بیماری سے شفا دیتا ہے ڈاکٹر اور حکیم کے ذریعہ۔جنت دیتا ہے ایمان کے ذریعہ۔اور
یہ سب کچھ دیتا ہے مصطفٰے کے ذریعہ اعلیٰ حضرت سرکار محدث بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اللہ نے انا اعطینک الکوثر فرما کر اپنے نبی کو ہر کمال ہر خوبی ہر نعمت کثرت سے عطا فرما
دی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرما دیا وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۔ اے میرے محبوب میں
نے جب ہر چیز ہر شئے تجھے عطا کر دی تو جو بھی مانگنے والا آئے اسے دیتے جاؤ۔جو ایمان
مانگے اسے ایمان دے دو۔جو جنت مانگے اسے جنت دے دو۔جو دنیا مانگے اسے دنیا
دے دو۔جو دین مانگے اسے دین دے دو۔جو دولت مانگے اسے دولت دے دو
ایک مرتبہ سات ہزار درہم حضور کی خدمت میں آئے،آپ نے اسی وقت سب تقسیم
فرما دیئے بعد میں ایک سائل کو معلوم ہوا تو وہ بھی دوڑتا ہوا آیا کہ مجھے بھی کچھ ملے گا۔آپ نے
فرمایا اب تو کچھ نہیں بچا۔اچھا ایک کام کر۔بازار جا میرے نام پر جو چاہے خرید لے میں
ادائیگی کر دوں گا۔ایک مرتبہ آپ کے پاس بکریوں کی بھری ہوئی وادی تھی۔ایک شخص نے
کہا یا رسول اللہ ﷺ! میری بہت ساری ضرورتیں ہیں اور وہ اس وقت پوری ہوں گی جب
مجھے ساری بکریوں کا یہ ریوڑ اور وادی دے دیں گے۔یہ سنا اور آپنے بکریوں سے بھری
ہوئی پوری وادی اسے عطا فرما دی۔اس نے اپنے قبیلے میں جا کر اعلان کیا اے لوگو! جاؤ محمد
پہ ایمان لے آؤ جاؤ ان کے در پہ جاؤ خدا کی قسم! وہ اتنا دیتے ہیں اتنا دیتے ہیں کہ کل کی فکر
ہی نہیں کرتے۔اپنے لئے کچھ بھی نہیں رکھتے۔
مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرکار نماز پڑھانے کے لئے مصلے پہ کھڑے
ہوئے کہ اتنے میں ایک سائل آیا اور اس نے کہا پہلے میری ضرورت پوری کرو۔آپنے مصلیٰ
چھوڑ کر پہلے اس کی ضرورت پوری کی پھر نماز پڑھائی۔اعلیٰ حضرت سرکار فرماتے ہیں۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

حضور کی کرم کا،عطا کا،سخا کا اندازہ کون لگا سکتا ہے،جس نے جو مانگا میرے آقا نے
اسے وہ عطا کر دیا۔صحابہ میں جنت تقسیم فرمائی۔دنیا کو علم کی روشنی عطا کی قرآن دیا،اسلام
دیا،ایمان دیا،رب کائنات کا پہچان دیا،ابوہریرہ کو قوت حافظہ دیا،حضرت قتادہ کو آنکھ عطا
کر دی،چھڑی کو نور کی لائٹ بنا دیا،کھجور کی شاخ کو تلوار بنا دیا،ایک پیالہ دودھ سے ستر صحابہ کو

آسودہ حال کر دیا، انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا کر چودہ سو صحابہ کو سیراب کر دیا، ابوبکر کو صدیق اکبر بنا دیا، عمر کو فاروق اعظم بنا دیا، عثمان کو ذوالنورین بنا دیا، علی کو حیدر کرار بنا دیا، بے زر کو ابوزر بنا دیا بلال حبشی کو رشک قمر بنا دیا، جس کو جو کچھ ملا وہ سب حضور کے صدقے میں ملا۔ حضور کے وسیلے سے ملا، حضور کی دعاؤں سے ملا۔ آؤ حضور کی دعاؤں کا اثر دیکھو۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ روتے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے پوچھا اے ابو ہریرہ کیوں روتے ہو۔ عرض کیا سرکار مجھے اپنی ماں سے بڑی محبت ہے مگر وہ مشرکہ ہے ابھی تک ایمان نہیں لائی۔ میں نے اسے بہت راہ راست پر لانے کی کوشش کی ہے مگر ناکام رہا ہوں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن میں جنت میں جاؤں اور میری ماں دوزخ میں جائے۔ سرکار مجھ سے دیکھا نہ جائے گا اس لئے یارسول اللہ ﷺ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِيَ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ۔ سرکار دعا فرما دیں کہ اللہ میری ماں کو ہدایت دے دے۔ دولت ایمان عطا فرما دے وہ مسلمان ہو جائے۔ یہ سنا تو حضور پاک ﷺ نے اپنے نبوت والے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اے اللہ ابو ہریرہ کے ماں کو ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرما۔ مسلمان کر دے۔ اُدھر حضور نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائی اِدھر ابو ہریرہ نے دوڑ لگائی۔ دیکھنے والے حیران تھے جب ابو ہریرہ واپس آئے تو صحابہ نے پوچھا آج آپ نے ایسا کیوں کیا۔ فرمایا میں دیکھنا چاہتا تھا کہ نبی کی دعا پہلے عرش پہ پہونچتی ہے یا میں پہلے گھر پہونچتا ہوں۔ صحابہ نے پوچھا پھر کیا ہوا؟ عرض کی نبی کی دعا پہلے پہونچ گئی کیونکہ میں گھر گیا تو میری ماں مسلمان ہو چکی تھی۔ مکان کا دروازہ بند تھا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے ماں نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا تیرا بیٹا ابو ہریرہ ہوں۔ کہا اے ابو ہریرہ دروازے پہ کھڑے رہو میں غسل کر رہی ہوں اور میں غسل کا بہتا ہوا پانی دیکھ رہا تھا۔ جب ماں غسل سے فارغ ہوئی تو اس نے نئے کپڑے پہنے اور دروازہ کھولتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھ رہی تھی۔ میں خوشی اور مسرت سے دوڑتا ہوا حضور کے پاس گیا عرض کیا سرکار آپ کی دعاؤں کے صدقے میں میری ماں مسلمان ہوگئی ہے۔ (سبحان اللہ)

دوستو! یہ ہے میرے نبی کی دعاؤں کا اعجاز یہ ہے آقا کی دعاؤں کا اثر، وہ دعا فرما دیں تو مغفرت اور بخشش ہو جائے۔ وہ دعا فرما دیں تو جنت کا پروانہ مل جائے، وہ دعا کر دیں تو گناہ اور شرک کی بیماریوں سے شفا مل جائے، وہ دعا کر دیں بارش برسنے لگے قحط سالی دور ہو جائے، وہ دعا فرما دیں تو گمشدہ سواری واپس آ جائے، وہ دعا فرما دیں تو حضرت جابر کے مرے ہوئے دونوں بچے زندہ ہو جائیں، وہ دعا فرما دیں تو بے ایمان کو ایمان کی دولت مل جائے، کون نہیں جانتا حضرت عمر فاروق اعظم کی قسمت کا فیصلہ بھی حضور کی دعا نے فرمایا، ستر بچوں کو زندہ درگور کرنے والے حضرت دحیہ کلبی کے لئے بھی حضور نے دعا فرمائی، اے اللہ دحیہ کلبی کو اسلام کی دولت عطا فرما۔

تفسیر روح البیان میں مفسر قرآن علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا کہ دحیہ کلبی عرب کے کافروں میں بہت ہی بڑا دولت مند شخص تھا۔ وہ بہت ہی خوبصورت نوجوان تھا۔ جب کبھی وہ باہر نکلتا تو عورتیں اسے دیکھنے کے لئے گھروں سے باہر نکل آتیں۔ اللہ نے اس قدر اسے حسن و جمال دیا تھا کہ اسلام لانے کے بعد جبریل جیسا فرشتہ بھی دحیہ کلبی کی صورت میں حضور کے پاس آ رہا ہے۔ حضور ﷺ دحیہ کلبی کے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے بہت ہی خواہشمند تھے۔ کیونکہ ان کے زیر اثر ان کے خاندان کے سات سو افراد تھے۔ سید عالم نور مجسم ﷺ کی آرزو تھی اگر دحیہ مسلمان ہو گیا۔ ایمان لے آیا تو اس کے خاندان کے سات سو افراد بھی ایمان لے آئیں گے اس بنا پر رحمت دو عالم ﷺ اس کے ایمان لانے کی دعا فرمائے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا اے اللہ دحیہ کلبی کو اسلام اور ایمان کی دولت عطا کر دے۔ آخر آقائے دو عالم ﷺ کی دعا قبول ہوئی۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ ہمارا آقا وہ رسول ہے جس کی ہر دعا قبول ہے۔ پھر جب دحیہ کلبی نے اسلام لانے کا ارادہ کیا تو اللہ اپنے محبوب شہنشاہِ دوجہاں جان ایمان ﷺ کی طرف صبح کی نماز کے بعد وحی کیا، پیغام بھیجا کہ اے میرے محبوب! میں نے آپ کی چاہت کا احترام کیا، جو فرش پر مصطفیٰ کی مرضی وہی عرش پہ خدا کی مرضی، میں نے آپ کی دعا قبول کرتے ہوئے دحیہ کلبی کے دل میں نور اسلام کی روشنی پیدا کر دی ہے۔ ابھی وہ تھوڑی دیر میں آپ کی

خدمت میں حاضر ہونے والا ہے۔ اتنے میں دحیہ کلبی مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو رحمت عالم ﷺ نے اپنی چادر رحمت کندھے سے اتار دی، زمین پر بچھا دی اور دحیہ کلبی کو اس پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ دحیہ کلبی رحمت دو عالم معلم کائنات کا حُسنِ اخلاق دیکھ کر رونے لگے اور چادر مبارک کو اٹھا کر اسے بوسہ دیا آنکھوں سے لگایا سر پر رکھ لیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر اسلام پیش کیجئے، فرمایا۔ کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ﷺ

اسلام کے مقدس دامن میں آجانے کے بعد پھر وہ رونے لگے۔ رحمت عالم نے پوچھا اب کیوں روتے ہو۔ عرض کیا میں نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں اپنے انھیں ہاتھوں سے نہ جانے کتنوں کو تہہ تیغ کیا ہے۔ اپنے انہیں ہاتھوں سے نہ جانے کتنے ڈاکے ڈالے ہیں اپنے انھیں ہاتھوں سے نہ جانے کتنے کا سہاگ لوٹا ہے اپنے انھیں ہاتھوں سے نہ جانے کتنے بچوں کو یتیم کیا ہے، اور اے اللہ کے رسول میں نے اپنے انھیں ہاتھوں سے اپنی ستر بچیوں کا گلہ گھونٹ کر زمین میں دفن کر دیا ہے۔ یہ کون بول رہے ہیں، یہ تنہا دحیہ کلبی ہی نہیں بول رہے ہیں عرب کی پوری جاہلیت بول رہی ہے عرب کا پورا معاشرہ بول رہا ہے محسن انسانیت محمد عربی ﷺ کے آنے سے پہلے پورا جاہلی سماج اس میں جکڑا ہوا تھا۔ لوگ اپنی بچیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے کیونکہ عرب کی جہالت اس کو گوارہ نہیں کرتی تھی کہ وہ کسی کو اپنا داماد بنائیں دوسری بات یہ کہ وہ لڑکی کو پرایا دھن سمجھتے تھے۔ کہ یہ کھائے گی بڑی ہوگی دوسرے کے گھر چلی جائے گی یہ بڑی ہو کر ہمارا نقصان کرے گی اس لئے پیدا ہوتے ہی عرب کے لوگ اسے جان سے مار دیتے تھے۔

پیغمبر اسلام آئے تو قرآن آیا، قرآن نے کہا اے لوگو! اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے مت قتل کرو بے شک اللہ تم کو اور ان کو روزی دیتا ہے۔ دنیا بیٹی بچاؤ کی تحریک آج چلا رہی ہے۔

میں کہتا ہوں اسلام کی تاریخ پڑھو پیغمبر اسلام ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے بیٹی بچاؤ کی تحریک چلائی تھی اور فرمایا اے لوگو! بچیوں کو قتل مت کرو۔ انہیں زندہ زمین میں دفن کرنا بند کر دو۔ لوگو! بیٹیوں سے خوب محبت رکھو۔ اسے بیٹے سے زیادہ پیار دو۔ بیٹی اللہ کی رحمت ہے بیٹا نعمت ہے، رحمت ہوگی تو نعمت ملے گی۔

معلوم ہوا کہ بیٹی بچاؤ کی تحریک یہ اسلام ہی کی چلائی ہوئی تحریک ہے جو اب دنیا کی پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کے ذریعہ چلائی جا رہی ہے۔ میرے پیغمبر نے فرمایا اے لوگو! بازار سے کھانے پینے کی جب کوئی چیز لاؤ تو سب سے پہلے بیٹی کے ہاتھ میں دو بعد میں بیٹے کو دو۔ فرمایا عورت اگر ماں ہے تو اس کے قدموں میں جنت ہے، اگر بیوی ہے تو آدھا ایمان ہے۔ بیٹی ہے تو بخشش کا ذریعہ ہے۔ فرمایا جو شخص لڑکی کی پیدائش پر غم نہ کرے اس کو حقیر ذلیل نہ سمجھے اس کی صحیح تعلیم وتربیت کرے۔ لڑکے کی طرح اس کو جانے مانے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ دنیا کی مذہبی تاریخ آپ پڑھیں اسلام سے پہلے دنیا میں کہیں بھی عورت کی کوئی عزت نہیں تھی۔ اسلام آیا محمد عربی آئے تو آپ نے انہیں عزت کی زندگی دی اور ان کے چھینے ہوئے حقوق انہیں واپس دلوائے۔ دنیا کی تمام عورتوں پر اسلام کا احسان ہے۔

حضرت دحیہ کلبی نے عرض کی اے اللہ کے پیارے رسول! میں نے اپنے انہیں ہاتھوں سے اپنے ستر لڑکیوں کو زندہ دفن کر چکا ہوں۔ یہ دردناک داستان سن کر رحمت عالم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمایا اسلام نور کا سمندر ہے۔ اللہ غفور رحیم ہے اس کی رحمت کے ساگر میں نہا لو، تمہارے سارے پاپ دھل جائیں گے۔

سچے دل سے اللہ کی وحدانیت کا اور میری رسالت کا اقرار کرلو جس نے اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کا اقرار کرلیا۔ کلمۂ پڑھ کر ایمان لے آیا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو گیا جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اتنے میں جبریل امین کا نزول ہوا۔ عرض کیا رسول اللہ ﷺ! خدا آپ کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے محبوب سے کہہ دو کہ جس نے بھی کفر وشرک سے توبہ کیا اور سچے دل سے اسلام کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا تو میں نے اس کے تمام گناہوں کو معاف کیا اور اس کو اپنی جنت میں داخل کیا۔

صحابۂ کرام اور رحمت دو عالم ﷺ یہ سن کر رونے لگے۔ عرض کیا مولیٰ تو نے دحیہ کلبی کے کبیرہ گناہ ایک بار کلمہ پڑھنے سے معاف کر دیا تو پھر میری امت کے گناہ کیوں نہیں معاف کرے گا جو صبح وشام کثرت سے درود وکلمہ پڑھ کر تیری وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیتی ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارا آقا وہ رسول ہے جس کی ہر دعا قبول ہے اور اسی عقیدے اور ایمان کی بناء پر رحمت عالم کی بارگاہ میں جانے والا کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں آتا۔ مجرموں نے آپ کی بارگاہ میں آکر گناہ سے توبہ کیا۔ ضرورت مندوں نے آپ کی بارگاہ میں دامن پھیلائے۔ غریبوں مفلسوں اور تنگ دستوں نے امداد چاہی۔ بیماروں نے شفا مانگی۔ آؤ اس سلسلے کی آخری کڑی پیش کردوں۔ میرا رسول تو وہ ہے کہ جس کا نبوت والا ہاتھ اگر بیماروں کو چھوجائے، خواہ وہ مریض جسمانی ہو یا روحانی تو خدا کی قسم اسے شفائے کامل مل جائے۔

یہ بات ان دنوں کی ہے جب مکہ میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا۔ جھنڈ کے جھنڈ لوگ آتے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجاتے۔ یہ دیکھ کر ابوجہل کو بہت فکر ہوئی کہ اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے، اس کو کیسے روکا جائے۔ یہ سوچ کر ابوجہل نے اپنے ایک یمنی دوست حبیب بن مالک جو یمن کا رئیس اور والی تھا۔ ایک خط لکھا کہ ہمارے یہاں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ایک نیا مذہب ودین لے کر آیا ہے جس میں ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے اور جس کا نام اسلام ہے جو بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اگر یہی حالت رہی تو اپنے باپ دادا کا مذہب مٹ جائے گا۔ مکہ کے لوگ تمہارے احسان مند ہیں کیوں کہ مصیبت اور مشکلات کے دنوں میں تم نے ان کی مالی مدد کی ہے۔ تمہارا احترام ان کے دلوں میں ہے۔ تمہاری بات اہل مکہ مانگیں گے اس لئے یہ میرا خط پاتے ہی فوراً آجاؤ اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکو اور ان سے کہو کہ وہ اپنے آبائی مذہب کو نہ چھوڑیں۔

والئ یمن حبیب بن مالک یہ پیغام پاکر فوراً مکہ آیا۔ ابوجہل اور سردارانِ مکہ نے اس کا پرجوش استقبال کیا اور حضور ﷺ کے متعلق بہت سی غلط باتیں ابوجہل نے بتائی۔ حبیب نے کہا کہ میں فریقین کی گفتگو سن کر فیصلہ کروں گا۔ میں نے آپ لوگوں کی تو سن لی ہے اب چاہتا ہوں کہ ان کا بھی سنو جن کا نام محمد ہے۔ چنانچہ حضور پاک ﷺ کی خدمت بابرکت میں قاصد بھیجا گیا کہ میں والی یمن حبیب بن مالک ہوں۔ یمن سے مکہ آیا ہوں۔ یہاں کے رئیس اور سرداروں نے ہم کو بلایا ہے۔ آپ جو نیا دین لے کر آئے ہیں اس کے تعلق سے آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں فلاں مقام پر مکہ کے تمام سرداروں کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ آپ

سے ملنا چاہتا ہوں۔ حضور رحمت عالم ﷺ یہ سن کر اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ محفل میں تشریف لے آئے۔ یہ رات کا وقت تھا اور چاند پوری آب وتاب کے ساتھ آسمان پر چمک رہا تھا۔ جب سرکار رحمت عالم ﷺ مکہ کے سرداروں کے محفل میں پہونچے تو تمام محفل پر ہیبت چھاگئی اور کسی کو کلام کرنے کی ہمت وجرأت نہ ہوئی۔ آخر حضور نے خود ہی دریافت کیا کہ مجھے یہاں کیوں بلایا ہے اور تم لوگ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ والئ یمن حبیب بن مالک نے عرض کی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ فرمایا ہاں میں اللہ کا رسول ہوں تمام دنیائے انسانیت کا رہنما ہوں۔ میں وہی پیغمبر ہوں جن کے آنے کی دعا ابراہیم نے مانگی۔ میں وہی رسول ہوں جن کے آنے کی خوشخبری تمام پیغمبروں نے دی۔ حبیب بن مالک نے کہا نبوت کے لئے معجزہ ضروری ہے۔ دنیا میں آج تک جتنے بھی پیغمبر نبی اور رسول آئے سب دلیل نبوت کے لئے اپنے اپنے ساتھ معجزہ لے کر آئے اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہمیں بھی کوئی معجزہ دکھاؤ میں معجزہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا بول معجزہ دیکھنا چاہتا ہے۔ حبیب نے عرض کیا میں آسمان کا معجزہ دیکھنا چاہتا ہوں اور پھر دوسری بات یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میرے دل کی تمنا کیا ہے میں کیا چاہتا ہوں۔ وہ آپ خود ہی بتائیں۔ آپ نے فرمایا چل میرے ساتھ۔ حبیب بن مالک اور تمام مکہ کے سرداروں کو ساتھ لے کر میرے آقا ﷺ صفا پہاڑی پر گئے۔ آپ نے اپنے نبوت والے انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ آدھا پہاڑ کے اس طرف آدھا پہاڑ کے اس طرف۔ اسی واقعہ کی طرف امام اہل سنت نے اشارہ فرمایا۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشاروں سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی
آج بھی چاند اشاروں سے بتاتا ہے ہمیں
پھر فدا ہوں گے اگر حکم دوبارہ ہوگا

پھر فرمایا حبیب بول! اور کیا دیکھنا چاہتا ہے۔ عرض کیا میں کیا چاہتا ہوں میرے دل میں کیا ہے وہ آپ خود ہی بتائیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ فرمایا اے حبیب سن! تیری ایک

لڑکی ہے ہمیشہ بیمار رہتی ہے۔ ہاتھ پاؤں سے معذور ہے، لولی ہے لنگڑی ہے اپاہج ہے، نہ اٹھ سکتی ہے نہ بیٹھ سکتی ہے اور نہ ہی چل سکتی ہے۔ ہمیشہ چار پائی میں پڑی رہتی ہے تو چاہتا ہے کہ اس کو شفا ہو جائے وہ اچھی ہو جائے، تندرست ہو جائے۔ جا اللہ کے حکم سے میں نے اسے شفا دے دی۔ یہ سنتے ہی حبیب پکار اٹھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ حبیب جب مکہ سے اپنے گھر یمن پہنچا رات کا وقت تھا دروازہ پر آواز دی، وہ اپاہج لڑکی جو چار پائی سے اٹھ نہیں سکتی تھی اٹھ کر دوڑی ہوئی آئی اور دروازہ کھولا۔ باپ کو دیکھ کر پڑھنے لگی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ حبیب نے پوچھا بیٹی تو نے یہ کلمہ کہاں سے سیکھا، وہ کہنے لگی۔

اک ماہ بدن گورا سا بدن نیچی نظریں کل کی خبریں
دکھلا کے پھبن وہ سنا کے سخن مورا پھونک گئے سب تن من دھن

ابا جان! میں کل رات خواب میں ایک چاند سے چہرے والے کو دیکھا جو فرماتے ہیں کہ بیٹی تیرا باپ مکہ میں کلمہ پڑھ رہا ہے اگر تو چاہتی ہے کہ تندرست ہو جاؤں تو تو یہاں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جا۔ میں تجھے کلمہ پڑھانے آیا ہوں جنت کا راستہ دکھانے آیا ہوں۔ پڑھ بیٹی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابھی تجھ کو شفا ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنا نورانی ہاتھ میرے جسم کے اوپر پھیرا تو ساری بیماری جاتی رہی میں تندست ہوگئی جو صبح اٹھی تو یہی کلمہ زبان پر جاری تھا جو آپ سن رہے ہیں۔

دوستو! یہ ہے میرے نبی کی نبوت والے ہاتھوں کی برکت کہ اگر بیمار پر پڑ جائے تو شفا مل جائے۔ واللہ! ان کے نعلین پاک کے تلووں کی مٹی اگر یہودی کے اندھی آنکھوں میں لگ جائے تو فوراً نور آ جائے۔ چاند کی طرف جائے تو دو ٹکڑے ہو جائے۔ اشارہ پا کر ڈوبا ہوا سورج پلٹ آئے۔ مشکیزہ کے پانی میں لگ جائے تو چودھ سو صحابہ سیراب ہو جائیں اور پانی ایک قطرہ بھی کم نہ ہو۔ بارگاہ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھ جائے تو دعا قبول ہو جائے۔ میرا نبی ایسا رسول ہے جس کی ہر دعا قبول ہے۔

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی

نحمدہ ونصلی علیٰ رسول اللہ الکریم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ یہ وہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ (پ ۳، سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۵۲)

امام اہل سنت مجدد دین وملت پروانہ شمع رسالت، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں۔

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی — سب سے بر تر و بالا ہمارا نبی
خلق سے اولیاء اولیاء سے رسل — سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
ملک کونین میں انبیاء تاجدار — تاجداروں کا آقا ہمارا نبی
جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل — ہے وہ ہے رحمت کا دریا ہمارا نبی
کون دیتا ہے دینے کو منھ چاہیئے — دینے والا ہے سچا ہمارا نبی
سارے اچھوں میں اچھا سمجھئے جسے — ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی
سارے اونچوں میں اونچا سمجھئے جسے — ہے اس اونچے سے اونچا ہمارا نبی
سب چمک والے اجلوں میں چمکا کئے — اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی
غمزدوں کو رضا مژدہ دیجیے کہ ہے — بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی

آج اس محفل میں یہ بیان کروں گا کہ سب رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی، میرے آقا خود ارشاد فرماتے ہیں اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ۔ میں تمام رسولوں کا سردار ہوں مگر فخر نہیں کرتا۔

نبوت ورسالت اور درجات کے لحاظ سے خود اللہ نے بعض رسولوں کو بعض رسولوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اللہ نے فرمایا تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

انبیاء ومرسلین کی جماعت میں بعض ایسے بھی نبی و رسول ہیں جن کو اللہ نے ایک دوسرے پر فضیلت دی اور بعض ان میں وہ ہیں جن کو درجوں بلند کیا۔ثابت ہوا کہ اللہ نے سارے نبیوں اور رسولوں پر اپنے محبوب امام الانبیاء کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جس سے پتہ چلا کہ آقا علیہ السلام کی شان بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے۔آیئے دیگر انبیائے کرام پر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضیلت ملاحظہ فرمایئے۔

لیتا ہوں نام خلد کا طیبہ نگر کے بعد
کعبے کو چومتا ہوں ترے سنگ در کے بعد
دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفےٰ کے بعد

سیرت کی کتابوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جتنے کمالات ومعجزات اللہ نے آدم سے عیسیٰ تک انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا کیے وہ تمام کے تمام حضور پاک کی ذات بابرکات میں موجود ہے۔ہر نبی نے خدا کی وحدانیت کی گواہی جبریل سے سن کر دی۔ہمارے آقا نے خدا کو دیکھ کر گواہی دی۔ہر نبی کسی خاص علاقہ،خاص قوم اور خاص بستی کی طرف تشریف لایا مگر حبیب کو فرمایا میں رب العالمین ہوں،محبوب تو رحمۃ اللعٰلمین ہے۔پیارے جہاں جہاں میری خدائی ہے وہاں تک تیری مصطفائی ہے۔

کائنات عالم کا کوئی ذرہ میری ربوبیت سے باہر نہیں جس ذرہ جس قطرہ جس پتہ کے لئے میں رب ہوں،میرے محبوب!اسی ذرہ اسی قطرہ اسی پتہ کے لئے آپ نبی اور رسول ہو تو گویا جسے اللہ کی ربوبیت درکار ہے۔اسے رحمت عالم کی رحمت درکار ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مجھے رحمت مصطفیٰ کی ضرورت نہیں تو کائنات کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جہاں رحمت عالم کی رحمت نہیں بلکہ رحمت عالم کی رحمت فرش ہی پر نہیں بلکہ عرش پر بھی ہے۔

کرم سب پر کوئی کہیں ہو
تم ایسے رحمۃ اللعالمین ہو
آئے دنیا میں بہت پاک ومکرم بن کر

کوئی آیا نہ مگر رحمت عالم بن کر

ہر نبی کی امت کے لئے عبادت کرنے کا خاص مقام متعین کیا گیا کہ ان جگہوں کے علاوہ عبادت قبول نہیں۔حضور نے زمین پر قدم رکھا تو پہلا انعام اس امت کو یہ دیا گیا کہ نبی کی قدموں کی برکت سے پوری روئے زمین کو اہل ایمان کے لئے مسجد اور عبادت گاہ بنا دیا گیا۔گویا

ہزاروں بن گئے کعبہ جبیں تو نے جہاں رکھ دی

اللہ نے ہر نبی کو کچھ نہ کچھ معجزہ عطا فرمایا۔کسی کو ایک کسی کو دو۔حضرت موسیٰ کو سب سے زیادہ معجزہ دیا اور وہ بھی نو تھے مگر اپنے محبوب کو ایک لاکھ پچھتر ہزار اٹھاسی کم وبیش معجزات عطا فرمائے اور سچ تو یہ ہے کہ ان کے فضل وکمال اور معجزات کی حد نہیں۔تین تین نبیوں کو ایک ایک گاؤں کی طرف بھیجا مگر حضور کے حوالے ساری کائنات کر دی۔فرمایا قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔اے محبوب فرما دیں میں سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔میں آپ کو لوگوں کے لئے امام بنانے والا ہوں۔غور کرو بنانے والا فرمایا۔بنا کر بھیجا نہیں اور پھر لوگوں کے لئے عالمین کے لئے نہیں مگر حضور کے لیے فرمایا۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ہم نے آپ کو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا۔بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔داعی الی اللہ بنا کر بھیجا۔چمکتا ہوا سورج بنا کر بھیجا۔آدم کو تمام چیزوں کے نام بتائے اور اپنے محبوب کو قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب کچھ بتا دیا۔آدم کو تمام انسانوں کا باپ بنایا۔حضور کو آدمیت اور انسانیت کا اصل بنایا۔

الغرض سب نبیوں کو بھیج کر بنایا اور محبوب کو بنا کر بھیجا۔وہ کمالات وہ معجزات جو سارے نبیوں کو دیا تھا ان سب کو ذات مصطفےٰ میں جمع فرما دیا۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

سلیمان کے لئے جنوں، انسانوں اور پرندوں کا بھاری لشکر جمع کر دیا لیکن بدر میں اپنے محبوب کے لشکر میں ہزاروں فرشتوں کو سپاہی بنا کر شامل کر دیا۔ اگر چہ لشکر کفار کو ختم کرنے کے لئے ایک ہی فرشتہ کافی تھا مگر ہزاروں اس لئے بھیجا تا کہ حضور کی افضلیت تمام نبیوں پر ثابت ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں، جانوروں کی بولیاں سکھائی گئیں لیکن ہمارے آقا ﷺ کو درختوں، پتھروں اور گونگوں کے ساتھ کلام کرنے کا کمال عطا فرمایا۔ سرکار ارشاد فرماتے ہیں میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں جو میرے آنے سے پہلے مجھ پر سلام پڑھا کرتا تھا۔ پتھر تو آقا پر سلام پڑھیں اور یہ انسان ہو کر سلام نہ پڑھے گویا یہ پتھروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل دور چیونٹی کی آواز سن لی اور ہمارے آقا ﷺ نے اپنی ماں کی شکم میں لوح محفوظ پر چلتے ہوئے نوشتۂ تقدیر کے قلم کی آواز سن لیا۔ سلیمان کی اطاعت وفرمانبرداری فرش والے کریں۔ نبی کی اطاعت وغلامی عرش والے کریں۔ میرے آقا کی حکومت آسمانوں پر بھی ہے، زمینوں پر بھی ہے۔

اللہ اللہ شہ کونین جلالت تیری
فرش کیا عرش پہ جاری حکومت تیری
جس کے قدموں پہ سجدہ کریں جانور
پتھر کلمہ پڑھیں دے گواہی حجر
وہ ہیں محبوب رب مالک بحر و بر
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام

شفا شریف کی حدیث ہے کہ ایک اونٹ حضور کی بارگاہ میں دوڑتا ہوا آیا اور آپ کے قدموں میں اپنا سر رکھ کر بلبلانے لگا۔ سرکار نے فرمایا اس اونٹ کا مالک کون ہے، اس کو بلاؤ۔ صحابہ بلا کر لائے تو آپ نے اونٹ کے مالک سے فرمایا کہ یہ تمہارا اونٹ کہہ رہا ہے کہ میرا مالک مجھ سے کام زیادہ لیتا ہے اور چارہ کم دیتا ہے۔ میں بھوکا رہتا ہوں اور اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو اس نے مجھے کل ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ یہ سن کر اس نے عرض کیا یا

رسول اللہ ﷺ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب میں اسے ذبح نہیں کروں گا اور نہ ہی کوئی کام لوں گا جب تک یہ زندہ رہے گا، میں اس کو پیٹ بھر کھلاؤں گا۔

اگر کوئی کہے کہ اونٹ کے بلبلانے سے حضور نے اتنا سب کچھ کیسے سمجھ لیا کہ مالک اسے ذبح کرنا چاہتا ہے یا اس سے کام زیادہ لیتا ہے اور چارہ کم دیتا ہے۔ اسے بھوکا رکھتا ہے۔ مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب فرماتے ہیں کہ جب پرانے دور میں ٹیلی فون کے بجائے تار کا نظام تھا تو سنتے تھے کہ فلاں کا تار آیا ہے، وہ جاتا تو تار سننے والا بتاتا کہ تیرے گھر پوتا ہوا ہے حالانکہ اس بیچارے کو توصرف ٹپ ٹپ یا کٹ کٹ ہی کی آواز آتی۔ تو وہ فرماتے تھے کہ تم ٹپ ٹپ یا کٹ کٹ کی آواز سے اتنا بڑا پوتا نکال لیتے ہو تو نبی اونٹ کی بلبلاہٹ سے جملہ نکال لے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

علماء ومحدثین فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی خواہ وہ کسی ملک کا ہوتا، آپ کے حضور حاضر ہو کر اپنی بولی میں کچھ بولتا تو آپ اسی بولی اور زبان میں اس سے بات کرتے۔ یہ آپ کی زبان میں خداداد قوت تھی اور یہ آپ کا معجزہ تھا اور آپ کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ آپ تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اس لئے آپ کو تمام مخلوق کا علم اور زبان دیا۔

آؤ اپنے نبی کی شان عظمت ملاحظہ کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے پانی مانگا تو پتھروں سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے اور ادھر

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

اگر چہ وہ بھی معجزہ ہے لیکن پتھروں سے پھر بھی پانی کا نکلنا ممکن ہے۔ حبیب کو فرمایا تو حبیب ہے تیرے غلاموں کو پانی کی ضرورت پڑی ہے تو تجھے اٹھاؤ پتھر کے پاس بھیجوں؟ پھر کہوں ڈنڈا مار، نہیں نہیں اتنی تکلیف کیوں دوں۔ میرے محبوب! پیالے میں ہاتھ رکھ دے یہاں ہی چشمے جاری کر دوں گا۔ پینے والے لاکھوں بھی ہوں گے تو بھی ختم نہیں ہوگا یہ تو پندرہ سو ہیں۔ غور کرو! موسیٰ نے ڈنڈا مار کر دریا کا سینہ چاک کر دیا۔ حضور نے اشارہ کر کے چاند کا سینہ چاک کر دیا۔ موسیٰ کو ان کے بھائی ہارون کے ساتھ فرعون کے

پاس بھیجا تو بھی موسیٰ نے عرض کیا۔ ڈر لگتا ہے لیکن ہمارے آقا کو جس قوم کی طرف بھیجا اس میں موسیٰ علیہ السلام کے فرعون سے بھی بڑے بڑے فرعون تھے مگر آقا ڈرے نہیں سب کو ڈھیر کر دیا۔ موسیٰ کو کوہِ طور پر بلایا تو حکم دیا فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ يَا مُوسَىٰ۔ اے موسیٰ جوتے اتار کر آؤ۔ محبوب کو عرش پر بلایا تو بھی جوتے اتارنے کا حکم نہ دیا۔ فرمایا جوتے پہنے ہی چلے آؤ تاکہ تمہارے نعلین سے عرش کو عزت و بلندی ملے۔ موسیٰ چند دنوں کے لئے کوہِ طور پر گئے پیچھے امت گمراہ ہوگئی۔ بچھڑے کی پوجا کرنے لگی۔ حضور کو وصال فرمائے ہوئے صدیاں گزر گئیں، امت آج بھی یا رسول اللہ کے نعرے لگا رہی ہے۔ فرمایا قیامت تک مجھے اپنی امت سے شرک کا کوئی خطرہ نہیں۔

جہاں آدم کے قدم لگیں وہ جگہ عرفات بنے جہاں نوح کے قدم لگیں وہاں جودی پہاڑ بنے، جہاں ہاجرہ کے قدم لگیں وہ صفا و مروہ بنے، جہاں ابراہیم کے قدم لگیں وہ مصلیٰ بن جائے اور جہاں سرکار کے قدم لگ جائیں وہ عرشِ معلیٰ بن جائے، جہاں موسیٰ کے قدم لگیں وہ جگہ طور بن جائے جہاں حضور کے قدم لگیں وہ جبلِ نور بن جائے۔

جاگنے والے کو محروم تمنا رکھا
سونے والے سے کہا ساری خدائی تیری

حضرت شاہ عبدالرحیم والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں سرکار کی زیارت کی۔ پوچھا کہ حضرت موسیٰ نے تجلی دیکھی تو پردہ کرنے لگے۔ کوئی انہیں دیکھنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ آپ نے سب کچھ دیکھا مگر پردہ نہ کیا۔ فرمایا میرے حسن کو اللہ نے لوگوں کی نگاہوں سے پردے میں رکھا ہے۔ پھر موسیٰ نے جب دیکھا خدا جلال میں تھا اور میں نے جب دیکھا خدا جمال میں تھا اس لئے وہ جلالی ہوگئے میں جمال والا ہوگیا۔

حضرت موسیٰ تیس میل کی دوری پہ چیونٹی کو دیکھ رہے ہیں اور ہمارے آقا مدینے میں بیٹھ کر ہزاروں میل دور ملک شام میں ہونے والی جنگ کا آنکھوں دیکھا حال اپنے صحابہ کو سنا رہے ہیں۔

عالم میں کیا ہے جس کی تجھ کو خبر نہیں
ذرہ ہے کون سا تری جس پر نظر نہیں

ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی سوال کیا۔ اے اللہ میں تیرا کلیم ہوں محمد تیرے حبیب ہیں۔ مولیٰ کلیم اور حبیب میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کلیم وہ ہے جو خود چل کو کوہِ طور پر آئے پھر کہے اے اللہ مجھے اپنا جلوہ دکھا اور میں کہوں نہیں نہیں اور حبیب وہ ہے جو بستر پر آرام کر رہا ہو تو میں جبریل کو حکم دوں جا میرے محبوب کے قدم چوم کے جگا بلا کے لے آ۔ کلیم وہ ہے جو مجھے دیکھنا چاہے، حبیب وہ ہے جسے میں دیکھنا چاہوں۔ کلیم وہ ہے جو میری رضا چاہے حبیب وہ ہے جس کی میں رضا چاہوں۔ کلیم کے لئے حکم ہے کہ کتاب لینا ہے تو طور پر آؤ حبیب جدھر جاتا ہے قرآن ادھر جاتا ہے۔ کبھی بدر میں کبھی سفر میں کبھی خلوت میں، کبھی جلوت میں کبھی مکے میں کبھی مدینے میں۔ اے قرآن اگر میرا نبی مکے میں ہے تو تو مکے میں چلا جا اگر یہ مدینے میں ہے تو تو مدینے میں چلا جا۔ نبی مدینہ تشریف لے گئے تو قرآن بھی پیچھے پیچھے مدینہ چلا گیا۔ تو جو قرآن مکے میں آیا وہ مکی بنا اور جو قرآن مدینے میں آیا وہ مدنی بنا۔ علماء فرماتے ہیں ہجرت سے پہلے جو آیتیں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، ہجرت کے بعد جو نازل ہوئی وہ مدنی ہیں۔ ایک بات اور بتاؤں جتنا ذاتِ کلیم و ذاتِ حبیب میں فرق ہے اتنا ہی ان کے کلام میں فرق ہے۔ کلیم عرض کرتے ہیں اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ۔ بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے یہاں کلیم پہلے اپنا ذکر کرتے ہیں پھر بعد میں رب کا۔ اور حبیب فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حبیب اللہ کا ذکر پہلے کر رہے ہیں اپنا ذکر بعد میں۔ اللہ نے حضرت موسیٰ کو بلایا تو وہ جلدی جلدی آئے۔ اللہ نے پوچھا کہ اتنی جلدی کیوں آئے ہو۔ عرض کیا مولیٰ! میں اس لئے جلدی آیا ہوں کہ تو راضی ہو جائے اور حبیب کی باری آئی تو فرمایا وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔ محبوب آپ اپنے بستر نبوت پہ آرام فرمائیں ہم آپ کو اتنا دیں گے کہ اے محبوب آپ راضی ہو جائیں گے۔ حضرت موسیٰ کا ہاتھ چمکتا تھا مگر حضور جس چھڑی کو ہاتھ لگاتے وہ چمکنے لگتی اور گلیوں بازاروں کو روشن کر دیتی۔

یوسف علیہ السلام کو اللہ نے بہت حسن و جمال عطا فرمایا مگر حسن یوسف جو بڑھی وہ بھی اسی در سے بڑھی۔ یوسف کو دیکھ کر دید کی بھوک مٹتی ہے اور حضور کو دیکھ کر دید کی تڑپ بڑھتی ہے جو ایک بار میرے نبی کو دیکھ لیتا قسم خدا کی وہ بار بار دیکھنے کی تمنا کرتا۔ فرمایا جس نے مجھے

دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

حسن یوسف پہ کٹی مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام مردان عرب

اُدھر حُسن یوسف ادھر نام محمد ادھر مصر کی عورتیں ادھر عرب کے جوان، اُدھر انگلیاں خود کٹ رہی ہیں اِدھر ارادۃً سر کٹائے جا رہے ہیں، اُدھر ایک بار انگلی کٹی ادھر تا قیامت سر کٹا تے جا رہے ہیں، ادھر حضرت یوسف کی قمیص حضرت یعقوب کی بینائی واپس کر رہی ہے ادھر حضور کی نعلین پاک کی خاک سے یہودی کو آنکھیں مل رہی ہیں۔ صحابہ فرماتے ہیں ہم نے چہرۂ مصطفیٰ کو دیکھا تو گویا کھلا قرآن تھا۔ قرآن کی ایک ایک سورۃ میں اللہ کی صفات کا جزوی حسن نظر آتا ہے اگر اس کی ذات وصفات کا کلی حسن دیکھنا ہو تو چہرۂ مصطفیٰ کو دیکھ لو۔

دیکھنے والے تجھے کہتے ہیں اللہ اللہ
یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

حضرت خلیل کی شان یہ ہے کہ رب نے آپ کو ایک پتھر پر کھڑا کر کے تحت الثریٰ سے عرش اعظم تک سب کچھ دکھا دیا اور حبیب کو معراج کی رات عرش اعظم پہ کھڑا کر کے ساری کائنات دکھا دی۔ ثابت ہوا کہ جہاں حضرت خلیل کی نظر پہونچی اس کے آگے حبیب کے قدم پہونچے، نہ جانے کس بلندی پر ہے کا شانہ محمد کا، جہاں پہ ہر عروج وکمال کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے محبوب کے کمال اور عظمت کی ابتدا ہوتی ہے۔ خلیل نے عرش مُعَلّیٰ دیکھا حبیب نے چہرۂ خدا دیکھا۔ خلیل کو بھوک لگے تو فرشتے کھانا لاویں۔ اور حبیب فرماتے ہیں میرا رب مجھے خود کھلاتا پلاتا ہے۔ خلیل کو لوگوں کا امام بنایا۔ حبیب کو نبیوں کا امام بنایا۔ خلیل کو مانگے ملے حبیب کو بن مانگے ملے۔

ہوتے کہاں خلیل اور کعبہ ومنی
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

حضرت عیسیٰ نے مردوں کو زندہ فرمایا جن میں ایک عرصہ تک جان رہ چکی تھی۔ حضور

نے بے جان پتھروں میں جان ڈال دی اور ان سے بھی اپنی نبوت کا کلمہ پڑھوالیا۔ حضرت عیسیٰ بیمار کو ہاتھ لگاتے تو بیمار شفایاب ہو جاتا۔ حضور کا ہاتھ جس ہاتھ کو لگتا وہ آگے جس کو چھولیتا وہ شفایاب ہو جاتا۔

عیسیٰ کے معجزوں نے مردے جلا دیئے ہیں
محمد کے معجزوں نے عیسیٰ بنا دیئے ہیں

ایک عیسائی نے کہا ہمارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام تمہارے پیغمبر محمد عربی سے افضل ہیں۔ ہمارے پیغمبر عیسیٰ کو اللہ نے آسمان پہ اٹھایا محمد عربی کو زمین پہ رکھا۔ محدث عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ اے عیسائی سن۔ ایک عورت کے دو بیٹے ہیں ایک چھوٹا بچہ ہے جو لڑ نہیں سکتا۔ دوسرا جوان اور بہادر ہے جو شیروں سے بھی لڑ جاتا ہے۔ اگر اس عورت کے گھر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا ہو تو وہ اس وقت چھوٹے بچے کو لے کر چھت پر چڑھ جائے گی اور جوان بہادر بیٹے سے کہے گی کہ تلوار لے کر ڈاکوؤں کا مقابلہ کرو۔ یہی مثال حضرت عیسیٰ اور محمد عربی ﷺ کی ہے۔ کفار ومشرکین نے دین اسلام پر حملہ کیا تو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ اور سید الانبیاء حضرت محمد عربی ﷺ سے فرمایا یا ایھا النبی جاھد الکفار وَالْمُنَافِقِیْنَ۔ اے پیارے نبی کفار ومشرکین سے جہاد فرمائیے تو جو ایک بچے اور بہادر کی قوت میں فرق ہے وہی حضرت عیسیٰ اور امام الانبیاء ﷺ میں فرق ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرماتے ہیں۔ چالیس مرد اور چالیس عورتیں کل اسی (۸۰) مسلمان ہوتے ہیں مگر مقام تنعیم میں اسی (۸۰) کافروں پر حضور کی اک نگاہ پڑتی ہے اسی (۸۰) کے اسی (۸۰) مسلمان ہو جاتے ہیں۔ حضرت نوح اور ان کی پیغام کا قوم مذاق اُڑاتی ہے تو آپ بددعا فرماتے ہیں۔ اے اللہ زمین میں کوئی کافر زندہ نہ رہے۔ حضور فتح مکہ کے دن اپنے جانی دشمنوں کو عام معافی کا پروانہ عطا کر دیتے ہیں۔ حضرت نوح کی کشتی پانی پہ تیرتی ہے جو کہ لکڑی سے بنی ہوتی ہے۔ لکڑی کی فطرت ہے تیرنا مگر آؤ حضور کا معجزہ دیکھو۔ میرے آقا اشارہ کرتے ہیں تو پتھر پانی پر تیرتے ہوئے آتے ہیں۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ کہنے لگا۔ اے محمد اگر آپ سچے ہیں تو پانی کے

دوسرے کنارے جو پتھر ہے آپ اس کو بلائیں، وہ تیرتا ہوا آئے اور آ کر آپ کے نبوت کی گواہی دے۔ یہ سن کر حضور نے اسے اشارہ فرمایا تو پتھر پانی میں تیرتا ہوا آیا اور آپ کے رسالت کی گواہی دی۔ عکرمہ کہنے لگا واپس بھی اسی طرح جائے تو جانوں۔ چنانچہ نبی نے اشارہ کیا تو وہ پتھر تیرتا ہوا واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔

ان تمام روایات وواقعات سے معلوم ہوا کہ میرے آقا ﷺ تمام مخلوق کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اسی لئے تو ہر مخلوق آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتی ہے۔ زمین کو حکم فرمادیں کہ اے زمین سراقہ کو پکڑ تو سراقہ اپنے گھوڑے کے گھٹنوں سمیت زمیں میں دھنس جائیں اور ایک گرفتار پنچھی کی طرح سسکنے لگیں۔ آسمان کو حکم کریں تو بارش ہونے لگے۔ کنکریوں سے کہیں کلمہ پڑھ تو ابوجہل کی بند مٹھی میں کنکریاں کلمہ پڑھنے لگیں۔ اشارہ کریں تو ڈوبا ہوا سورج پلٹ آئے۔ چاند دو ٹکڑے ہو جائے۔ فرش پہ رہ کر عرش کی خبریں دیا کریں۔ مدینے میں بیٹھ کر مکے میں ہونے والی گفتگو سماعت فرمالیں۔ امام اہل سنت فرماتے ہیں:

دور نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

عمیر بن وہب مکہ کے کافروں میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ وہ بہت ہی دور اندیش چالاک اور عیار آدمی تھا۔ کسی بھی معاملات کو سمجھنے میں اور اس کو حل کرنے میں بہت ہی ماہر تھا۔ سب سے پہلے بدر کی میدان کی چنگاری اسی نے بھڑکائی تھی۔ جنگ شروع ہوئی تو اس جنگ میں ستر کے قریب مکہ کے بڑے بڑے سارے کفر کے سردار مارے گئے اور بقیہ نے اپنی جان بچا کر راہِ فرار اختیار کی۔ ان بھاگنے والوں میں عمیر بن وہیب بھی تھا۔ اس کی امیہ بن خلف کے بیٹے صفوان کے ساتھ بڑی گہری دوستی تھی۔ عمیر کے لڑکے کو مسلمانوں نے جنگی قیدی بنا لیا تھا اور صفوان کا باپ اُمیہ جنگ میں مارا گیا تھا جس کی وجہ سے دونوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ایک دفعہ دونوں کعبہ میں حطیم کے پاس جمع ہوئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ عمیر نے کہا اے صفوان اگر مسلمانوں نے تیرے باپ کو قتل کر کے تیرے دل کو زخمی کیا ہے تو انھوں نے میرے

نوجوان بیٹے کو جنگی قیدی بنا کر مجھ پر ظلم وستم کی انتہا کر دی ہے۔ تم جانتے ہو میں بہت قرض دار ہوں اور میرے پاس قرض ادا کرنے کے لئے بھی کوئی چیز نہیں نیز میں بیوی بچے والا آدمی ہوں اگر ان کے اخراجات وکفالت کی ذمہ داری میرے اوپر نہ ہوتی تو میں چپکے سے مدینہ چلا جاتا اور محمد عربی کو قتل کر دیتا۔ اس طرح انتقام کی اس آگ کو ٹھنڈا کر دیتا جو میرے تیرے اور سارے مکہ والوں کے دلوں میں بھڑک رہی ہے۔

صفوان کے دل میں اپنے باپ بھائی اور چچا کے قتل کے باعث ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ اس نے جب عمیر کی بات سنی تو کہا اے عمیر اگر اس منصوبے کو تم عملی جامہ پہنا سکو تو ساری قوم تمہاری شکرگزار ہوگی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارا سارا قرض چکا دوں گا اور تمہارے بیوی بچوں کے تمام اخراجات کا میں کفیل ہوں گا۔ تم ان باتوں کی فکر مت کرو۔ جاؤ اپنے مشن کو پورا کرو۔ صفوان نے اس کو یقین دلایا اور دونوں وہاں سے اٹھے۔ عمیر نے زہر میں بجھی ہوئی تیز دھار والی تلوار لیا۔ صفوان کو الوداع کہا اور اپنا ناپاک ارادہ لے کر مدینے کی طرف چل پڑا۔ کئی دن کے سفر کے بعد مدینہ پہنچا۔ مسجد نبوی کے دروازے پر اپنا اونٹ بٹھایا اور اتر کر مسجد نبوی میں داخل ہونے کا ارادہ کیا جہاں سرکار دو عالم ﷺ تشریف فرما تھے۔ اچانک فاروق اعظم کی نگاہ اس پر پڑی وہ مسجد نبوی سے باہر صحابہ کرام سے گفتگو کر رہے تھے۔ عمیر کو دیکھ کر حضرت عمر تشویش میں پڑ گئے۔ فرمایا قریش کا یہ شیطان کسی اچھی نیت سے یہاں نہیں آیا۔ حضرت عمر رحمت عالم غیب داں رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ عمیر بن وہب ہے اپنے گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے مسجد نبوی میں داخل ہوا ہے۔ یہ بڑا غدار اور دھوکے باز ہے۔ اس کا خیال رکھئے گا۔ سرکار نے فرمایا عمیر کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت عمر فاروق اعظم عمیر کی طرف متوجہ ہوئے اور جس چمڑے کے پٹے کے ساتھ اس نے تلوار باندھ کر گلے میں لٹکائی ہوئی تھی اس کو گریبان سے پکڑا اور گھسیٹ کر حضور کی خدمت میں لے آئے۔ سرکار نے پوچھا عمیر کیسے آئے ہو۔ کہنے لگا میں اپنے قیدی بیٹے کو فدیہ دے کر چھڑانے آیا ہوں۔ میرا آپ سے خاندانی رشتہ ہے امید ہے خاندانی رشتے کا لحاظ رکھتے ہوئے فدیہ کے معاملہ میں

میرے ساتھ خصوصی رعایت فرمائیں گے۔عمیر نے یہ خیال کیا کہ میں نے یہ بات کہہ کر حضور کو مطمئن کر لیا ہے، اب میرے متعلق وہ کوئی شک وشبہ نہیں کریں گے لیکن حضور نے یہ فرما کر اسے حیرت میں ڈال دیا کہ تمہارے گلے میں یہ تلوار لٹک رہی ہے اس کی تمہیں کیا ضرورت تھی۔ یہ سن کر عمیر گھبرا گیا لیکن سنبھل گیا اور اپنے ناپاک ارادوں پر پردہ ڈالتے ہوئے کہا۔ ان تلواروں کا ستیاناس ہو ان تلواروں نے پہلے بھی ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ میں اونٹ سے اترا جلدی سے حضور کی خدمت میں آ گیا۔ مجھے اس تلوار کا خیال ہی نہیں رہا۔ رحمت عالم نے فرمایا مجھے سچی بات بتاؤ تم کیوں آئے ہو۔ اس نے پھر وہی جھوٹ دہرایا کہ میں اپنے قیدی بیٹے کی رہائی کے لئے آیا ہوں۔ یہ سن کر غیب داں پیغمبر نے حقیقت کے چہرے سے نقاب کو اٹھایا اور یہ کہہ کر اس کا سارا راز فاش کر دیا۔ سچ بتاؤ کیا تم نے صفوان بن امیہ کے ساتھ کعبے میں حطیم کے پاس بیٹھ کر میرے قتل کا منصوبہ نہیں بنایا۔ کیا اس نے تمہارے قرض کی ادائیگی کا وعدہ نہیں کیا ہے۔ کیا اس نے تمہارے بیوی بچوں کی پرورش کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔ دیکھو عمیر ہمارے تمہارے بیچ اللہ کا پردہ حائل ہے، تمہاری مجال نہیں کہ میرا بال بیکاں کر سکو۔

بس اتنا سننا تھا کہ عمیر بے ساختہ پکار اٹھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یا رسول اللہ آج تک ہم آپ کو جھٹلاتے رہے لیکن یہ راز جس سے آج آپ نے پردہ اٹھایا ہے میرے اور صفوان کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ آپ نے کیسے جان لیا بات ہوئی تھی مکہ میں مدینے والے کو کیسے پتہ چل گیا۔ میں یقین سے کہتا ہوں آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت پر ایمان لایا۔ یہ دیکھ کر صحابہ خوش ہو گئے۔ نبی کریم نے فرمایا اپنے بھائی کو دین سکھاؤ۔ قرآن کی تعلیم دو اور ان کے قیدی بیٹے کو فدیہ لئے بغیر آزاد کر دو۔ چنانچہ صحابہ نے اپنے آقا کے فرمان پر عمل کیا۔ عمیر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے میں اسلام کی چراغ کو بجھانے کے لئے کوشاں رہا اب میری خواہش ہے کہ حضور مجھے مکہ جانے کی اجازت عطا فرمائیں تا کہ وہاں جا کر میں اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کروں اور جو اس میں رکاوٹ کرے اس کی گردن اڑا دوں۔ سرکار نے اجازت مرحمت فرمائی۔ عمیر

مکہ واپس آئے اور دعوت وتبلیغ کا کام بڑی سرگرمی سے شروع کر دیا۔ ان کی کوششوں سے مشرکین مکہ کی ایک بڑی تعداد مشرف با اسلام ہوئی۔ ماضی میں رسول کے علم غیب کو دیکھ کر لوگ ایمان لاتے تھے اور آج ایمان کا دعویٰ کر کے علم غیب رسول سے انکار کیا جا رہا ہے۔

امام اہل سنت فرماتے ہیں۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

●●●

اصلاح احوال امت

نحمدہ ونصلی علیٰ رسول الکریم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا ۔ (پ ۲۸، سورہ تحریم، آیت ۶)

اللہ کے محبوب ﷺ نے ہمیں تباہی و بربادی اور ہلاکت سے بچانے کے لئے کس قدر مضبوط انتظامات فرمائے ہیں اور کتنے یقین سے فرمایا کہ وہ امت کیسے ہلاک ہوسکتی ہے جس کے شروع میں میں ہوں۔ درمیان میں مہدی اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں لیکن خود ہم پر بھی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم خواہ مخواہ بھاگ بھاگ کر جہنم کی طرف نہ جائیں۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا ۔ اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

بعض لوگ خود دیندار ہوتے ہیں مگر اولاد کو دین نہیں سکھاتے۔ اولاد کی پرواہ نہیں کرتے کہتے ہیں اجی ہم تو نماز پڑھتے ہیں اولاد نہ پڑھے تو ہم کیا کریں۔ حالانکہ وہی اولاد اگر کھانا وقت پر نہ دے، ناشتہ تیار نہ کرے، کپڑے استری نہ کرے، دکان وقت پر نہ کھولے، اسکول کالج نہ جائے، دھندھا کاروبار نہ کرے تو بولتے بھی ہیں، مارتے پیٹتے بھی ہیں لیکن اگر وہی اولاد نماز نہ پڑھے تو کچھ نہیں کہتے۔ نماز نہ پڑھنے پر کبھی نہیں ڈانٹا نہ سزا دی بلکہ پوچھا تک بھی نہیں کہ بیٹا آج کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ آج کتنے نیکی کے کام کیے ہیں۔ ہاں یہ پوچھتے ہیں آج کام پہ کیوں نہیں گیا۔ آج دکان دیر سے کیوں کھولی، آج کی کمائی کدھر گئی، آج کتنا کما کے لایا، آج کیا پکا ہے۔ حالانکہ نماز نہ پڑھنے والی اولاد کو سزا دینے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ حکم ہے۔ وَاضْرِبُوْهُمْ اِذَا بَلَغُوْا عَشْرًا ۔ کہ اگر اولاد دس سال کی ہو جائے تو صرف زبان سے کہنا کافی نہیں ان کو مار کے نماز پڑھاؤ۔ بات بات پہ گھر میں ناراض ہو جاتے ہیں کبھی نماز نہ پڑھنے والوں سے ایک آدھ دن کے لئے ناراض

ہو جاتے، کھانا پینا چھوڑ دیا ہوتا تا کہ پتہ چلتا۔ ع

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

آج مسلمانوں کی زندگی میں دنیا کی ہر برائی ہے، بدعملی ہے، فحاشی ہے، عریانی ہے، بے حیائی ہے، بے شرمی ہے، زندگی نیک اعمال سے خالی ہے، اللہ رسول سے بیزاری ہے، یہ دین سے دوری جو پائی جاتی ہے، شاید اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ قیامت پر ایمان کمزور ہو گیا ہے ورنہ معمولی افسر اور حاکم جو ہم جیسا ہی ہوتا ہے صرف عہدے کا فرق ہے، تھانے میں بلائے تو بھاگتے ہوئے جاتے ہیں۔ عدالت میں بلائے تو دوڑتے ہوئے جاتے ہیں اور اللہ کے گھر سے پانچ وقت حی علی الصلوٰۃ کی صدا بلند ہو وہ ہمیں اپنے گھر پہ بلا رہا ہو اور ہم ٹس سے مس نہ ہوں۔ یہ ہماری کتنی بدبختی اور محرومی کی دلیل ہے۔ جس رحیم وکریم پروردگار نے ہمیں زندگی دی، تندرستی دی، وقت دیا، فرصت دی، اس کی عبادت کے لئے ہمیں وقت نہیں فرصت نہیں تعجب ہے۔

نماز سے مت کہو کہ وقت نہیں وقت سے کہو کہ مجھے نماز پڑھ لینے دے، خدا نے ایک کام ہمارے ذمے اور ایک کام اپنے ذمہ کرم پر لیا۔ ہماری ذمہ داری کیا بتائی وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۔ ارشاد فرمایا میں جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔ لیکن ہم نے کیا کیا اپنا کام بھول گئے اور خدا کی ذمہ داری والے کام میں زندگی ضائع کر دی۔ ذکر خدا میں نہیں فکر روزی میں کوشاں رہے۔

شاعر کہتا ہے:

خدا کو بھول گئے لوگ فکر روزی میں
خیالِ رزق ہے رزاق کا خیال نہیں

آئیے اس سلسلے میں ایک بزرگ کا ایمان افروز واقعہ سماعت فرمائیے۔ اس گئے گزرے دور میں بھی کچھ اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں کہ جن پر انسانیت کو ناز ہے، فخر ہے۔ چند سال پہلے ایک بزرگ نے آنکھوں کا آپریشن کروایا۔ ڈاکٹر نے کہا سجدہ نہیں کرنا، چودہ دن اشارے سے نماز پڑھنی ہے۔ انھوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا، پہلے ایک دو

دن تو گھر والوں نے سمجھا شاید روٹی چباتے آنکھوں کو تکلیف ہوتی ہوگی، اس لئے نہیں کھایا ہوگا لیکن جب کئی دن گزر گئے تو انھوں نے پوچھ ہی لیا کہ ڈاکٹر نے تو سجدہ کرنے سے منع کیا ہے نہ کہ کھانا کھانے سے۔ تو انھوں نے جو جواب دیا دل کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ فرمایا جس کو سجدہ نہ کرسکوں اس کا رزق کھاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ جانتے ہو یہ بزرگ کون ہیں، یہ حضور تاج الشریعہ کی شخصیت ہے۔ (اللہ اکبر) کیا سوچ تھی ہمارے بزرگوں کی۔ اور ایک ہم ہیں کہ

شب نیند میں سونا تجھے دن لہو میں کھونا تجھے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا مجھے کوئی ایسا طریقہ بتایئے جس سے میں برے کام کرتا رہوں اور گرفت نہ ہو۔ فرمایا جب تو کوئی گناہ کرے تو خدا کا رزق کھانا چھوڑ دے۔ اس نے کہا یہ تو بہت مشکل ہے کہ رزاق تو وہی ہے پھر میں کہاں سے کھاؤں۔ فرمایا تو یہ کب مناسب ہے کہ تو اسی کا دیا ہوا رزق کھائے پھر اس کی نافرمانی کرے۔ دوسری یہ کہ اگر تو گناہ کرنا چاہے تو اس کے ملک اور زمین سے نکل جا کوئی دوسرا ملک اور زمین تلاش کر۔ اس نے کہا تمام زمین اور ملک اسی کا ہے پھر میں کہا جاؤں۔ فرمایا یہ تو بہت بری بات ہے کہ جس کے ملک میں رہو اس کی بغاوت کرنے لگو۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب تو گناہ کرے تو ایسی جگہ کر جہاں وہ تجھے نہ دیکھے۔ اس نے کہا یہ تو بہت ہی مشکل ہے۔ اس لئے کہ وہ تو دلوں کا بھید بھی جانتا ہے۔ فرمایا تو یہ کب مناسب ہے کہ تو اس کا رزق کھائے اور اس کے ملک میں رہے اور اسی کے سامنے گناہ کرے۔ چوتھے یہ کہ جب ملک الموت تیری جان لینے آئے تو اسے کہنا کہ ذرا ٹھہر جا میں توبہ کرلوں۔ اس نے کہا جب زندگی پوری ہوجائے وہ مہلت کب دیتا ہے۔ فرمایا تو یہ مناسب ہے کہ اس کے آنے سے پہلے برے کام اور گناہوں سے توبہ کرلے اور پانچویں آخری بات یہ کہ قیامت کے دن جب حکم ہو کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ تو کہنا کہ میں نہیں جاتا۔ کہا کہ وہ زبردستی لے جائیں گے۔ فرمایا تو اب خود ہی سوچ لے کہ کیا گناہ تجھے زیبا

ہے۔ وہ شخص قدموں میں گر گیا اور سچے دل سے توبہ کرلیا۔

محترم اسلامی بھائیو! جو بندہ خدا کا رزق کھاتا ہے اس کے ملک میں رہتا ہے اس کی بچھائی ہوئی زمین پر چلتا ہے اور پھر اسی کے اوپر گناہ کرتا ہے۔ اس کا یہ گناہ اور نافرمانی کرنا خدا کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اس لئے بندے کو ہمیشہ گناہوں سے بچنا چاہیے۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نوجوان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ اے نوجوان تمہاری جوانی کہیں تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ کتنے نوجوان ایسے تھے جنہوں نے کھاؤ پیو عیش کرو بعد میں توبہ کرلیں گے۔ یہ کہہ کر مال دنیا سمیٹنے میں لگے رہے۔ اپنے امیدوں کو طول دیا۔ موت کو بھول گئے اور کہتے رہے کہ کل توبہ کرلیں گے۔ حتی کہ وہ غفلت میں رہ گئے۔ موت کا فرشتہ آگیا اور وہ اندھیری قبر میں جا سوئے۔ نہ مال نے ان کا ساتھ دیا نہ بیوی بچے ان کے کام آئے جس کے لئے انھوں نے اپنی آخرت کو تباہ و برباد کیا تھا۔ ان میں سے کسی نے کوئی فائدہ نہ دیا۔ اللہ فرماتا ہے: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ اس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹا مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔

چند دن اگر کتے کو لقمہ ڈالتے رہو اور اس کو بلاؤ تو وہ دوڑتا ہوا آئے گا۔ دم ہلا کر آپ کے پاؤں چاٹنے لگے گا لیکن کتنے ہی مسلمان ایسے ہیں کہ فارغ بیٹھ کر گپ شپ مار رہے ہیں اور اللہ کے گھر سے اذان کی آواز آتی ہے مگر نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی ہے تو پھر اچھا کون ہوا کتا کہ ہم؟ ع

شرم سے گڑ جا اگر احساس تیرے دل میں ہے

پچھلے دنوں مسلم اور غیر مسلم مفکرین دانشوروں اور ڈاکٹروں کا کانفرنس ہوا۔ اس کا ما حصل اور نچوڑ یہ تھا کہ بہترین نظام اور سسٹم اسلامی نظام اور سسٹم ہے۔ سب سے اچھی تہذیب اسلامی تہذیب ہے اور سب سے بہترین مذہب، مذہب اسلام ہے مگر سب سے بدترین قوم قوم مسلم ہے جو اتنا اچھا مذہب رکھتے ہوئے اپنے مذہب کے اصولوں پر عمل نہیں کررہی ہے۔ اپنے گھر میں اسلام کے میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے مگر یہ قوم غیروں سے

کھارا پانی کی بھیک مانگ رہی ہے۔

تیرے دامن میں کس لعل و جواہر کی کمی
تو کسی غیر کے دامن کی طرف کیوں دیکھے

ڈاکٹر اگر ہمیں کہے کہ تیرے صحت کے لئے ضروری ہے کہ یہ کھائے وہ نہ کھائے تو ہم ڈاکٹر کی بات فوراً مان لیتے ہیں اور اس پر عمل کرنے لگتے ہیں لیکن اللہ اور اس کا رسول فرمائے یہ کام کرنا یہ نہیں کرنا، برائیوں سے دور رہنا، گناہوں کو چھوڑ دینا، شیطان کی پیروی نہ کرنا، مجھ سے ڈرتے رہنا، تمہیں جنت ملے گی، میری رضا حاصل ہوگی، میرے نبی کی شفاعت ملے گی تو صحت کو قائم رکھنے کے لئے ڈاکٹر کی ہر بات منظور اور قبول ہے اور جہنم سے نہ بچنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی سرعام خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

حالانکہ اللہ نے ہمیں وہ رسول عطا کیا ہے جس کی ہر ہر ادا سے اللہ پیار کرتا ہے بلکہ ان اداؤں کو اپنی عبادت کہہ رہا ہے۔ سرکار کی ادائیں اپنانے والے کو اللہ اپنی محبوبیت کا اعزاز عطا فرماتا ہے۔ ہماری حالت یہ ہے کہ مسجدیں ویران ہیں، بازار اور سنیما گھر آباد ہیں۔ صرف رمضان کے مہینے میں ہمیں خدا یاد آتا ہے، وہ بھی روزے نماز کی حد تک اور پھر پورا سال جیسے تھے ویسے ہی گویا۔ وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے۔

ایک بزرگ کا کسی گاؤں سے گزر ہوا، رات مسجد میں ٹھہرے، تہجد کو اٹھے تو کوئی رو رو کر گاؤں والوں کو بددعائیں دے رہا تھا۔ نگاہِ ولایت سے دیکھا تو خود مسجد ہی کہہ رہی تھی۔ یا اللہ جنھوں نے مجھے برباد کیا ہے تو ان کے گھروں کو برباد کر۔ صبح کی نماز پڑھی کوئی مسجد میں نہ آیا۔ نماز کے بعد گاؤں میں پھرے تو واقعی گاؤں میں بربادی نظر آئی۔ انھوں نے گاؤں کے چند معززلوگوں کو بلایا اور پوچھا کہ تم لوگ اگر بربادی سے بچنا چاہتے ہو تو میرے پاس اس کا علاج ہے۔ اس دور میں لوگ بزرگوں کی بات مان لیا کرتے تھے۔ انھوں نے پوچھا کیسے تو بزرگ کہنے لگے جس گاؤں اور محلے کی مسجد آباد ہوتی ہے تو وہاں کے لوگ آباد اور خوشحال ہوتے ہیں اور جہاں مسجدیں سجدوں سے خالی ہوتی ہیں وہاں نحوست اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اگر تم لوگ بربادی سے بچنا چاہتے ہو تو نماز قائم کرو۔ مسجد آباد کرو، چند

دنوں کے بعد وہ بزرگ پھر رات کو اسی مسجد میں ٹھہرے تو رات کو تہجد کے لئے اٹھے وہی مسجد دعا کر رہی ہے۔ اے اللہ جنھوں نے ہم کو آباد کیا ہے تو ان کو دنیا و آخرت میں آباد فرما۔

دوستو اور اسلامی بھائیو! مسجد کی آبادی رنگ و روغن اور بجلی کے قمقموں سنگ مرمر اور مخملی قالینوں سے نہیں ہے بلکہ نمازیوں سے ہے۔ خوبصورت کروڑوں روپیوں کی مسجد اگر سجدوں سے محروم ہے تو وہ ویران ہے اور مسلمانوں کی بربادی کا سامان ہے اور اگر کچی اینٹوں کی بنی ہوئی مسجد ہو لیکن نمازیوں کے سجدوں سے سجی ہو تو وہ مسجد آباد ہے۔ علامہ ڈاکٹر اقبال نے مسجد ہی کی زبان میں یہ شعر کہا ہے۔

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

اپنی تاریخ پڑھو! خدا کی قسم مسلمان جب تک مسجد کی صفوں کو بچھاتے رہے بادشاہوں کو بھی گریبان سے پکڑ کر بٹھا دیتے تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم اینٹ سر کے نیچے رکھ کر آرام فرما رہے ہیں۔ ادھر قیصر روم اور کسریٰ ایران جو اس دور کی سپر پاور ہونے کے باوجود حضرت عمر کے نام سے کانپ رہے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں سے تاج سر دارا

سنو! صرف خود نمازی یا دین دار بننا کافی نہیں ہے۔ اپنے گھر والوں کو اپنے پڑوسیوں کو اپنے متعلقین کو نمازی بناؤ۔ انہیں برائیوں سے روکو۔ نیکیوں کی دعوت دو۔

حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص اپنے پڑوسی کے خلاف بارگاہِ خداوندی میں دعویٰ کرے گا۔ یا اللہ دنیا میں یہ میرا پڑوسی تھا مگر اس نے میرا حق ادا نہیں کیا۔ وہ شخص کہے گا مولیٰ میں نے کبھی بھی اس کی مال میں خیانت نہیں کی۔ پڑوسی کہے گا یہ ٹھیک ہے کہ اس نے میرے مال میں خیانت نہیں کی لیکن یہ مجھے گناہوں اور برائیوں میں مبتلا دیکھتا مگر پھر بھی مجھے نہیں روکتا تھا۔ خود اچھا بنا بیٹھا رہا مگر دوسروں کو اچھا بنانے کی فکر نہیں کرتا تھا۔ خود نماز پڑھتا مگر کبھی مجھے نماز پڑھنے کی تلقین نہیں کیا۔ فیصلہ ہوگا اے

فرشتو! لے جاؤ اسے اور منھ کے بل جہنم میں ڈال دو۔ فرمایا تم میں سے ہر کوئی اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے۔ افسروں سے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی کا اپنے پڑوسی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کہاں تک اس نے ان کو دین دار بنانے کی کوشش کی۔ والدین سے اولاد کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنی اولاد کو اداکار بنایا، ایکٹر بنایا، آوارہ بنایا، ناچنے گانے والا بنایا یا شریف متقی پرہیزگار بنایا، نیک دین دار بنایا۔ بولو کیا جواب دو گے۔ نمازی اور حاجی گھر والوں کو نیکی کی تلقین نہ کرنے کی وجہ سے خود دوزخ میں جا رہا ہوگا۔ آج ہمارا مشن تو یہ بن گیا ہے کہ پیسہ ہو چاہے کیسا ہو۔ حلال ہو، حرام ہو، جائز ہو ناجائز ہو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ جبکہ پاکیزہ اور حلال لقمے سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ حرام ناپاک روزی کھانے سے دل مردہ اور بے نور ہو جاتا ہے، چہرہ بے رونق ہو جاتا ہے، دعا اور عبادت قبول نہیں ہوتی۔

کہتے ہیں کہ ایک نان بائی، روٹی بنانے والا جب آٹا گوندھتا ہے تو یا عزیز کا وظیفہ پڑھتا، روٹی تنور میں لگاتا تو یا کریم پڑھتا، آگ جلاتا تو اَللّٰھُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ۔ پڑھتا رہتا۔ جتنے لوگ اس کی پکی ہوئی روٹی کھائے اللہ نے سب کو ولی بنا دیا۔ لہٰذا نیک اور اچھے لوگوں سے چیزیں خریدی جائیں۔ پرہیزگار ہاتھ کا کھانا کھایا جائے۔ ہم فاسق و فاجر لوگوں کے رحم کرم پر ہیں جو کھلائیں کھاتے جا رہے ہیں۔

اے خواب غفلت میں پڑے ہوئے انسانوں تم لمحہ بلمحہ موت کے قریب جا رہے ہو۔ جب موت آئے گی قبر میں جا کر دو نفل پڑھنا چاہو گے تو نہ پڑھ سکو گے۔ آج حساب نہیں ہے بے حساب پڑھ لو۔ کل حساب ہوگا مگر عمل نہ ہوگا تو کف افسوس ملنا پڑے گا۔ اللہ فرماتا ہے جو نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ایمان والا ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے۔

ہم اپنی اس چند روزہ دنیوی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے کیا کیا نہیں کرتے مگر کاش کہ سوچا ہوتا یہ زندگی اس زندگی کے مقابلے میں کتنی ہے کہ جس زندگی کا ایک ہی دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور دنیا کی تمہاری کل زندگی کتنی ہے زیادہ سے زیادہ سو سال۔ جہاں ہمیشہ

ہمیشہ رہنا ہے وہ آخرت کی زندگی ہے۔ وہ ختم نہ ہونے والی زندگی ہے هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ۔ مگر اس کے لئے ہم کچھ بھی نہیں کرتے۔

یاد رکھو! جو خدا کے آگے سر جھکا لیتا ہے پھر اللہ اس کا سر کسی کے آگے جھکنے نہیں دیتا اور جو خدا کے آگے نہیں جھکتا وہ ہر در پر جھکتا نظر آتا ہے کیوں کہ وہ دنیا دار ہوتا ہے جو دنیا داروں کی گھروں کا طواف کرتا رہتا ہے اور در بدر کی خاک چھانتا ہے مگر پھر بھی اس کی آرزو پوری نہیں ہوتی۔

حضرت عمر نے ایک مخصوص غلام صرف اس لئے رکھا ہوا تھا کہ وہ انھیں یہ یاد دلاتا رہے کہ اے عمر تجھے موت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک دن آپ نے آئینہ دیکھا تو داڑھی میں ایک سفید بال نظر آیا اسی وقت غلام کو آزاد کر دیا۔ فرمایا اب موت کی یاد کے لئے یہ سفید بال ہی کافی ہے۔ اور ہماری داڑھی ہی نہیں تو سفید بال کہاں دکھائی دے کہ جس سے موت یاد آئے۔ یاد رکھو! داڑھی رکھنا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت اور طریقہ ہے جس طرح ہر مسلمان پہ پانچوں وقت نماز پڑھنا فرض ہے اسی طرح داڑھی رکھنا بھی فرض ہے۔ بہت سے لوگ نماز تو پڑھتے ہیں مگر داڑھی نہیں رکھتے۔ داڑھی مسلمان کی ایک ظاہری پہچان ہے، شعائر اللہ ہے۔ محبوب کی نشانی ہے، داڑھی مرد کی زینت ہے، دنیاوی طور پر بہت سے فائدے اس میں پوشیدہ ہیں۔ میڈیکل سائنس کا ریسرچ اور تحقیق ہے کہ داڑھی رکھنے سے انسان بہت سی خطرناک بیماریوں سے بچ جاتا ہے، کینسر سے محفوظ ہوتا ہے۔ محتاجی دور ہوتی ہے، داڑھی آدمی میں شرم و حیا اور غیرت پیدا کرتی ہے۔ داڑھی چھلانے سے آنکھوں کی روشنی میں فرق آ جاتا ہے۔ قوت مردانگی کمزور ہو جاتی ہے۔ ایک امریکی ڈاکٹر چارلیس ہومر نے ایک مضمون لکھا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر لوگ داڑھی کیوں نہیں رکھتے آخر لوگ سر پر بھی تو بال رکھتے ہیں تو پھر چہرے پر رکھنا کیا عیب ہے۔ کسی کے سر کے بال اڑ جائیں تو اسے گنجا کہتے ہیں، وہ اس گنج کو چھپاتا پھرتا ہے۔ لوگوں سے شرماتا ہے لیکن یہ عجیب تماشا ہے کہ اپنے پورے چہرے کو گنجا کر لیتا ہے اور ذرا بھی نہیں شرماتا جو کہ مرد ہونے کی سب سے زیادہ واضح پہچان اور علامت ہے۔ بعض لوگ بڑے بے باکی

سے کہتے ہیں کہ داڑھی رکھ کر ایسے ویسے کام کرنے سے تو بہتر ہے نہ رکھے۔ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ پھر داڑھی کے آگے ایمان اسلام اور کلمہ بھی تو ہے تو کیا کہو گے کہ کلمہ پڑھ کے ایسے ویسے کام کرنے سے تو بہتر ہے آدمی کافر ہی رہے (معاذ اللہ) سنو! میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں جب میری سنتیں مٹائی جارہی ہوں تو جو میرا امتی میری سنتوں پر مضبوطی سے قائم رہے قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا۔اس کو داخل جنت کروں گا۔

اے میرے بھائی ذرا داڑھی منڈوانا چھوڑ دے
شرم کر بہر خدا داڑھی منڈوانا چھوڑ دے
ہیں بظاہر بال لیکن نور ہے اسلام کا
شکل نورانی بنا داڑھی منڈاوانا چھوڑ دے

میرے آقا ﷺ اپنی داڑھی مبارک خوبصورت بنا کر رکھتے تھے۔اس لئے آپ بھی اس خوبصورت سنت کو اپنائیں۔نہ بہت لمبی کہ لوگ مذاق اڑائیں اور نہ بہت چھوٹی جو سنت کے خلاف ہو۔آج بہت سے مسلمان ماڈرن بننے کے شوق میں داڑھی کا صفایا کردیتے ہیں۔بعض برائے نام رکھتے ہیں اور بعض یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ داڑھی تو سکھوں کی بھی ہے۔یہ باتیں کرنے والے غیر مسلم نہیں مسلمان ہی کہلاتے ہیں۔ان کو سکھوں کی داڑھی تو نظر آئی مگر اللہ کے محبوب کی داڑھی نظر نہ آئی، حسین کی داڑھی نظر نہ آئی، غوث اعظم کی داڑھی نظر نہ آئی۔اللہ ان سب بھٹکے ہوئے اور سنت رسول کی اہمیت نہ سمجھنے والے مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے اور اسلام میں پورا داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

داڑھی کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور احادیث میں بھی ہے۔ہمارے بعض بھائی یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا پورا اسلام داڑھی ہی میں ہے۔میں ان سے کہتا ہوں کہ اگرچہ داڑھی میں اسلام نہیں مگر اسلام میں داڑھی ضرور ہے۔اس طرح تو بندہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ کیا سارا اسلام نماز اور روزہ ہی میں ہے لہٰذا کچھ بھی نہ کرو، کافر ہو جاؤ۔(نعوذ باللہ)

مثنوی شریف میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے کلائی پر شیر بنوانے گیا جب بنانے والے نے سوئی چبھوئی تو درد ہوئی کہنے لگا یہ کیا بنا رہے ہو اس نے کہا شیر کی ٹانگ بنا رہا ہوں۔اس نے کہا بغیر ٹانگ کے بھی تو شیر ہوتے ہیں ٹانگ رہنے دو باقی شیر بنا دو۔اس نے پھر سوئی چبھوئی درد ہوئی تو پھر کہنے لگا اب کیا بنا رہے ہو۔کہنے لگا شیر کا پیٹ بنا رہا ہوں۔کہا بغیر پیٹ کے بھی تو شیر ہوتے ہیں پیٹ رہنے دو باقی شیر بنا دو۔چوتھی بار اس نے سوئی چبھوئی پھر درد ہوئی۔کہا اب کیا بنا رہے ہو، کہا اب شیر کا منہ بنا رہا ہوں۔کہا بغیر منہ کے بھی تو شیر ہوتے ہیں۔منہ رہنے دو باقی شیر بنا دو۔اس طرح بار بار ہوتا رہا تو بنانے والے نے کہا۔جا پاگل خانے میں داخل ہو جا ایسا بھی کوئی شیر ہے جس کی نہ دم ہو نہ ٹانگ، نہ پیٹ ہو نہ سر مگر ہو شیر۔

مولانا روم یہ واقعہ لکھ کر پوچھ رہے ہیں کیا ایسا بھی مسلمان ہو سکتا ہے جس کے چہرے پہ نہ داڑھی ہو نہ بدن پر اسلامی لباس ہو نہ اسلامی سوچ ہو نہ اسلامی خیال ہو۔نہ اخلاق ہو، نہ اسلامی تہذیب ہو، نہ روزہ ہو نہ نماز ہو نہ تلاوت قرآن ہو نہ اتباعِ سنت ہو، نہ اچھا کردار و عمل ہو، بتاؤ ایسے مسلمان کی کیا تصویر بن سکتی ہے۔دس غیر مسلموں کے بیچ میں دس مسلمانوں کو کھڑا کر دیجئے پہچاننا مشکل ہے کہ ان میں کون مسلمان ہے اور کون غیر مسلم۔

شرم سے گڑ جا اگر احساس تیرے دل میں ہے

آج سنتوں کا درد رکھنے والا جب سنتوں کی پامالی اور بے حرمتی کو دیکھتا ہے تو خون کے آنسو روتا ہے۔آج مسلمانوں میں ایک نئی فیشن یہ بھی ہے لوگ اپنے ہاتھوں میں رکھشا بندھن کی طرح دوڑے دھاگے باندھتے ہیں۔مرد ہو کر زنانہ حرکتیں کرتے ہیں، کان چھدواتے ہیں، کڑا اور زنجیریں پہنتے ہیں جس سے پہچان اور بھی مشکل ہو گئی ہے۔یاد رکھو ایسی شکل وصورت بنانا ایسا وضع قطع اختیار کرنا کہ جس سے ہماری پہچان ختم ہو جائے یا جسے کوئی دیکھ کر ہمیں غیر مسلم سمجھے یہ حرام اور اللہ رسول کے نزدیک گناہِ عظیم ہے۔

شرم کرو تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اور کام اپنے نبی کی سنّت کے خلاف کرتے ہو، مرنے کے بعد قبر میں حشر میں کیا جواب دو گے جب آقا ﷺ پوچھیں گے کہ تو مجھے

سے محبت کا دعویٰ کرتا تھا اور کام میری شریعت کے خلاف کرتا تھا۔

دوستو! خدا کی زمین گناہوں سے بھر گئی ہے۔ دنیا کی تمام خرافات اور برائیوں کو ہم نے مقصد زندگی بنا رکھا ہے۔ دین سے دور، اسلامی تہذیب سے دور، اسلامی عادات و اخلاق سے دور، جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہو گئے ہیں۔

اے مرد مسلماں! اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں لے پھر دیکھ ساری خدائی تیری ہے۔ آج مسلمان اربوں کی تعداد میں ہیں۔ پینتالیس سے زیادہ مسلم ممالک ہیں پھر بھی دنیا انہیں آنکھیں دکھا رہی ہے اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ وہ مسلمان نہیں رہے جو تین سو تیرہ ہو کر سارے کفر کو ملیا میٹ کر سکتے تھے۔ ایمان وعمل کا اسلحہ ان کے پاس نہیں یہ صرف کعبے کا دیدار کرنے والے ہیں۔ کعبے کے کعبہ جناب محمد رسول اللہ کی تعلیمات پر ان کا عمل نہیں۔ یہ وہ مسلمان نہیں جنھیں زمانہ سلام کرتا تھا۔ اب وہ مسلمان ہیں کہ ایک ہاتھ میں گیند ہے دوسرے ہاتھ میں بلّا۔ مردِ میدان بن کر دھاڑنے والا اب ایک رن دو رن اتنے رن اتنے رن، رنوں کی تسبیح پڑھنے لگا ہے۔

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

حضرات محترم! عموماً نا سمجھی کی وجہ سے کبھی دوسروں کی نقلی چیز اپنی اصلی چیز سے زیادہ اچھی معلوم ہونے لگتی ہے۔ یا یوں کہو کہ غیروں کی مٹی میں کشش محسوس ہونے لگتی ہے اور اپنا خالص سونا بھی دل کو نہیں بھاتا۔ آج کل پڑھا لکھا دین سے دور نوجوان بھی اس مرض میں مبتلا ہے۔ اس کو دین اسلام کی پیغمبر اسلام کی بات بتاؤ تو بدکتا ہے اور بغلیں جھانکتا ہے کہ کوئی مجھے بنیاد پرست فنڈمنٹلس نہ کہہ دے۔ قرآن سننے سے کتراتا ہے۔ سُنّتوں پر عمل کرنے سے شرماتا اور گھبراتا ہے۔ غیروں کے ایڈ کلچر اور بے ہودہ طور طریقے کو اپنائے ہوئے ہے۔ ان کی بات اللہ رسول سے بھی زیادہ پسند کرتا ہے۔ کہتا ہے انگریز چاند پر گیا، وہاں سے خاک (مٹی) لایا تم نے کیا کیا؟

ارے خدا کے بندے جو چاند پر جا کر بھی خاک ہی لایا ہے وہ تجھے کیا خاک دے

گا۔ ان سے پوچھو اتنا سب کچھ خرچ کر کے چاند پر خاک لینے گئے تھے کیا زمین پر خاک نہیں ملتا تھا جو اوپر لینے گئے۔ تمہارے خاک لانے سے انسانیت کا کون سا مسئلہ حل ہو گیا۔ بتاؤ مجھے:

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے

ذرا اپنا گھر بھی دیکھ تیرے نبی نے اسی چاند کو دو ٹکڑے کر کے قدموں پر لا کر بتا دیا کہ چاند پہ جانا کمال نہیں چاند کو قدموں میں لانا کمال ہے۔ دنیا والے آج اگر ٹیلی فون، فیکس انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے دور دور کی بات سننے کے قابل ہوئے ہیں تو ہمارے آقا نے اپنی ماں کے شکم میں رہ کر لوح محفوظ پر انسانوں کی لکھی جانے والی تقدیر کے قلم کی آواز کو سنا۔ دوسروں کے پیچھے تو وہ چلے جس کا اپنا ماضی کی تاریخ شرمناک ہو۔ اے مردِ مومن تیرا ماضی تو اتنا تابناک اور قابل رشک ہستیوں سے بھرپور ہے کہ دشمن بھی تیرے نبی کے قصیدے پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یقین نہ ہو تو پڑھ کے دیکھ لو۔ انگریز کی کتاب (IN HUNDRED ONE) ''ان ہنڈریڈ ون'' ایک سو ایک میں دنیا کی عظیم ہستیوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں پہلا نام ہمارے آقا ﷺ کا ہے۔ انگریز ہو کر لکھتا ہے '' مجھے پوری کائنات میں ان جیسا کوئی نظر نہیں آیا۔ اس لئے میں نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کو بعد میں رکھا اور پہلے نمبر پہ محمد رسول اللہ کو رکھا۔''

وال ٹیئر کہتا ہے محمد سے بڑا انسانیت نواز انسان دنیا کبھی قیامت تک نہ پیدا کر سکے گی۔ ٹوائن بی لکھتا ہے کہ محمد ﷺ نے دنیا سے بھاشہ واد، صوبائیت، پرانت واد، نسل واد، ذات واد کو ختم کیا اور کسی مذہب نے اتنی کامیابی حاصل نہ کی جتنے محمد عربی کے لائے مذہب اسلام نے کی۔ آج کی دنیا جس ضرورت، سمانتا، مانوتہ، انصاف، امن شانتی، سکون چین کے لئے رو رہی ہے اسے صرف اور صرف پیغام محمدی میں مل سکتا ہے۔ ایچ پائرنین نے لکھا کہ انسانی دنیا میں ایک وسیع خلا تھا۔ محمد عربی ﷺ نے اس خلا کو پورا کر دیا۔ انسان انسان کے قریب آ گیا۔ انسانی خون ایک دوسرے پر محترم ہو گیا۔

ہم پاگل نہیں ہیں جو تمہیں بار بار اسلام اور پیغمبر اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر کسی عالم کا انداز گفتگو پسند نہیں تو اس وجہ سے اسلام سے دور نہ بھاگو۔ اسلام کو خود پڑھو، ہم نہیں

کہتے ہیں ماؤزے تنگ، سسکپیئر، چرچل لنکن ،ہٹلر، کارل، مارکس ،لینن کو نہ پڑھو۔ پڑھو اور ضرور پڑھو لیکن پھر آمنہ کے لعل کو اور عبداللہ کے درِ یتیم کو بھی پڑھو۔ یقیناً کہو گے۔

اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی

جیسے میرے سرکار ہیں ویسا نہیں کوئی

ہمارا نوجوان اپنا وضع قطع اپنا لباس وحلیہ، اپنے طور طریقے، اپنی تہذب وتمدن انگریز کے مطابق بنا کر فخر محسوس کرتا ہے۔ ہماری حکومتوں کے قانون انگریز کے وضع کردہ ہیں جن میں نہ حیا ہے، نہ شرم ہے، نہ ادب ہے نہ احترام ہے۔ ہماری عورتیں سیرت فاطمہ اپنانے کے بجائے مغربی عورتوں کی تقلید میں اندھی ہورہی ہیں۔ان کے سروں پر مغربی تہذیب اور ویشٹن کلچر کا بھوت سوار ہے۔ جہاں سے ذلت ورسوائی کے سوا انہیں کچھ نہیں مل رہا ہے۔

دوستو! پیاسے شخص کے گھر کے دروازے پر نہر بہہ رہی ہو تو اس کا جنگل کی طرف بھاگنا حماقت ہے۔ اسلام کا کلمہ پڑھ کر بے حیائی بے شرمی اور ایڈز کلچر والی تہذیب کو اپنانا کہاں کی مسلمانی ہے۔ عزت چاہتے ہو، شہرت چاہتے ہو تو تمہیں یورپ اور امریکہ کی غلامی میں نہیں مدینہ کی خاک سے ملے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے ملے گی۔آپ کی سنت اور تعلیمات پر عمل کرنے سے ملے گی اور جس کو جو ملا ہے حضور کے قدموں ہی سے ملا ہے۔

نوجوانو تم نے بڑے بڑے نشے کئے سوائے ذلت کے کیا ملا۔ آؤ محبت رسول کے نشہ کا ایک گھونٹ پی کر دیکھو۔ عشق پیغمبر کا نشہ طاری کرلو۔ دنیا کے غلیظ نشوں نے تمہیں قوم پر بوجھ بنا دیا ہے۔ پیغمبر رحمت کی محبت کا نشہ تمہیں قوم اور وقت کا امام بنا دے گا۔ امام اعظم سے پوچھو، امام مالک سے پوچھو، امام حنبل سے پوچھو، امام شافعی سے پوچھو۔ جامی اور امام بخاری سے پوچھو۔ مجدد الف ثانی سے پوچھو، امام غزالی سے پوچھو، امام احمد رضا بریلوی سے پوچھو کہ ع

عشق نبی میں زندگی کیسے گزار دی

تم نے بڑے بڑے رنگوں کو اپنایا اپنے آپ کو حسین بنانے کے لئے ذرا سرکار کی سُنّت کا رنگ اپنے اوپر چڑھا کر دیکھو۔ قسم خدا کی حسن خود تمہارے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو

جائے گا۔ وہ لذت دنیا کے کسی نشے میں نہیں جو سرکار کی محبت میں ہے اور وہ حسن دنیا میں کہیں نظر نہ آئے گا جو سرکار مدینہ کی اداؤں میں چھلکتا ہے۔ اگر تمہیں پتہ چل جائے تو کہتے پھرو۔

غلام مصطفےٰ بن کر میں بک جاؤں مدینے میں

محمد نام پہ سودا سر بازار ہو جائے

آج خوشی ومسرت شادی بیاہ کی تقریبات میں ہم مسلمان ہو کے نبی کی تعلیمات کا جنازہ نکال رہے ہیں۔ ہماری بڑی بڑی جوان بچیاں لباس عریاں پہن کر سج دھج کر ناچ رہی ہیں اور یہ بے غیرت اپنی جوان بیٹیوں کے ناچ کو دیکھ رہا ہے اور خوش بھی ہورہا ہے۔ کہاں گئی وہ شرم جو آقا ہمیں دے کر گئے تھے۔ کہاں گئی وہ غیرت جو صدیق ہمیں دے کر گئے تھے۔ کہاں گئی وہ خودداری جو عمر ہمیں دے کر گئے تھے، کہاں گئی وہ حیاء جو عثمان ہمیں دے کر گئے تھے، کہاں گئے وہ ادب ولحاظ جو علی ہمیں دے کر گئے تھے۔ کان کھول کر اچھی طرح سن لو! میرے آقا ارشاد فرماتے ہیں جو ہنستا ہوا گناہ کرے گا وہ کل روتا ہوا جہنم میں جائے گا۔

پہلے فلم دیکھنے کے لئے سنیما ہال میں جانا پڑتا تھا، اب گھر گھر سنیما کھل گیا ہے، گھر گھر شیطان ناچ رہا ہے۔ اس ماحول میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ باپ کی قبر پہ جا کر گانا تو گا سکے گا مگر قرآن نہیں پڑھے گا۔ آج ہمارا نوجوان گانا گاتے شرم محسوس نہیں کرتا، اذان دیتے ہوئے شرم آتی ہے، سلام پڑھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اپنے سماج اور ماحول پر ایک نظر ڈالو، شادی بیاہ کے موقع پر کیا ڈانس بار ہورہا ہے، جوان لڑکے اور لڑکیاں مرد اور عورتیں کمر پہ ہاتھ رکھ کر کیسے ناچ رہے ہیں۔ ویڈیو فلم اتارا جارہا ہے، دیکھنے پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ شادی بیاہ کی تقریب نہیں ہے بلکہ ناچ گانے کا فنکشن ہے اور جب ایسے گناہ اور حرام کام سے روکا جاتا ہے تو بڑا ہی معقول انداز میں جواب دیتے ہیں کہ اجی خوشی کا موقع ہے بار بار شادی تھوڑے ہوتی ہے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا ایسے موقع پر ہم دین کی قید سے آزاد ہوجاتے ہیں۔ سنو! شادی سُنّت رسول ہے اگر اس کی بنیاد ہی ناچ گانے اور خدا کی نافرمانی پر ہوگی تو یاد رکھنا شادی نہ رہے گی بلکہ بربادی ہوگی۔

نبی ارشاد فرماتے ہیں جس محفل میں شریعت کے قانون کو توڑ کر رشتہ طے کیا جاتا ہے، اس رشتے میں پائیداری مضبوطی اور برکت نہیں ہوتی اور ہم نے ہزاروں ایسے رشتوں کو ٹوٹتے دیکھا اور لاکھوں گھروں کو اجڑتے دیکھا۔ کیوں کہ اللہ کو سنت رسول کی توہین ہرگز برداشت نہیں ہے۔ کم از کم مسلمان اور کافر کی شادی میں فرق ہونا چاہئے کہ کافر کی شادی ناچ گانے سے شروع ہوتی ہے اور مسلمان کی شادی ذکر خدا سے شروع ہو اور ذکر مصطفٰے پر ختم ہو۔

آج ہم جو دولت برے کاموں میں خرچ کرتے ہیں، وہ دولت اچھے کاموں میں خرچ کریں تو کتنا اچھا ہے۔ یاد رکھنا اگر خدا نے دولت دیا ہے تو وہ حساب بھی لے گا۔ ہر ایک کو پائی پائی کا، ذرے ذرے کا قطرے قطرے کا حساب دینا ہوگا۔ ہم پچاس ہزار سے لے کر لاکھ تک فضول اور حرام کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ بینڈ باجے، آتش بازی، ویڈیو وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں جبکہ اتنے پیسوں سے ہم کسی غریب یتیم بچی کی اپنی بچی سمجھ کر شادی بھی کرا سکتے تھے۔ آج مسجد مدرسہ میں پڑھانے والے مدرس اور اماموں کی کیا تنخواہ ہے؟ شادی کی خوشی میں حرام کاموں سے بچ کر وہ پیسہ ہم مسجد و مدرسہ میں بھی تنخواہ میں اضافہ کی شرط پر دے سکتے تھے تا کہ پڑھانے والوں کی تنخواہ میں اضافہ ہو اور وہ الجھنوں سے آزاد ہو کر بچوں کی تعلیم پر دھیان دے سکے۔ ایسی ہماری سوچ کیوں نہیں ہوتی، حرام میں خرچ کرنے کے لئے ہمارے پاس پیسے ہیں مگر دین کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہم کتراتے ہیں۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

دنیا کی اس دولت پہ مغرور نہ ہونا، گھمنڈ نہ کرنا، یہاں جس شے سے پیار کرو گے مرنے کے بعد تمہارا ساتھ چھوڑ دے گی۔ گھر کی تمام چیزیں جو بڑے شوق سے جمع کرتے ہو گھر میں ہی رہ جاتی ہے، آپ کے ساتھ نہیں جاتی۔ یہاں تک کہ گھر کی لیٹرین بھی گھر میں رہتی ہے مگر تیری قبر کو گھر میں بنانا گوارہ نہیں کیا جاتا حالانکہ یہی گھر تو نے خون پسینے کی کمائی سے بنایا تھا۔

یاد رکھ ہر آن آخر موت ہے
مت تو بن انجان آخرت موت ہے
دنیا کے اے مسافر منزل تیری قبر ہے
طے کر رہا جو تو دو دن کا یہ سفر ہے

دیکھو کوئی دولت کے نشے میں مست ہے تو کوئی حسن و جوانی کی مستی میں اپنے رب کی نافرمانی کر رہا ہے اور جانتا نہیں کہ اپنا کتنا نقصان کر رہا ہے۔ ایک آدمی شیر کی کھال پہن کر بڑی متکبرانہ چال چل رہا تھا تو ایک اللہ والے نے دیکھ کر عبرتناک جملہ بولا اور اس کی کایا کو پلٹ کر رکھ دیا۔ فرمایا بھائی یہ کھال جس کی تھی جب اس کے پاس نہ رہی تو تیرے پاس کیا رہے گی اور ساتھ ہی ساتھ ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا دیکھ!

کیسے حسیں کے قبر پہ کانٹوں کی باڑھ ہے
وہ پھول سا بدن وہ نزاکت کہاں گئی

حضرت بایزید بسطامی کا بڑا دلچسپ واقعہ ہے، آپ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے کہ دو بندوں کو زمین کے لئے جھگڑا کرتے دیکھا۔ ایک کہتا تھا یہ زمین میری ہے، دوسرا کہتا تھا میری ہے۔ آپ کو دیکھ کر کہنے لگے بایزید سے فیصلہ کروا لیتے ہیں کس کی ہے۔ ان دونوں سے بایزید نے کہا ٹھہرو۔ زمین ہی سے پوچھ لیتے ہیں کہ تو کس کی ہے، زمین کو حکم دیا اس نے بول کر کہا اے بایزید میں ان دونوں میں سے کسی کی نہیں بلکہ یہ دونوں میرے ہیں کہ میرالقمہ بنیں گے۔

زمین کھا گئی نوجواں کیسے کیسے

قبر ہر روز انسان کو آواز دیتی ہے۔ اے نادان انسان تو ہمیشہ میری پیٹھ پر نہیں رہے گا بلکہ تجھے ایک دن میرے پیٹ میں آنا ہوگا۔ یاد رکھ میں غربت کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں وحشت کا گھر ہوں، میں کیڑے مکوڑوں کا گھر ہوں، میں اندھیرا اور ظلمت کا گھر ہوں، میرے اندر آنا تو نیکیوں کا خزانہ لے کر آنا۔ میرے اندر آنا تو اچھے اعمال کا ذخیرہ لے کر آنا، میرے اندر آنا تو ایمان کی دولت لے کر آنا، اگر تیرے اعمال اچھے ہوں گے تو میں

تیرے لئے باغ و بہار بن جاؤں گی ۔اور اگر تیرے اعمال اچھے نہیں ہوں گے تو میرے پیٹ میں آکر تجھے رونا پڑے گا۔اگر تیرے اعمال اچھے نہیں ہوں گے تو میرے اندر طرح طرح کے تکلیف اور عذاب کا سامنا ہوگا۔اگر تیرے اعمال اچھے نہیں ہوں گے تو میں تیرے لئے جہنم بن جاؤں گی۔اے آدم کی اولاد تو نے دنیا میں رہنے کے لئے مکان تو خوب سجایا، کیا ہی اچھا ہوتا کہ اپنے اصلی گھر قبر کو بھی شمع اعمال سے روشن کرتا لیکن افسوس صد افسوس۔

ہر طرح سجایا اس گھر کو جس گھر میں ٹھہرنا ہے دو دن
جس گھر میں ہمیشہ رہنا ہے کیسا ہے وہ گھر معلوم نہیں

شاہجہاں نے تخت طاؤس بنایا، کروڑوں کا خرچ کیا، افتتاحی تقریب میں بڑے بڑے شاہان وقت آئے۔سب کے حیرت کی انتہا نہ رہی جب دیکھا کہ شاہجہاں تخت کے اوپر وضو کر رہا ہے اور وضو کا پانی سیڑھیوں سے بہہ رہا ہے۔انجینئر پریشان ہو گئے کہ ہمارے محنت پہ پانی بہہ رہا ہے۔آپ نے تسلی دی کہ تمہارا کام بنانا تھا تم نے بنا دیا۔گھبراؤ نہیں وضو کر کے نماز شروع کر دی۔سلام پھیرا اور کہا مجھے یہ تخت دیکھ کر فرعون نمرود کا تخت یاد آ گیا کہ اس نے تخت و تاج کے نشے میں کہا تھا۔انا ربکم الاعلیٰ۔ میں نے سجدہ میں عرض کیا۔سبحان ربی الاعلیٰ۔

کس قدر قابل رشک تھا ایمان ہمارے اسلاف کا ۔آج جب لوگوں کے پاس حکومت آتی ہے تو لوگ فرعون بن جاتے ہیں، دولت آتی ہے تو مغرور بن جاتے ہیں، خدا کو بھول جاتے ہیں، مخلوق خدا پر ظلم کرنے لگتے ہیں، دولت حکومت ایک نعمت ہے، اس کا صحیح استعمال شکر ہے اور غلط استعمال کفر ہے جس نے دیا ہے وہ چھین بھی سکتا ہے۔اس لئے انسان کو ان دونوں چیزوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے۔اللہ کا قرآن کہتا ہے کیا انسان ایسے ہی چھوٹ جائے گا۔کیا اس سے حساب نہیں لیا جائے گا۔آپ اپنے ملازم کو کوئی چیز خریدنے کے لئے جب سو دو سو روپے دیتے ہو تو اس سے پائی پائی کا حساب لیتے ہو، وہ رب العالمین جس نے آپ کو دولت دی، طرح طرح کی نعمتیں دی، کیا وہ انسان کو ایسے ہی چھوڑ دے گا، نہیں ہرگز نہیں۔ایک ایک ذرے کا، ایک ایک پائی، ایک ایک قطرے اور

ایک ایک سانس کا وہ حساب لے گا۔بارگاہِ خداوندی میں ہر ایک کو حاضر ہونا ہے۔اللہ ہر ایک سے تین سوال پوچھے گا۔جب تک بندہ ان تین سوالوں کا جواب نہیں دے گا۔خدا کی عدالت سے وہ بال برابر بھی ہٹ نہیں سکتا۔اللہ سب سے پہلا سوال یہ پوچھے گا اے میرے بندے اپنی زندگی کیسے گزاری، عیاشی میں یا میری عبادت میں۔دوسرا سوال ہوگا دولت کیسے کمایا جائز طور سے یا ناجائز اور کہاں کہاں خرچ کیا، نیک کام میں یا حرام۔اور تیسرا سوال ہوگا جو کچھ تو جانتا تھا اس پر تو نے کہاں تک عمل کیا، کیا جواب دو گے خدا کو۔ع

کیا جواب جرم دو گے تم خدا کے سامنے

خدا را اپنے آپ پر ترس کھاؤ، اپنی ایمان کی حفاظت کرو، اچھے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔اپنی مسجدوں اور مذہبی مقامات کی عزت اور ادب کرو۔ان کے پاس گاجے باجے اور زور زور سے میوزک نہ بجاؤ۔خدا کے لئے ان کی تقدس کو پامال نہ کرو ورنہ دونوں جہاں میں پامال ہو جاؤ گے۔

اے مرد مسلماں! تیرے ایمان پر ہر طرف سے تابڑ توڑ حملے ہو رہے ہیں۔کبھی فحاشی و عریانی کا، کبھی خدا کی نافرمانی کا، کبھی ایڈز کلچر کا، کبھی جہالت اور غیر اسلامی رسم و رواج کا، کبھی اندھی اعتقاد کا، اپنے آپ کو بچا، اپنی اولاد کو بچا، گندے ماحول کو بدل کر نیکیوں کی دعوت دے، لوگوں کو برائیوں سے روک، شراب خانوں اور سنیما گھروں کو گرا دے۔برائیوں کے اڈوں کو بند کر دے، رشوت اور حرام کھانا چھوڑ دے، جوا اور سود کی کمائی کو تین طلاق دے دے، اللہ کا گھر مسجدوں کو اپنی سجدوں سے آباد فرما۔ظالم کا پنجۂ ظلم مڑور کر اس کے دست تظلّم سے مظلوم کو بچا اور اپنے آپ کو اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچا۔يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ یہ چند نصیحت آمیز باتیں اصلاح احوال کے تحت بیان کیا۔اللہ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

وما علینا الا البلاغ المبین

●●●

فضائل قربانی

نحمدہ ونصلی علیٰ رسول الکریم

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾

(پ ۳۰،سورہ الکوثر)

اس سورۂ مبارکہ میں ایک رکوع تین آیت دس کلمے اور بیالیس حروف ہیں۔ پورے قرآن میں سب سے چھوٹی سورہ یہی ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَر۔ اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ توتم اپنے رب کے لئے نماز پڑھواور قربانی کرو۔ بے شک جوتمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر اور بھلائی سے محروم ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب کو تمام فضل وکمال عطافرمایا اور تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی۔ حسن ظاہر بھی دیا حسن باطن بھی، نسب عالی بھی نبوت بھی، کتاب بھی حکمت بھی، علم بھی شفاعت بھی، حوض کوثر بھی مقام محمود بھی، کثرت فتوحات اور کثرت امت بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلت بھی جن کی انتہا نہیں۔

ہزاروں جبرئیل الجھے ہوئے ہیں گرد منزل میں
نہ جانے کس بلندی پر ہے کاشانہ محمد کا

زمانۂ جاہلیت میں مشرکین مکہ بتوں کے نام پر اپنے جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ آج بھی دنیا کے تمام کفار ومشرکین اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام جانوروں کو بلی چڑھاتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَمَآ اُحِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ۔ اللہ نے تم پر حرام کیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو۔ اے میرے محبوب جس نے تمہیں عزت وفضیلت بخشی فَصَلِّ لِرَبِّکَ

وَانۡحَرۡ۔ توتم اپنے رب کے لئے نماز پڑھواور قربانی کرو۔

آیئے سب سے پہلے یہ سماعت فرمایئے کہ یہ قربانی کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے صحابہ کے مجمع میں جلوہ فرما تھے۔ رشد وہدایت کی باتیں فرمارہے تھے۔ اللہ رب العزت کے پیغام واحکام کو بندوں تک پہنچارہے تھے۔ روح اسلام دلوں میں اتار رہے تھے کہ اتنے میں کچھ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مَا ہٰذِہِ الۡاَضَاحِیۡ سرکار یہ قربانیاں کیا ہے۔ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہٰذَا سُنَّۃُ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرَاہِیۡمَ۔ تو ہمارے سرکار احمد مختار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ تمہارے باپ دادا جدالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت ہے۔ یہ ان کی ادا ہے۔ قَالُوۡا فَمَا فِیۡہَا یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ نے عرض کیا سرکار اس قربانی سے ہمیں کیا ثواب ملے گا۔ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بِکُلِّ شَعۡرَۃٍ حَسَنَۃٌ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہر بال کے بدلے میں ایک ایک نیکی ملے گی اور دوسری روایت میں ہے کہ قربانی کے جانور کے ہر بال کے عوض دس دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔ دس دس گناہ معاف کردئے جائیں گے، اس کے دس درجات بلند کردئے جائیں گے۔

فرمایا نور مجسم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب قربانی کے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے تو اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی قربانی کرنے والے کی بخشش ہوجاتی ہے۔

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، ان کی ادا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جو کام اللہ کے نیک بندوں کی ادا وسنت ہے، اس کو اللہ اپنی عبادت بنا دیتا ہے۔ حج اور ارکان حج کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ حجر اسود کو چومنا طواف کعبہ کرنا، صفا ومروہ کی دوڑ لگانا۔ منیٰ عرفات اور مزدلفہ میں قیام کرنا، شیطان کو کنکری مارنا، یہ سب حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کی سنت ہی تو ہے یہ ان کی ادائیں ہی تو ہیں جو آج ادا کی جارہی ہیں اور صبح قیامت تک ادا کی جاتی رہیں گی۔

ان تمام چیزوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت اپنے نیک اور اچھے بندوں

سے اس قدر محبت فرماتا ہے کہ جوان کی ادا کو ادا کرے گا اللہ اسے اپنا محبوب بندہ بنالے گا۔
سوچو! اللہ ان کی ادا اور طریقے کو ثواب، رحمت اور نجات کا ذریعہ بنادیتا ہے جو اللہ والوں
سے قریب ہے وہ اللہ سے قریب ہے اور جو ان سے دور ہے وہ اللہ سے دور ہے۔ اللہ ہم
سب کو اپنے محبوب بندوں کے دامن سے وابستہ رکھے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا:

اللہ اللہ کرنے سے اللہ نہیں ملتا
اللہ والے ہیں جو اللہ سے ملا دیتے ہیں

ابن ماجہ شریف کی حدیث ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم نور
مجسم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صاحب استطاعت ہو۔ قربانی کرنے کی
طاقت رکھتا ہو اور وہ قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

دوستو! اس حدیث سے آپ اندازہ لگالیجیے کہ قربانی نہ کرنے والوں پر حضور کس قدر
اپنی ناراضگی کا اظہار فرمارہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی رضا
کے خاطر اپنا جان مال وطن اور اولاد سب کچھ قربان کر کے دنیا کو بتادیا کہ اے خدا کے
ماننے والو تم اس وقت تک اللہ کے سچے بندے نہیں ہو سکتے جب تک تم اس کے فرمان پر اپنا
سب کچھ قربان نہ کردو۔ اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ آپ نے اپنا سب کچھ عشق مولیٰ میں لٹا
دیا۔ مال کی باری آئی تو مال لٹادیا۔ وطن کی باری آئی تو وطن قربان کردیا۔ جان کی باری آئی
تو نار نمرود میں چھلانگ لگادی۔ اولاد کی باری آئی تو اکلوتے بیٹے کی گردن پر چھری چلا کر
دنیا کو بتایا کہ اے دنیا والو! عشق اس کا نام ہے۔ محبت اسے کہتے ہیں، غلام اپنے آقا کے
سامنے اس طرح جھکتا ہے۔ اطاعت اور فرمانبرداری اسے کہتے ہیں۔ بندہ اپنے رب سے
اس طرح محبت کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے ہم ثواب وعذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے عشق والے حساب کیا جانیں

اگر کوئی یہ سوچے کہ میں قربانی نہ کروں اور اس کا روپے پیسہ غربا و مساکین فقیروں اور
محتاجوں میں تقسیم کردوں تو کیا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے گا اور قربانی کا بدل میرا صدقہ

وخیرات ہوسکتا ہے۔ کیا اللہ میرا یہ عمل قبول کرلے گا۔ آیئے بارگاہِ رسالت میں چلیں اور
مالک شریعت، دریائے رحمت، مالک کونین، سلطانِ دارین، صاحب **قَابَ قوسین**
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھیں تو سرکار احمد مختار دونوں عالم کے تاجدار فرماتے ہیں کہ قربانی کے دنوں
میں جو عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند اور محبوب ہے وہ عمل قربانی ہے۔ اس دن آدمی
احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ وخیرات کرے اور قربانی نہ کرے تو اس کا یہ عمل خدا کو پسند اور
محبوب نہیں اور نہ ہی یہ قابل قبول ہے۔ فرمایا اس دن بندۂ مومن کا کوئی بھی کام قربانی
کرنے سے زیادہ محبوب و پسندیدہ نہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ قربانی کا جانور قیامت
کے دن اپنی سینگوں اور بالوں کے ساتھ آئے گا یعنی وہ تمہاری پل صراط کے لئے سواری کا
کام دے گا۔ اس لئے **سَمِّنُوْا ضَحَایَاکُمْ فَاِنَّهَا عَلَى الصِّرَاطِ مَطَایَاکُمْ** تم لوگ
موٹا فربہ اور تندرست جانور کی قربانی کرو۔ اس لئے کہ یہ قربانی کے جانور پل صراط پر تمہاری
سواری ہوں گے۔ آیئے اس سلسلے میں ایک بزرگ کی حکایت سماعت فرمایئے۔

ایک بزرگ جن کا نام حضرت ضریح ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک بھائی تھا جو مفلس
اور غریب تھا مگر اس مفلسی اور غربت میں بھی وہ قربانی کے ایام میں قربانی کرتا رہتا تھا جب
اس کا انتقال ہوگیا تو میں نے خواب میں اپنے بھائی کو دیکھا کہ وہ ایک چت کبرے
گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے ساتھ بہت سے موٹے تازے جانور ہیں جن کے بیچ میں
وہ اپنے گھوڑے پر سیر و تفریح کررہا ہے۔ میں نے پوچھا **مَا فَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِكَ**۔ اللہ
رب العزت نے آپ کے ساتھ کیسا سلوک فرمایا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنے
رب کو ماں سے بھی زیادہ مہربان پایا۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دیا۔ میں نے
پوچھا کہ یہ گھوڑا جس پر تم سوار ہو اور یہ تمام خوبصورت جانور کس کے لئے ہیں تو اس
نے جواب دیا اے میرے بھائی! یہ گھوڑا جس پر میں سوار ہوں اور یہ تمام جانور جو میرے
ساتھ ہیں یہ سب میری دی ہوئی قربانیاں ہیں۔ یہ وہی جانور ہیں جن کو میں نے بقرا عید کے
دن خدا کے نام پر رضائے مولیٰ کے لئے قربان کیا تھا۔ یہ سب میری سواری کے جانور ہیں
اور جس گھوڑے پر میں بیٹھا ہوں یہ میری سب سے پہلی قربانی ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت حدیث پاک میں ہے۔سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے خدا کے حکم کے مطابق قربانی کی تو جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اپنی قبر کے پاس قربانی کے جانوروں کو دیکھے گا کہ ان کے بال سونے کے ہیں۔آنکھیں موتیوں کی طرح چمک رہی ہیں۔وہ انسان اس جانور سے سوال کرے گا کہ تو کون ہے۔وہ جانور کہے گا کہ میں وہی تیری قربانی کا جانور ہوں جو تو نے مجھے خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے قربانی کے دن ذبح کیا تھا۔اب تو میری پیٹھ پر سوار ہو جا تا کہ میں تجھے آسمانوں کی سیر کرا کر عرش اعظم تک لے چلوں۔

ان تمام روایات اور واقعات سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کل قیامت کے دن پل صراط پر ہماری سواری ہوں گے۔اس لئے ہمیں موٹا تازہ اور تندرست جانور کی قربانی دینا چاہئے۔

دوستو! جس جانور کی قربانی کرنا ہو بہتر تو یہ ہے کہ آپ اس کو گھر پہ پالو،اس کی خوب خاطر تواضع کرو۔اس جانور سے محبت رکھو۔ظاہر سی بات ہے جب جانور کو گھر پہ پالو گے تو اس جانور سے تمہیں محبت ہوگی اور جب محبت والی چیز قربانی کروگے تو اللہ اور زیادہ تم سے خوش ہوگا۔

قربانی کرنے سے مال دولت میں برکت ہوتی ہے۔ظاہر میں مال و دولت خرچ ہوتا ہے مگر حقیقت میں جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے وہ گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔رات دن ہم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جو جانور اللہ کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں۔اللہ ان کی نسلوں میں اتنی برکت دیتا ہے کہ آج وہ ہر جگہ ہزاروں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں حالانکہ روزانہ وہ لاکھوں کی تعداد میں ذبح ہوتے ہیں پھر بھی ان جانوروں کی تعداد نہیں گھٹی اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہیں ہوتے آج ان کی نسلیں گھٹ رہی ہیں۔کتا، بلی، سور اور جن جانوروں کا گوشت کھانا حرام ہے، وہ زیادہ تعداد میں ایک جگہ نہیں ملیں گے مگر الحمدللہ ایک چھوٹے سے گاؤں اور قصبے میں چلے جائیے سو دو سو، ہزار پانچ سو گائے، بھینس، بکریاں موجود نظر آتی ہیں۔ان جانوروں کی نسلوں میں جو برکت ہے اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ یہ جانور اللہ کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں اور ان کی قربانی دی جاتی ہے۔اس لئے اللہ نے ان کی نسلوں میں برکت رکھ دی ہے۔صبح قیامت

تک ان کی تعداد گھٹے گی نہیں بلکہ بڑھتی رہے گی۔(انشاء اللہ تعالیٰ)

معلوم ہوا کہ مال ہو یا جان اگر اللہ کی راہ میں قربان ہوتے رہیں گے تو اس میں بے پناہ برکت اور رحمت ہوتی رہے گی۔اور وہ ہمیشہ پھلتا اور پھولتا رہے گا اور جس چیز کو اللہ کے نام پر قربان نہیں کیا جاتا وہ دھیرے دھیرے گھٹتی جاتی ہے اور ایک دن آتا ہے کہ وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔اس کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔

آج چودہ سو سال سے زائد کا عرصہ گزر گیا بتاؤ مجھے وہ دنیا کی کون سی زمین ہے جہاں ہمارا خون نہیں بہا۔ہر جگہ مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا گیا۔توحید پرستوں کے خون سے اس دھرتی کو لال کیا گیا۔مگر اللہ و رسول کے نام پر قربان ہونے والی ذبح ہونے والی یہ قوم اتنی بڑھی کہ چودہ سو سال میں پوری دنیا پر چھا گئی۔آج دنیا حیران و پریشان ہے کہ مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے۔مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی روکنے کے لئے بہت جتن کئے گئے۔کتنے نمرودی قانون بنائے گئے مگر سب ناکام ثابت ہوئے۔انشاء اللہ بہت تھوڑے دنوں میں ہم آبادی و تعداد کے اعتبار سے دنیا کی پہلی قوم ہوں گے۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اب آیئے آخر میں قربانی پر ہونے والے کچھ اعتراضوں کا جواب دے دوں تاکہ آپ کے معلومات میں اضافہ ہو جائے۔آج جب ہم قربانی کرتے ہیں اور جانور ذبح کرتے ہیں تو دھرم کے کچھ ٹھکیدار اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جیو ہتیا ہے۔کسی جانور کی جان لینا پاپ اور گناہ ہے۔ایسے لوگوں سے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ پاپ اور گناہ کسے کہتے ہیں۔دیکھو جو کام اللہ کی مرضی اور حکم کے خلاف ہو وہ پاپ اور گناہ ہے اور جو کام اس کے حکم اور مرضی کے مطابق ہو وہ پُن اور ثواب ہے۔اللہ نے ہمیں قربانی کرنے کا حکم دیا ہے۔فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔اللہ فرماتا ہے اے میرے بندو نماز پڑھو اور رب کی رضا کے لئے قربانی کرو۔اس لئے ہم مسلمان قربانی اپنی مرضی سے نہیں کرتے بلکہ خدا کے حکم سے کرتے ہیں اور جو کام خدا کے حکم سے کیا جائے وہ پاپ نہیں بلکہ پن ہے، گناہ نہیں بلکہ

ثواب ہے۔اور پنڈت جی بھی تو اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام پر جانوروں کو بلی چڑھاتے ہیں۔اگران کا کوئی دیوتا اپنی عورت کوخوش کرنے کے لئے ایک بےقصور جانور پر تیر چلا کر مارڈالےتو جائز اور پن ہے۔اپنی پیٹ پوجا کے لئے گیہوں اور دھان کے فصلوں میں ڈی ڈی ٹی پاؤڈر چھڑک کر کروڑوں جانوروں کی 'ہتیا' کردےتو یہ جائز اور پن ہوجائے۔اور اگر ہم اللہ کے حکم سے اس کے نام پر قربانی کریں، جانور ذبح کریں تو جیو ہتیا اور پاپ ہو جائے۔انسان سب سے اشرف المخلوق ہے۔فسادات میں ایک جانور کے لئے بےقصور انسانوں کی جان لینا مردوں عورتوں بوڑھوں اور بچوں کوآگ میں زندہ جلا دینا بتاؤ مجھے یہ کون سا پن اور مذہب ہے۔خیر! مجھے پاپ اور پن کی سرٹیفکیٹ دنیا کی کسی قوم سے نہیں لینا ہے۔کیا پاپ ہے کیا پن ہے، کیا عذاب ہے کیا ثواب ہے، اللہ نے ہم کو مقدس قرآن کے ذریعہ سب کچھ بتا دیا ہے۔قرآن سب کے لئے دستور حیات ہے، ایک نظام زندگی ہے، اسلام دین فطرت ہے۔اس کے سارے احکام بھی فطرت کے موافق ہیں جو لوگ خود کونہیں پہچان سکتے۔تخلیق انسانیت کا فلسفہ اور مقصد زندگی نہیں سمجھ سکتے جو خود کفر وشرک کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں وہ کس منھ سے اسلام کے پاکیزہ احکام پر اعتراض کر رہے ہیں۔میں تاریخ کے حوالوں سے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا کا سب سے پہلا انسان مسلمان ہی ہے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں جنھوں نے سب سے پہلی قربانی دی جو سب سے پہلے پیغمبر ہیں اور جو پیغمبر ہوتا ہے وہ مسلمان ہوتا ہے اس کا مذہب اسلام ہوتا ہے، اس لئے دنیا کی وہ تمام قومیں جو کفر وشرک کی وادیوں میں بھٹک رہی ہیں انہیں میں دعوت دیتا ہوں کہ وہ نسل انسانی کے باپ دادا حضرت آدم علیہ السلام کے مذہب پر آجائیں، اسلام قبول کرلیں اور مسلمان ہوجائیں۔یہی گھر واپسی کا صحیح معنی اور مفہوم ہوتا ہے۔یہی باپ سے وفاداری اور فرمانبرداری کا مطلب ہوتا ہے اور سچ جو پوچھو تو ہر انسان کی تلاش کا صحیح ترین جواب اسلام ہی ہے۔اسلام امن وسلامتی کا پیغام ہے۔اسلام کو سچے دل سے جو قبول کرے گا وہ خدا کی امن وسلامتی میں رہے گا۔اللہ سب کو ہدایت دے اور سچی سمجھ عطا فرمائے۔یہی میری دعا ہے۔

فضائل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ (پ ۲، سورہ بقرہ، آیت نمبر ۱۵۵)

کونین میں بلند ہے رتبہ حسین کا — فرش زمیں سے عرش تک سہرا حسین کا
بے مثل ہے جہان میں کنبہ حسین کا — سلطانِ دو جہاں ہے نانا حسین کا
اس نواسے پر محمد مصطفیٰ کو ناز ہے — اس کی ہمت پر علی شیر خدا کو ناز ہے
سجدہ اوروں نے کیا پر اس کا نیا انداز ہے — اس نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے

انسان کوآزمانے کے لئے امتحان ہے، امتحان خداوندی ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر پورا اترنے کے بعد انسان انسانیت کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز ہوجاتا ہے۔دنیا کی ساری بلندیاں اس کے قدموں کے نیچے ہوتی ہیں۔اور اس کی نظروں سے زمین وآسمان کے سارے حجاب اور پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں۔اور اس کی نظر وہاں تک پہنچتی ہے جہاں عام انسانوں کی نظر نہیں پہنچتی۔وہ نظر اوپر اٹھاتا ہے تو لوح محفوظ میں انسانوں کے نوشتہ تقدیر کو پڑھ لیتا ہے اور نگاہ ڈالتا ہے تو دلوں سے کفر وشرک کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور دلوں کی کایا پلٹ جاتی ہے۔یہ رتبہ یہ مقام یہ اعزاز اس انسان کو ملتا ہے جو تلواروں کے سائے میں حق اور پیغام حق کا اعلان کیا ہو، جو تختِ دار پر لٹک کر وحدانیت اور رسالت کی گواہی دی ہو۔جو اسلام اور شریعت کے آئین کی تحفظ کے لئے اپنا گھر اور وطن چھوڑ دیا ہو جس نے اسلام کی جمہوری قدروں کو بچانے کے لئے کربلا کی میدان میں اپنا سب کچھ لٹا دیا ہو اور خود لٹ گیا ہو۔آج کا یہ جلسہ اسی مقدس ہستی کی یاد میں منعقد کیا گیا ہے، جن کا نام نامی اسم گرامی سلطانِ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہے۔حضرت امام حسین کا جب نام آتا ہے تو

ان کی محبت میں ہمارے دل تڑپ اٹھتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ یہ سال نئی زندگی لے کر آیا ہے۔آج ان کی یاد ہمارے ایمان کا ایک حصہ بن چکا ہے۔آج ان کے غم میں آنسو بہانا ہماری زندگی کی بہت بڑی آرزو ہے کہ جسے پورا کرنے کے بعد ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر ان کی یاد میں ہمارے آنکھوں سے ایک آنسو بھی نکل گیا اور وہ خدا کی بارگاہ میں مقبول ہو گیا تو انشاءاللہ وہ ہماری نجات کا سامان بن جائے گا۔

آج دنیا میں بہت سے جلسے جلوس ہوتے ہیں۔کچھ لوگ جلسہ کرتے ہیں اپنی سیاست کے لئے،کچھ لوگ جلسے کرتے ہیں اپنی قیادت کے لئے مگر ہم سنی مسلمان نہ جلسہ کرتے ہیں اپنی سیاست کے لئے نہ جلسہ کرتے ہیں اپنی حمایت کے لئے۔نہ جلسہ کرتے ہیں اپنی قیادت کے لئے بلکہ ہم جلسہ کرتے ہیں حسین کی شہادت کے لئے۔ہم اہل بیت کے ماننے والے ہیں،اولیائے امت کے چاہنے والے ہیں ہم جماعت اہل سنت کے پلیٹ فارم سے یہی دعوت فکر دیتے ہیں کہ جس کو اولیاء امت سے محبت نہیں،اللہ رسول سے عشق نہیں،علی فاطمہ اور حسن وحسین سے پیار نہیں ہمیں اس کے نمازوں پر اعتبار نہیں۔ہم سب علی کے در کے غلام ہیں،صحابہ کے ماننے والے ہیں اور خود سے نہیں مانتے،مدینے والے نے کہا مانو اس لئے مانتے ہیں۔

میرے نبی ختم نبوت کی کرسی پر جلوہ گر ہیں،صحابہ کرام کا مجمع ہے،زبان ختم نبوت سے فرمایا اے میرے پیارو! آسمانِ رشد وہدایت کے ستارو! سنو! سنو میرا ابوبکر صدیقین کا سردار ہے،عمر عادلین کا سردار ہے،عثمان شریفوں کا سردار ہے۔علی امت کے تمام ولیوں کا سردار ہے۔میری بیٹی فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔میرے نواسے حسن وحسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں اور میں تمہارا نبی تمام نبیوں کا سردار ہوں۔

یہ وہ حسین ہے جو کسی فرقے کا نہیں،یہ وہ حسین ہے جو کسی مکتبۂ فکر کا نہیں۔میرا حسین آپ کا حسین،ولیوں کا حسین،حاجیوں کا حسین،نمازیوں کا حسین،غازیوں کا حسین، شہیدوں کا حسین،محققین کا حسین،محدثین کا حسین،مفسرین کا حسین،تابعین کا حسین، علمائے ربانین کا حسین،ائمہ مجتہدین کا حسین۔صدیق اکبر فرماتے ہیں میرا حسین،فاروق

اعظم فرماتے ہیں میرا حسین،عثمان غنی فرماتے ہیں میرا حسین،علی فرماتے ہیں میرا نور نظر حسین،فاطمہ فرماتی ہیں میرا لخت جگر حسین اور میرے نبی فرماتے ہیں **الحسین منی وانا من الحسین**۔میں حسین سے ہوں اور حسین مجھ سے۔رب کعبہ کی عزت وجلال کی قسم! یہ وہ حسین ہے جس کی ''ح'' میں اسلام کا حسن ہے جس کی ''س'' میں اسلام کی سلامتی ہے جس کی ''ی'' میں اسلام کی یاری ہے اور جس کے ''ن'' میں نظام مصطفیٰ کا جلوہ ہے۔اسی لئے تو میرے نبی فرماتے ہیں **اَحَبَّ اللّٰہُ مَنۡ اَحَبَّ حُسَیۡنًا**۔اللہ اس شخص سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔

میرے نبی اپنے صحابہ کی محفل میں جلوہ گر ہیں۔حضرت امام حسین سرکار کی گود میں بیٹھے ہیں۔سرکار نے حسین کے منھ کا بوسہ لیا اور فرمایا اے اللہ! میں حسین سے محبت کرتا ہوں تو بھی حسین سے محبت فرما اور اس شخص سے بھی محبت فرما جو شخص حسین سے محبت کرے اور صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا اے میرے صحابہ سنو! جو حسین سے محبت کرتا ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس کو جنت میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

ایک مرتبہ تاجدار کائنات ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینے کی ایک گلی میں گزرے۔اس گلی میں چند بچے کھیل رہے تھے۔سرکار نے ان میں سے ایک کو گود میں اٹھا کر خوب پیار کیا۔صحابہ نے جب یہ منظر دیکھا تو بہت حیران ہوئے۔ادب سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ اس بچے پر بڑی شفقت فرما رہے ہیں۔کوئی خاص بات ہے سرکار۔ حضور مسکرا پڑے اور مسکرا کر فرمایا لوگو! مجھے یہ بچہ بڑا ہی پیارا لگتا ہے۔صحابہ نے عرض کی آقا اس بچے سے پیار اور شفقت کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا آج سے چند دن پہلے میں نے اس بچے کو دیکھا تھا یہ بچہ میرے حسین کے ساتھ کھیل رہا تھا۔یہ حسین کے ساتھ کھیلتا بھی تھا اور میرے حسین کے قدموں سے لگنے والی مٹی اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتا تھا۔یہ بچہ میرے نواسے حسین سے بہت ہی پیار کرتا ہے جس دن سے حسین کے قدموں کی خاک آنکھوں میں ڈالتے دیکھا اس دن سے مجھے اس بچے سے محبت ہو گئی ہے۔اس بچے سے پیار ہو گیا ہے۔اے میرے صحابہ تم سب گواہ ہو جاؤ کل قیامت کے دن میں اس بچے کی اور اس کے

ماں باپ کی شفاعت کر کے جنت میں لے جاؤں گا۔ (سبحان اللہ)

آیئے بارگاہ صدیق اکبر میں چلیں اور حسین کی عظمتوں کا اندازہ لگائیں۔ کون صدیق اکبر جو نبیوں کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں جو گلشن صداقت کے مہکتے ہوئے پھول ہیں جو یار غار رسول ہیں۔ کون صدیق اکبر جس کے قلب منور میں روحانیت تھی، جس کی دعا میں قبولیت تھی جس کے مال میں سخاوت تھی۔ راہِ خدا میں گھر کا گھر لٹا دینا جس کی عادت تھی۔ کون صدیق اکبر؟ جو حضور کے جلوت میں ساتھ خلوت میں ساتھ، سفر میں ساتھ بدر میں ساتھ، مدینے میں ساتھ مدینے کے بہاروں میں ساتھ اور حد تو یہ ہے کہ مزاروں میں بھی ساتھ۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد نبوی میں جماعت کرا کے صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہیں کہ اتنے میں حضرت امام حسین کھیلتے کھیلتے مسجد نبوی میں تشریف لے آئے، بچپن کا زمانہ ہے جب آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی کھڑے ہوئے اور دوڑ کر امام حسین کو اٹھالیا۔ سینے سے لگا لیا پیار کیا، ہاتھ چومے پیشانی کا بوسہ لیا پھر انہیں گود میں لے کر بیٹھ گئے۔ پھر حسین پاک سے باتیں شروع کر دیں۔ باتیں بھی کرتے جاتے اور بار بار امام حسین کے رخسار کو چومتے بھی جاتے۔ امام حسین نے جب صدیق اکبر کو بار بار چومتے دیکھا تو کہنے لگے چچا جان آپ مجھے بار بار کیوں چوم رہے ہیں۔ فرمایا بیٹا حسین! میں تمہیں اس لئے چوم رہا ہوں کہ تم میرے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہو۔ علی کے لخت جگر ہو فاطمہ کے دل بند ہو۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کچھ پیسے نکالے اور امام حسین کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ امام حسین نے عرض کی چچا جان یہ کیا ہے۔ فرمایا بیٹا یہ حقیر سی رقم ہے اسے قبول فرمالو۔ ضروریات میں کام آئیں گے۔ امام حسین نے پیسے لے لئے اور جب گھر جانے لگے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹا حسین جب کسی چیز کی آپ کو یا آپ کے امی جان کو ضرورت پڑے تو فوراً میرے پاس آجایا کرو۔ میں آپ کی ہر ضرورت پورا کروں گا۔ آقا حسین نے عرض کی چچا جان اگر آپ نہ ملے تو فرمایا اپنی نانی امی عائشہ کے پاس چلے جانا وہ آپ کی ہر

ضرورت کو پورا کریں گی۔

دوستو! یہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عشق نبی۔ آپ حضرت امام حسین سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ واقعی آپ نے غلامئ رسول کا حق ادا کر دیا۔

آؤ حسین کی عظمت عمر سے پوچھو اور یاد کرو اس واقعہ کو جب آپ کے دور خلافت میں ایران فتح ہوا۔ فتح کے بعد تمام مال غنیمت کو حضرت عمر کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ تمام مالِ غنیمت کو مسجد نبوی میں اکٹھا کیا جائے اور مدینہ کی گلی کوچوں میں اعلان کر دیا جائے کہ مسجد نبوی میں مال غنیمت آیا ہوا ہے تمام لوگ آئیں اور اپنا حصہ لے جائیں۔ منادی نے اعلان کیا مدینے کے تمام لوگ آئے۔ مسجد نبوی میں لائن لگ گئی۔ سارے لوگ اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں جس کا نمبر آتا ہے وہ اپنا حصہ لے رہا ہے۔ اس قطار میں جلیل القدر صحابہ کرام کی اولاد بھی لائن بنا کر کھڑی ہے۔ امیر المؤمنین کا اپنا بیٹا حضرت عبد اللہ بن عمر بھی کھڑے ہیں۔ اسی قطار میں حضرت حسن و حسین بھی کھڑے ہیں۔ یہ عدل ہے یہ انصاف ہے یہ مساوات ہے کہ جس قطار میں رعایا کھڑی ہے اسی لائن میں امیر المومنین کا بیٹا بھی کھڑا ہو کیوں نہ ہو۔ اسلام وہ مذہب ہے جس میں عدل ہے، مساوات ہے۔ ایک دوسرے کی عزت ادب اور تعظیم کا درس ضرور دیتا ہے مگر لسانیات ،صوبائیت ذات پات کی بھید بھاؤ، کالے گورے کا فرق، رنگ و نسل اور چھوت چھات کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ عدل و مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام دنیا سے تمام ظالمانہ نظام کو مٹانا چاہتا ہے اور اس کی جگہ ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ کوئی چھوٹا ہو نہ کوئی بڑا ہو۔ نہ کوئی غلام ہو اور نہ ہی کوئی آقا ہو بلکہ سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوں۔ اسلام کے اسی مساویانہ نظام اور 'سماجیات' کا نقشہ ڈاکٹر علامہ اقبال نے یوں کھینچا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے
تری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسجد نبوی میں مال غنیمت لینے کے لئے تمام لوگ ایک صف میں کھڑے ہیں۔ لائن میں اسی اسلامی دنیا کے عظیم حکمراں خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ بھی کھڑے ہیں۔ حضرت عمر ہر بندے کو اس کے حیثیت کے مطابق حصہ دے رہے ہیں۔ حصہ دیتے دیتے حضرت امام حسن وحسین کی باری آجاتی ہے۔ حضرت عمر ایک ایک ہزار درہم امام حسن وحسین کو عطا فرمائے۔ حضرت امام حسین اپنا حصہ لے کر مڑے تو پیچھے حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ بن عمر تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو پانچ سو درہم عطا فرمائے۔ عبداللہ نے پانچ سو درہم لے لئے اور سوچنا شروع کر دیا۔ حضرت عمر نے فرمایا بیٹا کیا سوچ رہے ہو۔ عرض کیا ابا حضور آپ نے حضرت حسن وحسین کو ایک ایک ہزار درہم دیئے اور مجھے صرف پانچ سو درہم عطا فرمایا۔ آپ تو عدل وانصاف کے سلسلے میں فقیہ المثال ہیں۔ آپ کے عدل وانصاف کا چار دانگ عالم میں ڈنکا بج رہا ہے۔ میں آپ کی اس تقسیم پر حیران ہوں۔ فرمایا بیٹا حیران کیوں ہو۔ عرض کیا مجھے صرف پانچ سو درہم عطا فرمائے ہیں۔ چلو زیادہ نہ سہی تو کم از کم برابر تو عطا کرتے۔ فرمایا بیٹا حسن وحسین کا مقابلہ نہ کرو، ان کی شان بڑی عالی ہے تو عمر کا بیٹا ہے یہ علی کے بیٹے ہیں۔ تیری ماں مکے کی رہنے والی ہے، ان کی ماں جنتی عورتوں کی سردار ہے۔ تجھے دیکھوں تو عمر کی شکل یاد آتی ہے۔ حسن وحسین کو دیکھوں تو محمد کی شکل یاد آتی ہے۔ تجھے عمر پیار کرتا ہے حسن وحسین سے رب اکبر پیار کرتا ہے۔ اگر حسین جتنا انعام لینا ہے تو پہلے ان کے جیسا مقام پیدا کرو۔ عرض کیا ابا جان وہ کیسے؟ فرمایا پہلے ان کی ماں جیسی ماں لے آ، ان کے نانی جیسی اپنی نانی لے آ، ان کے باپ جیسا باپ لے آ، ان کے نانا جیسا نانا لے آ، بیٹا یہ نہ سمجھنا کہ تیرا باپ امیر المومنین ہے، بادشاہ وقت ہے۔ ٹھیک ہے میں امیر المومنین ہوں، خلیفۃ المسلمین ہوں، لیکن یہ میرا کمال نہیں یہ سب صدقہ ہے حسین کے نانا جان کا۔ بیٹا اگر حسین کے نانا جان نہ ہوتے تو ہم کہاں ہوتے۔ یہ کرم ہے حسین کے نانا جانا کا کہ دین بھی مل گیا اور دنیا بھی مل گئی۔ حضرت عمر کی یہ بات سن کر حضرت عبداللہ بن عمر نے عرض کی ابا جان آپ نے بالکل صحیح فرمایا میرا حق اتنا ہی بنتا تھا جتنا آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔

دوستو! فاروق اعظم نے امام حسن وحسین سے پیار کیوں کیا، محبت کیوں کی۔ اس لئے کہ یہ دونوں شہزادے حضور کے پیارے تھے۔ حضور کے محبوب تھے۔ حسنین کریمین سے محبت حقیقت میں تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے۔ اس لئے حضرت عمر نے امام حسن وحسین سے خوب پیار ومحبت فرمائی۔ آج ہم حسن وحسین سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے محبت فرمایا۔ تمام صحابہ کرام نے ان سے محبت کی اور انہیں اپنا آقا مانا، ان کی غلامی پر فخر کیا۔

آیئے اس سلسلے کی ایک اور کڑی سماعت فرمایئے۔ حضرت عمر فاروق اعظم کا دور خلافت ہے۔ اس دور کی دو سپر پاور قیصر وکسریٰ آپ کے نام سے تھراتے ہیں۔ کون عمر، وہ عمر جن کے بارے میں اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ کون عمر جن کی زبان پر اللہ کے معصوم فرشتے بولتے ہیں۔ وہ عمر جن کی رائے کے مطابق قرآن میں سات آیتیں نازل ہوئیں۔ وہ عمر جن کے نام سے کفر کانپتا تھا۔ وہ عمر جن کی مرضی فرش پر وہی مرضی خدا کی عرش پر۔ وہ عمر جن کے بارے میں نبی نے فرمایا کہ اگر دنیا میں ایک اور عمر پیدا ہو جاتے تو دنیا سے کفر کا خاتمہ ہو جاتا۔

حضرت عمر فاروق اعظم کا دور حکومت ہے، حضرت امام حسین کی عمر ابھی زیادہ نہیں ہے۔ آپ کے بچپن کا زمانہ ہے، مدینہ شریف کے چوک میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، وہ بچے عام بچوں کی طرح نہیں تھے، وہ بچے ہمارے تمہارے بچوں جیسے بچے نہیں تھے۔ وہ صحابہ کرام کے بچے ہیں وہ خلفائے راشدین کے بچے ہیں، وہ بچے اللہ کے مقدس رسول کے پاک صحابہ کے بچے ہیں۔ ان بچوں میں وقت کے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بچہ عبداللہ بن عمر بھی کھیل رہے ہیں۔ کیا مساوات ہے، کیا برابری ہے۔ کوئی فرق نہیں کہ یہ گورنر کا بچہ ہے، یہ وزیر کا بچہ ہے، یہ صدر کا بچہ ہے۔ نہیں نہیں سب برابر ہیں۔ سب کھیل رہے ہیں، کھیلتے کھیلتے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر میں اختلاف ہو گیا۔ کسی بات پر تو تو میں میں ہو گئی۔

امام حسین جلال میں آ گئے، جب غصے میں آئے تو عبداللہ بن عمر سے فرمانے لگے۔

عبد اللہ اس بات پر ناز نہ کرنا کہ تم امیر المومنین کے بیٹے ہو، اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ تم خلیفۂ وقت کے لڑکے ہو۔ سنو! تمہاری حیثیت یہ ہے کہ تم ہمارے غلام ہو، تمہارا ابا میرے نانا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہے۔ اگر تمہیں یہ عزت یہ شان یہ رتبہ یہ مقام یہ امارت یہ خلافت یہ عہدہ یہ منصب یہ مرتبہ یہ اعزاز ملا ہے تو ہمارے صدقے میں ملا ہے۔ ہمارے نانا جان کی برکت سے ملا ہے، ورنہ تمہیں یہ مرتبہ نصیب نہ ہوتا۔ سیدنا امام حسین کی یہ بات سن کر امیر المومنین کا بیٹا کوئی جواب نہ دے سکا۔ حضرت عبد اللہ یہ سن کر رو پڑے، بارگاہِ فاروقی میں پہنچے۔ حضرت عمر فاروق اعظم مسجد نبوی میں اپنے احباب کے ساتھ تشریف فرما ہیں، جب بیٹے کو روتے دیکھا تو اٹھ کر سینے سے لگا لیا پیار کیا پیشانی چوما پھر چپ کرائے۔ پوچھا بیٹا کیوں رو رہے ہو، کیا بات ہے کس سے لڑائی ہوئی، کس نے مارا ہے۔ عرض کیا ابا جان! ہم فلاں مقام پر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ ان لڑکوں میں حسین بھی تھے میرا ان سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تو انھوں نے مجھے ایسی بات کہہ دی کہ مجھے بے اختیار رونا آ گیا۔ فرمایا بیٹا آخر وہ کون سی بات ہے جو بھائی علی کے بیٹے نے کر دی ہے کہ جس کی وجہ سے تم رونے لگ گئے ہو۔ عرض کی ابا جان حسین نے مجھے طعنہ مارتے ہوئے یہ کہا ہے کہ عبد اللہ یہ ناز نہ کرنا کہ تم امیر المومنین کے بیٹے ہو۔ تم خلیفۂ وقت کے صاحبزادے ہو بلکہ تو ہمارا غلام ہے۔ تیرا باپ میرے نانا جان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہے۔ ابا جان حسین کے اس بات سے مجھے بڑا دکھ ہوا۔ مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ میری بڑی بے عزتی ہوئی۔ ابا جان ہم کوئی غلام ہیں۔ کیا ہمارا خاندان کبھی ان کا غلام رہا ہے۔ ابا جان آپ بولتے کیوں نہیں، ہمارا خاندان عرب میں ایک معزز خاندان ہے۔ لوگ ہمارے خاندان کی عزت کرتے ہیں مگر حسین مجھے اور آپ کو غلام کہہ رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروق اعظم نے بیٹے کی یہ بات سنی تو مسکرانے لگے۔ حضرت عبد اللہ نے جب باپ کو مسکراتے دیکھا تو عرض کی ابا جان آپ کیوں مسکرا رہے ہیں۔ فرمایا بیٹا تم کہہ رہے ہو کہ حسین نے تمہیں بھی اور مجھے بھی اپنا اور اپنے نانا جان کا غلام کہا ہے۔ عرض کی جی ابو۔ فرمایا مجھے یہ یقین نہیں آ رہا ہے کہ بھائی علی کے بیٹے نے یہ بات کہی ہو۔ عرض کی ابا جان یقین

کیجیے میں سچ کہہ رہا ہوں اگر یقین نہ آئے تو فلاں فلاں موجود تھے ان کو بلا کر پوچھوا لو۔ اگر ان پر بھی یقین نہ آئے تو خود حسین کو بلا کر پوچھ لو۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ فاروق اعظم نے فرمایا بیٹا چلو میرے ساتھ حضرت عمر اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر وہاں آئے جہاں حضرت امام حسین بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت فاروق اعظم نے حضرت امام حسین کو دیکھا تو دوڑ کر سینے سے لگا لیا۔ پیار کیا پھر محبت سے پوچھا بیٹا حسین! عرض کی جی امیر المومنین۔ فرمایا بیٹا تو نے میرے بیٹے کو کیا یہ بات کہی ہے کہ تو میرا غلام ہے۔ تیرا بابا میرے نانا کا غلام ہے۔ امام حسین نے عرض کی چچا جان کیا آپ میرے نانا کے غلام نہیں۔ فرمایا بیٹا یہی تو تصدیق کرنی تھی کہ آپ نے کہا ہے کہ نہیں۔ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پھر امام حسین کو سرکار کے روضے پہ لائے۔ فرمایا حسین تجھے نانا جان کے عزت و عظمت کی قسم! کل قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں یہ گواہی دینا کہ عمر بن خطاب میرے نانا جان کا غلام ہے اور اس کی ساری زندگی میرے نانا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں گزری ہے۔ امام حسین نے عرض کیا چچا جان! یقین کرو میں حسین ہوں علی کا بیٹا ہوں۔ فاطمہ کا لخت جگر ہوں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ قیامت کے دن بھی تیری غلامئ رسول کی گواہی دوں گا۔ یہ سن کر فاروق اعظم وجد میں آ گئے۔ فرمایا اے مدینہ والو! گواہ رہو عمر کی اس سے بڑھ کر اور کیا عزت ہو گی کہ عمر نبی کا بھی غلام ہے اور نبی کی آل کا بھی غلام ہے۔

دوستو اور بزرگو! ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو حسین سے کتنا پیار تھا۔ کس قدر حسین سے محبت تھی، وہ لوگ کتنے گستاخ بے ادب اور ملعون ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں حضرات نے علی کا حق خلافت غصب کر کے خود خلیفہ بن گئے۔ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں، ان بزرگوں میں کوئی جھگڑا لڑائی اور اختلاف نہیں تھا۔ وہ بھائی بھائی تھے آپس میں بہت ہی شفیق اور رحم دل تھے۔

ایک دن سیدنا عمر فاروق اعظم کا کسی آدمی سے اختلاف ہو گیا۔ اختلاف ایسا ہوا کہ فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ عمر فاروق اعظم نے فرمایا بھائی لڑتے کیوں ہیں۔ آؤ ہم علی سے فیصلہ کرا لیتے ہیں۔ وہ سامنے ہی تو بیٹھے ہیں۔ فاروق اعظم کی بات سن کر وہ بطور مذاق کہنے لگا

کہ یہ بڑے پیٹ والا ہمارا فیصلہ کرے گا۔ جب فاروق اعظم نے اس کی بات سنی تو جلال میں آ گئے اور اٹھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ زمین پر دے مارا اور سینے پر چڑھ کر فرمایا او بد نصیب تو نہیں جانتا کہ تو کس ہستی کا مذاق اڑا رہا ہے۔ یہ میرے بھی مولیٰ ہیں اور دنیا کے ہر مسلمان کے مولیٰ ہیں اور صرف مسلمانوں ہی کے نہیں وہ تو مولائے کائنات ہیں جو بندہ اپنے سردار کا مذاق اڑائے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اے شیخین کی شان میں گستاخیاں کرنے والو اگر ابوبکر و عمر کو مولیٰ علی سے دشمنی ہوتی تو کبھی آپ علی سے مشورہ نہ کرتے، فیصلہ نہ کرواتے۔ فیصلہ اسی سے کرایا جاتا ہے جس پر اعتبار و اعتماد ہو، جو محبوب ہو۔ مولا علی صحابۂ کرام کے شیروں میں سے صرف شیر ہی نہیں تھے بلکہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں مفتی اعظم کے عہدے پر فائز تھے۔ جب بھی کوئی فیصلہ آتا حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر حضرت عثمان مولا علی سے فیصلہ کرواتے۔ کسی بندے نے حضرت عمر سے پوچھا حضور آپ نے مولیٰ علی کو مفتی اعظم اور چیف جسٹس کیوں بنایا ہے تو آپ نے فرمایا میں نے علی کو چیف جسٹس کا عہدہ اس لئے دیا ہے کہ مولیٰ علی ہم میں سب سے زیادہ بڑے مجتہد ہیں، باب العلم ہیں سب سے بڑے عالم و فاضل ہیں۔

دوستو! حضرت عمر فاروق اعظم صرف علی ہی سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ علی کے سارے گھرانے سے پیار کرتے تھے۔ حسنین کریمین سے محبت فرماتے تھے اور ان کی محبت اور غلامی کو اپنے لئے باعث صد افتخار سمجھتے تھے۔

آیئے سرکار امام حسین کے فضائل و مناقب بیان کر کے ان کے غلاموں کے غلاموں میں اپنا نام درج کرا سکوں۔ یہ وہ حسین ہے جسے نانا جان نے اپنے جسم کا ٹکڑا کہا ہے، یہ وہ حسین ہے جسے سرکار اپنی نبوت والے کندھے پر بٹھاتے تھے، یہ وہ حسین ہے جسے بچپن میں فرشتے جھولا جھلاتے تھے، وہ یہ وہ حسین ہے جسے حوریں لوریاں دے کر سلایا کرتی تھیں، یہ وہ حسین ہے جس سے خدا کی ساری مخلوق محبت کرتی تھی۔ صرف جنات اور انسان ہی حسین سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ جانور بھی میرے آقا حسین سے محبت کیا کرتے تھے۔ روایات میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں

تشریف فرما ہیں کہ اتنے میں حضور کے ایک صحابی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے جو ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کے پاس ایک چھوٹا سا ہرن کا بچہ بھی تھا۔ حضور کا دیدار کر کے وہ ہرنی کا بچہ سرکار کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کی آقا یہ تحفہ قبول فرمائیں۔ حضور نے اپنے اس صحابی سے فرمایا یہ بچہ کہاں سے لائے ہو۔ عرض کی سرکار جب میں آپ کی زیارت کے لئے آ رہا تھا تو یہ بچہ ایک جگہ اکیلا بیٹھا تھا میں نے پکڑ لیا اور سوچا میں غریب آدمی ہوں اور تو کوئی تحفہ لے نہیں سکتا چلو سرکار کی بارگاہ میں یہی پیش کر دوں گا۔ میرے آقا بڑے کریم ہیں قبول فرما لیں گے، خوش ہو جائیں گے، دعائیں دیں گے، میرا بیڑا پار ہو جائے گا۔ حضور یہ سن کر مسکرا پڑے اور ہرنی کا بچہ لے کر دعائیں دیں۔ وہ ہرنی کا بچہ میرے آقا کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں شہزادہ حضرت امام حسن حاضر خدمت ہوئے، جب ہرنی کے بچہ پر نظر پڑی تو کہنے لگے نانا جان یہ بچہ بہت ہی خوب صورت اور پیارا ہے اسے مجھے دے دو۔ یہ کہہ کر بچہ اٹھا لیا اور گھر لے گئے۔ جب شہزادہ حسین نے دیکھا تو پوچھا کہاں سے لائے ہو۔ کہا نانا جان نے دیا ہے۔ امام حسین دوڑے دوڑے نانا جان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرکار نے جب حسین کو دیکھا تو آتے ہی سینے سے لپٹا لیا۔ پیار کیا پیشانی چومی اور گود میں بٹھا لیا۔ حسین پاک نے عرض کیا نانا جان آپ نے بھائی حسن کو ہرنی کا بچہ عطا فرمایا ہے مجھے بھی اسی طرح کا خوبصورت ہرنی کا بچہ عطا فرمائیں۔ میں ہرنی کا بچہ لئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ نانا جان اگر میں خالی ہاتھ چلا گیا تو دنیا والے کیا کہیں گے کہ جو نبی اپنے نواسے کو عطا نہیں کر سکا وہ اپنی امت کو کیا دے گا۔ فرمایا بیٹا ہرنی کا بچہ ایک ہی تھا جو حسن لے گیا ہے اب دوسرا کہاں سے لاؤں۔ قریب تھا کہ حسین رو پڑیں۔ اچانک صحابہ نے عرض کی آقا وہ سامنے دیکھئے ایک ہرنی اپنا بچہ لے کر دوڑتی بڑی تیزی سے آ رہی ہے۔ اتنے میں ہرنی قریب آ گئی۔ اور زبان حال سے انسانوں کی طرح بول کر کہنے لگی آقا حسین کو رونے نہ دیں یہ بچہ میں لے کر آ گئی ہوں۔ حسین کو دے دیں تاکہ وہ راضی ہو جائیں۔

ممکن ہے یہاں پر کوئی اعتراض کرے کہ ہرنی انسانوں کی طرح کیسے بول سکتی ہے تو

جواباً صرف اتنا کہوں گا کہ یہ ہرنی کس کی بارگاہ میں کھڑی ہے۔ یہ ہرنی اس نبی کی دربار میں کھڑی ہے جس کو دیکھ کر پتھر بھی کلمہ پڑھتے تھے۔ درخت چل کر آپ کے نبوت کی گواہی دیتے تھے، شجر وحجر جس پر درود وسلام پڑھتے تھے، یہ وہ نبی ہیں جنھیں دیکھ کر بت بول اٹھے ،کلمہ پڑھے شجر وحجر بھی، مدینے کے پہاڑ جن کے آنے سے رقص کرتے تھے، جب بے جان چیزیں بھی میرے آقا کی بارگاہ میں آکر کلمہ پڑھ سکتی ہیں، درخت خود چل کر آپ کی نبوت کی گواہی دے سکتا ہے تو کیا جانور جو زبان والے ہیں، وہ نبی سے کلام نہیں کر سکتے مگر یہ بات عشق ومحبت والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

آنکھ والے ترے جلووں کا تماشہ دیکھیں
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

میرے آقا ﷺ نے ہرنی سے پوچھا اے ہرنی تجھے کیسے پتہ چلا کہ میرا حسین رو رہا ہے، کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ میں جنگل میں بیٹھی اپنے اس بچے کو دودھ پلا رہی تھی، دوسرے بچے کو یاد کر کے آنسو بہا رہی تھی کہ اچانک خالق کائنات نے آواز دی اے ہرنی رو نہیں۔ تیرا بچہ جہاں پہونچا ہے صحیح پہونچا ہے۔ تجھ سے بھی زیادہ رحیم وکریم نبی کی بارگاہ میں ہے۔ اے ہرنی یہ دوسرا بچہ بھی لے کر میرے نبی کی بارگاہ میں جلدی سے پہونچ جا تا کہ میرے محبوب کا نواسہ رو نہ پڑے۔ اگر حسین رو پڑا تو حسین کو دیکھ کر فرشتے رو پڑیں گے۔ اس لئے حسین کے رونے سے پہلے پہلے میرے محبوب کی بارگاہ میں پہونچ جا۔ ہرنی نے عرض کیا اے میرے اللہ! میں مدینے سے بہت دور جنگل میں بیٹھی ہوں۔ مدینہ یہاں سے بہت دور ہے، کیسے پہنچوں۔ فرمایا گھبرا نہیں، آنکھیں بند کر کے دوڑ، بچے کو لے کر دوڑ لگا۔ جب دوسرا قدم اٹھائے گی تو تو مدینہ پہونچ جائے گی۔ دوڑ نا تیرا کام ہے اور مدینے میں پہونچا دینا یہ میرا کام ہے۔ حضور میں نے دوڑ لگائی، حسین کے رونے سے پہلے پہونچ گئی۔ حضور نے فرمایا اے ہرنی اگر تو نے دوسرا بچہ بھی حسین کو دے دیا تو بچوں کی جدائی کیسے برداشت کرے گی۔ عرض کی آقا میں اپنے بچوں کی جدائی برداشت کر سکتی ہوں مگر حسین کا رونا برداشت نہیں کر سکتی۔

دوستو! ذرا سوچو تو سہی اللہ رب العزت کو آقا حسین کا رونا برداشت نہیں، حسین کا رونا محبوب رب اکبر کو برداشت نہیں، صحابہ کرام کو برداشت نہیں۔ شجر وحجر اور تمام جانوروں کو برداشت نہیں۔ سوچو! اس وقت کیا منظر ہوگا جب میرے آقا حسین کو کربلا کی میدان میں یزیدوں نے دکھ دے کر رلایا ہوگا جس کا رونا خدا کو پسند نہیں جس کا رونا رسول اللہ ﷺ کو پسند نہیں۔ علی اور فاطمہ کو پسند نہیں۔

ایک دن امام الانبیاء ﷺ صبح فجر کی نماز پڑھا کر چہرۂ انور صحابہ کی طرف پھیر لیا۔ ابھی میرے آقا نے دعا نہیں فرمائی تھی کہ آپ کی چچی حضرت ام الفضل بنت حارث آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ چہرہ پریشان اور اداس ہے۔ میرے نبی نے جب یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا چچی جان یہ تمہارا چہرہ اداس اور مغموم کیوں ہے۔ کہنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ آج رات میں نے ایک بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے تب سے میں پریشان ہوں۔ سرکار نے فرمایا چچی جان پریشان نہ ہوں بلکہ وہ اپنا خواب بیان کرو۔ وہ خواب کیا ہے۔ عرض کی حضور میں رات کو عشاء کی نماز کے بعد جب بستر پر لیٹی تو خواب دیکھا کہ آپ کے جسم پاک کا ایک ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آگیا ہے۔ جب سے یہ خواب دیکھا ہوں پریشان ہوں۔ یہ سن کر میرے نبی مسکرا پڑے۔ ام الفضل نے عرض کی سرکار میں پریشان ہوں اور آپ مسکرا رہے ہیں۔ فرمایا چچی جان جب تو اس خواب کی تعبیر سنے گی تو تو بھی مسکرانے لگے گی۔ عرض کی سرکار اگر یہ بات ہے تو تعبیر بتا دیجیے تا کہ مجھے سکون اور تسلی ہو جائے۔ فرمایا چچی جان خوش ہو جاؤ کہ فاطمہ کے گھر ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہوگا وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا اور اس کی تم پرورش کرو گی۔

حضور کی چچی ام الفضل فرماتی ہیں کہ مجھے یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ سیدہ فاطمہ کو ضرر لڑکا عطا فرمائے گا کیوں کہ غیب داں نبی کی زبان نبوت سے جو نکل چکا ہے دنیا کی ہر بات غلط ہو سکتی ہے مگر آمنہ کے لعل کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ اس روایت کو باضابطہ بشارت کی صورت میں حضرت ام الفضل بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنی گود میں رسول پاک کے جسم کا ایک ٹکڑا محسوس کیا اور کچھ دنوں کے بعد صبح مسجد نبوی میں آقا ﷺ اپنے صحابہ کو نماز پڑھا

رہے تھے جیسے ہی سرکار نے سلام پھیرا سید الملائکہ حضرت جبریل امین نے آکر بشارت دی، خوشخبری سنائی کہ حضرت فاطمہ کے گھر ایک خوبصورت بچہ جلوہ گر ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کائنات کی تمام محبت اس کی قدموں میں جھکی ہوئی ہے۔ عرش کی تمام بلندیاں اسے سلامی دے رہی ہیں۔ پورا ماحول خوشیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی جلدی مسجد نبوی سے اٹھے اور سیدھے اپنی بیٹی فاطمہ کے گھر کی طرف چل پڑے۔ سرکار نے اپنی بیٹی فاطمہ کے گھر پہونچ کر بیٹی کا ماتھا چوم لیا اور بڑے غور سے حسین کو دیکھنے لگے۔ سیدہ نے عرض کیا ابا جان کیا دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا بیٹا یہ دیکھ رہا ہوں کہ آنے والا مہمان کس کی شکل لے کر آیا ہے۔ عرض کی ابا جان میں بھی صبح سے یہی دیکھ رہی ہوں۔ فرمایا بیٹی پھر کیا اندازہ لگایا۔ عرض کی ابا جان مجھے تو اس کی شکل میں آپ نظر آرہے ہیں۔ میرے آقا مسکرا پڑے فرمایا بیٹی تو نے صحیح اندازہ لگایا۔ لاؤ میرے بیٹے کو میری گود میں دے دو۔ حضرت فاطمہ نے حریر کی چادر میں لپیٹ کر اپنے لخت جگر کو حضور کی گود میں دے دیا۔ اللہ کے رسول نے اپنے نواسے حسین کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا علی تم نے میرے بیٹے کے نام کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ حضرت علی نے عرض کیا حضور میرا خیال ہے کہ اس کا نام حارث رکھا جائے۔ فرمایا نہیں میں اپنے بیٹے کا نام حسین رکھتا ہوں۔

علماء اور محققین فرماتے ہیں کہ جس طرح سرکار کا نام مبارک سرکار کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے قلب مبارک میں اللہ نے القاء فرما دیا تھا۔ اسی طرح سرکار کے قلب مبارک میں حضرت فاطمہ کے لخت جگر کا نام بوحیٔ الٰہی القاء فرمایا گیا۔ فرمایا علی! میں اپنے اس بیٹے کا نام حسین رکھنا چاہتا ہوں۔ جس طرح دنیا کی تاریخ میں محمد نام کا کوئی فرد محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نہیں گزرا۔ اسی طرح حسین کے نام کا کوئی فرد حسین سے پہلے نہیں تھا اس لئے میں اپنے بیٹے کا نام حسین رکھتا ہوں۔

جب امام حسین کی عمر پانچ سال کی ہوگئی تو ایک دن آپ کی چچی ام الفضل حضرت حسین کو گود میں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرض کی سرکار کتنا پیارا بچہ ہے، کتنا حسین و جمیل ہے۔ ام الفضل آقا حسین کو چوم رہی ہیں اور مسکرا رہی ہیں مگر سلطانِ دو جہاں

رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین کو دیکھ کر رو رہے ہیں۔ ام الفضل نے عرض کی آقا آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ حسین کو دیکھ کر رو رہے ہیں۔ یہ رونے کا وقت نہیں ہے خوشی کا وقت ہے، مسرت کے لمحات ہیں۔ سرکار نے فرمایا چچی جانتی ہو میں کیوں رو رہا ہوں۔ عرض کی آقا مجھے پتہ نہیں۔ فرمایا چچی تو بچے کو گود میں دیکھ رہی ہے میں اس بچے کو کربلا میں نیزے کے نوک پر دیکھ رہا ہوں۔ تو مدینے میں دیکھ رہی ہے میں کربلا میں دیکھ رہا ہوں۔ تو اس کا بچپن دیکھ رہی ہے میں اس کا بڑھاپا دیکھ رہا ہوں۔ تو ولادت دیکھ رہی ہے میں اس کی شہادت دیکھ رہا ہوں۔ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِیْ اِنَّ اُمَّتِیْ سَتَقْتُلُ اِبْنِیْ ھٰذَا۔ ابھی ابھی میرے پاس جبریل آئے ہیں انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ میرے امت کے چند شریر اور نا اہل افراد میرے اس فرزند کو قتل کر دیں گے اور جہاں میرا نواسہ حسین شہید ہوگا وہ کربلا کی سرزمین ہوگی اور اس جگہ کی مٹی جبریل میرے پاس لے کر آئے ہیں پھر آپ نے وہ مٹی ام الفضل کو دکھا کر ام المومنین حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا کو دے دیا اور فرمایا جس دن میرا لخت جگر حسین کربلا میں شہید ہوگا اس روز یہ مٹی خون کی طرح سرخ ہو جائے گی اور جب یہ سرخ ہو جائے تو سمجھ لینا اس دن میرا لخت جگر حسین کربلا میں شہید ہوگیا۔

حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے وہ مٹی رسول پاک سے لے کر ایک شیشے کی بوتل میں رکھ لیا جب امام حسین کربلا کی طرف روانہ ہو گئے تو میں ہر روز اس مٹی کو دیکھتی تھی۔ ۶۰ ھ دسویں محرم کی تاریخ تھی جمعہ کا دن تھا اچانک میں نے دیکھا وہ مٹی خون بن گئی، میں سمجھ گئی کہ میرا بیٹا حسین میدان کربلا میں شہید ہوگیا۔

حضرات گرامی! ذرا توجہ کیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میدان کربلا کی خاک لے کر گھر تشریف لائے تو اس وقت حضور کی دس بیبیاں زندہ باحیات تھیں۔ میرے آقا نے میدانِ کربلا کی خاک صرف ام سلمٰی ہی کو کیوں عطا فرمائی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دی، حضرت حفصہ کو نہیں دی، حضرت ام حبیبہ کو نہیں دی، حضرت جویریہ کو نہیں دیا اور کسی بیوی کو نہیں دی۔ خاک کربلا صرف ام سلمٰی ہی کو کیوں دی، اس کی وجہ کیا تھی۔ جواباً علمائے محققین فرماتے ہیں کہ حضور نے نگاہِ نبوت سے دیکھ لیا تھا کہ جس دن میرا نواسہ حسین کربلا

میں شہید ہوگا تو میری بیویوں میں سے صرف ام سلمٰی ہی زندہ ہوگی باقی تمام بیویاں قبروں میں چلی جائیں گی۔ یہ ہے میرے نبی کا علم غیب۔

اس روایات سے معلوم ہوا کہ جب نبی کو اللہ نے آقا حسین کی شہادت کی خبر دی تو میرے آقا ﷺ کی رحمت بھری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ پتہ چلا حسین کی ذکر شہادت سن کر رونا جائز ہے اور آقا کی سنت ہے۔ ہاں ماتم کرنا نوحہ کرنا، بال بکھیرنا، سینہ کوٹنا، گریبان پھاڑنا، مرثیہ پڑھنا، ڈھول تاشہ بجانا، کھیل کود کرنا، مردوں عورتوں کا بن سنور کر پوری رات گھومنا پھرنا یہ سب نا جائز اور حرام ہے۔ اسلام اور حسین کی نانا جان کی شریعت سے ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر امام حسین اور شہدائے کربلا کی شہادت کے واقعات سن کر یا پڑھ کر رونا آجائے تو رحمت کی دلیل ہے۔ حسین سے محبت کی علامت ہے، یہ بخشش کی نشانی ہے۔ دیکھو نبیوں کا سلطان شہادت کی خبر سن کر رو رہا ہے۔ آج ہم بھی کربلا کے مسافروں کو یاد کرکے روتے ہیں، علی اکبر کی جوانی یاد کرکے روتے ہیں، عباس کے کٹے ہوئے بازوؤں کو یاد کرکے روتے ہیں، قاسم کی شہادت کو یاد کرکے روتے ہیں، علی اصغر کے بچپن کو یاد کرکے روتے ہیں، سیدہ زینب کی تکالیف کو یاد کرکے روتے ہیں، سیدہ سکینہ کی بے بسی کو یاد کرکے روتے ہیں، آقا حسین کی شہادت کو یاد کرکے روتے ہیں، عابد بیمار کی گرفتاری کو یاد کرکے روتے ہیں، اس لئے روتے ہیں کہ آج سے چودہ سو سال پہلے میرا نبی رویا تھا، آمنہ کا لال رویا تھا۔

حضرت جبریل کے زبانی میرے آقا اپنے نواسے کی شہادت کی خبر سن کر رو پڑے۔ پھر میرے نبی نے یہ نہیں کہا کہ اے مولیٰ میرے حسین کو کربلا کی تکلیفوں سے بچا لے۔ آنے والی تمام مصیبتوں سے بچالے۔ ایسی دعا کیوں نہیں مانگی۔ کیا حضور کو اپنے نواسے سے پیار نہیں تھا۔ قسم خدا کی اتنا پیار تھا کہ قیامت تک کوئی نانا اتنا پیار اپنے نواسے سے نہیں کرسکتا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ حضور نے دعا نہیں فرمائی۔ کیا اللہ آپ کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ وہ اللہ جس نے معراج کی رات محبوب کی مرضی پر پچاس نمازوں کو پانچ میں بدل دیا۔ وہ اللہ جس نے اپنے محبوب کے صرف ایک اشارے پر قبلہ بدل دیا، میں عالم خیال

میں نبی کی تربت پر گیا، عرض کیا آقا آپ نے اپنے نواسے کے لئے کربلا کی میدان میں وہاں کی مصیبتوں سے بچنے کی دعا کیوں نہیں فرمائی تاکہ حسین کربلا کی امتحان سے بچ جاتے۔ قبر رسول پاک سے آواز آئی الیاس نوری! امتحان سے اس لڑکے کو اٹھایا جاتا ہے جو کمزور ہو۔ نا اہل ہو جس کی تیاری نہ ہوئی ہو۔ میں نے تو حسین کی تیاری پوری کرائی ہے۔ کبھی کندھے پر بٹھا کر تیاری کرائی ہے، کبھی سینے سے لگا کر تیاری کرائی ہے، کبھی زلفوں کو پکڑا کر تیاری کرائی ہے۔ فاطمہ نے دودھ پلا کے لوریاں سنا کے تیاری کرائی ہے۔ علی نے گود میں بٹھا کر تیاری کرائی ہے۔ اس لئے میں نے رب کی بارگاہ میں عرض کی مولیٰ ہم نے حسین کی تیاری مکمل کرائی ہے امتحان تو لے لے اگر میرا حسین امتحان میں سو بٹا سو نمبر لے کر نہ آئے تو حسین نہ کہنا۔

گستاخ اور بے ادب لوگ کہتے ہیں اگر نبی علی مشکلیں حل کرسکتے ہیں تو میدانِ کربلا میں حسین کی کرتے۔ ان بدنصیبوں کو کیا معلوم، یہ نبی کی مدد ہی تو تھی کہ جب حسین کے سارے ساتھی شہید ہوگئے تو زمین رو پڑی۔ آسمان رو پڑا، ساری کائنات رو پڑی مگر آقا حسین صبر و استقلال کے پہاڑ بنے ہوئے تھے اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ مولیٰ ہم تیری رضا پر راضی ہیں۔ اگر نبی علی مدد نہ کرتے تو میدانِ کربلا میں حسین کے قدم لڑکھڑا جاتے یہ ثابت قدم رہنا ہی مدد کی دلیل ہے۔

ان تمام تفصیلی روایات کو میں کہاں تک بیان کروں جو فضائل حسین کے تعلق سے کتابوں میں موجود ہے۔ بس حسین سے محبت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ شہزادئ کونین حضرت فاطمہ گھر کے کام میں مصروف تھیں، امام حسین رو رہے تھے۔ سرکار نے جب دیکھا تو ارشاد فرمایا فاطمہ میرے حسین کو رونے نہ دیا کرو، حسین کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

نماز کتنی اہم شے ہے، وہ بھی حالت خطبہ میں کسی بھی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جو خطبے کے مزاج کے خلاف ہو۔ مگر اللہ کے رسول خطبہ دے رہے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں عبادت کے لئے کھڑے ہیں۔ بندوں کو عبادت کی تلقین کر

رہے ہیں۔روح نماز ان کے دلوں میں اتار رہے ہیں کہ اتنے میں علی کے نور نظر فاطمہ کے لخت جگر حضرت امام حسین تشریف لاتے ہیں۔تپتی ہوئی ریت ہے مدینے کا ماحول ہے، امام حسین کا بچپنا ہے، اپنے ننھے ننھے قدموں کو اٹھائے ہوئے مسجد نبوی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔سرکار مدینہ ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو آپ ممبر سے نیچے اترے اور دوڑ کر انہیں سینے سے لگا لیا۔اللہ کے رسول نے پورا خطبہ اس حال میں دیا کہ امام حسین سرکار کے سینۂ مبارک سے لپٹے ہوئے تھے۔اللہ کا خطبہ دیا جارہا تھا۔نماز کی ادائیگی کا انتظام ہو رہا تھا۔ روح نماز دلوں میں اتاری جارہی تھی اور حسین سینے سے لگے ہوئے تھے۔اللہ کے رسول نے حالت نماز میں حسین کو سینے سے جدا نہیں کیا۔اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہے کہ آج میں جس حسین کو سینے سے لگا رہا ہوں کل یہی حسین میرے دین کی آبرو رکھے گا۔ میری نماز کی آبرو رکھے گا۔میرے خطبے کی آبرو رکھے گا، اسلام کی آبرو رکھے گا اور ایک ایسا سجدہ پیش کرے گا جس کی مثال کائنات نہیں پیش کرسکتی۔

ہو سکے تو لایئے دونوں جہاں میزان میں
میں نے اک سجدہ زمین کربلا سے لے لیا

علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں ایک مشہور روایت نقل فرماتے ہیں کہ ایک دن سرکار مدینہ ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے داہنے زانوں پر اور اپنے لخت جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو بائیں زانوں پر بٹھائے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ پروردگار کی مرضی یہ ہے کہ آپ ان دونوں میں سے جس کسی ایک کو پسند فرمالیں گے وہ آپ کی نگاہوں کا ٹھنڈک بنے گا، وہ آپ کے پاس رہے گا۔اور جس کے بارے میں اختیار عطا فرمائیں گے اللہ رب العزت اسے اپنے پاس بلالے گا۔سرکار نے فرمایا اگر ابراہیم کو پسند کرلیتا ہوں اس کو سینے سے لگالیتا ہوں تو حسین ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو جائے گا۔علی کو تکلیف پہنچے گی، حسن کو تکلیف ہوگی، فاطمہ کو غم اور صدمہ پہونچے گا اور اگر حسین کو پسند کرلیتا ہوں تو میرا لڑکا ہمیشہ کے لئے خداوند قدوس کی بارگاہ میں چلا جائے گا فاطمہ اور علی غم سے بچ جائیں گے اور یقیناً

مجھے اپنا غم منظور ہے مگر بیٹی کا غم منظور نہیں۔اس لئے لے جاؤ میرے بچے کو میرے رب کی مرضی پر قربان کردو۔میں نے اپنے بیٹے کو حسین پر قربان کردیا۔حسین میرے بیٹے ابراہیم کا فدیہ ہے اس کے تین روز بعد حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔

دوستو اور بزرگو! غور کرو، اندازہ لگاؤ کہ حضور ﷺ اپنے بیٹے ابراہیم کو حسین پر قربان کررہے ہیں۔اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ حسین کی پیشانی میں وہ عظیم قربانی دیکھ رہے تھے کہ آج میں جس حسین پر اپنے بچے کو قربان کررہا ہوں وہی بچہ کل میرے دین پر اپنے آپ کو قربان کرے گا۔کبھی اپنے لخت جگر کو قربان کرے گا، کبھی علی اصغر کی لاش اٹھائے گا، کبھی قاسم کو کربلا کی تپتی ہوئی زمین میں دفن کرے گا، کبھی اپنے نوجوان بیٹے علی اکبر کی جوانی اور ان کے بہار جسم کو لٹتے دیکھے گا، کبھی عباس کا کٹا ہوا بازو دیکھے گا، کبھی اپنے احباب کی تڑپتی ہوئی لاشوں کو دیکھے گا مگر دین اسلام پر آنچ نہیں آنے دے گا۔اسلام کی جمہوری قدروں کو پامال نہیں ہونے دے گا اور اسلام پر اپنا سب کچھ قربان کرکے ہمیشہ کے لئے اسلام کا مستقبل محفوظ کردے گا اور واقعی یہی ہوا کہ کربلا کی میدان میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا خونِ جگر دے کر اسلام کو قیامت تک کے لئے بچالیا جس کو یزید کی فتنہ پرور ذات فنا کرنا چاہتی تھی۔اس وقت اسلام کی رگوں سے خون کھینچ لیا گیا تھا۔خونِ اسلام سوکھ گیا تھا، جسم اسلام سے خون بہہ گیا تھا اور قاعدہ کلیہ ہے کہ جب خون زیادہ بہہ جاتا ہے تو ڈاکٹر بھی نیا خون ڈالنے کی فکر کرتا ہے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ خون کا گروپ ایک جیسا ہو۔اسلام کی رگوں میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا خون تھا جب وہ خون نکل گیا تو اسلام کو حسین کے خون کی ضرورت پڑی کیوں کہ حسین کا خون رسول اللہ کا خون ہے۔سرکار فرماتے ہیں حسین میرا خون ہے، حسین میرا جسم ہے، حسین میرا گوشت ہے، میں حسین سے ہوں اور حسین مجھ سے ہے۔اس لئے امام حسین نے اپنا خونِ جگر دے کر اسلام کو نئی زندگی دے دی۔

حسین زندہ، حسین کا نام زندہ، حسین کا مشن زندہ، حسین کا پیغام زندہ، حسین کے کارنامے زندہ، حسین کے چاہنے اور ماننے والے زندہ۔یزید کے وہ سیاہ کارنامے ہیں کہ

آج کوئی کمینہ سے کمینہ انسان یزید کے کارناموں کو سننے کے بعد اس کی تعریف نہیں کرسکتا۔ یزید کی برائی انگریز رائٹر نے کی، یزید کی برائی جرمن رائٹر نے کی، یزید کی برائی ہندو رائٹر نے کی، سکھ رائٹر نے کی۔مگر حسین کی اچھائی سارے عالم نے کی۔حسین کے گن گاندھی جی گائے، حسین کے گن جواہر لال نہرو گائے، راج گوپال آچاریہ، مہاراجہ گوالیار، رابندر ناتھ ٹیگور حسین کے گن گائے اور کہا حسین صرف مسلمانوں ہی کا امام اور پیشوا نہیں بلکہ وہ اپنے زندہ کردار میں سارے عالم کا لیڈر اور امام ہے۔پوری دنیا کا پیشوا اور رہنما ہے۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

●●●

لاکھوں سلام

مصطفٰے جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یارِ ارم تاجدار حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
جس کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھنوؤں کی لطاف پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھو ں‌سلام
جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
دور ونزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام
عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگیں
اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام
ڈال دیں قلب میں عظمت مصطفٰے
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

غرور وتکبر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۔ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ ﴿۲۳﴾

(پ ۱۴، سورہ نحل، آیت ۲۳)

بے شک اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرات محترم! آج میری تقریر کا موضوع ہے تکبر۔ دوسرے الفاظ میں اسے نخوت، انانیت، غرور اور گھمنڈ بھی کہتے ہیں۔ کسی کو اپنے مال و دولت پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو اپنے حسن و جمال پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو اپنی طاقت وقوت پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو عہدہ ومنصب پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو اپنے محل ومکان پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو کاروبار وتجارت پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو اپنے علم وعمل پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو اپنی عبادت وریاضت پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو اپنی زبان کی فصاحت وبلاغت پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو اپنی قابلیت وصلاحیت پر گھمنڈ ہوتا ہے، کسی کو اپنی خطابت وصحافت پر گھمنڈ ہوتا ہے۔

اے نادان انسان ان عارضی اور فانی چیزوں پر غرور مت کر۔ تیرے جسم میں طاقت ہمیشہ برقرار نہیں رہے گی۔ تیری جوانی یہ قائم نہیں رہے گی۔ تیرے حسن کے جلوے ہمیشہ نہیں رہیں گے، دولت اور حکومت کسی فرد یا کسی قوم کے ہاتھوں میں ہمیشہ نہیں رہتی، کسی انسان کی اقبال کا ستارہ ہمیشہ عروج پر نہیں ہوتا۔ دولت حکومت آتی بھی ہے اور چلی بھی جاتی ہے۔ کل جو فقیر تھا آج وہ امیر ہے، کل جو وزیر تھا آج وہ اسیر ہے۔ دولت حکومت جوانی طاقت یہ سب نشے کچھ دنوں بعد اتر جاتے ہیں۔ آج جو مال دولت پہ اتراتا پھر رہا ہے کل وہ فقیر بھی بن سکتا ہے۔ ہر کمالِ را زوال یہی قانون فطرت ہے۔ اپنے علم وعمل پر اترانے والو! شیطان کا انجام سامنے رکھنا۔

تفاسیر کی کتابوں میں ہے کہ شیطان کا اصل نام عزازیل ہے، سجدۂ آدم کے بعد وہ

شیطان مردود ہوا۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مکاشفۃ القلوب میں فرماتے ہیں کہ شیطان کا نام پہلے آسمان پر عابد تھا، دوسرے آسمان پر زاہد، تیسرے آسمان پر عارف، چوتھے آسمان پر ولی، پانچویں پر متقی، چھٹے پر عزازیل اور لوح محفوظ پر ابلیس تھا۔ وہ اپنی عاقبت اور انجام سے بے فکر تھا۔ جب اسے حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ملا۔ اللہ نے فرمایا وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا لیکن شیطان نے انکار کیا اور تکبر کیا۔ کہنے لگا اے اللہ! تو نے آدم کو مجھ پر فضیلت دے دی حالانکہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ مٹی کی فطرت نیچی ہوتی ہے اور آگ کی فطرت بلند ہوتی ہے۔ مٹی کمزور ہوتی ہے، آگ طاقتور ہوتا ہے جو مٹی کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے لہٰذا ایک طاقتور کمزور کو سجدہ نہیں کر سکتا۔ میں آدم سے افضل ہوں۔ آدم مجھ سے کمتر ہے۔ اللہ نے فرمایا میں کہتا ہوں آدم کو سجدہ کر لے کہنے لگا تو کہے گا تو بھی نہیں کروں گا۔ کتنا بڑا ضدی اور گھمنڈی ہے۔ شیطان نے اپنے آپ کو آدم سے بہتر سمجھا اور غرور وتکبر کی وجہ سے حضرت آدم سے منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ جب فرشتے آدم علیہ السلام کو سجدہ کر کے اٹھے تو انھوں نے دیکھا کہ شیطان نے سجدہ نہیں کیا جس کی وجہ سے اللہ نے اس کی شکل مسخ کر دی ہے اور وہ ان سے الگ تھلگ کھڑا ہوا ہے۔ اور اسے اپنے اس فعل پر کوئی ندامت وشرمندگی بھی نہیں ہے۔ شیطان کی یہ حالت دیکھ کر فرشتے دوبارہ سجدۂ شکر میں گر گئے۔ اسی لئے نماز میں دو سجدے ہیں ایک فرض اور دوسرا واجب۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ شیطان نے حق کا انکار کیا۔ غرور اور تکبر کیا۔ یہ ادا اللہ کو پسند نہ آئی اور بارگاہِ الٰہی سے مردود کر کے نکال دیا گیا۔ شیطان کتنا خوبصورت، کثیر العلم، کثیر العبادات، معلم الملکوت کے عہدے پر فائز۔ ملائکہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر اور تمام فرشتوں کا استاد تھا مگر اس کا علم، عہدہ اور منصب اس کو اللہ رب العزت کے قہر وغضب سے نہ بچا سکا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ نے شیطان کی گرفت کی تو جبریل ومیکائیل رونے لگے۔رب نے فرمایا کیوں روتے ہو،عرض کی اے اللہ! شیطان کا انجام دیکھ کر تیری گرفت کے خوف سے روتے ہیں۔ارشاد ہوا اسی طرح میرے گرفت سے روتے رہنا۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ بے شک تمہارے رب کی پکڑ بہت ہی سخت پکڑ ہے۔

حضرات محترم! قصہٴ ابلیس سے یہ معلوم ہوا کہ گھمنڈ اور تکبر کرنے سے نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں۔وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔اس کی زندگی سے برکتیں اور رحمتیں روٹھ کر چلی جاتی ہیں۔خواہ وہ علم ہو یا مال و دولت ہو۔عہدہ اور منصب ہو،عبادت یا ریاضت ہو یا اور کوئی نعمت ہو سب کچھ خاک میں مل جاتا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر ایک انگل کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں شیطان نے مردود ہونے سے پہلے سجدہ نہ کیا ہو۔شاعر کہتا ہے:

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

عزیزانِ محترم! عہدہ،منصب،حکومت،مال ودولت،عبادت،تقویٰ،حج،نماز روزہ علم وعمل اور دنیا کی کسی بھی چیز پر انسان کو مغرور نہیں ہونا چاہیے۔بزرگوں کا قول کہ تکبر علم وعمل کے لئے ایسے مصیبت ہے جیسے بلند وبالا عمارتوں کے لئے سیلاب مصیبت ہوتا ہے۔آدمی جتنا تواضع،خاکساری،عاجزی وانکساری کرے گا،اتنا ہی اللہ اس کو سربلند فرمادے گا۔اتنا ہی اس کے مال دولت میں علم وعمل میں،عہدہ ومنصب میں،عزت ووقار میں اللہ اضافہ فرمائے گا اور جتنا آدمی غرور کرے گا اتنا ہی ذلیل وخوار ہوگا،اتنا ہی وہ زوال پذیر ہوگا۔ابوجہل ابولہب قارون شداد نمرود فرعون اور شیطان کا حشر وانجام تکبر کرنے والوں کے لئے باعث عبرت ہے۔

قرآن کی تفاسیر میں ہے کہ سب سے پہلا گناہ جس کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی کی گئی وہ تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا۔مسلم شریف کی حدیث ہے: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔فرمانِ عالی شان ہے۔ اَلْعَظَمَةُ اِزَارِيْ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ فَمَنْ نَازَ

عَنِّيْ فِيْهِمَا اُلْقِيَتُهٗ فِي النَّارِ۔ عظمت اور بڑائی میرا الباس ہے یہ دونوں میری صفت ہیں جو شخص میرے ان صفات کو لینا چاہے اور بڑا بننا چاہے میں اس کو جہنم میں ڈالوں گا مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔فرمایا جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

ارشاد خداوندی ہے: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝۱۸ فرمایا کسی سے بات کرنے میں اپنا چہرہ ٹیڑھا نہ کرو اور زمین پر اتراتا نہ چلو بے شک اللہ تعالیٰ کو اترانے والا آدمی پسند نہیں ہے۔فرمانِ نبوی ہے کہ جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور اترا کر چلتا ہے،غرور وتکبر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے سامنے سے بصرہ کے گورنر کا گزر رہا جو نہایت کرّ وفر کے ساتھ اپنے محل کی طرف جا رہا تھا۔اس نے کئی ریشمی عبائیں ایک دوسرے پر پہن رکھی تھیں۔وہ نہایت مغرورانہ انداز میں ایک ایک قدم رکھتا ہوا جا رہا تھا۔حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا اور فرمایا افسوس افسوس اے بیوقوف تو نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا اور نہ ہی تو نے اللہ کے حقوق کو ادا کیا۔تیرے بدن کے ہر ایک عضو میں اللہ کی نعمت ہے اور شیطان ہر عضو پر قبضہ کی فکر میں ہے بخدا اس طرح غرور وتکبر سے چلنا بندے کو زیب نہیں دیتا۔گورنر نے آپ کی جب یہ نصیحت آمیز بات سنی تو آپ سے معافی مانگنے لگا۔آپ نے فرمایا مجھ سے معذرت اور معافی نہ مانگ بلکہ اللہ رب العزت سے معافی مانگ،اللہ سے توبہ کر۔کیا تو نے یہ فرمان الٰہی نہیں سنا کہ زمین پر اکڑ کر نہ چلو بے شک تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ ہی پہاڑوں جتنا لمبا ہو جائے گا۔

اسی طرح ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایک بزرگ نے ایک متکبر کو متکبرانہ انداز میں چلتے دیکھا تو کہا اے خدا کے بندے اس طرح چلنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔یہ چال خدا اور رسول کے دشمنوں کی ہے۔وہ بولا تو مجھے نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔بزرگ عالم

بولے میں تجھے خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو کون ہے۔سن! پہلے تو گندہ بدبودار پانی تھا، تیری پیدائش ناپاک نطفے سے ہوئی۔آخر میں تو مردہ ہے اور اس وقت تو نے اپنی پیٹ کو غلاظت سے بھرا ہوا ہے۔یہ تیری حقیقت اور اصلیت ہے کیا تو اسی پر غرور کرتا ہوا اتراتا ہے۔یہ سن کر اس شخص نے متکبرانہ چال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا اور غرور وتکبر سے دل سے تائب ہو گیا۔

آج انسان اپنی انا کے خلاف کوئی چیز سننا پسند نہیں کرتا۔آج ہمارے دلوں پر وعظ ونصیحت اثر نہیں کرتی۔آج اگر کسی کو اس کی بری حرکتوں پر ٹوک دیا جائے، بدتمیز کو بدتمیز کہہ دیا جائے، چور کو چور کہہ دیا جائے، جواڑی کو جواڑی کہہ دیا جائے، زانی کو زانی کہہ دیا جائے، شرابی کو شرابی کہہ دیا جائے، سودخور کو سودخور کہہ دیا جائے تو لوگوں کو برا لگتا ہے۔لوگ لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنی کمزوریوں کو دور کرتے۔برائیوں کو چھوڑ کر نیکیوں کا راستہ اپناتے، اپنی عیبوں پر نظر ڈالتے۔اپنی کمی کا احساس کرتے، خود کی اصلاح کرتے لیکن حال یہ ہے:

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا انھیں پاس نہیں

آدمی کو چاہئے کہ وہ غرور وتکبر سے بچے اور دوسروں کو حقیر وکم تر نہ سمجھے۔سوچو تو سہی جو انسان ایک نازک بوند سے پیدا کیا گیا، کیا اسے تکبر، گھمنڈ، نخوت، انانیت اور غرور زیب دیتا ہے۔آیئے ساتھ ہی ساتھ کچھ مسائل پر بھی گفتگو کروں۔

بخاری شریف کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا تین طرح کے آدمیوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ایک تو احسان جتلانے والا دوسرا جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا اور تیسرا تکبر وغرور سے کپڑا لٹکانے والا۔

شارحین بیان فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے رؤسا اور سردار بڑی بڑی عبائیں پہن کر سینہ تان کر غرور ونخوت میں اس طرح چلتے تھے کہ ان کے عباؤں کے دامن زمین پہ گھسیٹتے تھے۔فرمایا جو شخص اپنا جبہ تہبند یا سلوار یا پتلون ٹخنے سے نیچے لٹکائے وہ جہنم

میں لے جانے کا باعث ہے۔بعض علماء کا قول ہے اگر عادتاً ایسا ہے جس میں تکبر شامل نہیں تو قدرے غنیمت ہے مگر اتنا نیچا نہیں پہننا چاہیے کہ زمین کو چھو جائے اور نجاست آلود ہو۔

جب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص تکبر کے طور پر کپڑے ٹخنے کے نیچے تک پہنتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا اور نہ ہی اس سے کلام کرے گا اور اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری تہبند ڈھیلی ہو جاتی ہے اور نیچے آجاتی ہے حالانکہ میں اس کا اچھی طرح خیال رکھ کر اونچا باندھتا ہوں پھر بھی نیچے آجاتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا تم تکبر کے طور پر اس طرح کرنے والوں میں سے نہیں ہو جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنے تہبند (کپڑے) کو گھسیٹتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نگاہِ رحمت سے نہیں دیکھتا ہے۔مزید فرمایا کہ ایک شخص اپنی قیمتی چادر پر فخر کر رہا تھا اس کا نفس بہت اترا رہا تھا اور وہ تکبر کے طور پر چل رہا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔اسی لئے حضور پاک ﷺ نے سونے چاندی کے برتن کا استعمال، مردوں کے لئے سونے کا ہار انگوٹھی زنجیر وغیرہ پہننا حرام قرار دیا کیونکہ ان کے استعمال سے غرور گھمنڈ اور تکبر پیدا ہوتا ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اس کا جوتا اچھا ہو اس کی سواری اچھی ہو۔اس کا رہن سہن اچھا ہو اس کا گھر مکان اچھا ہو کیا یہ بھی تکبر میں داخل ہے۔آپ نے فرمایا اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَالُ۔ اللہ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے اس لئے آرائش وجمال کی خواہش تکبر نہیں۔ہاں تکبر یہ ہے کہ انسان حق کو قبول نہ کرے اور لوگوں کو حقیر وذلیل سمجھے۔

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ وَمَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرًا وَّفِیْ نَفْسِهٖ كَبِیْرًا حَتّٰى فَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ۔ فرمایا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جو شخص گھمنڈ وتکبر کرتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا خیال کرتا ہے حالانکہ انجام کار ایک دن وہ لوگوں کی نگاہوں میں کتے اور سور سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

فرمانِ نبوی ہے قیامت کے دن متکبر اور مغرور انسانوں کو چیونٹیوں کی طرح اٹھایا

جائے گا۔لوگ انہیں روندیں گے اور ریزہ ریزہ کردیں گے اور وہ انتہائی ذلت میں ہوں گے۔پھرانہیں جہنم کے قید خانے کی طرف لے جایا جائے گا اوران پر جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔انھیں دوزخیوں کے جسموں سے نکلنے والی پیپ پلائی جائے گی۔

دوستو!تکبراور گھمنڈ بہت بری چیز ہے اس سے زندگی کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور بندہ خدا کی قہر وغضب کا شکار ہوجاتا ہے۔

انیس الواعظین میں ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک عابد کسی پہاڑ پرمصروف عبادت تھا۔ بادل کاٹکڑا اس کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھا۔اتفاقاً ایک بدکار گنہگار انسان کا گزر اس طرف سے ہوا۔جب اس گنہگار نے عابد کو دیکھا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ میں بنی اسرائیل کا بدبخت ترین آدمی ہوں اور یہ بنی اسرائیل کا عابد ہے اگر میں اس کے پاس بیٹھ جاؤں تو شاید اللہ مجھ پر بھی رحم کردے۔چنانچہ وہ عابد کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔عابد کے دل میں خیال آیا کہ میں بنی اسرائیل کا عابد ہوں اور یہ بنی اسرائیل کا گنہگار آدمی ہے یہ میرے پاس کیسے بیٹھ گیا۔میں عابد ہوں اور یہ بدکار ہے۔میرے پاس اسے بیٹھنے کی جرأت کیسے ہوئی۔بولا مجھ سے دور بیٹھو،وہ بیچارہ دور ہٹ گیا۔عابد کی یہ تکبرانہ انداز اللہ رب العزت کو پسند نہ آیا۔اس وقت کے نبی کی طرف وحی آئی کہ ان دونوں کو جا کر کہہ دیں کہ میں نے بدبخت بدکار گنہگار کو بخش دیا اور عابد کے اعمال کو برباد کردیا۔جو عابد ہے وہ غرور وتکبر کے باعث جہنمی ہو گیا اور جو بدکار ہے وہ اپنے نیک اعتقاد کے باعث بخشا گیا۔

دوستو!اللہ اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھتا ہے کہ اس دل میں کتنی خاکساری عاجزی اور انکساری ہے۔اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسب ونسب کے باعث غرور کرنا عہدہ اور منصب پر اترانا،اپنے اعمال پر گھمنڈ کرنا،دوسروں کو اپنے سے کمتر جاننا،اپنی اچھی آواز پر مغرور ہونا،حسن وجمال اور جوانی پر تکبر کرنا،مال ودولت پر گھمنڈ کرنا،غربا مساکین اور محتاجوں کو جھڑک دینا،جسمانی طاقت کے نشے میں کمزور کو ظلم کا نشانہ بنانا،اپنے علم وعمل پر اترانا،بڑا قبیلہ اور خاندان کے باعث چھوٹے قبیلے والے کو طعنہ دینا،ایسی بہت سی بری حرکات جن سے تکبر اور غرور کی بو آتی ہو اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں۔وہ تو ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾ قیامت کے دن مال اولاد قبیلہ خاندان کچھ فائدے مند ثابت نہیں ہوگا مگر نفع تو وہی پائے گا جو تمام گناہوں سے سلامت دل لئے حاضر ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دولاکھ انسان اور دولاکھ جن جمع فرمائے اور اپنے تخت پر سوار ہونے کا حکم دیا۔آپ کے اشارے پر تخت فضا میں اڑنے لگا۔یہاں تک کہ آپ آسمان کے قریب پہنچ گئے اور فرشتوں کی ذکر وتسبیح کی آواز سنائی دینے لگی۔پھر وہاں سے نیچے اترے یہاں تک کہ ان کے قدم سمندر کو چھونے لگے تو آپ نے آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اے سلیمان!اگر تیرے اور تیرے ساتھیوں کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا تو جتنی بلندی تک میں تم کو لے گیا ہوں اس سے بھی زیادہ گہرائی میں انھیں دھنسادوں گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا غرور اور تکبر ایسا سخت ترین جرم ہے کہ اس کے ارتکاب کے بعد کوئی بھی عبادت فائدہ نہیں دیتی۔اللہ ہر متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اور متکبر کو ذلیل وخوار کردیتا ہے۔

نمرود کا آپ نے نام سنا ہوگا۔کتب تفاسیر میں ہے کہ پوری دنیا کی بادشاہی صرف چار ہی شخصوں کو ملی جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر۔حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت سکندر ذو القرنین یہ دو مومن بادشاہ گزرے ہیں اور نمرود اور بخت نصر،دو کافر بادشاہ تھے۔نمرود پوری دنیا کا بادشاہ تھا۔اللہ نے اس کو عظیم سلطنت سے نوازا تھا مگر شکر کے بجائے اس نے کفر کیا۔خدائی کا دعویٰ کیا اور خدا بن بیٹھا۔لوگ اس کو سجدہ کرنے لگے جس کی وجہ سے وہ مزید مغرور وسرکش ہوگیا۔اس نے خدا کو تیر مارنے کے لئے ایک بلند وبالا ستون بنوایا تھا۔ایک دن وہ اس پر خدا کو تیر مارنے کے لئے چڑھا۔ترکش میں تیر چڑھایا آسمان کی طرف منہ کیا کہ اتنے میں ایک لنگڑا مچھر اس کے ناک کے راستے سے دماغ میں گھس گیا اور ڈنک مارنے لگا۔نمرود درد سے بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔حکیموں نے اس کا علاج تجویز کیا کہ بادشاہ کے سر پر جوتے مارے جائیں تاکہ مچھر جوتے کے ضرب سے بیٹھ جائے اور درد بند ہوجائے۔چنانچہ ایک ملازم جوتا مارنے کے لئے مقرر کیا گیا۔جب

مچھر دماغ میں چلتا تو درد پیدا ہوتا اور جب جوتا سر پر پڑتا تو مچھر بیٹھ جاتا۔اس طرح وہ جھوٹا گھمنڈی جوتا کھا کھا کر مر گیا۔سوچو ایک لنگڑے مچھر نے اس کے غرور اور گھمنڈ کا نشہ اتار دیا اور اس کی باطل خدائی کا ستیاناس بھی کر دیا۔یہ ہے ایک سچے خدا کی طاقت جو وحدہٗ لاشریک ہے اس کا نام صرف اور صرف اللہ ہے جو جسم وجسمانیت زمان ومکان سے پاک ہے۔جو رب العالمین ہے،احکم الحاکمین ہے جس نے زندگی اور موت پیدا کیا،وہ موت جس نے بڑے بڑے ظالموں،بادشاہوں اور مغرور انسانوں کی گردنوں کو پلک جھپکتے ہی مڑور دیا۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا اس نے کہیں جانے کا ارادہ بنایا تو اپنے غلاموں سے کہا جاؤ پہلے کپڑے لاؤ تاکہ زیب تن کیا جائے ایک سے ایک قیمتی جوڑا لایا گیا اور وہ ناپسند کرتا۔آخر میں سب سے عمدہ لباس پہونچا۔اس کے بعد سواری لانے کا حکم دیا۔سواری کے لئے اچھے سے اچھے عمدہ،بہترین گھوڑے پیش کیے گئے۔بہت چھان بین کے بعد سب سے عمدہ گھوڑے کا انتخاب کیا۔بڑی شان وشوکت کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر مغرورانہ انداز میں روانہ ہوا۔غرور وتکبر کا ایسا پتلا بن گیا کہ کسی کی طرف نظر اٹھانا بھی پسند نہ کرتا۔اتنے میں ایک شخص بوسیدہ لباس میں اس کے پاس آیا اور اس نے بادشاہ کو سلام کیا۔مغرور اور متکبر بادشاہ نے اس کا جواب نہ دیا۔اس شخص نے بادشاہ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔بادشاہ اس شخص کی اس گستاخی پر آگ بگولہ ہو گیا اور غصے میں بولا تو نے بڑی گستاخی کی ہے۔تیری ہمت وجرأت کیسے ہوئی کہ تو میرے گھوڑے کے لگام کو ہاتھ لگائے۔میری سواری کی لگام کو چھوڑ دے۔اس نے کہا بادشاہ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔بادشاہ نے کہا اچھا ٹھہرو میں گھوڑے سے نیچے اتر جاؤں۔اس نے کہا نہیں اسی وقت تم سے ضرورت ہے اور لگام کو خوب مضبوطی سے تھام لیا۔بادشاہ نے کہا اچھا کہو کیا کہنا چاہتے ہو اس نے کہا راز کی بات ہے آہستہ کان میں کہوں گا۔بادشاہ نے سر جھکا دیا اس نے کہا میں ملک الموت ہوں۔آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں۔اتنا سننا تھا کہ بادشاہ کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا،ہوش اڑ گئے،قدم ڈگمگانے لگا،زبان لڑکھڑانے لگی،جسم

تھر تھرانے لگی۔دھیمی آواز میں کہا ٹھیک ہے اتنی مہلت دے دو کہ میں گھر جا کر بیوی بچوں سے مل لوں۔گھر والوں سے رخصت ہو لوں۔اس نے کہا نہیں اب تمہیں مہلت نہیں ملے گی۔اب گھر اور مال واسباب بیوی بچوں کو دیکھنا نصیب نہیں ہوگا یہ کہا اور اس کی روح قبض کر لی۔بادشاہ گھوڑے کی پشت سے لکڑی کی طرح زمین پر گر پڑا۔

اطلس وکمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہوں
اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
کیا بھروسہ ہے زندگانی کا
آدمی بلبلہ ہے پانی کا

حضرات محترم! دیکھا آپ نے دنیا پرست مغرور بادشاہ کا کیا حال ہوا۔غرور وتکبر نے اسے کہاں تک پہنچا دیا۔فرمانِ نبوی ہے جو آدمی تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتا ہے۔یہاں تک کہ وہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار رہتا ہے۔

اے انسان دنیا کی دولت پر مغرور نہ ہونا۔عہدہ اور منصب پر گھمنڈ نہ کرنا۔یہاں جس چیز سے پیار کرو گے مرنے کے بعد وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے گی۔کہتے ہیں کہ ایک آدمی شیر کی کھال پہن کر بڑی تکبرانہ انداز میں چل رہا تھا۔ایک عالم نے دیکھ کر عبرت ناک جملہ بولا جس سے اس آدمی کی دل کی دنیا بدل گئی۔فرمایا بھائی یہ کھال جس کی تھی جب اس کے پاس نہ رہی تو تیرے پاس کیا رہے گی۔اور ساتھ ہی ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔دیکھو!

کیسے حسیں کے قبر پہ کانٹوں کی باڑھ ہے
وہ پھول سا بدن وہ نزاکت کہاں گئی

اپنے کلام پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے قارون کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ ان خزانوں کی کنجیاں ایک مضبوط اور طاقتور جماعت بمشکل اٹھا سکتی تھی۔قارون کے پاس بے شمار دولت اور خزانے آتے ہی وہ ایک دم مغرور ہو گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا دشمن بن گیا اور جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا۔جب اس نے حساب لگایا تو بہت بڑی رقم زکوٰۃ کی نکلی۔یہ دیکھ کر اس پر ایک دم

حرص لالچ اور بخالت کا بھوت سوار ہو گیا اور وہ نہ صرف زکوٰۃ کا منکر ہو گیا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو بہکانے لگا کہ موسیٰ اس بہانے تمہارے مالوں کو لینا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس نے گندہ اور گھناؤنا الزام بھی لگایا۔ عین اس وقت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے۔ قارون نے آپ کو ٹوکا کہ فلانی عورت سے آپ نے بدکاری کی ہے (نعوذ باللہ من ذالک) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس عورت کو ہمارے سامنے لاؤ۔ چنانچہ وہ عورت بلائی گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے عورت اس اللہ کی قسم جس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا کو پھاڑ دیا تھا اور فرعون کو غرق کر کے اس کے ظلم سے نجات دیا تھا۔ سچ سچ بتا کہ واقعہ کیا ہے، سچائی کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلال سے عورت کانپنے لگی اور اس نے مجمع میں صاف صاف کہہ دیا کہ اے اللہ کے نبی مجھ کو قارون نے کثیر دولت دے کر آپ پر الزام لگانے کے لئے آمادہ کیا ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام آبدیدہ ہو گئے۔ سجدۂ شکر میں گر پڑے اور سجدے میں آپ نے دعا مانگی یا اللہ قارون پر اپنا قہر وغضب نازل فرما۔ پھر آپ نے مجمع سے فرمایا کہ جو قارون کا ساتھی ہو وہ قارون کے ساتھ ٹھہرا رہے اور جو میرا ساتھی ہو وہ قارون سے الگ ہو جائے۔ چنانچہ دو خبیثوں کے سوا تمام بنی اسرائیل قارون سے الگ ہو گئے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا اے زمین تو اس کو پکڑ لے بس اتنا کہنا تھا کہ قارون ایک دم گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ یہ دیکھ کر قارون رونے لگا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہنے لگا مگر آپ نے اس کی ایک نہ سنی یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا۔ دو آدمی جو اس کے ساتھ تھے۔ لوگوں سے کہنے لگے کہ موسیٰ نے قارون کو اس لئے دھنسا دیا ہے تاکہ قارون کے مکان اور اس کے خزانوں پر خود قبضہ کرلیں یہ سنا تو آپ نے دعا مانگی کہ قارون کا محل اور خزانہ بھی زمین میں دھنس جائے۔ چنانچہ قارون کا محل جو سونے کا تھا اور اس کا سارا خزانہ سبھی زمین میں دھنس گیا۔

حضرات محترم! قارون نے اپنے مال ودولت پہ گھمنڈ کیا۔ حضرت وموسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کو نہیں مانا اور تکبر وغرور سے اتراتا ہوا قوم کے سامنے آیا۔ حق کی مخالفت اور حضرت

موسیٰ کی شان میں گستاخی وبدگوئی کرنے لگا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا آیئے اس کو قرآن کی زبان سے سنیں اور عبرت حاصل کریں۔ اللہ فرماتا ہے: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ (سورہ القصص، آیت ۸۱) اس نے جب مال ودولت پہ غرور کیا۔ میرے احکام سے بغاوت وسرکشی کی تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ سے بچانے میں وہ اس کی مدد کرتی۔

یہ واقعہ ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ اگر اللہ مال ودولت عطا فرمائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ اس کی راہ میں خرچ کرتے رہیں۔ لاچار مجبور بے سہارا، یتیم بیوہ اور ضرورت مندوں کی اس سے مدد کریں کیوں کہ اللہ ہی دولت دیتا ہے اور وہی نیک کام میں خرچ کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا ایمان لا۔ تیرا ملک اور سلطنت تیرے پاس ہی رہے گا تو پھر فرعون نے کہا میں اپنے وزیر ہامان سے مشورہ کرلوں۔ چنانچہ جب اس نے ہامان سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ اب تک تو رب ہے لوگ تیری عبادت کرتے رہے ہیں اور اب تو عبادت کرنے والا بندہ بننا چاہتا ہے۔ فرعون نے یہ مشورہ سنا تو غرور وتکبر کی وجہ سے اللہ کا بندہ بننے اور موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے سے انکار کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے دریائے نیل میں غرق کر دیا۔

غور کرو! فرعون کا یہی احساس تکبر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے دعوتِ حق کے مقابلے میں آڑے آگئی اور قبول حق سے باز رکھا۔ آج بھی سچائی اور حق کو قبول کرنے میں غرور وتکبر ہی سد راہ بنا ہوا ہے اور وہ ہدایت سے محروم ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ اسلام ہی خدا کا بنایا ہوا سچا اور پسندیدہ مذہب ہے۔ قرآن اللہ کا پاک کلام ہے جو تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پوری کائنات کے لئے نبیٔ رحمت بن کر مبعوث ہوئے۔ آپ خاتم النبیین ہیں، رحمۃ العلمین ہیں۔

سچائی کو قبول نہ کرنا، حق سے انکار کرنا، اللہ رسول کے احکام سے روگردانی کرنا، اسلام

اور قرآن کو نہ ماننا، زمین میں فتنہ فساد پھیلانا، کمزوروں پر ظلم کرنا اور اپنے آپ کو سب سے افضل، سب سے اچھا، سب سے بڑا سمجھنا یہ ساری باتیں تکبر میں شامل ہیں۔

روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کا تذکرہ بڑے اچھے الفاظ میں کیا گیا۔ ایک مرتبہ وہی شخص نظر آیا تو صحابۂ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ وہی شخص ہے جس کا ہم نے آپ کے سامنے تذکرہ کیا تھا۔ حضور نے فرمایا مجھے اس کے چہرے پر شیطان کا اثر نظر آتا ہے۔ اس شخص نے آکر سلام کیا اور حضور کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں سچ بتا تیرے نفس نے کبھی تجھ سے یہ کہا ہے کہ قوم میں مجھ سے افضل کوئی نہیں ہے۔ اس نے کہا ہاں بخدا ایسا ہوا ہے اور حضور ﷺ نے نور نبوت سے اس کے دل میں موجود تکبر کا اثر اس کے چہرے پر دیکھ لیا اور ایک ہی نگاہ رحمت سے اس کو زائل بھی کر دیا پھر دوبارہ اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوا۔

حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے فرمایا جب حضرت نوح علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو بلا کر فرمایا۔ میں تمہیں دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے روکتا ہوں۔ میں تمہیں شرک اور تکبر سے روکتا ہوں اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے کا حکم دیتا ہوں کیوں کہ یہ کلمہ ہر مخلوق کی نماز ہے اور اسی کلمے کی برکت سے ہر مخلوق کو روزق دیا جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے وہ کبھی مغرور و متکبر نہیں ہوگا۔

غرور، تکبر، بغض، کینہ، حسد انسان کو برباد کر دیتا ہے۔ یہ دلوں کی مہلک بیماریاں ہیں جو روحانیت کے لئے زہر قاتل ہیں۔ اس لئے اپنے دلوں کو اس سے ہمیشہ پاک وصاف رکھنا چاہیے اور دل میں ذرہ برابر بھی بغض کینہ حسد انانیت اور غرور پیدا نہ ہونے دیجیے۔ نفس مغرور ہے اس پر قابو رکھیے۔ ہمارے بزرگانِ دین اور اسلافِ کرام اپنے نفس پر کس طرح قابو فرماتے تھے آیئے اس سلسلے کی آخری کڑی سماعت کیجیے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے بازار سے گزرے۔ آپ سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ کو لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔ آپ نے فرمایا کہ نفس

بہت سرکش ہے، کہیں وہ مجھے مغرور نہ بنا دے اس لئے میں نے چاہا لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھا کر بازار سے گزروں تاکہ میرے دل میں سے تکبر نکل جائے۔

دوستو! اور بزرگو! میری تقریر کا ماحصل اور نچوڑ یہ ہے کہ تکبر و گھمنڈ اللہ تعالیٰ کو بے حد ناپسند ہے۔ اس لئے خداوند قدوس کا دستور رہا ہے کہ ہر سرکش اور متکبر فرد اور قوم کو جس نے بھی روئے زمین پر سرکشی کی۔ مخلوق خدا پر ظلم وستم کیا۔ اپنی کرسی واقتدار پر غرور کیا اور اس کا ظلم اس درجہ بڑھ گیا کہ روئے زمین کا ذرہ ذرہ ان کے گناہوں اور بداعمالیوں سے بلبلا اٹھا تو خداوند قہار و جبار کے عذابوں نے ان سب کو تباہ و برباد کر کے صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ لہٰذا ان قوموں کی عروج وزوال اور ان کے عذاب الٰہی سے پامال ہونے کی داستانوں سے عبرت ونصیحت حاصل کرنا چاہیے۔ کیوں کہ قرآن کریم میں ان اقوام کے انجام کے ذکر کا مقصد یہی ہے کہ لوگ ان کے داستانوں کو سن کر عبرت حاصل کریں اور دلوں میں خوف خدا پیدا کریں۔ نیک اور اچھے کام کرتے رہیں۔ اپنے مال ودولت، عہدہ اور منصب کے غرور میں سرکشی وتکبر نہ کریں بلکہ اپنے دلوں میں خوف خدا رکھ کر تواضع وانکساری کو اپنی عادت بنائیں اور جہاں تک ہو سکے اپنے زندگی میں اچھے اعمال کرتے رہیں۔

انداز مرا گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

●●●

اللہ والوں کی شان

نحمدہٗ وَنُصلی علیٰ رسولہ الکریم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۤءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ (پ۱۱، سورۂ یونس، آیت نمبر ۶۲)

حضرات گرامی! آج کی تقریر کا موضوع ہے اللہ والوں کی شان اور ان کا مقام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم۔

اب آیئے یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا ولی کون ہے۔ بعض کہتے ہیں اللہ کا ولی وہ ہے جسے اللہ کی قربت کا اعزاز حاصل ہو۔ بعض کہتے ہیں اللہ کا ولی وہ ہے جس کے اعمال اور عقائد دونوں شریعت کے مطابق ہوں۔ بعض کہتے ہیں اللہ کا ولی وہ ہے جسے کسی چیز کا خوف اور غم نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں اللہ کا ولی وہ ہے جو خدا کے لئے دوستی کرے اور خدا ہی کے لئے دشمنی کرے حتی کہ جو بھی کام کرے صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لئے کرے۔ بعض کہتے ہیں ولی وہ ہے جو عشق مولیٰ میں ڈوبا رہے۔ بعض کہتے ہیں ولی وہ ہے جسے دیکھ کر خدا کی یاد آ جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولیاء اللہ کون ہیں۔ فرمایا اولیاء اللہ وہ ہیں کہ جب انسان انہیں دیکھے تو خدا کی یاد آ جائے۔ ان کی محفل میں بیٹھنے والا، ان کی بارگاہ میں حاضری دینے والا کبھی بدنصیب نہیں ہوتا بلکہ خوش نصیب ہوتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیاء اللہ کی بارگاہ میں تھوڑی دیر کی حاضری سو سال کی مقبول عبادت سے بہتر ہے۔ حدیث قدسی ہے اللہ زبانِ رسالت پر فرماتا ہے کہ جب کوئی بندہ میرا ہو جاتا ہے تو میں اس کا آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس کو وہ بڑھاتا ہے

۔ میں اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ مختصر یہ کہ مقام ولایت پر پہونچ جانے کے بعد بندہ اپنے ارادے سے قدم نہیں اٹھاتا بلکہ اس کے قدم مشیت الٰہی کے تحت اٹھتے ہیں وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتا بلکہ مشیت الٰہی اس کے لبوں پر بولا کرتی ہے۔ وہ اپنی مرضی سے نہیں دیکھتا بلکہ خدا کی مرضی سے دیکھتا ہے وہ نظر اٹھاتا ہے تو نوشتہ تقدیر کو پڑھ لیتا ہے وہ نظر اٹھاتا ہے تو پلک جھپکتے ہی چور کو زمانے کا قطب بنا دیتا ہے۔ وہ خدا کی عطا کردہ طاقتوں سے دریاؤں اور سمندروں کے طوفانی موجوں کو موڑ دیتا ہے۔ دریا میں تیرنے والی مچھلیوں پر حکومت کرتا ہے۔ اس کا تصرف آگ پانی مٹی اور ہوا پر بھی ہوتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے جب کوئی بندہ اللہ کی محبت میں سرشار ہو کر دنیا کو بھلا دیتا ہے اور صرف اللہ ہی کا ہو جاتا ہے تو پھر خالق کائنات اس بندے سے محبت کرنے لگتا ہے اور صرف خالق کائنات ہی نہیں بلکہ ساری کائنات اس کی محبت میں گم ہو جاتی ہے ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے کہ اے جبریل میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں لہٰذا تم بھی اس سے محبت رکھو۔ پھر جبریل آسمان کے تمام فرشتوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اے فرشتو تمہارا رب فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت رکھو یہ سن کر تمام فرشتے اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین میں پھیلا دی جاتی ہے اور زمین کی ہر مخلوق اس سے محبت کرنے لگتی ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ جب بندہ اللہ کا مقرب ہو جاتا ہے تو پھر ساری کائنات اس کی محبت میں گم ہو جاتی ہے۔ ساری دنیا کی نظریں اس اللہ کے ولی پر لگ جاتی ہیں اور لوگ دور دور سے سفر کر کے اللہ والے کے پاس آتے ہیں۔

اللہ والوں کے دربار کی حاضری رب سے مانگنے کی دلیل ہے۔ ولی کی دوستی خدا کی دوستی ہے اور ولی کی دشمنی خدا کی دشمنی ہے۔ یاد رکھیے اللہ والوں کی دوستی دنیا میں بھی کام آئے گی اور آخرت میں کام آئے گی۔ آیئے اس سلسلے میں مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیث سماعت فرمایئے: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ فرمایا پوچھو کیا مسئلہ ہے۔ عرض کیا سرکار آپ اس آدمی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت کرتا ہو لیکن ان سے ملا نہ ہو تو سرکار نے ارشاد فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ فرمایا جو انسان جس سے محبت کرے گا کل قیامت میں وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔

اے غوث ورضا اور خواجہ کے چاہنے والوں۔ اے اولیاء امت کے ماننے والوں مبارک ہو تمہیں کل قیامت میں تمہارا حشر اولیاء امت کے ساتھ ہوگا کیونکہ سرکار کے فرمان کے مطابق جس کو جس سے محبت ہوگی وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔ اگر دنیا میں کسی کو اولیاء اللہ سے محبت ہے تو قیامت میں وہ اللہ والوں کے ساتھ ہوگا۔ اگر دنیا میں کسی کو صحابہ کرام سے محبت ہے تو قیامت میں صحابہ کرام کے ساتھ ہوگا۔ اگر کسی کو علی سے محبت ہوگی تو وہ قیامت میں علی کے ساتھ ہوگا۔ اگر کسی کو حسین سے محبت ہوگی تو وہ قیامت میں حسین کے ساتھ ہوگا۔ اگر کسی کو غوث اعظم سے محبت ہوگی تو قیامت میں وہ غوث اعظم کے ساتھ ہوگا۔ اگر کسی کو سلطان الہند عطائے رسول سرکار خواجہ اجمیر سے محبت ہوگی تو قیامت میں وہ خواجہ اجمیری کے ساتھ ہوگا۔ اگر سرکار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت ہوگی تو قیامت میں وہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ ہوگا۔ تاجدار اہل سنت سے محبت ہوگی تو وہ قیامت میں مفتی اعظم سرکار کے ساتھ ہوگا۔ صدیق اکبر سے محبت ہوگی فاروق اعظم سے محبت ہوگی ۔عثمان ذوالنورین سے محبت ہوگی مولائے کائنات سے محبت ہوگی تو وہ قیامت میں ان مقدس ہستیوں کے ساتھ ہوگا۔ اگر کسی کو دونوں عالم کے مالک ومختار مدینے کے تاجدار تمام نبیوں کے سردار مصطفیٰ جان رحمت سے محبت ہوگی تو وہ قیامت میں اللہ کے پیارے محبوب ﷺ کے ساتھ ہوگا کیونکہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ جو جس سے محبت کرے گا قیامت میں وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔ اس حدیث پاک سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو اللہ والوں سے محبت نہیں رکھتے۔ علمائے کرام کی عزت نہیں کرتے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اللہ والوں سے محبت رکھیں۔ اللہ والوں کی محبت قبر میں حشر میں کام آئے گی۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم نور مجسم

ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن حساب وکتاب کے بعد اللہ رب العزت مخلوق کے حق میں آخری فیصلہ فرمادے گا اور فرشتوں کو حکم دے گا کہ اے فرشتو جنت والوں کو جنت میں لے جاؤ اور جہنم والوں کو جہنم میں لے جاؤ تو ایک دوزخی دوڑ کر اللہ کے ایک ولی کے قدموں میں گر کر پاؤں پکڑ لے گا اور عرض کرے گا: اَمَا تَعْرِفُنِیْ اَنَا الَّذِیْ سَقَیْتُکَ شَرْبَتًا۔ کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا میں وہ ہوں جس نے آپ کو ایک مرتبہ پانی پلایا تھا اور کوئی کہے گا اَنَا الَّذِیْ وَهَبْتُ لَکَ وَضُوْءًا میں وہ ہوں جس نے ایک دفعہ آپ کو وضو کرایا تھا۔ اللہ کے رسول فرماتے ہیں کہ پھر وہ اللہ کے ولی اللہ کی بارگاہ میں ان کے حق میں شفارش فرمائیں گے اور ان کی بخشش کے لئے دعا مانگیں گے اور کہیں گے اے اللہ اس کو معاف کردے اور جہنمی سے جنتی بنادے۔ وہ اللہ والے ان گنہگاروں کی شفاعت کرکے اللہ کے اذن اور حکم سے انہیں جنت میں لے جائیں گے۔ سبحان اللہ

مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حشر میں قیامت میں اللہ والے کام آئیں گے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اِذَا اجْتَمَعَ الْعَالِمُ وَالْعَابِدُ علی الصِّرَاطِ۔ قِیْلَ لِلْعَابِدِ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ وَتَنَعَّمْ بِعِبَادَتِکَ لِلْعَالِمِ قِفْ هُنَا وَاشْفَعْ لِمَنْ اَحْبَبْتَ فَاِنَّکَ لَا تَشْفَعُ لِاَحَدٍ اِلَّا شَفَعْتَ فَقَامَ مَقَامَ الْاَنْبِیَاءِ۔ قیامت کے دن عابد اور عالم کو پل صراط پر لایا جائے گا۔ عابد کو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور عالم سے کہا جائے گا کہ تو ٹھہر اور لوگوں کے حق میں خدا سے شفارس کر۔ اگر دنیا میں کسی نے کسی عالم کی کوئی خدمت کی ہوگی تو وہ عالم اللہ سے اس کی بخشش کی شفارش کرے گا اور اللہ اس کی شفارش کو شرف قبولیت عطا فرمائے گا اور اس طرح اللہ کے مقبول بندوں کی شفارش سے نہ جانے کتنے گنہگاروں کی بخشش ہوگی۔

آیئے اللہ والوں کے بارے میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ سماعت فرمایئے۔ آپ فرماتے ہیں:

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا

او نشیند در حضور اولیاء

جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اللہ اس سے قریب ہو جائے۔اللہ کی رحمت اس سے قریب ہو جائے۔اللہ کا فضل وکرم اس سے قریب ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ والوں کے قریب ہو جائے وہ اللہ والوں کی محفل میں بیٹھے کیونکہ اللہ والوں کی محفل میں بیٹھنے سے آدمی خدا کی رحمت سے قریب ہو جاتا ہے وہ اللہ کا مقبول بندہ بن جاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کو اللہ ذلیل ورسوا کرنا چاہتا ہے جس کو اپنی رحمت سے دور کرنا چاہتا ہے اسے ولی سے دور کر دیتا ہے ،اسے نبی اور ولی کا گستاخ و بے ادب بنا دیتا ہے۔اب جو اللہ والوں سے بغض وکینہ رکھتے ہیں ان کی شان میں توہین آمیز کلمات بکتے ہیں، خود ہی اندازہ لگایئے کہ وہ اللہ سے قریب ہیں یا دور ہیں۔نتیجہ آپ کے سامنے ہے مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔میں صرف بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اللہ والے دنیا میں بھی کام آئیں گے اور آخرت میں بھی کام آئیں گے۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کا ایک ولی اللہ کے دربار میں پیش ہوگا۔اللہ اس سے فرمائے گا اے میرے بندے مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں نے تجھے دنیا میں بہت سی نعمتوں سے محروم کر رکھا تھا پھر بھی تو میری اطاعت وفرمانبرداری کرتا رہا۔ایک لمحے کے لئے بھی تو مجھے نہیں بھولا آج میں تجھے عزت وفضیلت کا تاج پہناؤں گا۔تیری شان اور عظمت اہل محشر پر ظاہر کروں گا۔اے میرے بندے یہ سامنے جہنم میں جانے والے لوگ کھڑے ہیں۔یہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنمی ہو گئے ہیں تو ان جہنمیوں کی صفوں میں چلا جا اور ان کے اندر سے ان لوگوں کو پہچان جنھوں نے دنیا میں تیری مدد کی تھی اور اس لئے کی تھی کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔آقا ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر اللہ کا ولی جہنمیوں کے صف میں چلا جائے گا اور دیکھے گا کہ کس کس آدمی نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔کس نے دنیا میں میرے ساتھ بھلائی کی تھی۔بس وہ اللہ کا بندہ وہ عالم دین ان لوگوں کو پہچان لے گا جنھوں نے اس کے ساتھ بھلائی کی ہوگی تو وہ ان کی اللہ سے شفارش کرے گا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو جنت میں لے جائے گا۔

یہاں پر ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ جو ولی ہوتا ہے وہ عالم ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ

کبھی جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتا اور جس کو اپنا ولی یا دوست بناتا ہے اگر چہ اس نے دنیا میں کسی استاد سے علم نہ سیکھا ہو تو اللہ اسے علم لدنی عطا فرما دیتا ہے اور اس کے سینے کو علم وحکمت کا مدینہ بنا دیتا ہے پھر اسے ولایت کے منصب پر فائز کرتا ہے۔

میدان محشر کا منظر بڑا ہولناک اور دردناک ہوگا۔وہاں کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔کوئی کسی کا سہارا نہ ہوگا۔کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا، ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا، اتنی گرمی ہوگی کہ لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے ہر انسان اپنے گناہوں کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہا ہوگا، خوف وہراس کا عجیب عالم ہوگا۔ایسے عالم میں بھی اولیاء اللہ اللہ کے حکم سے اپنے ماننے والوں کی دستگیری فرمائیں گے۔

تفسیر روح البیان میں علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ ایک شخص قیامت میں اپنے لڑکے سے لپٹ کر کہے گا۔اے میرے پیارے بیٹے میں دنیا میں تیرا باپ تھا اور تو میرا بیٹا تھا۔جب تو چھوٹا تھا چل نہیں سکتا تھا تو میں تجھے انگلی پکڑا کر چلنا سکھایا، گود میں لے کر جھولا جھلایا، کندھوں پر بٹھا کر پھرایا، تیری تعلیم وتربیت کی، میرا جو حق تھا وہ سب کچھ دنیا میں تیرے لئے کیا۔بیٹا کہے گا ابا جان واقعی آپ میرے باپ ہیں آپ بتائیں کیا بات ہے۔کس بات پر آپ پریشان ہیں۔ باپ کہے گا اے میرے پیارے بیٹے مجھے تیری نیکیوں میں سے صرف ایک رتی کے برابر ایک نیکی چاہیے تاکہ میں نجات پا جاؤں اے میرے بیٹے اگر تو نے مجھے ایک نیکی دے دیا تو تیری مہربانی ہوگی اور تیرے ایک نیکی کے صدقے میں اللہ کے عذاب سے بچ جاؤں گا ۔تو لڑکا جواب دے گا اے ابا جان جس طرح آج تمہیں اللہ کے عذاب کا ڈر ہے اور جہنم سے بچنے کی کوشش میں ہو اسی طرح آج میں بھی اللہ کے عذاب سے پریشان ہوں جس طرح آپ کو اپنی ذات کی فکر ہے اسی طرح مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔اس لئے معذرت چاہتا ہوں میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر وہ آدمی اپنے بیٹے سے مایوس ہو کر اپنی بیوی کے پاس جائے گا اور بیوی سے کہے گا اے زینب تو دنیا میں میری بیوی تھی میں تیرا شوہر تھا اور شوہر کے بیوی پر بڑے حقوق ہوتے ہیں تو دنیا میں

میرے ساتھ کتنی اچھی رہتی تھی۔ مجھ سے بڑی محبت کرتی تھی۔ دنیا میں میرا تیرا کتنا اچھا اور پرسکون زندگی گزرا۔ کبھی تو مجھ سے ناراض نہ ہوئی۔ کبھی تو نے مجھ سے شکوہ شکایات کا موقع نہیں دیا تو کتنی اچھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تو یہاں بھی میرے ساتھ اچھا تعاون کرے گی۔ یہاں بھی میری مدد کرے گی۔ بیوی کہے گی اے میرے سرتاج اے میرے شوہر نامدار بتا تو سہی تو کس مصیبت میں گرفتار ہے تو خاوند کہے گا کہ اے زینب مجھے آج صرف اور صرف ایک نیکی درکار ہے اگر تو مجھے ایک نیکی دے دے گی تو میرا معاملہ آسان ہو جائے گا۔ میں اللہ کے دربار میں کامیاب ہو جاؤں گا اور تیری مہربانی ہوگی ورنہ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ تو عورت جواب دے گی کہ اے اللہ کے بندے جس طرح تجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے جس طرح تو اللہ کے خوف سے کانپ رہا ہے کہ کہیں میں اللہ کے عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں، اسی طرح میں بھی پریشان ہوں کہ میرا کیا بنے گا۔ میں اللہ کو کیا جواب دوں گی۔ لہٰذا اے میاں میں معذرت چاہتی ہوں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ میں یہاں تمہارے کوئی کام نہیں آسکتی۔

پڑھی نماز جنازہ کی میری غیروں نے
مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

اللہ رب العزت اپنے مقدس کتاب میں فرماتا ہے: وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى جس پر گناہوں کا بھاری بوجھ آپڑے گا تو اس گناہ کا بوجھ دوسرا کوئی نہیں اٹھائے گا۔ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ جس نے تھوڑی سی بھی نیکی کی ہوگی تو اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی تو اس کو بھی اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ مرنے کے بعد ہر شخص اپنے اعمال کا تنہا ذمہ دار ہے جو جیسا کرے گا اسی کے مطابق اس کا حشر ہوگا۔

قیامت میں ہر آدمی نفسانفسی کے عالم میں ہوگا اور ہر بندے کی یہ آرزو ہوگی کہ کاش میں جنت میں چلا جاؤں کاش اللہ کوئی ایسا سبب پیدا فرمادے جس سے میں کامیاب ہو

جاؤں ایسے مشکل گھڑی میں اللہ کا ولی اپنے نورانی ہاتھوں کو بارگاہ خداوندی میں بلند کرے گا اور عرض کرے گا مولیٰ میں اس گنہگار کی شفارس کرتا ہوں تو اسے بخش دے اور معاف فرمادے۔ چنانچہ اللہ ولیوں کے صدقے میں، علمائے کرام کے صدقے میں غوث اعظم اور خواجہ اجمیری کے صدقے میں اس گنہگار کی بخشش فرمادے گا۔

آیئے ایک اور حدیث سماعت فرمایئے: اس حدیث پاک کو مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ بہارستان جامی میں نقل فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں ایک آدمی کو لایا جائے گا اور وہ آدمی ایسا ہوگا جس کے پاس ایک بھی نیکی نہیں ہوگی لیکن وہ مسلمان ہوگا تو اس بندے سے اللہ فرمائے گا کہ اے میرے بندے کیا تیرے پاس کوئی ایسی نیکی ہے جس کی وجہ سے میں تجھے جنت میں داخل کردوں۔ بندہ کہے گا مولائے کریم میرے پاس تو کوئی نیکی نہیں ہے جس کی وجہ سے میں جنت میں چلا جاؤں۔ حکم ہوگا اے فرشتو اسے جہنم میں لے جاؤ جب فرشتے اس کو جہنم کی طرف لے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ جبریل سے فرمائے گا اے جبریل میرے بندے کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا دنیا میں وہ کبھی کسی عالم کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ میں اس عالم کی شفارس سے اس کو بخش دوں۔ حضرت جبریل پھر عرض کریں گے الہ العالمین تو اپنے بندے کے حال سے خوب واقف ہے وہ تو انکار کررہا ہے۔ اللہ رب العزت جبریل سے پھر فرمائے گا اچھا اس سے دریافت کرو۔ دنیا میں کسی عالم کو دوست رکھتا تھا۔ اس پر بھی وہ انکار کردے گا تو حکم ہوگا اچھا معلوم کرو کبھی کسی عالم کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا تھا وہ کہے گا نہیں پھر حکم ہوگا اچھا معلوم کرو کسی ایسے محلے یا گلی میں رہتا تھا جہاں عالم رہتا تھا وہ کہے گا نہیں۔ اللہ پھر فرمائے گا اچھا معلوم کرو اس کا نام یا نسب کسی عالم کے نام ونسب کے موافق تھا وہ کہے گا نہیں۔ پھر اللہ فرمائے گا پوچھو کیا وہ کسی عالم سے محبت کرنے والے سے محبت کرتا تھا وہ کہے گا ہاں۔ اللہ فرمائے گا اے میرے گنہگار بندے جا میں نے تجھے اس عالم دین کے صدقے میں بخشش دیا۔ جا میری بنائی ہوئی جنت میں داخل ہو جا۔

دور حاضر میں کچھ لوگوں نے اپنی شکل صورت وضع قطع عالموں جیسی بنا رکھی ہے اور غلط

حرکتیں کر رہے ہیں ایسے لوگ جاہل ہی نہیں بلکہ اجہل ہیں۔ اسلام اور علمائے حق کی پیشانی پر بدنما داغ ہیں۔ یہ فضیلت ان ایمان فروش اور ملت فروش علماء کو حاصل نہیں جو شریعت کو بالائے طاق رکھ کر کفار و مشرکین کے حکومت کے حق میں فتوے دیتے ہیں۔ کرسی کے بدلے آیت الکرسی بیچتے ہیں۔ اسلامی غیرت وحمیت کا سودا کرتے ہیں۔ اسلام کے وقار کو مجروح کرتے ہیں بلکہ یہ ساری فضیلتیں اور اعزاز ان علمائے ربانین کو حاصل ہیں جنھوں نے بھوکے پیاسے رہ کر دین اسلام کی خدمت کی۔ اللہ و رسول کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچایا۔ دین حق کے خاطر تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں۔ ظلم وستم سہے اور تختۂ دار پر لٹک کر بھی اعلاء کلمۃ الحق کیا۔ یہ ہیں علمائے حق پرست جن کی شان عظمت اللہ کے رسول نے خود اپنی زبانِ نبوت ورسالت سے بیان فرمایا۔ کل قیامت کے میدان میں گنہگاروں کی اللہ کے حکم سے یہ شفارس فرمائیں گے اور اللہ ان کی شفارس کو شرف قبولیت عطا فرمائے گا۔

بعض نادان نماز نہیں پڑھتے، نیک عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں اللہ نکتہ نواز ہے کوئی نہ کوئی ادا پسند کرے گا اور بخش دے گا۔ میں ان نادانوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ تو بتاؤ وہ کون سا نکتہ اور ادا تمہارے پاس ہے جو اپنی بخشش اور مغفرت کے لئے پیش کرنا چاہتے ہو۔ بے شک اللہ نکتہ نواز ہے مگر وہ سب کے لئے نکتہ نواز نہیں، ہزاروں لاکھوں میں کسی ایک کے لئے ہے۔ اگر وہ سب کے لئے نکتہ نواز ہو جائے تو پھر جزا اور سزا کے تصور کا کیا مطلب؟ بھلائی اس میں ہے کہ ہم اپنے دلوں میں فکر آخرت پیدا کریں، نمازوں کی پابندی کریں، سنت نبوی کے مطابق زندگی گزاریں، بدعملی والی زندگی جینا چھوڑ دیں، موت سے پہلے اپنی زندگی کو غنیمت شمار کریں، کسی خوش فہمی میں نہ رہیں، زندگی میں نیکیوں کا ذخیرہ جمع کریں تاکہ کل میدان قیامت میں ندامت وشرمندگی نہ اٹھانا پڑے، آج حساب نہیں اس لئے بے حساب عمل کیجیے کل حساب ہوگا اور عمل نہ ہوگا تو کف افسوس ملنا پڑے گا جس کے لئے آپ اپنی آخرت تباہ و برباد کر رہے ہو وہ کل میدان قیامت میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکیں گے اور آپ خود کہیں گے۔

پڑھی نماز جنازہ کی میری غیروں نے
مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایک ایسا آدمی حاضر ہوگا کہ اس کی نیکیاں اور برائیاں جب تولی جائیں گی تو دونوں برابر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اس کو حکم دے گا کہ اے میرے بندے جا کہیں سے ایک نیکی تلاش کر کے لے آتا کہ تجھے جنت میں بھیج دیا جائے کیوں کہ جب تو ایک نیکی لے کر آئے گا تو تیری نیکی زیادہ ہو جائے گی اور برائیاں کم ہو جائیں گی تو تو جنت کا مستحق بن جائے گا۔ وہ آدمی میدان حشر میں اپنی ایک نیکی کی تلاش میں نکل پڑے گا اور نیکی تلاش کرتے کرتے باپ کے پاس جائے گا اور کہے گا اے ابا جان اپنی نیکی میں سے ایک نیکی مجھے دے دو تاکہ میں جنت میں چلا جاؤں تو باپ کہے گا بیٹا اگر تجھے میں ایک نیکی دے دوں گا تو میرا کیا حال ہوگا پھر وہ آدمی اپنے بھائی کے پاس جائے گا وہ بھی یہی جواب دے گا پھر وہ آدمی باری باری اپنے تمام رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں کے پاس جائے گا لیکن کوئی بھی اس کی مدد کے لئے اس کو ایک نیکی بھی نہیں دے گا۔ آخر کار وہ بندہ مایوس ہو کر خدا کے دربار میں آرہا ہوگا تو راستے میں اسے ایک ایسا آدمی ملے گا جس کے پاس صرف ایک ہی نیکی ہوگی باقی تمام برائیاں ہوں گی۔ تو وہ بندہ اس آدمی کا راستہ روک لے گا اور اسے مایوس دیکھ کر اس سے پوچھے گا کہ بھائی کیا بات ہے کیوں مایوس ہو کس چیز کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہو۔ وہ آدمی کہے گا بھائی میں تمہیں کیا بتاؤں میں نے تمام رشتہ داروں، تمام عزیزوں میں پھرا۔ ان کے سامنے ہاتھ پھیلایا لیکن کسی رشتہ دار نے کسی دوست نے میری مدد نہیں کی۔ یہ سن کر وہ ایک نیکی والا آدمی کہے گا میاں وہ کیا چیز ہے جو تمہیں چاہیے جس کی تلاش میں تم اس طرح مایوس ہو تو وہ آدمی کہے گا میزانِ عمل پر میری نیکیاں اور برائیاں تولی گئی ہیں اور یہ دونوں برابر ہوگئی ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر جنت میں جانا چاہتے ہو تو کہیں سے ایک نیکی مانگ کر لاؤ، وہی ایک نیکی کی تلاش کرتا پھرتا ہوں لیکن کوئی بھی مجھے ایک نیکی دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے میں بہت پریشان ہوں، بہت ہی مایوس ہوں کہ اب میرا کیا بنے گا۔ معلوم نہیں جنت قسمت میں ہے یا نہیں، کہیں اسی ایک نیکی کی وجہ سے میں جنت سے محروم نہ ہو جاؤں۔ جب اس ایک نیکی والے آدمی نے یہ سنا تو کہنے لگا کہ بھائی

میرے پاس صرف ایک ہی نیکی ہے اگر تجھے ایک ہی نیکی چاہیے تو لے لو میں تمہیں دیتا ہوں اور جنت میں چلے جاؤ۔ وہ کہنے لگا میاں اگر تم نے مجھے یہ ایک نیکی بھی دے دی تو تمہارا کیا بنے گا۔ کہنے لگا اے اللہ کے بندے مجھے پتہ ہے کہ اس ایک نیکی کی وجہ سے میں جنت میں تو جا نہیں سکتا کیوں نہ ہو کہ میری ایک نیکی کسی کے کام آجائے اور تجھے جنت مل جائے۔ وہ آدمی یہ بات سن کر بڑا خوش ہوگا، وہ نیکی بھی لے لے گا اور اس نیکی والے آدمی کو بھی ساتھ ساتھ لے لے گا۔ خدا کے دربار میں حاضر ہوگا اللہ فرمائے گا کس بندے نے تجھے نیکی دی ہے تو وہ جواب دے گا مولائے کریم یہ وہ نیک انسان ہے جس نے مجھے نیکی دی ہے۔ اللہ اس نیکی دینے والے آدمی سے پوچھے گا کیا تو نے اس کو نیکی دی ہے، وہ جواب دے گا ہاں اے میرے رب میں نے اس کو ایک نیکی دی ہے۔ اللہ فرمائے گا اے میرے بندے تیرے پاس اور کتنی نیکیاں ہیں۔ وہ عرض کرے گا مولیٰ میرے پاس اس نیکی کے علاوہ کوئی اور نیکی نہیں ہے۔ اللہ فرائے گا تو پھر تو نے اس کو یہ نیکی کیوں دے دی، وہ عرض کرے گا مولیٰ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ایک نیکی کی وجہ سے میں جنت میں جا نہیں سکتا کیوں نہ یہ میری ایک نیکی کسی کے کام آجائے اور یہ میرا دینی بھائی جنت میں چلا جائے۔ اس کی یہ بات سن کر اللہ بہت خوش ہوگا اور کرم فرمائے گا اور فرشتوں سے فرمائے گا اے میرے فرشتوں پہلے میرے اس گنہگار بندے کو جنت میں لے جاؤ جس نے ایک نیکی دیا ہے۔ پھر اس کو لے جانا جو ایک نیکی کے لئے پورا میدان چھان مارا ہے پھر وہ دونوں جنت میں چلے جائیں گے۔

سبحان اللہ! اللہ کی رحمت پر قربان جایئے۔ اللہ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و شفیق ہے۔ اللہ کی رحمت کتنی وسیع ہے۔ آدمی کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے اور ساتھ ساتھ نیک عمل بھی کرتے رہنا چاہئے۔ جنھوں نے نیک عمل کیا، شریعت مصطفیٰ کی پیروی کی، حضور کی سنت کے مطابق زندگی گزاری اپنے رب کو راضی کیا۔ اللہ نے دنیا ہی میں ان کو جنت کی بشارت دے دی۔ ان کے رب کے یہاں ان کا بہت اونچا مقام ہے اور اللہ والوں سے محبت آخرت میں باعث نجات ہے۔ اللہ والوں سے محبت آخرت میں بھی فائدہ دے گا اور دنیا میں

بھی۔ آیئے اللہ والوں سے محبت اور اللہ کی رحمت پر ایک اور واقعہ سماعت فرمایئے۔

نزہۃ المجالس میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی تھا جو بڑا ہی عیاش بدکار اور گنہگار تھا۔ تمام گاؤں اور بستی والے اس سے نفرت کرتے تھے جب اس کا انتقال ہو گیا تو کوئی بھی آدمی اس کو غسل وکفن دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ غسل وکفن اور دفنانے کی تو دور کی بات ہے کوئی اسے ہاتھ لگانے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کی لاش ایسے کا ویسے وہیں پڑی رہی جہاں وہ مرا تھا۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر خدا سے کلام کرنے جب تشریف لائے تو اللہ رب العزت نے فرمایا اے میرے کلیم۔ عرض کی جی رب جلیل۔ فرمایا میرے ساتھ کلام بعد میں کرنا پہلے جاؤ فلاں بستی میں میرا ایک دوست انتقال کر گیا ہے لوگوں نے اسے غسل وکفن نہیں دیا ہے، نہ ہی اس کے جنازے کی نماز پڑھی ہے۔ جاؤ اور اپنے نورانی ہاتھوں سے اسے غسل وکفن دے کر اس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔ اور دفن کرو۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جب خدا کا حکم سنے تو فوراً آپ اس بستی میں پہنچے جہاں اس کا گھر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سیدھے اس کے گھر تشریف لے گئے دیکھا تو وہ لاوارثوں کی طرح پڑا ہے۔ کسی نے اس کو غسل وکفن نہیں دیا ہے۔ کوئی اس کے قریب نہیں آرہا ہے۔ کوئی اس کو دفنانے والا نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیران ہوئے، تعجب میں پڑ گئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا دوست بتا رہا ہے لیکن لوگ ہیں کہ اس کے قریب آنے کے لئے تیار نہیں۔ آپ نے بستی والوں کو بلایا اور ان سے پوچھا میاں کیا بات ہے یہ مرنے والا کون ہے اور اس کو تم لوگوں نے غسل وکفن کیوں نہیں دیا، کفن کیوں نہیں پہنایا، جنازہ کیوں نہیں پڑھا، اس کو قبرستان میں دفن کیوں نہیں کیا۔ لوگوں نے کہا حضرت! یہ آدمی بڑا ہی گنہگار تھا، بہت بدکار اور عیاش تھا۔ اس لئے پورے علاقے کے لوگ اس سے متنفر تھے اور اسی وجہ سے اس کے لاش کے قریب کوئی نہیں آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مرنے والے کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ کفن پہنایا جنازہ پڑھی۔ اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا دفن کیا اور دعائے مغفرت فرمائی پھر کوہِ طور پر خدا سے کلام کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جاتے ہی خدا کی بارگاہ میں سر جھکا دیا اور عرض کیا مولیٰ تو بڑا کریم ہے

۔رحمن الرحیم ہے۔ بڑا ہی مہربان ہے مولیٰ تو ہی بخشنے والا ہے لیکن اے میرے رب یہ بندہ تو بڑا گنہگار تھا۔ بڑا بدکار اور تیرا نافرمان تھا اس کے باوجود تو نے اسے کیسے بخش دیا۔فرمایا اے کلیم یہ ہے تو بڑا گنہگار بدکار اور نافرمان جہنم کا مستحق لیکن اس کی ایک بات مجھے بہت ہی پسند آئی جس کی وجہ سے میں نے معاف کر کے جنتی بنا دیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی مولیٰ ذرا بتا تو سہی وہ کون سی بات ہے جس کی وجہ سے تو نے اس پر اتنا کرم فرمایا۔اس کو جہنمی سے جنتی بنا دیا۔فرمایا اے کلیم یہ بندہ جس کی خطائیں میں نے معاف کر دی ہیں یہ بندہ ہر روز آسمان کی طرف چہرہ کر کے مجھ سے کہا کرتا تھا۔یَا رَبِّ اَنْتَ یَعْلَمُ اِنِّیْ اُحِبُّ الصّٰلِحِیْنَ وَاِنْ لَّمْ اٰمُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ اے خالق کائنات تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں اگرچہ خود نیک تو نہیں ہوں لیکن تیرے نیک بندوں سے تیرے دوستوں سے تیرے ولیوں سے صرف اس لئے محبت کرتا ہوں کہ وہ تیرے محبوب بندے ہیں۔ تیرے دوستوں سے دوستی اور تیرے دشمنوں سے دشمنی رکھتا ہوں۔اگر میرا یہ عمل تیرے بارگاہ میں قبول ہو تو اپنے محبوب بندوں کے صدقے میں مجھے معاف فرما اور بخش دے۔

اے موسیٰ بس یہی ادا اس کی مجھے پسند آئی اور میں نے اس کے تمام گناہوں کو معاف کر کے اس کو جنتی بنا دیا اور صرف جنتی ہی نہیں بلکہ اس کو اپنا دوست بھی بنا لیا۔

اس حکایات سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں سے محبت دنیا و آخرت میں کام آتی ہے۔ اسی لئے علمائے اہل سنت اکثر کہا کرتے ہیں کہ اللہ ولیوں کا محافظ ہے جو ان سے پیار کرے گا وہ آباد ہو جائے گا اور جو ان سے دشمنی رکھے گا وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔یہ وہ مقدس جماعت ہے جن کے ذریعہ اللہ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے۔یہ وہ مقدس لوگ ہیں جن کے زبان اور نگاہوں میں وہ تاثیر ہے کہ اگر وہ کفر و شرک کی غلاظتوں میں لپٹے ہوئے دلوں پر خصوصی توجہ فرما دیں تو اللہ انہیں ایمان کی دولت نصیب فرما دیتا ہے۔

مقامات اولیاء میں ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی جھونپڑیوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ہندواؤں کی بارات قریب سے گزری وہ لوگ راستہ بھول گئے جھونپڑی کے قریب آئے۔انھوں نے دیکھا کہ ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے وہ سب ہندو داتا صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کے پاس آئے اور کہا اے فقیر ہم راستہ بھول گئے ہیں ہمیں راستہ بتا دو۔حضرت نے فرمایا راستہ بتا دوں یا دکھا دوں۔انھوں نے کہا دکھا دو تو اور ہی اچھا ہے۔اللہ کے ولی نے ان کے دلوں پر خصوص توجہ فرمائی تو ان کو وہیں روضہ مصطفیٰ نظر آ گیا۔وہ تمام ہندو مسلمان بن گئے۔سچ فرمایا علامہ اقبال نے۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

دوستو! یہ حقیقت ہے کہ اللہ والوں کے آستانے پر جو بھی آیا اس کی قسمت بیدار ہو گئی۔ بے ایمان تھا تو ایمان والا بن گیا، مردود تھا تو محبوب بن گیا، بد بخت تھا تو نیک بخت ہو گیا، جہنمی تھا جنتی ہو گیا، کفر و شرک کی وادیوں میں بھٹک رہا تھا نور اسلام سے اس کا دل منور ہو گیا، آیئے آخر میں ایک اور واقعہ سماعت فرمایئے۔

بجواڑہ شریف کے ایک بزرگ تھے جن کا نام سید اعظم شاہ تھا۔آپ کے در فیض پر عقیدت مندوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ایک دفعہ ایک غیر مسلم سنیاسی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس نے آپ کے فقیرانہ لباس سے اندازہ لگا لیا کہ حضرت مالی لحاظ سے کمزور ہوں گے۔اس نے بطور ہمدردی ایک جڑی بوٹی حضرت کی خدمت میں پیش کر دی اور عرض کیا حضور اس بوٹی کی تاثیر یہ ہے کہ اگر اسے تانبے کے ساتھ لگائیں پھر اس کو گرم کریں تو تانبا سونا بن جائے گا۔آپ نے فرمایا اس بوٹی کو اس طاق میں رکھ دو چنانچہ اس نے وہ بوٹی طاق میں رکھ دیا اور وہاں سے چل دیا۔تقریباً ایک سال گزرنے کے بعد وہ دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو دیکھتا ہے کہ آپ کی حالت وہی فقیرانہ ہے۔دل ہی دل میں سوچنے لگا جو نسخہ میں نے دیا تھا اگر آپ چاہتے تو سونے کے محل بنا سکتے تھے مگر ان کی حالت میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ہو سکتا ہے آپ سونا تو بناتے ہوں مگر خرچ نہ کرتے ہوں۔ابھی وہ کچھ کہنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ آپ وہاں سے اٹھے، استنجاء کے لئے باہر تشریف لے گئے جب واپس آئے تو وہ سنیاسی راستے میں کھڑا تھا۔آپ نے استنجاء والا مٹی کا ڈھیلا زمین پر مارا اور فرمایا اے سنیاسی زمین کی طرف دیکھ۔جب اس نے زمین کی طرف دیکھا تو ساری زمین سونا ہی سونا

نظر آئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم سوچ رہے تھے کہ فقیر بخیل ہے سونا بناتا ہے اور خرچ نہیں کرتا۔ ہمیں تمہارے بوٹی کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس طاق میں تم نے اسے رکھا تھا اب تک وہ وہیں پر رکھا ہوا ہے جاؤ وہاں سے اٹھالو۔ فقیر کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر ہمیں مالِ دنیا کی ضرورت ہوتی تو تمہاری جڑی بوٹی کے بغیر بھی حاصل کر سکتے تھے مگر جنہیں یار کے در کی گدائی میسر آجائے وہ دنیا کی شہنشاہی طلب نہیں کیا کرتے۔ جنھیں عشق الٰہی کی دولت مل جائے انہیں دنیا کے فانی دولت کی ضرورت نہیں ہوتی پھر سید کی نگاہ اٹھی اور سنیاسی پر پڑی تو اس کے دل کی دنیا بدل گئی، جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ کفر وشرک کی زنجیریں ٹوٹ گئیں اور قدموں میں گرا پھر کلمہ شریف پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

یہ ہے نگاہ ولی کی تاثیر، یہ ہے اولیاء اللہ کا فیضان، یہ ہے اللہ والوں کی شان بے نیازی، یہ ہے ان کے نگاہوں کی برکت کہ زمین پر پڑے تو اللہ پوری زمین سونا بنادے اور اگر کسی بے ایمان کافر ومشرک پر پڑے تو اللہ اسے ایمان کی دولت نصیب فرمائے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

●●●

علم اور علماء

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط (پ، ۲۲، رکوع ۱۹، سورہ فاطر، آیت ۲۸)

آج میں فضائل علم اور علماء قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان کروں گا۔ اس دنیا میں انسانی ہدایت کے لئے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ بہت سے ریفارمر اور مذہبی پیشوا آئے مگر ان مذاہب کے ماننے والے آج تک اپنے مذہب کے بانی اور اپنے پیغمبر کی سیرت نہ لکھ سکے۔ یہودیوں سے پوچھو، عیسائیوں سے پوچھو، پارسیوں سے پوچھو، بت پرستوں سے پوچھو اور دوسرے مذاہب کے پیروں کاروں سے پوچھو! مگر قربان جایئے سرکار کی اُمّت کے علماء پر کہ انھوں نے اپنے نبی کی سیرت اور زندگی کے ہر پہلو پر ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں لکھ ڈالیں۔ محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک فرمان اور ایک ایک سُنّت پر تحقیق وریسرچ کے دریا بہا کر علمائے اسلام نے سائنس اور میڈیکل سائنس کو حیرت میں ڈال دیا۔ علمائے اسلام کے کتابوں سے دنیا نے خوب خوب استفادہ کیا۔ مسجد سے لے کر بازار تک مدرسہ سے لے کر عدالت تک اور تجارت سے لے کر ایوانِ سیاست تک آپ کی پوری مقدس اور بے داغ زندگی کو اس امت کے علماء نے اپنی زبان اور قلم سے دنیا والوں کے سامنے پیش کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھا۔ آج بھی کیمرج اور آکسفورڈ جیسے یونیورسٹیوں میں ان کی کتابیں داخل نصاب ہیں۔ اب اسلام کی سچائی اور حقانیت دنیا والوں پر سورج کی طرح روشن ہے پھر بھی غیر مسلم اقوام اگر اسلام قبول نہ کریں تو یہ ان کا اپنا قصور ہے۔

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اور ناموس رسالت پر جب بھی حملہ ہوا ہے تو دشمنان اسلام کے حملوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے علمائے کرام ہی میدان میں آئے ہیں۔اور قلم زبان کی ایک ایک جنبش پر تڑپتی ہوئی لاشوں کا انبار لگا دیا ہے۔اسی لئے تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے امت کے علماء سے بہت ہی محبت ہے۔فرمایا اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاء۔ علماء نبیوں کے وارث اور جانشین ہیں۔فرمایا مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ عالم کی موت پورے عالم کی موت ہے۔فرمایا مَنْ زَارَ عَالِمًا فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ جس نے کسی عالم کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی۔فرمایا مَنْ صَافَحَ عَالِمًا فَکَاَنَّمَا صَافَحَنِیْ جس نے کسی عالم سے مصافحہ کیا گویا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا۔فرمایا مَنْ جَالَسَ عَالِمًا فَکَاَنَّمَا جَالَسَنِیْ جو کسی عالم کی مجلس میں بیٹھا گویا وہ میری مجلس میں بیٹھا اور جو میری مجلس میں بیٹھے اللہ اس کو بروز قیامت جنت میں بٹھائے گا۔فرمایا فَقِیْہٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔فرمایا تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَۃً مِنَ اللَّیْلِ خَیْرٌ اِحْیَاءِھَا ۔ کسی عالم کی محفل میں چند منٹ علم دین سننا رات بھر کی عبادت سے افضل ہے۔فرمایا مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ خَیْرً یُّفَقِّھُۃُ فِی الدِّیْنِ اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ اور عالم بنا دیتا ہے۔فرمایا اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ میرے امت کے علما بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔

حضرت امام شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خواب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حضور ایک نورانی تخت پر مسجد اقصیٰ کے صحن میں رونق افروز ہیں اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام نیچے زمین پر تشریف فرما ہیں۔اس مجمع انبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بولے اور ہمارے نبی سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ حضور آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں جیسے ہیں آپ ان میں سے ایک تو ہمیں دکھائیے۔یہ سن کر رسول کائنات نے حضرت امام غزالی کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت امام غزالی سے ایک سوال کیا۔امام غزالی نے اس کے دس جواب دیئے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا سوال کے مطابق جواب ہونا چاہئے میں نے سوال تو ایک کیا ہے لیکن آپ نے دس جواب دیئے۔حضرت امام غزالی نے عرض کی حضور یہی اعتراض تو پہلے آپ پر بھی وارد ہوتا ہے کیوں کہ اللہ نے آپ سے پوچھا تھا مَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یَا مُوْسٰی۔ اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔آپ کو جواب میں صرف کہنا چاہیے تھا ھِیَ عَصَایَ یہ میرا عصا ہے لیکن آپ نے بڑا طویل جواب دیا کہ اَتَوَکَّؤُ وَاَحُشُّ بِھَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْھَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی۔ اس سے میں بکریوں کے لئے پتے توڑتا ہوں اس سے بکریوں کو چراتا ہوں، پتھر پر مارتا ہوں تو پانی کے چشمے ابلنے لگتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو حضور اتنا طویل جواب دینے کی ضرورت تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تاکہ زیادہ دیر تک اللہ رب العزت سے ہم کلامی کا شرف حاصل کر سکوں۔یہ سن کر امام غزالی نے عرض کیا یہی مقصد اور منشاء تو میرا بھی ہے تاکہ میں آپ کے چہرے کا زیادہ دیر تک دیدار کر سکوں جس نے اللہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا ہے۔ابھی امام غزالی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات ہی کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دیکھ کر ازراہ شفقت امام غزالی کی پشت پر ہاتھ رکھا اور فرمایا بس غزالی بس! ادب، ادب، ادب۔چنانچہ جب امام غزالی پیدا ہوئے تو ان کی پشت پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انگلیوں کے نشانات بنے ہوئے تھے۔

عزیزانِ گرامی! یہ ہیں علماء امتی کی حقیقی تفسیر، ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ اللہ کے جتنے ایمان والے بندے ہیں ان میں علماء کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔اور وہ اللہ رسول کے نزدیک بڑے محبوب ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بلندیٔ درجات کا وعدہ فرمایا ہے۔

کتاب الرؤیا میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عالم کے انتقال فرمانے سے اللہ کی رحمت کے چالیس دروازے بند ہوجاتے ہیں۔صحاح ستہ کی کتابیں پڑھو علمائے کرام کے فضائل اور ان کی شان میں اتنی کثیر تعداد میں احادیث ہیں کہ کسی اور کے فضائل میں اتنی حدیثیں نہیں ہیں۔علمائے کرام کو چاہئے کہ وہ ان احادیث کو بیان کریں تاکہ عوام علماء سے قریب ہو اور ان سے دینی استفادہ کرے۔

حجۃ الاسلام علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب دَقَائِقُ الْاَخْبَار میں ایک ایمان افروز حدیث نقل فرماتے ہیں کہ بروزِ قیامت سرکار کے امت کے علماء میں سے ایک عالم کو بڑی شان وشوکت کے ساتھ لایا جائے گا۔وہ اللہ کی بارگاہ میں آ کر کھڑا ہوجائے گا تو اللہ فرشتوں کے سردار جبریل امین علیہ السلام سے فرمائے گا۔اے جبریل اس عالم کا ہاتھ پکڑ کر میرے محبوب کی بارگاہ میں لے جاؤ۔جبریل علیہ السلام اس عالم کا ہاتھ پکڑ کر بارگاہِ رسالت میں لے جائیں گے اس وقت حضور حوضِ کوثر پر جلوہ فرما ہوں گے اور اپنی پیاسی امت کو جام کوثر بھر بھر کے پلا رہے ہوں گے۔جب اس عالم کو پیش کیا جائے گا تو حضور جن کے استقبال کے لئے مسجد اقصیٰ بیت المقدس میں سارے نبی کھڑے ہوجائیں۔آسمان پر تشریف لے جائیں تو فرشتے کھڑے ہو جائیں ،حضور اس عالم کی عزت افزائی کے لئے از راہِ محبت وشفقت کھڑے ہوجائیں گے اور اس عالم دین کو اپنے ہاتھ سے حوض کوثر کا جام پلائیں گے۔لوگ سوال کریں گے حضور ہمیں آپ برتنوں سے پلاتے رہے اور ان کو ہاتھ سے پلا رہے ہیں۔فرمایا اس لئے کہ تم دنیا میں تجارت کر کے اپنا مال بڑھانے کی فکر میں لگے رہے اور یہ میرا دین پھیلانے میں لگا رہا۔اس لئے میں تمہیں برتن سے پلا رہا ہوں اور اس کو ہاتھوں سے۔(سبحان اللہ)

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر شخص کے نصیب میں دار و رسن کہاں

بعض لوگ علماء کو کولہو کا بیل سمجھتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے عالم کو پہچانا ہی نہیں۔آیئے اللہ کے قرآن سے پوچھیں ،اے قرآن بتا علماء کیا ہیں فرمایا جنھوں نے قرآنی علوم سے اپنے سینوں کو سجا رکھا ہے،وہ عظیم طاقت کے مالک ہیں اور اسی کلام الٰہی کی طاقت سے کبھی فرعون کے مقابلے میں کلیم اللہ بن کر آیا۔کبھی کبھی نمرود کے سامنے خلیل اللہ بن کر آیا، یزید کے سامنے حسین بکر آیا، اکبر کے سامنے مجدد الف ثانی بن کر آیا اور گستاخانِ نبی کے سامنے امام احمد رضا بن کر آیا۔اور آج بھی ہزاروں فرعونیوں کے مقابلے میں علمائے کرام نظام مصطفےٰ کا جھنڈا تھام کر امام حسین کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے وقت کے

یزیدیوں سے ٹکرار ہے ہیں۔علماء کی تاریخ پڑھو اگر علمائے کرام نہ ہوتے تو ابھی تک ہندوستان آزاد نہیں ہوتا۔۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے فتویٰ جہاد دینے والا علامہ مولانا فضل حق خیر آبادی تھے۔انگریزوں کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کرنے والے علمائے کرام ہی تھے جس کی وجہ سے ستر ہزار علماء کو انگریزوں نے پھانسی دے دی۔کسی کو شہید کیا کسی کو جزیرہ انڈومان نیکوبار بھیجا گیا۔کتنوں کو کالے پانی کی سزا دی گئی۔علامہ فضل حق خیر آبادی نے جان دے دی مگر انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ واپس نہیں لیا۔امام احمد بن حنبل کو خلق قرآن کے مسئلے پر خلیفہ معتصم باللہ روزانہ دس کوڑے مارتا تھا،امام اعظم ابوحنیفہ کا جنازہ جیل سے نکل رہا ہے،مجدد الف ثانی کو گوالیار کے قلعے میں بارہ سال تک قید با مشقت میں رکھا گیا۔قرآن کا فارسی میں ترجمہ کرنے والے عالم کے ہاتھ کاٹے گئے،ایمرجنسی کے زمانے میں آنجہانی اندرا گاندھی کے دور میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے جب نس بندی کے خلاف فتویٰ دیا تو آپ کو جیل کے سلاخوں کے پیچھے بھیجنے کی ناپاک منصوبے بنائے گئے۔ان تاریخی حقائق سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ ظلم وستم اور کفر والحاد کے بڑھتے ہوئے قدم کو علمائے اسلام اگر بروقت نہ روکتے تو آج مسلمانوں کا کیا حال ہوتا۔یقیناً ہمارے لئے حق اور ناحق کی تمیز دشوار ہوجاتی۔حلال اور حرام کا فرق ختم ہوجاتا،کفر واسلام کی پہچان نہ ہوتی اگر یہ علماء نہ ہوتے۔یہ کون لوگ تھے جو دین کے خاطر ظلم وستم سہے مگر باطل کے سامنے کبھی نہیں جھکے۔یہ علمائے کرام ہی تو تھے جنھوں نے ہر ظلم وستم کو برداشت کیا مگر دامن مصطفےٰ کو امت کے ہاتھ سے چھٹنے نہیں دیا۔یہ علما ہی تو تھے جنھوں نے مسجد مدرسہ کی ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر اسلامیان عالم کے سینوں میں عشق مصطفےٰ کا چراغ جلایا۔ساری عزتیں ٹھکرا کر مسجد مدرسہ کی ٹوٹی چٹائیوں پر بیٹھ کر روکھی سوکھی کھا کر بھی دین مصطفےٰ کے پرچم کو بلند رکھا۔علمائے کرام کا احسان مانیئے کہ انھوں نے ہر دور میں آپ کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کی اور عشق رسول کا وہ چراغ جلایا جو رومی وجامی غوث وخواجہ اور امام احمد رضا محدث بریلوی نے روشن کیا تھا۔اسے کبھی بجھنے نہیں دیا پھر بھی علمائے کرام کے خلاف زبان کھولیں تو یہ قیامت کی نشانی نہیں تو اور کیا ہے۔

حقیر جان کر جن کو بجھا دیا تو نے
یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو بارگاہِ خداوندی میں حاضر کیا جائے گا۔ اللہ فرمائے گا یہ شخص میری رحمت سے محروم ہے کیونکہ یہ شخص دنیا میں علماء سے بغض وکینہ رکھتا تھا اور انہیں حقیر سمجھتا تھا۔ عطائے رسول، سلطان الہند سرکار خواجہ فرماتے ہیں کہ پہلے زمانے میں ایک شخص تھا جو علماء ومشائخ سے بغض وکینہ رکھتا تھا اور انہیں دیکھ کر حسد کے مارے منہ دوسری طرف پھیر لیتا تھا۔ مرنے کے بعد اسے قبر میں اتارا گیا تو اس کا منھ قبلہ سے دوسری طرف پھر گیا۔ لوگوں نے کئی مرتبہ اس کا منہ قبلے کی طرف پھیرنے کی بہت کوشش کی لیکن بار بار اس کا منھ قبلہ کی طرف سے پھر جاتا۔ اچانک غیب سے آواز آئی مسلمانوں! اس کا منہ ہرگز قبلہ رو نہ ہوگا کیوں کہ یہ شخص اپنی زندگی میں علماء مشائخ سے منھ پھیر لیا کرتا تھا اور جو شخص علماء مشائخ سے منھ موڑ لیتا ہے ہم اس سے اپنی رحمت اور بخشش پھیر لیتے ہیں، وہ راندۂ دربار ہوجاتا ہے اور قیامت کے دن ریچھ کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ (اللہ اکبر)

یہ ہے علماء سے نفرت اور بغض وکینہ کا انجام، اللہ تعالیٰ ہمیں علمائے کرام کی شان میں بے ادبی وگستاخی سے بچائے۔

علمائے کرام اور ائمہ مساجد کا بہت اونچا مقام ہے۔ امامت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی اونچا منصب نہیں ہوسکتا۔ یہ امامت نبیوں کے سردار نے زندگی کے آخری لمحات تک کرائی۔ آخری دم تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس پر فائز رہے۔ حضرت عمر مصلیٔ امامت پر شہید کردیئے گئے، حضرت عثمان غنی آخری دم تک لوگوں کے امام رہے، مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسی مقام پر قائم ودائم رہے۔ میدانِ جنگ میں اسلام کے تمام جرنیل، خالد بن ولید، محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، قتیبہ بن مسلم، طارق بن زیاد، محمود غزنوی، صلاح الدین ایوبی یہ سب کے سب اپنی اپنی فوجوں کی خود امامت فرماتے تھے۔ الغرض اللہ کا ہر پیارا یہ کام کرتا رہا۔ کیا کوئی مسلمان بھی کہلائے اور امامت جیسے مقدس منصب کو حقیر بھی جانے اس

کا ایمان یہ کب گوارہ کرے گا، وہ لوگ ان حقائق سے سبق حاصل کریں جو بچوں کو اس لئے عالم نہیں بناتے کہ ہمارا بیٹا پڑھ کر امامت کرے گا یا عالم بنے گا تو کھائے گا کیا۔ یقین جانیئے میں نے بڑی بڑی دنیاوی ڈگری لینے والوں کو بھوک سے مرتے ہوئے ایڑیاں رگڑتے ہوئے زندگی سے تنگ آکر خودکشی کرتے ہوئے دیکھا ہے مگر آج تک کسی عالم کو بھوک سے مرتے ہوئے اور خودکشی کرتے نہیں دیکھا۔ اس کا علم اسے عقیدہ دے رہا ہے کہ اللہ رب العالمین ہے۔ اس کا علم اس کو عزم حوصلہ اور ہمت دے رہا ہے کہ خدا رزاق ہے۔ اگر آپ کا بیٹا عالم اور مسجد کا امام بن گیا تو کیا یہ آپ کے لئے خوش نصیبی نہیں ہے کہ آپ کا بیٹا نبیوں کے مشن پہ چل رہا ہے۔ امامت یہ انبیائے کرام کی سنت ہے اور ولیوں کی ولایت کا راز ہے۔

آج اگر ملک کا صدر اور وزیر اعظم کسی کی تعریف کردے تو وہ پھولے نہیں سماتا جبکہ درس وتدریس دینے والا اور مساجد میں امامت کا فریضہ ادا کرنے والا وہ ہے جس کی تعریف خدا اور رسول خود فرما رہا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَاْكُلُ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ وَالْمُؤَذِّنِيْنَ وَحَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ۔ بے شک زمین انبیاء، علما، موذن اور حفاظ قرآن کے جسموں کو موت کے بعد بھی نہیں کھاتی۔ فرمایا خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ عَلَّمَهٗ۔ تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ آج دنیا نے بہتر ہونے کا معیار کچھ اور ہی سمجھ رکھا ہے۔ کوئی کہتا ہے بہتر وہ ہے جو حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو، کوئی کہتا ہے بہتر وہ ہے جو ملک کا صدر ہو، کوئی کہتا ہے بہتر وہ ہے جو ملک کا وزیر اعظم ہو، کوئی کہتا ہے بہتر وہ ہے جو کسی فوج کا جرنیل ہو، بہتر وہ ہے جو سب سے بڑا انجینئر ہو، بہتر وہ ہے جو سب سے بڑا ڈاکٹر ہو، بہتر وہ ہے جو جج ہو وکیل ہو منسٹر ہو، مگر میرے نبی فرماتے ہیں نبی کا فرمان خدا کا فرمان، نبی کی زبان خدا کی زبان، نبی کا قول خدا کا قول، فرمایا خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ عَلَّمَهٗ۔ تم میں سب سے بہترین وہ انسان ہے جو قرآن کی تعلیم سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ فرمایا اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ۔ اے اللہ میری امت کے اماموں کو ہدایت پر قائم رکھ کہ یہ سب کچھ برداشت

کر کے بھی امامت کرتے رہیں اور صبر کرتے رہیں اور اے اللہ میری امت کے موذنوں کو بخش دے۔

سوچو ایک نماز کا ثواب ستائیس گنا عالم اور امام ہی کی وجہ سے ملتا ہے پھر کیا وجہ ہے معمولی دنیاوی فائدہ کی وجہ سے دنیاداروں کا احترام تو کرتے ہو اور اس قدر دینی فائدہ جس امام اور عالم کی وجہ سے مل رہا ہے اس کا احترام تمہاری نگاہوں میں کیوں نہیں؟ اس کی قدر ومنزلت کیوں نہیں؟ یہ بدبختی نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ حضور کے ایک صحابی جن کا نام کعب بن مالک تھا وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کی عادت کریمہ تھی کہ جب بھی جمعہ کے دن اذان سنتے تو حضرت سعد بن زرار رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے ، میں کیوں نہ اس شخص کے لئے دعا کروں کہ اس نے ہمیں سب سے پہلے جمعہ پڑھایا تھا۔

سوچو وہ صحابی ایک جمعہ پڑھ کر ساری عمر دعا کرتے رہے اور آج کے نمازی ساری عمر نمازیں پڑھ کر بھی اپنے امام اور علماء کی غیبت کرتے ہیں۔

آج کچھ لوگوں کو مولوی صاحب اچھے نہیں لگتے ، عالم کی مخالفت کرتے ہیں ،غیبت کرتے ہیں اور جب کہیں پھنس جاتے ہیں تو عالم ہی کے دامن کرم میں پناہ لیتے ہیں اور عالم ہی ان کی ڈوبتی نیا کو پار لگاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک صاحب تھے جن کی دو بیویاں تھیں ،ایک اوپر رہتی تھی دوسری نیچے رہتی تھی ،ایک دن دوپہر کی گرمی میں وہ صاحب اپنے دفتر سے گھر آئے۔ اوپر والی کے پاس جانے لگے تو نیچے والی نے ٹانگ پکڑ لیا۔ اوپر والی نے دیکھا تو دوڑ کر ٹائی پکڑ لیا کیونکہ سر تو دونوں نے جوتے مار مار کر پہلے ہی سے گنجا کر دیا تھا۔ اب نیچے والی نیچے کھینچ رہی ہے اور اوپر والی اوپر کھینچ رہی ہے۔ وہ صاحب پھنس گئے اور غصے میں کہا اوپر تیرے پاس آؤں تو تجھے تین طلاق ، نیچے تیرے پاس آؤں تو تجھے تین طلاق۔ اب کہہ تو بیٹھے مگر پھنس گئے کہ جدھر گیا طلاق ہو جائے گی اور دونوں بیویاں ہاتھ سے گئیں اور ایسی گئیں کہ واپس نہیں آئیں گی۔ اب مولوی صاحب یاد آئے۔ جب پھنس جاتے ہیں تو مولوی صاحب یاد آتے ہیں۔ اب جب پھنس گئے تو مولوی صاحب کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ کہا حضرت! باؤ جی کی بیویاں

بچا لیجیے اور ساتھ باؤ جی کو بچائیے۔ مولوی صاحب نے فرمایا جا سیڑھی لگا کر نیچے والی کو اوپر لے جا اور اوپر والی کو نیچے لے آ طلاق نہیں ہوگی کیوں کہ اوپر والی نیچے آ گئی اور نیچے والی اوپر چلی گئی ،طلاق نہیں ہوئی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کتب تواریخ میں موجود ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔ خلیفہ ہارون رشید جو علماء مشائخ کا بہت عقیدت مند تھا ، وہ مسند خلافت پر بیٹھا تھا۔ ایک رات خلیفہ ہارون رشید اور اس کی بیوی زبیدہ خاتون میں کسی بات پر بحث ومباحثہ ہوگئی۔ اتفاقاً زبیدہ کے منہ سے نکل گیا اے جہنمی! ہارون رشید نے زبیدہ کی بات سن کر کہا کہ اگر میں جہنمی ہوں تو تجھے طلاق ہے۔ اور دونوں اسی وقت الگ ہو گئے۔ رات تو گزر گئی ، صبح کو جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو خاوند نے سوچا کہ مجھے طلاق تو نہیں دینی چاہیے تھی۔ اتنی پیاری بیوی مجھے کہاں سے ملے گی۔ خلیفہ ہارون رشید کو اپنی بیوی زبیدہ سے بے پناہ محبت تھی۔ محبت نے دل میں انگڑائی لی۔ بہت پچھتاوا ہوا اور ادھر بیوی بھی بہت پچھتائی مجھے اور کوئی لفظ کہہ دینا چاہیے تھا ، جہنمی کا لفظ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ خلیفہ ہارون رشید نے سوچا کہ علمائے کرام کو اکٹھا کر کے اس مسئلے کو حل کیا جائے کہ طلاق اس حالت میں ہوئی کہ نہیں۔ علمائے کرام سے رجوع کیا گیا۔ ہر عالم نے یہی کہا طلاق تو ہو گئی ، نکاح ٹوٹ گیا۔ البتہ ہم اس بات کا جواب تو نہیں دے سکتے کہ آپ جنتی ہیں یا جہنمی ، یہ علم خدا ہی کو ہے۔

دوستو! آج بہت سے نوجوان مسئلہ پوچھنے آتے ہیں کہ حضرت میں نے غصے کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیا ہے تو کیا طلاق ہوگئی۔ میں نے کہا ہاں ہوگئی۔ کہنے لگے حضرت غصے میں دیا ہوں۔ میں نے کہا غصے ہی میں تو طلاق دیا جاتا ہے ، کوئی پیار میں تھوڑے طلاق دیتا ہے۔ سبھی غصے ہی سے دیتے ہیں۔ سنو! طلاق بندوق کی گولی کی طرح ہے ، گولی غصے میں مارو گے تو بھی لگے گی اور پیار میں مارو گے تو بھی لگے گی۔ اس لئے طلاق ہوگئی۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ بات پوری سلطنت میں جنگل کے آگ کی طرح پھیل گئی کہ بادشاہ ہارون رشید کو ایک مسئلہ درپیش آ گیا ہے اور کوئی اس کا جواب نہیں دے پا رہا ہے۔ اس مسئلے کا کوئی حل نہیں نکل پا رہا ہے۔ مسئلہ بھی عجیب تھا کہ کون کہے کہ تم جنتی ہوں یا تم

جہنمی ہو۔یہ تو قیامت کے دن پتہ چلے گا کون جنتی کون جہنمی۔حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا میں اس مسئلے کا جواب دے سکتا ہوں۔اس مسئلے کا حل میرے پاس موجود ہے۔لوگوں نے خلیفہ ہارون رشید کو بتایا وہ آپ کے پاس آیا اور عرض کیا حضرت اگر آپ اس مسئلے کا جواب دے سکتے ہیں تو میرا مسئلہ حل فرمادیں۔انھوں نے فرمایا میں آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔چنانچہ تنہائی میں آپ نے خلیفہ ہارون رشید سے پوچھا کہ آپ مجھے اپنی زندگی کا کوئی ایسا عمل بتایئے کہ آپ گناہ کرنے پر قدرت رکھتے ہوں پھر آپ نے اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے خوف سے اس گناہ کو چھوڑ دیا ہو۔ہارون رشید نے کہا خدا کی قسم! طاقت اور قدرت رکھنے کے باوجود صرف خوف خدا کی بنیاد پر ایک نہیں بلکہ کئی گناہ کرنے سے باز رہا ہوں۔یہ سنا تو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ایسا عمل ہوا ہے تو میں فتویٰ دیتا ہوں کہ تمہاری بیوی کو طلاق نہیں ہوئی، تم جہنمی نہیں ہو۔اب جب فتویٰ دیا تو علماء نے ان سے کہنا شروع کر دیا آپ کون ہوتے ہیں جنتی اور جہنمی ہونے کا فیصلہ کرنے والے۔آپ نے یہ فتویٰ کہاں سے دیا۔حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا ہے بلکہ اللہ نے فتویٰ دیا ہے۔کہا وہ کیسے؟ فرمایا اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے **وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى فَاِنَّ الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى** جو اپنے رب کے سامنے قیامت کے دن کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اس نے اپنے نفس کو گناہوں سے روک رکھا تو ایسے شخص کا ٹھکانہ جنت ہے۔**وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ** جو اپنے رب سے ڈر کر گناہ کا کام چھوڑ دے تو اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

آپ کی یہ دلیل سن کر خلیفہ ہارون رشید اور علمائے کرام بے حد خوش ہوئے اور آپ کی ذہانت کو داد تحسین دینے لگے۔

دوستو! آپ نے دیکھ لیا علمائے کرام اپنے کمالِ علم سے پلک جھپکتے ہی اہم سے اہم مسائل کو حل کر دیا کرتے ہیں۔اللہ نے انہیں بڑی ذہانت دی ہے۔ان کا مقام بہت ہی بلند و بالا ہے جس نے ان کی قدر کی وہ نوازا گیا۔حدیث پاک میں ہے کہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام علیم بھی ہے اور علیم علم سے بنا ہے جس نے علم اور عالم کی تعظیم کی تو گویا اس

نے اللہ کی تعظیم کی۔(سبحان اللہ)

خلیفہ ہارون رشید عالم اسلام کا عظیم الشان حکمراں تھا مگر علمائے کرام کا کس قدر احترام اور تعظیم کرتا تھا۔اس کا اندازہ آپ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔ایک مرتبہ اس نے اپنے بیٹے مامون کی تعلیم و تربیت کے لئے امام کسائی جو اس دور میں اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے،ان کی بارگاہ میں عرض کیا کہ حضور میں اپنے بیٹے مامون رشید کو آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔میری تمنا ہے کہ آپ میرے بچے کو زیور علم سے آراستہ فرمائیں۔لہٰذا آپ میرے گھر آکر تعلیم دے دیا کریں۔حضرت امام کسائی نے فرمایا اے ہارون رشید! میں آپ کے گھر پر جا کر نہیں پڑھا سکتا کیوں کہ یہ علم کی توہین ہے، بلکہ آپ اپنے شہزادے کو میرے گھر پر بھیجئے۔ہارون رشید نے کہا ٹھیک ہے حضور۔مامون رشید آپ کے گھر پہونچ جایا کرے گا۔

ہارون رشید نے پھر عرض کیا حضور ایک بات کا خاص خیال رکھیں کہ سب سے پہلے اس کا سبق سن لیا کریں۔حضرت امام کسائی نے فرمایا اے ہارون رشید یہ بھی نہیں ہوسکتا بلکہ جو پہلے آئے گا اس کا سبق پہلے ہوگا اور جو بعد میں آئے گا اس کا سبق بعد میں ہوگا۔ہارون رشید نے کہا ٹھیک ہے،حضور ایسا ہی کریں۔مامون رشید نے حضرت امام کسائی کی بارگاہ میں پڑھنے کے لئے آنا شروع کر دیا اور تعلیمی سلسلہ جاری ہوگیا۔اتفاقاً ایک روز ہارون رشید کا گزر حضرت امام کسائی کے سامنے سے ہوا۔دیکھا کہ امام کسائی اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں کو دھو رہے ہیں اور شہزادہ مامون رشید آپ کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔بادشاہ ہارون رشید یہ دیکھ کر بڑا غضبناک ہوا۔فوراً غصے کی حالت میں سواری سے نیچے اترا اور کوڑا نکالا لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید آپ کے بیٹے سے حضرت امام کسائی خدمت لے رہے ہیں اس لئے ہارون رشید غضبناک ہے اور استاد کی خیر نہیں مگر قربان جاؤ بادشاہ ہارون رشید کے ادب و احترام پر کہ اپنے بیٹے مامون رشید کو مارنا شروع کیا اور کہا او بے ادب اللہ نے تمہیں دو ہاتھ کس لئے دیا ہے ایک ہاتھ سے پانی ڈال اور دوسرے ہاتھ سے استاد کا پاؤں دھو۔سبحان اللہ!

یہ ہے علم کا ادب اور یہ ہے علماء کی تعظیم و توقیر گویا کہ خلیفہ ہارون رشید نے ذہن دیا کہ اے لوگو! اپنے استاد کی خدمت کرو۔ اور ان کا بے حد ادب واحترام کرو جس میں جتنا ادب ہوگا اس کے علم میں اتنی ہی برکت ہوگی جو اپنے استاد اور عالم کا ادب نہیں کرتا وہ فیضانِ علم سے محروم رہتا ہے، فیضان علم سے وہی مالا مال ہوگا جو علماء کا ادب واحترام کرتا ہے۔

معلم کائنات، محسن انسانیت محمد عربی ﷺ کا فرمان عالی شان ہے۔ بوڑھا مسلمان، عادل بادشاہ، دین کا عالم اور استاد کی عزت کرنا تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔ فرمایا استاد کے متعلقین اور ان کی اولاد کی بھی تعظیم کرو۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بخارا کے ایک بہت بڑے عالم دین اپنی درس گاہ میں درس دے رہے تھے مگر دورانِ درس کبھی کبھی کھڑے ہوجاتے تھے جب اس کی وجہ اور سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ میرے استاد کا لڑکا گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے، کھیلتے کھیلتے وہ کبھی درسگاہ کے دروازے کے پاس آجاتا ہے تو میں اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوجاتا ہوں۔ خلیفہ ہارون رشید اپنے استاد ابو معاویہ کی بہت ہی عزت وتعظیم کرتا تھا، جب کبھی وقت آتا تو خود ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے استاد کے پاؤں کو دھوتا تا کہ عزت علم اور تعظیم عالم کا اظہار ہو۔ ہم سنی حنفی مسلمانوں کے امام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہر اس چیز کا ادب واحترام فرماتے جو چیز آپ کے استاد سے نسبت رکھتی۔ جب تک آپ زندہ رہے کبھی بھی اپنے استاد کے مکان کی طرف پاؤں نہیں پھیلایا جبکہ استاد کا مکان اسی محلے میں تھا جس میں آپ رہتے تھے۔

تعظیم عالم کے تعلق سے مورخین اسلام نے اپنی تواریخ میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ خراسان کے بادشاہوں میں سے اسماعیل ساسانی نام کا ایک بادشاہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک عالم دین اس کی دربار میں آئے۔ بادشاہ نے اپنے تخت سے اٹھ کر ان کی تعظیم کی اور بڑی عزت کے ساتھ شاہی تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا اور ان سے بڑے ادب سے بات کی۔ جب وہ جانے لگے تو بادشاہ بھی ان کے ساتھ چلا اور بڑے ہی اعزاز کے ساتھ عالم دین کو رخصت کیا۔ اسی رات میں بادشاہ کی قسمت بیدار ہوگئی اور خواب میں اسے سرور کائنات ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔ سرکار نے اس سے فرمایا۔ اے بادشاہ اسماعیل ساسانی میرا

جانشین ایک عالم دین تیرے پاس آیا تھا اور تو نے اس کی عزت وتعظیم کی اور اس کی ضروریات کو پورا کیا اور سات قدم پیدل بطور تعظیم اس کے ساتھ چلا، تیری ادا مجھ کو اور میرے رب کو بے حد پسند آئی۔ میں نے تمہارے لئے اپنے رب سے دعا کی کہ ہر قدم کے بدلے یہ بادشاہت تمہاری نسل میں برقرار رہے اور اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ اللہ نے تمہارے حق میں میری یہ دعا قبول فرمالی ہے۔ یہ بادشاہت تمہاری سات نسلوں تک برقرار رہے گی۔

سبحان اللہ! یہ فضل یہ شرف عالم کی تعظیم بجالانے سے اس کو ملی۔ کاش آج بھی لوگ اس پر عمل پیراں ہوں۔

ان تمام نورانی واقعات سے ہر شخص کو سبق حاصل کرنا چاہئے کہ بادشاہ وقت خود عالم کی تعظیم اور عالم کے پاؤں دھونے اور خدمت کرنے کا سبق سکھا رہا ہے۔ امام اعظم امام شافعی جیسے جلیل القدر علماء اس قدر تعظیم فرما رہے ہیں تو عام لوگوں کے لئے کتنا ضروری ہے۔

کسی نے حضرت عبد اللہ بن مبارک سے عرض کیا کہ حضور آپ اپنی عطیات صرف علماء ہی کو کیوں دیتے ہو۔ اسے عام کیوں نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی کیوں نہیں دیتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ مرتبہ نبوت کے بعد مرتبۂ علماء سے افضل کوئی نہیں۔ اگر ان میں سے کسی کا دل ضرورتوں کی طرف متوجہ ہوجائے تو ان کے علمی مشاغل میں خلل پڑ جائے گا پھر وہ تعلیم وتعلم میں کما حقہ توجہ نہیں دے پائیں گے۔ اس لئے حصولِ علم کی راہوں کو آسان کرنا افضل واعلیٰ ہے۔

یہ ہے ہمارے بزرگوں کی سوچ لہٰذا آج بھی برادرانِ اسلام پر لازم ہے کہ علمائے دین کی ضرورتوں کا خیال رکھیں اور انہیں بہتر سے بہتر ان کی دینی خدمات پر وظیفے پیش کریں۔ اسلام میں علمائے کرام کا جو مرتبہ ہے وہ کسی بادشاہ کا بھی نہیں ہے۔ امام رازی اطیع اللہ واطیع الرسول واولی الامر منکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد علماء ہی ہیں نہ کہ بادشاہ۔ اس لئے کہ بادشاہوں پر بھی علماء کی فرمانبرداری واجب ہے۔

اب آپ غور کریں کہ علماء کی دینی حیثیت بادشاہوں سے بھی بڑھ کر ہے ان کی تنخواہیں اوران کے وظیفے عام مزدوروں سے بھی کم ہیں مگر پھر بھی میں یقین کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ آج علمائے دین جیسی زندگی کوئی اورنہیں گزارسکتا اس لئے کہ روایتوں میں آیا ہے کہ علمائے دین کو وہاں سے رزق دیا جاتا ہے جہاں سے انبیائے کرام کو ملتا تھا۔

محترم حضرات! صحابہ کرام سے لے کر دور حاضر تک جتنے بھی علماء، فقہاء، اولیاء، غوث قطب ہوئے سب علم ہی کی برکت سے اس مقام ومرتبہ پر فائز ہوئے ہیں جیسا کہ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے: يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ اللہ علم والوں کو درجوں بلند فرماتا ہے اس لئے مجھے کہنے دیجیے کہ علم ہی نے حضرت ابوبکر کو صداقت کا تاجدار بنادیا۔ علم ہی نے حضرت عمر کو عدالت کا پیکر بنادیا، علم ہی نے حضرت عثمان کو جامع القرآن بنادیا، علم ہی نے مولیٰ علی کو مولائے کائنات بنا دیا، علم ہی نے حضرت ابوحنیفہ کو امام اعظم بنادیا، علم ہی نے حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی کو تمام ولیوں کا سردار بنادیا، علم ہی نے خواجہ اجمیری کو سلطان الہند بنادیا، علم ہی نے امام احمد رضا کو مجدد اعظم بنادیا، علم ہی نے شاہ مصطفےٰ رضا نوری کو مفتی اعظم بنادیا، علم ہی نے کسی کو صدرالشریعہ بنادیا، کسی کو تاج الشریعہ بنادیا، کسی کو شیخ الاسلام بنایا، کسی کو خطیب مشرق علم نے ہی کسی کو جامی، رومی اور غزالی بنایا۔ اگر علماء نہ ہوتے تو قرآن واحادیث کے ترجمے اور تفاسیر نہ ہوتے، اگر علماء نہ ہوتے تو عوام عقائد وعبادت حلال وحرام کے مسائل سے غافل رہتی، اگر علماء نہ ہوتے تو بادشاہوں کو شریعت میں ہیر پھیر کرنے سے روکنے والا کوئی نہ ہوتا، اگر علماء نہ ہوتے تو اکبر جیسے سرپھروں کو دین اکبری کے ایجاد کرنے سے کون روکتا، علماء کو حقارت اور نفرت کی نگاہوں سے دیکھنے والو! علما سے بغض وعناد رکھنے والو! کان کھول کر سنو! اوردل کی گہرائیوں سے سنو اور عبرت حاصل کرو۔ عالم دین کی توہین کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ حضرت امام رازی نے تفسیر کبیر جلد اول ص ۲۸۱ پر اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ مَنْ اَهَانَ الْعَالِمَ فَقَدْ اَهَانَ الْعِلْمَ وَمَنْ اَهَانَ الْعِلْمَ فَقَدْ اَهَانَ النَّبِيَّ وَمَنْ اَهَانَ النَّبِيَّ فَقَدْ اَهَانَ جِبْرِيْلَ وَمَنْ اَهَانَ جِبْرِيْلَ

فَقَدْ اَهَانَ اللّٰهَ وَمَنْ اَهَانَ اللّٰهَ اَهَانَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی عالم کی توہین کی بے شک اس نے علم دین کی توہین کی اور جس نے علم دین کی توہین کی بے شک اس نے نبی کی توہین کی اور جس نے نبی کی توہین کی اس نے جبریل کی توہین کی اور جس نے جبریل کی توہین کی اس نے اللہ کی توہین کی اور جس نے اللہ کی توہین کی قیامت کے دن اللہ اس کو ذلیل ورسوا کرے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ آخری زمانہ میں علماء کو اٹھا لے گا اور جب علماء نہیں ہوں گے تو علم دین ختم ہوجائے گا۔ چراغ علم بجھ جائے گا، ہر طرف جہالت کا دور، دورہ ہوگا۔ دنیا گمراہی اور جہالت کی تاریکی میں ڈوب جائے گی، بدکاری بڑھ جائے گی، برائی عام ہوجائے گی، حلال اور حرام کی تمیز نہ رہے گی، نااہل کمینے، زانی اور ظالم لوگ حاکم بنائے جائیں گے، لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنائیں گے۔ وہ جاہل بغیر علم کے فتویٰ دیں گے۔ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اللہ کا شکرادا کیجئے ابھی ہمارے درمیان علمائے کرام موجود ہیں، علم دین باقی ہے۔ نظام شریعت برقرار ہے۔ قرآن واحادیث کے احکام بتانے والے موجود ہیں۔ علمائے کرام لوگوں کی رہنمائی کررہے ہیں۔ قرآن واحادیث کے احکام بتانے والے موجود ہیں۔ قرآن واحادیث کا درس دے رہے ہیں۔ حلال وحرام کا فرق بتارہے ہیں۔ آپ کے ضروریاتِ زندگی کے مسائل بیان کررہے ہیں۔

لہٰذا میرے اسلامی بھائیوں! علماء کی قدر کرو، علماء کا ادب واحترام کرو، علما کی باتوں پر عمل کرو۔ علماء کے بتائے ہوئے راستے پر چلو۔ سنت نبوی کے مطابق زندگی گزارو۔ اپنے نبی کے تعلیمات پر عمل کرو۔ انشاء اللہ تمہاری دنیا بھی سنور جائے گی اور تمہاری آخرت بھی سنور جائے گی۔

آیئے کچھ اوراحادیث سماعت فرمائیے۔ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتَّى الْحُوْتِ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں کو بھلائی سکھانے والے پر رحمت نازل فرماتا ہے۔ زمین آسمان کی تمام مخلوق اور فرشتے یہاں تک کہ پانی میں رہنے والی مچھلیاں اس کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں۔ محدثین کرام اس حدیث کی توضیح بیان فرماتے ہیں کہ مچھلیاں عالموں کے لئے دعائے مغفرت اس لئے کرتی ہیں کہ پانی جوان کی زندگی کا سبب ہے، وہ علمائے کرام کی برکت سے ہے۔ بِهِمْ تُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ تُرْزَقُوْنَ۔ یعنی عالموں کے سبب ہی ان پر بارش کی جاتی ہے اور انھیں کے سبب ان کو روزی دی جاتی ہے اس لئے مچھلیاں ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کائنات کی یہ ساری چیزیں عالموں کے لئے دعا کیوں کرتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کی بقا سے علم کی بقا ہے اور علم کی بقا سے دین کی بقا ہے اور دین اسلام کی بقا سے دنیا کی بقا ہے اور جب دین ہی نہیں ہوگا تو خدا کو دنیا کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ اس دن اللہ قیامت نازل فرمائے گا تو اب منطق اور فلسفہ کی زبان میں یہ کہوں کہ دنیا کی درستگی اور بقا علمائے دین ہی سے ہے اس لئے ہر مخلوق علماء کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔

آقا علیہ السلام کا فرمانِ عالی شان ہے: اِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْكَوَاكِبِ۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ حضور نے عالم دین کو چاند سے اس لئے تشبیہ دی کہ چاند کی روشنی سے ساری دنیا روشن ہوتی ہے۔ چاند کی چاندنی سے پوری دنیا منور ہوتی ہے، اسی طرح علمائے کرام بھی اپنے زمانے کے چراغ ہوتے ہیں جو علم دین سے ساری دنیا جہان روشن کرتے رہتے ہیں اور علم دین کا فائدہ سارے جہاں کو پہونچتا رہتا ہے حتیٰ کہ بے عمل عالم سے بھی لوگوں کو فائدہ ملتا ہے۔ فرمانِ نبوی ہے بے عمل عالم کی مثال اس اندھے کی طرح ہے جو چراغ لے کر راستے میں کھڑا ہے۔ خود اس روشنی سے فائدہ حاصل نہیں کرسکتا مگر دوسروں کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ خود راستہ تو نہیں دیکھتا مگر دوسروں کو دکھا رہا ہے۔

علم عبادت سے افضل ہے۔ اسلام کی ساری بہاریں اور رونقیں علم ہی سے برقرار ہیں، علم رسولوں کی میراث ہے، علم گناہوں کا کفارہ ہے، علم دخول جنت کا ذریعہ ہے، علم معرفت الٰہی کا سبب ہے، علم حصول مراتب کا آئینہ ہے، علم شیطان سے بچنے کا آلہ ہے۔ علم کی برکت سے اللہ اپنے بندے کو شیطان کے مکروفریب سے محفوظ رکھتا ہے کیوں کہ جاہل عابد کو شیطان بہکا سکتا ہے مگر ایک صحیح باعمل باکردار عالم شیطان کے فریب میں نہیں آسکتا۔ آیئے دیکھئے کہ علم کس طرح شیطان کے مکروفریب سے بچاتا ہے۔ علم کس طرح ایمان وعقیدہ کی حفاظت کرتا ہے۔

ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت میں ہے کہ ایک روز شیطان انسان کی شکل بنا کر ایک ایسے عابد کی راہ میں کھڑا ہو گیا جو عالم نہ تھا۔ عابد تہجد کی نماز کے بعد فجر کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں ابلیس ملا جیسے ہی اس عابد سے ملاقات ہوئی ابلیس نے کہا السلام علیکم۔ عابد نے جواباً وعلیکم السلام کہا۔ ابلیس نے بڑے ادب سے کہا حضور ذرا ٹھہریئے مجھے آپ سے ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے، وہ مسئلہ مجھے سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ اگر آپ بتادیں تو بڑا کرم ہوگا۔ عابد نے کہا جلدی پوچھئے مجھے نماز کے لئے جانا ہے۔ شیطان نے اپنے جیب سے فوراً ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور پوچھا کہ کیا اللہ اس بات پر قادر ہے کہ ان سارے آسمانوں اور زمینوں کو اس چھوٹی شیشی میں داخل کردے۔ عابد نے کچھ دیر سوچا اور کہا۔ کہاں اتنا بڑا آسمان اور زمین کو اللہ کیسے داخل کرسکے گا۔ شیطان نے کہا بس اتنا ہی پوچھنا تھا۔ نماز کے لئے تشریف لے جایئے۔ یہ کہا اور اپنے لشکر شیاطین سے مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ دیکھا اس جاہل عابد کی میں نے ساری عبادتیں بیکار کردی۔ جب اس کو اللہ کی قدرت پر ایمان واعتماد نہیں تو اس کی عبادت وریاضت تقویٰ اور پرہیزگاری کس کام کی پھر ابلیس ایک عالم دین کے پاس پہونچا وہ طلوع آفتاب کے قریب جلدی جلدی مسجد کی طرف نماز پڑھنے کے لئے تشریف لا رہے تھے۔ ابلیس نے کہا۔ السلام علیکم۔ حضرت مجھے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ انھوں نے فرمایا پوچھو جلدی پوچھو۔ میری نماز کا وقت بہت کم ہے۔ اس نے ان سے بھی وہی سوال کیا جو عابد سے کرچکا تھا۔ عالم دین

نے فرمایا تو ابلیس معلوم ہوتا ہے، تجھے خدا کی قدرت پر یقین نہیں۔ رب کائنات تو ایسا قادر مطلق ہے کہ یہ شیشی تو بہت بڑی چیز ہے اللہ چاہے تو سوئی کے ناکے کے کروڑویں حصے کے برابر بھی سوراخ ہو تو اس قسم کے لاکھوں زمینوں آسمانوں کو اس میں داخل فرمادے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ اس کی شان ہے۔ میرا رب ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ فرمایا اور نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ عالم کے تشریف لے جانے کے بعد شیطان نے اپنے لشکر سے کہا دیکھا! یہ ہے علم کی برکت اور طاقت کہ علم نے انھیں گمراہی سے بچالیا۔

دوستو! اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ علم بڑی دولت ہے۔ جن کے پاس علم ہوتا ہے وہ شیطان پر غالب ہوتے ہیں۔ اور جن کے پاس علم دین نہیں ہوتا تو شیطان ان پر غالب ہوتا ہے۔ لہٰذا علم حاصل کرتے رہنا چاہیے۔ اس کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں، فرمان عالی شان ہے: اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ مِنَ الْمَھْدِ اِلَی اللَّحْدِ۔ علم حاصل کرتے رہو ماں کی گود سے لے کر قبر کی گود تک یعنی زندگی کے آخری سانس تک علم کے طلب گار رہو جو کوئی علم کی طلب میں لگا رہتا ہے تو یہ علم اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

مذکورہ واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان اپنا سب سے بڑا دشمن عالم ہی کو سمجھتا ہے کیوں کہ فَقِیْہٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔ ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔ مرقات میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ایک عالم شیطان پر ایک ہزار عابد سے اس لئے بھاری ہے کہ وہ شیطان کے جال اور مکر وفریب میں نہیں آتا جبکہ عابد شیطان کے پھندے میں آجاتا ہے۔

فرمانِ نبوی ہے اے لوگو! علماء کی پیروی کرو اس لئے کہ وہ دنیا و آخرت کے چراغ ہیں۔ تمام نبیوں کے جانشین ہیں۔ زمین و آسمان کی ہر مخلوق ان سے محبت کرتی ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سرکار سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اعمال میں کون سا عمل افضل ہے۔ فرمایا ذات باری تعالیٰ کا علم۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اعمال کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ حضور نے دوبارہ یہی جواب دیا۔ صحابہ نے پھر بڑے منت وادب سے پوچھا کہ سرکار ہم اعمال کے متعلق پوچھ رہے ہیں اور آپ علم

کے متعلق فرمارہے ہیں تو حضور نے فرمایا کہ علم کے ساتھ کیا جانے والا تھوڑا عمل کارآمد اور مفید ہوتا ہے اور بغیر علم کے کثیر اعمال بھی ناکام ہے۔ عالم کی دو رکعات نماز غیر عالم کی ستر رکعات سے افضل ہوتی ہے۔ عالم کا گھڑی بھر کے لئے اپنے بستر سے ٹیک لگا کر علم دین میں غور وفکر کرنا عابد کی ستر سالہ نفلی عبادات سے بہتر ہے۔ جو شخص اللہ کی معرفت کا علم رکھتا ہو اس کی ایک رکعت جاہل کی ایک ہزار رکعات سے افضل ہے۔

میرے محترم یہ سب علم کی برکتیں ہیں۔ اللہ ہم سب کے دلوں کو علم وحکمت کا مدینہ بنا دے اور جو ہمیں علم ہے اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

●●●

ماں کی عظمت

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسول اللہ الکریم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

(۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۲۳)

آج میں ماں کی عظمت آپ کو بتاؤں گا۔ ماں کائنات عالم میں اللہ رب العزت کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ ماں کا پیار دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے، ماں کا دوسرا نام محبت ہے۔ ماں کے وجود سے جتنا بھی پیار کرو کم ہے جس نے ماں باپ کے وجود کو دنیا میں اہمیت نہ دی وہ کبھی دنیا میں عزت نہیں پاسکتا۔ فرمان نبوی ہے: اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهٰتِكُمْ۔ جنت تمہاری ماں کے قدموں میں ہے۔

مگر افسوس آج نہ والدین کی وہ عظمت باقی رہی اور نہ ان کے ساتھ وہ حسن سلوک باقی رہا جس کا حکم ہمیں پروردگار عالم نے دیا۔ مغربی تہذیب وتمدن ہم پر اس قدر غالب آچکی ہے کہ ہم بھی سال میں بعض موقعوں پر اپنے والدین کی ذراسی خدمت کر لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان کے تمام حقوق ادا کر دیئے۔ امریکہ اور یورپ والے سال میں ایک دن ''مدر ڈے'' منا کر یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنے ماں باپ کے تمام حقوق ادا کر دیئے۔ پھر سال کے بارہ مہینے ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں اور وہ اپنے بڑھاپے کی زندگی انتہائی مجبوری، بے کسی کے عالم میں اپنے گھر میں یا پھر اولڈ ہاؤس میں گزار کر اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں۔

اسلام میں ماں باپ کی خدمت کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو دخول جنت کا ذریعہ اور سبب بتایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے - وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ

كُرْهًا۔ اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور اسے تکلیف میں جنا۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے اس بات کی سخت تاکید فرمائی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرے۔ خصوصی طور پر ماں کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا سلوک کرے۔ اس لئے کہ اولاد کی پرورش میں سب سے زیادہ والدہ ہی کو تکلیف ومشقت برداشت کرنا ہوتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان ساری زندگی ماں کی جتنا بھی خدمت کرتا رہے پھر بھی ماں کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ تعظیم واحترام میں باپ کا حق زیادہ ہے اور خدمت وانعام میں ماں کا حق زیادہ ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ ایک صحابی (معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ) حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں آئے اور پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ۔ سرکار میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے۔ آپ نے فرمایا تیری ماں۔ پوچھا پھر کون فرمایا تیری ماں۔ تیسری بار پھر پوچھا تو فرمایا تیری ماں۔ پھر جب چوتھی بار پوچھا تو فرمایا تیرا باپ۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ پوچھنے والے نے چار مرتبہ پوچھا کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے۔ سرکار نے تین مرتبہ فرمایا کہ تیرے حسن سلوک کی زیادہ حق دار تیری ماں ہے، چوتھی بار فرمایا تیرا باپ ہے۔

اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ والدہ کا حق اولاد پر والد سے زیادہ ہے۔ اسی لئے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تاکید کی گئی۔

قرآن میں اللہ نے اپنی عبادت کے بعد فوراً جس چیز کا ذکر فرمایا ہے وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے جس سے ماں باپ کی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے مجمع سے خطاب کیا اور فرمایا اے صحابہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا سرکار ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا گناہ، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ اس کا فلاں کام ہو جائے تو وہ جنت کی چوکھٹ کو بوسہ دے گا۔نذر پوری ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور اب میں نذر کس طرح پوری کروں۔فرمایا ماں کے قدم اور باپ کے پیشانی کو چوم لو تمہاری منت پوری ہو جائے گی۔اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے والدین انتقال کر گئے ہیں۔فرمایا ان کی قبر پر جاؤ اور ماں کی قبر کا پائتانہ اور باپ کی قبر کا سرہانہ چوم لو نذر پوری ہو جائے گی۔

اسی طرح ایک اور صحابی نے نذر مانی کہ اگر مکہ شریف فتح ہو گیا تو میں خانہ کعبہ کی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا۔جب مکہ شریف فتح ہوا تو وہ صحابی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کیا اب میرے لئے اجازت ہے کہ میں مکہ جاؤں اور کعبہ کی چوکھٹ کو چوم لوں۔حضور نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے۔عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ میری ماں زندہ ہے۔فرمایا: اِذْهَبْ اِلٰى دَارِكَ وَقَبِّلْ قَدَمِ اُمِّكَ۔ اپنے گھر جاؤ اور اپنے ماں کے دونوں قدم چوم لو تمہیں کعبہ چومنے کا ثواب ملے گا اور تمہاری منت پوری ہو جائے گی۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔ایک صحابی حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جانا چاہتا ہوں۔آپ کی بارگاہ میں مشورہ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔فرمایا کیا تیری ماں موجود ہے؟ عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ۔قَالَ فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا۔فرمایا جا ماں کے قدموں کو چوم لے اس کی خدمت کر جنت تیری ماں کے قدموں میں ہے۔

یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ سرکار کا یہ ارشاد گرامی عام ہے۔سرکار نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر تمہاری ماں نمازی ہے تو تمہاری جنت اس کے قدموں میں ہے۔اگر حج کیا ہے تو تمہاری جنت اس کے قدموں میں ہے۔اگر روزہ دار رہے تو جنت اس کے قدموں میں ہے۔متقیہ پرہیزگار ہے تو جنت اس کے قدموں میں ہے۔میرے سرکار نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ مطلق فرمایا بلا تخصیص فرمایا کہ جنت ہماری ماں کے قدموں میں ہے۔مطلب یہ کہ ماں

چاہے جتنی بے عمل اور گنہگار کیوں نہ ہو تب بھی ہماری جنت اس کے قدموں میں ہی ہے۔

ایک صحابی سرکار کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اہل مکہ ہر سال حج کرتے ہیں اور ثواب پاتے ہیں۔ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو وہاں تک نہیں پہونچ سکتے۔زادِ راہ نہیں سامانِ سفر نہیں جسم میں طاقت نہیں، غربت وافلاس رکاوٹ ہے۔سرکار ہم غلاموں کے لئے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے کہ ہمیں بھی حج کا ثواب مل جائے۔فرمایا مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ اِلٰى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ لِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً۔ قَالُوْا وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قَالَ نَعَمْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَطْيَبُ۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۴۲۱)

اے میرے صحابہ سنو! جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف ایک دفعہ محبت کی نگاہ سے دیکھے تو اللہ اس کے عوض میں ایک حج مقبول کا ثواب لکھتا ہے۔عرض کیا حضور اگر دن میں کوئی سو مرتبہ دیکھے تو فرمایا تو سو حج مقبول کا ثواب اس کو ملے گا۔

اس حدیث پاک سے ماں باپ کی شان عظمت کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ ماں باپ کتنی عظیم ہستی ہیں جن کے چہرے کے دیدار کو عبادت بنا دیا۔(سبحان اللہ)

آیئے ماں کی عظمت اور ان کا ادب واحترام ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ساری زندگی اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کبھی کھانا نہ کھایا۔حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے پوچھا بیٹا میری تمنا ہے کہ تو میرے ساتھ کھانا کھائے مگر تو نے کبھی میری خواہش کو پورا نہیں کیا اس کا کیا سبب ہے؟ فاطمہ کے نور نظر علی کے لخت جگر حضرت امام حسن نے جو جواب دیا وہ آج کل کے اولادوں کے لئے مشعل راہ ہے۔آج کے جوانوں کے لئے راہ ہدایت ہے۔فرمایا امی جان میں اس لئے آپ کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو میں آپ سے پہلے لقمہ اٹھا لوں اور میں بے ادبوں میں سے ہو جاؤں۔

امام حسن کون ہیں؟ جنھیں نبی نے فرمایا میرا یہ بیٹا جنتی نوجوانوں کا سردار ہے۔سوچو تو سہی امام حسن لقمہ ماں سے پہلے نہیں اٹھا سکے کہ کہیں بے ادبوں میں نہ ہو جاؤں۔یہ ماں کی

ادب و تعظیم کا عالم ہے۔ آج انگریزی اور ماڈرن تعلیم نے ادب واحترام کو اڑا دیا ہے۔ ہمارے بچے باہر بڑوں کا ادب ولحاظ نہیں کرتے گھر میں آ کر ماں باپ کا ادب واحترام نہیں کرتے۔

ایک بیوہ ماں نے بڑی محنت اور مشقت کر کے اپنے بچے کو انگریزی تعلیم دلایا۔ بیٹا جوان ہوا بڑی شوق سے اپنے بیٹے کی شادی کی۔ دلہن گھر لے آئی۔ رات دن اس دلہن کو پھولوں کی طرح رکھا اور اس کی خدمت کی۔ کچھ دن گزرے کہ دلہن نے شوہر سے کہا مکان علیحدہ کر لو یا ماں کو نکال دو۔ پوچھا کیوں کیا وجہ ہے، کہا بس۔ تمہاری ماں نے آج مجھے کسی بات پر ٹوک دیا ہے اور میں اپنی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتی۔ بیٹا لٹھ لے کر ماں پر سوار ہو گیا برا بھلا کہا اور گھر سے نکالنے کی دھمکی دی۔ ماں نے بڑے ہی مشفقانہ لہجے میں سوال کیا بیٹا آخر میرا قصور کیا ہے۔ کہا بس آپ اپنی زبان بند رکھا کریں۔ آپ کو کوئی حق نہیں پہونچتا کہ آپ میری دلہن کے خلاف کوئی بات کریں۔ ماں نے کہا بیٹا میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی سوائے اس کے کہ ایک چھوٹی سی بات پر اس کو ٹوک دیا۔ بیٹا اب آئندہ نہیں ٹوکوں گی۔ یہ کہہ کر ماں رونے لگی اور اسے خیال آنے لگا۔

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھی دھڑکنیں
جب بولنے لگے تو ہمیں پر برس پڑے

ایک حدیث کی مفہوم میں علماء فرماتے ہیں کہ جس گھر میں ماں باپ اولاد کے خوف سے سہمے سہمے رہتے ہوں اس اولاد کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

وہی بیٹا جسے ماں نے بڑی محنت سے پالا مزدوری کر کے اس کی تعلیم اور خورد نوش کا انتظام کیا۔ خود مشقت اور تکلیفیں برداشت کی مگر اسے خوشحال رکھا۔ اپنے منھ کا لقمہ نکال کر اس کے منھ میں دیا مگر آج یہ بدنصیب ماں کو جھڑکتا اور کوستا ہے۔ وقت گزرتا گیا مگر دلہن اپنی ضد پر قائم تھی حتی کہ ایک دن کہنے لگی۔ دیکھو جی اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو تم اپنی ماں کو قتل کر دو۔ (نعوذ باللہ)

نالائق بیٹے نے کہا حوصلہ رکھو یہ کام بھی ہو جائے گا۔ کہنے لگی نہیں اسی وقت یہ کام کرو اور ماں کا کلیجہ میرے پاس لاؤ ورنہ میں جا رہی ہوں۔ بیٹا چھری لے کر بالا خانے میں ماں

کے پاس پہونچا۔ ماں بھری نیند سو رہی تھی، آؤ دیکھا نہ تاؤ ماں کو قتل کر دیا۔ کلیجہ نکالا اور لے کر عورت کے پاس آ رہا تھا۔ سیڑھیاں اترتے ہی پاؤں پھسل گیا۔ منہ کے بل گرا۔ سر پر چوٹ آئی تو ماں کے کٹے ہوئے کلیجے سے آواز آئی۔ بیٹا تمہیں کہیں چوٹ تو نہیں لگ گئی۔ سوچو! ماں کا وہ کلیجہ جو جسم کے زخموں اور چوٹوں کو بھول گیا اور اسے بیٹے کی چوٹ کی فکر ہو گئی۔ یہ ہے ماں کی شفقت، یہ ہے ماں کی محبت، یہ ہے ماں کے ممتا کی آواز۔

اے دنیا کے بدنصیب انسانوں! ماں باپ کو بوجھ سمجھنے والو، ماں باپ کو تکلیفیں دینے والو! یاد رکھنا تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرے گی جیسا تم اپنے ماں باپ کے ساتھ کرتے ہو اگر تم اپنی اولاد سے سکھ پانا چاہتے ہو۔ اگر چاہتے ہو کہ ہماری اولاد ہم سے محبت کرے اگر چاہتے ہو ہماری اولاد ہماری فرمانبردار رہے تو اپنے ماں باپ کے ساتھ پہلے معاملہ ٹھیک کر لو۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ سمجھو اپنے ماں باپ کا احترام کرنا سیکھو۔ ماں باپ کا خیال رکھو ان کے حقوق اور ضروریات کا خیال رکھو، وہ تمہارے لئے جنت ہیں اور وہی تمہارے لئے جہنم ہیں۔ یعنی اگر تم ان کی خدمت کرو گے، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے تو جنت میں جاؤ گے اور اگر ان کو گالی دو گے، مارو گے، ستاؤ گے، رلاؤ گے، ان کا دل دکھاؤ گے، ان کو ناراض رکھو گے تو سیدھے جہنم میں جاؤ گے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے ماں باپ کو گالی دی تو اس کی قبر میں آگ کی چنگاریاں گریں گی اور اتنے مقدار میں آگ کی بارش ہو گی جیسے کہ پانی کے قطرے آسمان سے زمین پر برستے ہیں۔

ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر جا رہے تھے۔ اللہ نے فرمایا موسیٰ ذرا احتیاط سے آنا، سنبھل کے آنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا مولیٰ آج یہ وارننگ کیوں دے رہا ہے۔ احتیاط کی بات کیوں کر رہا ہے۔ فرمایا اے موسیٰ اب تک تمہاری ماں زندہ تھی، وہ تمہارے لئے دعا کرتی تھی اب تمہاری ماں کا انتقال ہو چکا ہے، کوئی دعا کرنے والا نہیں ہے، اس لئے سنبھل کے رہنا۔

سوچو! کہ جب موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو اپنے ماں کی دعاؤں کی ضرورت ہے تو پھر ہم گنہگاروں کو کتنی ضرورت ہوگی۔

علماء فرماتے ہیں اگر بیٹا نفل پڑھ رہا ہو اور ماں پکارے تو نماز توڑ کر جواب دے۔ نماز اللہ کی پڑھ رہے ہیں مگر اللہ فرماتا ہے کہ میری نماز پھر ہو سکتی ہے لیکن ماں کے حکم کی تکمیل پھر نہیں ہو سکتی۔ ماں کا دل اگر ٹوٹ جائے تو تیری نماز قبول نہیں ہوگی۔

بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں جُرَیج نام کا ایک عابد تھا۔ وہ اپنے عبادت خانے میں مشغول عبادت تھا۔ ماں کو معلوم نہ تھا کہ میرا بیٹا نماز پڑھ رہا ہے، وہ اس کے عبادت خانے میں گئی اور زور سے پکارنے لگی۔ اے جریج میں تیری ماں ہوں تجھ سے ملنے آئی ہوں۔ بیٹا میرے پاس آ کر بیٹھ بات کر۔ تجھے ایک نظر دیکھ لوں، مجھے سکون مل جائے۔ اس نے کہا یا اللہ ایک طرف ماں ہے اور ایک طرف نماز ہے۔ مولیٰ میں کیا کروں۔ ماں سے کلام کروں یا نوافل ادا کرتا رہوں۔ آخر کار اس کے دل نے نماز نفل کو ترجیح دی۔ ماں سے کلام نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ماں سے بات نہیں کی۔ ماں واپس چلی گئی۔ دوسرے دن ملنے پھر آئی پھر اس نے کہا اے جریج میں تمہاری ماں ہوں۔ بیٹا میرے ساتھ کچھ بات کر مگر اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ ماں پھر واپس چلی گئی۔ ماں کا دل ٹوٹ گیا، اس نے کہا یا اللہ! بے شک جریج میرا بیٹا ہے میں اس سے بات کرنے کے لئے آئی، اس نے میرے ساتھ بات کرنے سے انکار کر دیا۔ یا اللہ اسے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک تو اسے ذلیل و رسوا نہ کر دے۔ راوی کہتے ہیں اگر اس کی ماں اس کے لئے کسی بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہونے کی دعا کرتی تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ثَلَاثُ دَعْوَاتُ مُسْتَجَابَاتٌ دَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰی وَلَدِہٖ۔ تین دعائیں فوراً قبول ہو جاتی ہیں۔ مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا، اور اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعا۔

اسی زمانے میں ایک شخص بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ وہ اکثر جریج کے عبادت خانے میں بیٹھتا۔ ایک دن ایک عورت اس چرواہے کے پاس آئی۔ اس سے چرواہے نے زنا کیا اور وہ حاملہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس نے ایک بچے کو جنم دیا۔ لوگوں نے اس عورت سے پوچھا تیری شادی نہیں ہوئی، یہ بچہ کس کا ہے اس نے جریج کا نام لیا۔ لوگ لاٹھی ڈنڈے

لے کر جریج کے عبادت خانے میں آ گئے اور باہر سے جریج کو پکارنے لگے کہ باہر نکل تو عابد کی شکل میں شیطان ہے۔ وہ نماز پڑھتا رہا لوگوں کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ان لوگوں نے اس کے عبادت خانے کو گرانا شروع کر دیا۔ جب اس نے یہ دیکھا تو اپنے عبادت خانے سے نیچے اترا اور اپنی پاک دامنی کا یقین دلاتا رہا مگر کسی نے اس کی بات نہ مانی بالآخر اس نے اس زانیہ عورت کے بچے کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا اے بچے تجھے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام کا واسطہ دیتا ہوں سچ بتا تیرا باپ کون ہے۔ بچے نے کہا میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔ جب لوگوں نے بچے کی زبانی اس کی پاکدامنی کو سنا تو بے حد نادم اور شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے ہمیں معاف کر دو، ہم نے تمہارا عبادت خانہ گرایا ہے ہم اسے سونے چاندی سے دوبارہ تعمیر کر دیں گے۔ اس نے کہا نہیں جیسے پہلے تھا ویسا ہی بنا دو یہ کہہ کر وہ عبادت خانے میں چلا گیا۔

دوستو! اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی دعا اور بددعا نبی کی دعا اور بددعا کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی جس کے حق میں ماں باپ دعا کر دیں وہ دنیا آخرت میں آباد ہو جاتا ہے اور جس کے حق میں بددعا کر دیں وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہو کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ جریج بے قصور تھا پاکدامن تھا پھر بھی اسے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ماں کی ٹوٹی ہوئی دل کی صدا تھی جو پوری ہوگئی۔

ہم نے اپنی زندگی میں بے شمار ایسے لوگ دیکھے جو ماں باپ کی بددعا سے ذلیل و خوار ہو گئے۔ انھیں زندگی بسر کرنا مشکل ہو گیا۔ اس لئے اگر دنیا میں سکون، کامیابی، عزت اور خوشحالی چاہتے ہو اور آخرت کی بھلائی تو ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ان کے حقوق اور ضروریات کا خیال رکھو۔ ان کا سہارا بنو، انہیں راضی اور خوش رکھو، کیونکہ تم چھوٹے تھے کھا نہیں سکتے تھے، چل نہیں سکتے تھے، اٹھ نہیں سکتے تو انھوں نے تمہیں انگلی پکڑا کر چلنا سکھایا۔ بچپن سے لے کر آج تک انھوں نے تم کو سہارا دیا، محنت مزدوری کر کے تمہاری کفالت کی، پڑھایا لکھایا شادی بیاہ کیا، اب ان کے اس نیکی کا بدلہ یہی ہے کہ تم ان کی خدمت کرو۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، ان کی دعائیں لو اور خدا سے دعا کرو کہ یا اللہ

ہمارے ماں باپ پہ رحم فرما جیسے کہ بچپن میں ان دونوں نے ہم کو پالا پوسا اور ہم پہ رحم کیا۔

وہ لوگ جو بیویوں کے کہنے پر ماں باپ کو ستاتے ہیں ان کی دنیا بھی برباد ہے اور آخرت بھی برباد ہے۔ یاد رکھو! ماں باپ کی دعا سے تمہیں روزی ملتی ہے، ان کی دعاؤں سے مصیبتیں دور ہوتی ہیں اور ان کی بددعا و ناراضگی انسان کو جہنم کا ایندھن بنا دیتی ہے۔

ایک نوجوان صحابی تھے جن کا نام علقمہ تھا (رضی اللہ عنہ) ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہو گئے۔ انھوں نے اپنی عورت کو اللہ کے رسول کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے خاوند علقمہ سخت بیمار ہو گئے ہیں۔ بچنے کی امید نہیں ہے۔ زندگی کے آخری لمحات ہیں، نزع کی حالت میں ہیں۔ آپ کو باخبر کرنے کے ارادہ سے آئی ہوں تاکہ ان کے حال کا آپ کو پتہ چل جائے۔ آپ نے حضرت عمار حضرت صہیب رومی اور حضرت بلال حبشی کو بھیجا اور فرمایا علقمہ کے پاس جاؤ اور ان کو کلمۂ شہادت کی تلقین کرو۔ تینوں صحابہ ان کے پاس گئے تو ان کو حالت جانکنی میں پایا وہ لوگ ان کو کلمہ شہادت کی تلقین کرنے لگے لیکن کلمہ ان کی زبان پر جاری نہ ہو سکا۔ صحابہ کرام نے حضور کے پاس خبر بھیجی کہ علقمہ کے زبان سے کلمۂ شہادت نہیں نکلتا ہے۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ ﷺ بذات خود ان کے گھر تشریف لے گئے۔ فرمایا اس کے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صرف ان کی ماں زندہ ہیں جو بہت بوڑھی ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کی ماں کو بلاؤ۔ وہ عصا کے سہارے ٹیکتی ہوئی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا اے ماں تیرا لڑکا علقمہ کیسا تھا؟ بوڑھی ماں نے عرض کیا سرکار میرا لڑکا علقمہ روزہ نماز کا بہت پابند تھا، صدقہ و خیرات بھی خوب کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا میں یہ نہیں پوچھتا یہ بتاؤ کہ اس کا تمہارے ساتھ سلوک اور برتاؤ کیسا تھا۔ بوڑھی ماں کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس سے سخت ناراض ہوں کیوں کہ وہ میرے اوپر اپنی بیوی کو ترجیح دیتا تھا۔ بیوی کے کہنے پر چلتا تھا اور اس کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف دیا کرتا تھا، میری نافرمانی کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا تو اسے معاف کر دے۔ عرض کرنے لگیں میں اسے معاف نہیں کروں گی۔ آپ نے فرمایا

بے شک علقمہ اپنے ماں کی نافرمانی کرتا تھا اس لئے مرتے وقت کلمۂ شہادت زبان پر جاری نہیں ہو رہا ہے۔ اگر اس کی ماں نے معاف نہیں کیا تو اللہ بھی اسے معاف نہیں کرے گا۔ آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا جاؤ اور بہت ساری لکڑیاں جمع کرو اور علقمہ کو لکڑیوں میں رکھ کر آگ لگا کر جلا دو۔ یہ سنا تو ماں کی ممتا پکار اٹھی عرض کرنے لگیں اے اللہ کے رسول کیا میرے سامنے میرے بچے کو آگ میں جلایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا ''ہاں'' اے علقمہ کی ماں اللہ کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اگر تو چاہتی ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں نہ جلے اور اللہ اس کی مغفرت فرما دے تو تو اس سے راضی ہو جا اور اس کو معاف کر دے کیونکہ اگر تو اس کو معاف نہ کرے گی اور جب تک تو اس سے ناراض رہے گی تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے۔ علقمہ کو اس کی نماز روزہ صدقہ و خیرات کچھ نفع نہ دے گا۔ بوڑھی ماں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ گواہ رہئے کہ میں اپنے بیٹے علقمہ سے راضی ہو گئی اور میں نے اس کو معاف کر دیا جیسے ہی ماں کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ علقمہ کی زبان پر کلمۂ لا الہ الا اللہ جاری ہو گیا اور کلمہ پڑھتے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ان کے کفن و دفن کا حکم دیا پھر ان کی نماز جنازہ ادا کی اور صحابہ کے مجمع سے خطاب فرمایا۔ اے میرے صحابہ سنو! جو شخص اپنی بیوی کو ماں پر اہمیت اور فضیلت دے گا۔ بیوی کی باتوں میں آ کر ماں کو ستائے گا تو اسے مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوگا اور اس پر اللہ کی لعنت تمام فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔ وہ شخص بڑا ہی ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا۔

یاد رکھئے ماں کی دعا جنت کی ضمانت ہوتی ہے۔ ماں کی دعا جنت کی ہوا ہوتی ہے۔ ماں باپ راضی تو اللہ رسول راضی۔ ماں باپ خوش تو اللہ رسول خوش۔ ماں باپ کی رضا میں ایمان کی سلامتی ہے۔ اگر ماں باپ خوش ہو کر بچے کے لئے دعا کر دیں تو تقدیر بدل جاتی ہے، مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں، روزی میں برکت ہوتی ہے، پریشانیاں مٹ جاتی ہیں، بیماریوں سے انسان کو نجات اور چھٹکارا مل جاتا ہے۔

حضرت امام بخاری کی سوانح حیات میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ بچپن میں امام

بخاری کی آنکھیں چلی گئیں تھیں۔آنکھوں کی روشنی ختم ہوگئی تھی،ان کی ماں نے ان کے لئے دعا کی اے اللہ میرے بیٹے کی آنکھوں کی روشنی کو لوٹا دے۔ماں نے دعا کی اللہ نے آنکھیں عطا فرمادیں۔یہ ہے اولاد کے حق میں ماں کی دعاؤں کی تاثیر یہ ہے ماں کی دعاؤں کا فیضان۔

جب ماں کی دعائیں، بچوں کو لگتی تھیں تو پھر کوئی محمد بن قاسم بنتا تھا،کوئی خالد بن ولید بنتا تھا کوئی کربلا کا شہید بنتا تھا،کوئی غوث اعظم بنتا تھا،کوئی خواجہ اجمیری بنتا تھا،کوئی امام احمد رضا بنتا تھا۔یہ ماں کی دعائیں ہوتی تھیں جو بچوں کو سعادت مند بنادیتی تھیں۔

یادرکھنا جب ماں اولاد کے حق میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتی ہے تو اس کی دعا سیدھی عرش پر جاتی ہے۔آسمان کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔اللہ اور ماں کی دعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا وہ دعا اللہ قبول فرمالیتا ہے۔

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو درجات ومراتب عطا فرمائے وہ سب میری ماں کی دعاؤں کے صدقے عطا کیے۔کسی نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا میرے بچپن کا زمانہ تھا،آدھی رات میری ماں نے آواز دی تھی، بیٹا بایزید پیاس لگی ہے پانی پلادو۔میں فوراً گیا اور پانی لے کر حاضر ہوا تو والدہ کی آنکھ لگ گئی وہ سوگئیں۔میں پانی کا پیالہ ہاتھ میں لے کر ساری رات کھڑا رہا۔سردی اتنی شدید تھی کہ جسم کانپ رہا تھا۔جب صبح فجر کی اذان ہوئی والدہ نے آنکھیں کھولیں تو مجھے کھڑا ہوا پا کر فرمایا۔بایزید تم کھڑے ہو،عرض کیا جی امی جان۔آدھی رات کو جب آپ نے مجھ سے پانی مانگا تو میں فوراً پانی لینے چلا گیا اور جب میں لے کر آیا تو آپ کی آنکھ لگ چکی تھی۔میں کمال ادب کی وجہ سے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔اس وقت سے لے کر اب تک پانی لے کر کھڑا ہوں تا کہ آپ کو دوبارہ مانگنا نہ پڑے۔یہ سن کر ماں بہت خوش ہوگئی،دریائے شفقت جوش میں آگیا، بارگاہ خداوندی میں عرض کیا میرا بچہ ساری رات ماں کی اطاعت میں کھڑا رہا،اے میرے مولیٰ میرے بیٹے کے لئے ولایت کے تمام دروازے کھول دے اور اسے اپنا محبوب بنالے۔ماں کی دعا قبول ہوگئی۔حضرت

بایزید فرماتے ہیں جو مرتبہ مجھے رات دن کی عبادت سے کئی سال میں میسر نہ آسکا ماں کی ایک دعا سے مل گیا۔

یہ واقعہ سب کے لئے ایک مینارۂ نور ہے۔ہمیں اپنے تمام مسائل ومشکلات میں والدین سے بالخصوص ماں سے دعا کروانی چاہئے۔علماء فرماتے ہیں والدین کی دعاؤں میں سے وہ دعا جلدی قبول ہوگی جو ان کی خدمت کر کے حاصل کی گئی ہو۔

حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اس دنیا میں ماں باپ کو خوش رکھا اس سے اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں خوش رہے گا اور جس نے ماں باپ کو ناراض کیا اس سے اللہ تعالیٰ ناراض رہے گا۔ارشاد گرامی ہے وہ آدمی بڑا بدبخت ہے جس نے ماں باپ کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو اس دنیا میں پایا لیکن ان کی خدمت کر کے جنت کا حقدار نہ بن سکا۔

دوستو! جس طرح ماں کی دعائیں اولاد کے حق میں موثر اور مقبول ہوتی ہیں۔اسی طرح ان کی بددعائیں بھی بہت جلد لگ جاتی ہیں جس نے بھی ماں باپ کا دل دکھایا یا ان کو تکلیف دی ان کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آیا وہ دنیا میں تباہ وبرباد ہوگیا۔ان کی بربادی کی داستان آج بھی کتابوں میں موجود ہیں۔آیئے عبرت کے طور پر سماعت کیجئے۔

کہتے ہیں کہ ایک گاؤں میں ایک غریب بیوہ عورت رہتی تھی۔اس کا ایک اکلوتا بیٹا تھا وہی اس کی آنکھوں کا تارا اور امیدوں کا مرکز تھا۔غریب بیوہ ماں محنت مزدوری کر کے پڑھا لکھا رہی تھی۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیٹا تعلیمی میدان میں آگے بڑھتا رہا۔کالج میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے یونیورسٹی کی ڈگری لی۔ماں کے لئے یہ عظیم خوشخبری تھی کہ آج اس کا بیٹا یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کر چکا تھا۔ایک دن اس نے خوشی سے بھیگے ہوئے لہجے میں کہا بیٹا میں نے تمہاری تعلیمی زمانے ہی میں تمہاری ماموں کی لڑکی سے شادی کا وعدہ کرلیا تھا۔وہ لڑکی بھی کئی برسوں سے تمہارا انتظار کر رہی ہے، بیٹا میں چاہتی ہوں کہ تمہاری شادی تمہارے ماموں کی لڑکی سے کردوں۔لڑکا کہنے لگا ماں یہ تم کیا کہہ رہی ہو میں ایسی لڑکی سے شادی ہرگز نہیں کرسکتا جو اَن پڑھ، جاہل اور گنوار ہو۔اس بات کی خبر جب ماموں کی لڑکی کو ملی تو شدت غم سے اس کی حالت نازک ہوگئی جو برسوں سے شادی کے انتظار میں خواب سجائے

ہوئے بیٹھی تھی۔شادی کا وہ خواب چکنا چور ہوگیا۔دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے۔

ماں نے بڑے صبر وتحمل سے کام لیا،اس نے بیٹے کو احساس تک نہ ہونے دیا کہ اس کی باتیں اسے کس قدر ناگوار گزری ہیں۔بیٹے کی شادی کا موضوع بس یہیں دب گیا۔

ایک دن ایسا بھی آیا کہ بیٹا کو شہر کی کمپنی میں ایک اچھی نوکری مل گئی۔اس نے ماں سے کہا کہ گاؤں کا مکان بیچ کر شہر چلتے ہیں کیونکہ میری نوکری شہر میں لگی ہے۔ماں کے پاس ہاں کے علاوہ اور کیا جواب ہوسکتا تھا۔بیٹا اپنی ماں کے ساتھ شہر پہونچ چکا تھا۔وہاں اس نے اپنے نام سے ایک خوبصورت مکان خریدا۔ماں کے ساتھ مکان میں رہنے لگا۔قریب ہی ایک پڑوسی کے گھر میں ایک حسین وجمیل لڑکی رہتی تھی،گھر سے باہر آتے جاتے اس کا آمنا سامنا ہوجاتا تھا۔ایک روز دسترخوان پر بیٹھے بیٹھے اس نے ماں کے سامنے اپنی شادی کی بات رکھی اور کہنے لگا۔امی جان! میں نے معلوم کیا ہے کہ سامنے جو پڑوسی کا گھر ہے اس میں ایک لڑکی رہتی ہے۔ان کے والدین خاندانی معلوم ہوتے ہیں۔وہ لڑکی پڑھی لکھی ہے،سلیقہ مند ہے۔نئی تہذیب اور پرانی ثقافت کا سنگم ہے۔آپ کا کیا خیال ہے اگر میں اس سے شادی کرلوں۔ماں آخر ماں ہوتی ہے وہ آخری دم تک اپنی اولاد کی خیرخواہی چاہتی ہے۔اس نے بیٹے کی خواہش کی تائید کی اور اس رشتے کو اس کے لئے ایک مبارک اور خوبصورت رشتہ قرار دیا۔یہ سن کر بیٹا خوش ہوگیا اور کہا کہ آپ رشتہ کے لئے پڑوسی کے یہاں جایئے۔ماں خوشی خوشی رشتہ مانگنے پڑوسی کے گھر پہونچی۔رشتے کی بات پکی ہوگئی۔لڑکی والوں کو لڑکا پسند آگیا کیوں کہ اعلیٰ ڈگری حاصل کرکے بہت اچھی ملازمت ملی تھی چنانچہ فوراً شادی ہوگئی۔

ماں اپنے بیٹے کی شادی کا برسوں سے انتظار کررہی تھی اگرچہ بیٹے نے اس کے پسند کا طے کیا ہوا رشتہ ٹھکرادیا تھا پھر بھی وہ متمنی اور آرزومند تھی کہ اپنے آنگن میں بچوں کے چہکنے کی صدائیں سنے اور وہ دن بھی آگیا جب بیٹا ایک بچے کا باپ بن گیا۔ماں کا معمول تھا کہ وہ دن بھر اپنے ننھے پوتے کو سینے سے لگائے رکھتی۔اسے پیار کرتی،جھولا جھلاتی اور سوتے وقت اسے اس کے ماں باپ کے حوالے کردیتی۔دادی کا پیار بھی کتنا نرالہ ہوتا ہے،شاید اسی لئے تو بچے دادادادی کی زندگی میں انہیں ہی اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں۔یہ سلسلہ کئی ماہ تک چلا مگر اس گھر

میں پیار ومحبت کی روشنی زیادہ دیر تک نہیں رہی۔

بہو بہت خوبصورت تھی مگر سیرت واخلاق کے اعتبار سے اچھی نہیں تھی۔ایک دن اس نے شوہر کے سامنے صاف صاف اعلان کردیا۔تمہاری ماں کی وجہ سے میری زندگی جہنم بن گئی ہے۔اب اس گھر میں یا میں رہوں گی یا تمہاری ماں۔بیٹا بولا یہ تم کیا کہہ رہی ہو یہ تو میری ماں ہے ہاں میں جانتی ہوں وہ بڑھیا تمہاری ماں ہے اور میری ساس! مگر کیا تمہارے نزدیک وہ مجھ سے زیادہ اہم ہے کیا میں تمہاری بیوی نہیں ہوں۔اب تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ بیوی چاہئے یا ماں۔شوہر نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا تمہاری ناراضگی مجھے قطعی پسند نہیں،تھوڑا صبر سے کام لو یہاں تک کہ مجھے کوئی راستہ سجھائی دے۔

ماں کا معمول بن گیا تھا کہ وہ اپنے پوتے کی بہت خدمت کرتی۔اسے نہلاتی دھلاتی کھلاتی پلاتی اور اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی۔صرف بچے ہی کی نہیں بلکہ بہو کی بھی خدمت کرنے میں پیش پیش رہتی۔البتہ پوتے کے ساتھ اس کی محبت وپیار کا یہ عالم تھا کہ ماں بھی اس معاملے میں دادی سے پیچھے رہ گئی۔شوہر کو اس نے ماں کے خلاف اتنا بھڑکایا اور ورغلایا کہ وہ بھی ماں سے بدظن ہوگیا۔اس نے ماں سے صحیح حقیقت معلوم کرنے کی کبھی زحمت نہیں کی۔اس نے ماں سے اتنا سخت رویہ اپنایا کہ بیچاری ماں آزردہ اور غمگین رہنے لگی چنانچہ وہ ایک دن اپنے قریبی رشتہ دار کے یہاں چلی گئی۔

دن گزرتے رہے۔ماں کی اندرونی کیفیت یہ تھی کہ اسے پوتے کی یاد ستاتی تھی۔ایک دن اسے گمان ہوا کہ مجھے گھر سے آئے ہوئے کئی مہینے ہوچکے ہیں ممکن ہے اب بیٹا اور بہو بھی مجھے دیکھنے کی خواہش کررہے ہوں۔چنانچہ وہ رشتے دار کے گھر سے اجازت لے کر اپنے گھر روانہ ہوگئی،سخت گرمیوں کا دن تھا۔ماں کئی میل پیدل چل کر اپنے گھر کے دروازے پر پہونچی، دستک دی اندر سے آواز نہ آئی اس نے بار بار دروازہ کھٹکھٹایا اچانک دروازہ کھلا۔سامنے بہو کھڑی تھی،وہ چیخ کر بولی اچھا تو تم ہو جو بار بار دستک دے کر ہمارے آرام اور سکون کو برباد کررہی ہو،کیا چاہتی ہو،ہم اچھے بھلے زندگی گزار رہے تھے تم پھر ہماری زندگی میں دخل دینے آگئی۔ماں کی آنکھوں میں آنسو آگئے،کہنے لگی بیٹی تمہاری زبان سے یہ میں کیا سن رہی ہوں

میں تو تمہیں دیکھنے کے لئے آئی ہوں۔ بہو کہنے لگی مگر ہم تمہیں یہاں دیکھنا نہیں چاہتے۔ اتنے میں بیٹا گھر کے اندر سے نکلا اور کوفت محسوس کرتے ہوئے ماں کو گھر میں لے گیا۔ بیوی کی باتیں اس نے بھی سنیں تھیں مگر وہ تو بیوی کا غلام بن چکا تھا۔ بھلا وہ کیسے بیوی کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا۔ بیوی کو کچھ کہنے کے بجائے ماں کو کہنے لگا ''ماں کس لئے چلی آئی ہو۔''

بیٹے کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی ماں کے پیروں تلے زمین نکل گئی، وہ ہکا بکا رہ گئی۔ اس کی زبان گنگ ہوگئی اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ امی جان آپ شاید کچھ کہہ رہی ہیں۔ نہیں نہیں میں کچھ نہیں کہہ رہی بیٹا بھلا میں تمہیں کیوں کچھ کہنے لگوں۔ البتہ سوچ رہی تھی۔ بیٹے نے کہا کیا سوچ رہی تھی ماں جلدی سے بولو۔ بیٹا میں سوچ رہی تھی اب مجھے کہاں جانا چاہیے۔ بیٹا فوراً بیوی کے پاس گیا اور چند منٹ بعد ماں سے آ کر کہنے لگا۔ امی جان ایسا کرتے ہیں کہ ہمارے ایک جاننے والے ہیں ہم سب ان سے ملاقات کے لئے چلتے ہیں، بہت دن ہوگئے ان سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ ماں نے کہا بیٹا جب تم لوگ چلنا چاہتے ہو تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔

اب وہ گاڑی میں بیٹھ کر جا رہے تھے۔ گاڑی سڑک پر دوڑتی ہوئی اس جانب رواں دواں تھی جہاں بوڑھے لوگوں کا گھر ہے۔ گاڑی اولڈ ہاؤس کے گیٹ پر پہونچ چکی تھی۔ بیٹے نے ماں کا ہاتھ پکڑا اور اولڈ ہاؤس میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ ماں کو احساس تک نہ ہوا کہ وہ کہاں آ گئی۔ اسے اس وقت معلوم ہوا جب بوڑھے لوگوں کے گھر میں اس کا نام رجسٹر میں درج ہوگیا۔ ماں کے دل پر کیا گزری ہوگی ذرا سوچو تو سہی۔

اب ہم اس واقعے کے نتیجے کی طرف چلتے ہیں۔ بیٹا ماں کو اولڈ ہاؤس میں چھوڑ کر بیوی بچے کے ساتھ گھر لوٹ آیا۔ بچہ دادی کی یاد میں رونے لگا۔ میری دادی کہاں ہے، میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ تم مجھے میری دادی کے پاس پہنچا دو مگر معصوم بچے کی فریاد سے بیٹے اور بہو کا دل نہیں پسیجا اور بیچاری ماں اولڈ ہاؤس کی چار دیواری میں اندر ہی اندر غم کی بھٹی میں سلگ سلگ کر مرنے لگی۔

آج میاں بیوی بڑے خوش تھے، بیوی نے شوہر کو اپنی ایک سہیلی سے ملاقات کے لئے

تیار کیا۔ دونوں اپنے ننھے منھے بچے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر سہیلی کے گھر چل دیئے۔ بیٹا اسٹیرنگ پہ ہاتھ رکھے آگے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گاڑی پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی، اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی ماں کے افسردہ چہرے کے عکس رہ رہ کر ابھر اور ڈوب رہے تھے۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، اچانک اس کے کانوں میں ساتھ بیٹھی ہوئی بیوی کی بھیانک چیخ سنائی دی۔ رکو! رکو! بریک لگاؤ، ابھی اس کے منہ سے یہ الفاظ پوری ادا بھی نہ ہو پائے تھے کہ اس کی گاڑی آناً فاناً آگے جاتے ہوئے ٹرک کے نیچے آ کر دب گئی۔

بیوی نے جائے حادثہ ہی پر دم توڑ دیا۔ شوہر کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے اور وہ ہمیشہ کے لئے اپاہج ہوگیا۔ البتہ ننھا بچہ بالکل صحیح سلامت رہا۔ اسے خراش تک نہیں آیا۔ بیٹا بستر مرض پر زیر علاج تھا اور چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔ ماں کہاں ہے میری ماں۔ میری ماں کو بوڑھوں کے گھر اولڈ ہاؤس سے نکال لاؤ۔ ماں کو جب اس حادثے کی اطلاع دی گئی تو اسے اتنا شدید قلق غم اور دکھ ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب نکل پڑا۔ چہرہ آنسوؤں سے شرابور ہوگیا۔ بے قرار ہو کر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بارگاہِ خداوندی میں پھیلا دیئے اور عرض کرنے لگی اے میرے پروردگار میرے بچے کو جلدی شفا عطا فرما دے اور اسے صحت یاب فرما۔

لعنت ہے ایسی تعلیم پر جسے پڑھ کر انسان ماں باپ کا ادب واحترام بھول جائے۔ ان کے مقام اور مرتبہ کو نہ سمجھ سکے۔ میرے اس جملے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں دنیاوی تعلیم کا مخالف ہوں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ دنیا کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم بہت ہی ضروری ہے۔ جس میں بیوی بچوں کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتے داروں کے حقوق، عام انسانوں کے حقوق، ماں باپ کے حقوق اور ان کا ادب واحترام ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے لیکن آج ہم اسلامی تعلیمات سے دور ہٹتے چلے جا رہے ہیں۔ فرمانِ نبوی کو بھلا دیا ہے جس سے ہماری فکر اور سوچ بگڑتی جا رہی ہے۔ یاد رکھو! جو لوگ اپنے ماں باپ کو ستاتے ہیں انہیں ایذائیں اور تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ بیوی کے کہنے پر انہیں رلاتے ہیں وہ لوگ کبھی دنیا و آخرت میں خوشحال اور آباد نہیں ہوسکیں گے۔ ان کی تباہی و بربادی یقینی ہے۔ دنیا کے حالات و واقعات پڑھو تو معلوم ہوگا کہ جس نے بھی ماں باپ کو ستایا اور رلایا وہ دنیا میں

اپنے انجام کو پہونچا۔ آیئے ماں باپ کی نافرمانی کا ایک اور عبرت ناک واقعہ سماعت فرمایئے، ذرا غور سے سننا یہ عبرت کی بات بتا رہا ہوں۔

ایک عالم دین کا ایک بستی سے گزر ہوا۔ انھوں نے دیکھا ایک آدمی چار پائی پر بیٹھا تھا، مکھیاں اس کے پاس بھنبھنا رہی تھیں۔ اس آدمی کی عجیب حالت تھی، درد سے وہ کراہ رہا تھا، پاس میں کوئی مونس وغم خوار نہ تھا۔ وہ بہت ہی پریشان تھا۔ عالم دین اس کے قریب گئے کہ شاید میں اس کی کچھ مدد کرسکوں۔ جب وہ پاس گئے تو کہنے لگا مولانا صاحب تشریف رکھئے۔ جب وہ اس کے قریب بیٹھ گئے، اس کے پاؤں پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا مجھے عبرت سے دیکھو میں کون ہوں، میں ایک شیر تھا، میرا مکان تھا، دکان تھی، میں کھاتا پیتا خوشحال آدمی تھا۔ اب بھیک مانگتا ہوں مجھے کوئی بھیک نہیں دیتا بلکہ میرے اوپر لوگ لعنت کرتے ہیں۔ یہ کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کہنے لگا میں وہ ہوں جس نے ماں کے منہ پر جوتے مارے تھے۔ (استغفر اللہ) میں رات کو سنیما دیکھنے گیا تو ماں نے کہا۔ غنڈوں کے ساتھ ساری رات آوارہ گردی کرتے ہو۔ برے دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر برے کام کرنے لگے ہو۔ بس اسی بات پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے جوتا اتار کر ماں کو مارنا شروع کر دیا۔ دو جوتے ماں کے منہ پر مارے، اس نے سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ کہنے لگی اے عرش والے اس لئے بچہ دیا تھا کہ آج میں جوتے کھا رہی ہوں۔ مجھے موت دے دے میں جینے کے قابل نہیں ہوں۔ مولیٰ جو بے عزتی ہو چکی مجھے اپنے پاس بلا لے میں اب زیادہ جوتے نہیں کھا سکتی۔ عرش والے جس نے ماں کی توہین کی ہے اس کتے کو دنیا وآخرت میں برباد کر دے۔

نافرمان بیٹا کہنے لگا اس وقت تو میں سو گیا۔ رات کو پاؤں میں ایک ٹیس اٹھی۔ درد اٹھا پاؤں لرزنے لگا۔ صبح کو پاؤں سوج کر اتنا موٹا ہو گیا۔ ڈاکٹر کو دکھایا، ڈاکٹر نے کہا آپریشن کرنا پڑے گا، پاؤں کاٹنا پڑے گا۔ یہ کہہ کر اس نے پاؤں سے کپڑا ہٹایا پیپ بہہ رہی تھی۔ کہنے لگا یہ زخم نہیں یہ ماں کی بددعا ہے، خدا کا قہر ہے۔ ماں ایک ہفتہ رو رو کر مر گئی، کھانا تک نہ کھایا، کہتی تھی کہ میں سمجھتی تھی کہ بیٹا خدمت کرے گا میں اس عمر میں جوتے کھا رہی ہوں، مجھے اپنے بیٹے کی ضرورت نہیں۔ ماں رو، رو کر اسی غم میں ختم ہو گئی۔ چار سال سے اسی

جگہ پر پڑا ہوں، سب ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کتے کاٹ رہے ہیں۔ نیند نہیں آتی، گزرنے والے کہتے ہیں یہ وہ لعنتی ہے جس نے ماں کو جوتے مارے تھے۔ مجھے عبرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ کتے کی طرح میرے سامنے روٹی پھینک جاتے ہیں۔ یہ دنیا کی ذلت ہے پتہ نہیں آخرت میں میرا کیا حال ہوگا۔ اتنا کہہ کر وہ رونے لگا کہنے لگا مولانا صاحب مجھے روٹھا ہوا رب راضی کروا دو۔ معلوم ہوتا ہے جس سے ماں ناراض ہے خدا بھی اس کے لئے قہار وجبار بن جاتا ہے جس سے ماں روٹھ جاتی ہے، خدا بھی روٹھ جاتا ہے۔

ماں کے اس گستاخ اور بے ادب کی یہ حالت دیکھ کر اس عالم دین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہنے لگے۔ اللہ ہم سب کو ماں باپ کی بددعا سے بچائے۔ ماں کی بددعائیں اولاد کی دنیا وآخرت تباہ کر دیتی ہیں۔

یہ تمام واقعات عبرت ہیں ان لوگوں کے لئے جو اپنے ماں باپ کو ستاتے ہیں، ایذائیں اور تکلیفیں دیتے ہیں۔ بلاشبہ ایسے لوگ جہنم کے ایندھن ہیں۔ ارشاد گرامی ہے:

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ كُلُّ الذُّنُوْبِ يَغْفِرُ اللهُ مِنْهَا مَا شَاءَ اِلَّا حُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّهٗ يُعَجِّلُ لِصَاحِبِهٖ فِي الْحَيٰوةِ قَبْلَ الْمَمَاتَ۔ (مشکوٰۃ) رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تمام گناہوں میں اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے مگر ماں باپ کی نافرمانی کا جو گناہ ہے اس کی سزا دنیا ہی میں دیتا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ماں باپ کے نافرمان کو جلدی ہلاک فرماتا ہے تا کہ اس کو جلدی عذاب میں مبتلا کیا جائے اور ماں باپ کو ستانے کا اسے سزا مل سکے۔

الغرض ماں باپ کی نافرمانی اولاد کے لئے دنیا وآخرت میں نقصان ہے۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے، نہ ان کی نماز قبول ہوتی ہے نہ ہی دوسرا کوئی نیک عمل۔ دونوں جہاں میں ذلت ورسوائی ہوتی ہے اور کسی طرح بھی ان کو سکونِ قلب حاصل نہیں ہوتا خواہ وہ کتنے ہی مال دار اور کیسے ہی عہدیدار کیوں نہ بن جائیں مگر ان کو دل کا چین وسکون نصیب نہیں ہوگا۔ ان کی اولاد ان کو دنیا میں ذلیل وخوار کرے گی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی بلا، کوئی نہ کوئی مصیبت وپریشانی، کوئی

نہ کوئی بیماری و مقدمہ، کوئی نہ کوئی جھگڑا اور نقصان ہوتا ہی رہے گا۔ روزی میں تنگی و بے برکتی رہے گی اور مرنے کے بعد قبر میں سخت ترین عذاب ہوگا۔ جہنم کی آگ ان کے انتظار میں ہوگی۔ مختصر یہ کہ ماں باپ کے نافرمان دنیا و آخرت میں خدا کے قہر وغضب کے مستحق ہوں گے۔ اگر ماں باپ کی بددعا انسان کو جہنم کا ایندھن بنا دیتی ہے تو ماں باپ کی دعا اولاد کو جنت کا حقدار بھی بنا دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا مولیٰ جنت میں جو میرا رفیق اور ساتھی ہوگا اگر وہ اس وقت دنیا میں زندہ ہے تو مجھے اس کا پتہ بتا دے تاکہ میں اس سے ملاقات کرسکوں۔ آپ کی درخواست پر اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ فلاں شہر میں فلاں قصاب ہے۔ آپ یہ حکم سنتے ہی اس قصاب کے پاس پہونچے تو دیکھتے ہی حیران ہوگئے کہ یہ تو ایک عام آدمی ہے جو دکان پر بیٹھ کر گوشت بیچ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال پیدا ہوا نہ معلوم اس کا کون سا عمل اللہ کو پسند آیا کہ میرا اس کو جنت میں رفیق و ساتھی بنایا گیا۔ اس کا عمل معلوم کرنے کے لئے آپ نے اس قصاب سے پوچھا کہ فلاں شخص تو ہی ہے۔ اس نے کہا ہاں میں ہی ہوں۔ فرمایا آج رات میں تیرے گھر مہمان بن کر ٹھہرنا چاہتا ہوں۔ عرض کیا میرے غریب خانہ پر ٹھہرنا چاہتے ہیں تو سر آنکھوں پر چنانچہ اس قصاب کا عمل معلوم کرنے کے لئے آپ اس کے ساتھ ہولئے۔ گھر پہونچ کر اس نے اپنی بوڑھی ماں کو جو چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی اور ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی۔ سب سے پہلے اس نے ماں کا منھ دھلایا اس کے لئے لذیذ شوربا تیار کیا اور شوربا میں روٹی کے ٹکڑے بھگو بھگو کر خود اس کے منھ میں ڈالنے لگا۔ جب روٹی کھلا چکا تو بوڑھی ماں کا ہاتھ منھ صاف کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ کھانا کھانے کے بعد بڑھیا نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے ہوئے کچھ کہا۔ بڑھیا کے ملتے ہوئے ہونٹ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سوچنے لگے لاؤ کان لگا کر سنو تو سہی کہ بڑھیا کیا کہہ رہی ہے۔ چنانچہ جب آپ نے کان لگایا تو سنا کہ بڑھیا کہہ رہی تھی کہ یا اللہ میرے بیٹے کو میری خدمت کے عوض میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جنت میں رفیق و ساتھی بنادے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے بوڑھی دنیا ہی

میں مجھے بتایا گیا کہ تیرا یہ لڑکا جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ اس لئے میں تیرے لڑکے کا عمل دیکھنے کے لئے تیرے گھر آیا ہوں۔ تجھے مبارک ہو اللہ نے تیری دعا بیٹے کے حق میں قبول کر لی ہے اور تیری خدمت کے صلے میں اس کو جنت میں میرا ساتھی بنا دیا ہے۔

دوستو! جنت میں کسی نبی کی رفاقت بہت بڑی سعادت اور کامیابی ہے۔ اور یہ سعادت ماں باپ کی خدمت پر منحصر ہے۔ دیکھو دل سے ماں کی خدمت کرنے پر اللہ نے ماں کی دعا قبول کر کے دنیا ہی میں یہ خوشخبری دے دی۔

ماں باپ کی خدمت، ان کی ادب و احترام کے حوالے سے تاریخ اسلام کے دامن میں ایسے بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں انہیں میں سے ایک درخشاں واقعہ محدث محمد بن شیرین کا ہے جو ماں کی تعظیم و ادب کی اعلیٰ مثال ہے۔ کون ایسا عالم ہوگا جو محدث محمد بن شیرین کی شخصیت سے واقف نہ ہوگا۔ آپ مشہور و معروف تابعی ہیں۔ حضرت انس بن مالک کے غلام تھے، علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں ان کا مقام اتنا اونچا تھا کہ کبھی وہ بازار چلے جاتے تو لوگ ان کے احترام میں کھڑے ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنے لگتے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ محدث محمد بن شیرین صرف تابعی ہی نہیں بلکہ تابعین کے امام ہیں مگر اتنے اونچے مرتبے کے باوجود ماں کے سامنے ان کی کیفیت ایسی ہوتی تھی جیسے آقا کے سامنے غلام کی۔ یہ ان کا کمالِ ادب تھا کہ جب اپنی ماں کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ماں کی ادب و احترام کے سبب اپنی زبان نہیں کھولتے تھے۔

ایک دفعہ آپ اپنی ماں کی خدمت میں حاضر تھے، ایک آدمی ان سے ملاقات کے لئے آیا۔ وہ آدمی علامہ ابن شیرین کی مجلس کو پہلے دیکھ چکا تھا اور ان کے رعب و علمی جاہ و جلال سے واقف تھا۔ جب اس نے محدث محمد بن شیرین کو ایک عورت کے سامنے اس طرح تواضع اور خاکساری کے عالم میں دیکھا تو وہ لوگوں سے پوچھنے لگا کہ کیا یہ محمد بن شیرین ہی ہیں، کیا یہ بیمار ہو گئے ہیں۔ وہ اس قدر سہمے ہوئے کیوں ہیں۔ لوگوں نے بتایا اسے یہ جان کر بہت تعجب ہوا کہ وہ ماں کی خدمت میں اسی انداز سے رہا کرتے ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھی جو دیوبندی مکتبۂ فکر کے عالم گزرے ہیں وہ پہلے سکھ تھے پھر

مسلمان ہو گئے۔ایک روز لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ماں وہاں آ گئی۔اس نے بھری محفل میں سر سے ٹوپی اتار کر مارنا شروع کر دیا۔مارتی جاتی اور کہتی جاتی ''بوٹا سنگھ تو مسلمان ہو گیا ہے، مارتے مارتے جوتا ہاتھ سے چھوٹ کر گر جاتا تو مولانا اٹھا کر ماں کو دیتے۔لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے۔پوچھا حضرت یہ کون عورت ہے۔فرمایا یہ وہی ہے جس کے قدموں میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت بتائی ہے۔ماں مارتی رہی آپ نے اف تک نہ کی۔یہ ہے ماں کا ادب واحترام، ماں کافر و مشرک ہو تو بھی اس کا ادب واحترام اس کی خدمت اولاد پر فرض ہے۔آیئے اس سلسلے میں ایک اور واقعہ سماعت فرمالیجئے۔

شاہجہاں کا دور تھا، اس کے عہد حکومت میں عدل وانصاف کے لئے ایک ایسے عالم اور مفتی کی ضرورت محسوس ہوئی جو کرسئ عدالت پر بیٹھ کر اللہ کے بندوں پر عدل وانصاف قائم کرے اور فقہ اسلامی کی روشنی میں فیصلہ کرے۔شاہجہاں نے جملہ اراکین سلطنت بالخصوص شہزادوں سے مشورہ لیا کہ عدالت اسلامیہ کا مفتی کس کو منتخب کیا جائے۔اس دور کے عظیم عالم دین حضرت احمد ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ تھے جو شاہجہاں اور اورنگ زیب کے استاد بھی تھے۔شاہجہاں اور اورنگ زیب آپ کی بے حد عزت وتعظیم کرتے تھے۔حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی شاہجہاں سے عرض کیا کہ اگر عدالت اسلامیہ کا مفتی بنانا ہے تو اس منصب کے لئے میرے استاد حضرت ملا جیون زیادہ بہتر ہیں انہیں کو بنا دیں۔اس دور میں عدالت اسلامیہ کے مفتی کا درجہ اور مقام آج کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی طرح ہوتا تھا۔چنانچہ سب کے اتفاق رائے سے حضرت احمد ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کو عدالت اسلامیہ کا مفتی اور چیف جسٹس مقرر کیا گیا۔

آپ ایک غریب کسان کے فرزند تھے۔حکومت کے اتنے بڑے منصب پر فائز ہونے کے بعد غریب باپ کو زیادہ خوشی تو نہیں ہوئی کیونکہ آپ اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔اس لئے آپ کی جدائی باپ کے لئے ناقابل برداشت تھی۔آپ بھی باپ سے جدا نہیں ہونا چاہتے تھے پھر بھی باپ سے اجازت لے کر آپ دہلی آ گئے اور عدالت عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھ کر اپنے فرائض منصبی انجام دینے لگے۔عدالت کی ذمہ داریوں میں کچھ اس

طرح مصروف ہو گئے کہ زیادہ دن ہو گیا باپ سے ملاقات نہ کر سکے۔بالآخر ایک دن بیٹے کی محبت نے باپ کو تڑپا دیا تو باپ خود ہی ملنے کے لئے چلا آیا۔شاہی محل میں جب یہ اجنبی بوڑھا مسافر دیہاتی وضع قطع میں پہنچا تو دربانوں نے دروازہ پر روک لیا۔سوچا کہ کوئی فریادی ہے۔دیوانِ خاص میں اطلاع دی گئی حکم ہوا اسے اندر آنے دو۔دیوان خاص امراء وزراء سے بھرا ہوا تھا۔سب اپنی اپنی کرسیوں پر شان وشوکت کے ساتھ بیٹھے تھے۔جب یہ غریب کسان دیوانِ خاص میں داخل ہوا تو حضرت احمد ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ اپنی کرسئ عدالت سے اٹھ گئے اور دوڑ کر اس غریب کسان کا ہاتھ چوم لیا۔سر سے عمامہ اتارا اور ان کے چہرے پر جو گرد وغبار لگے ہوئے تھے۔اسے صاف کیا اور بڑی عزت کے ساتھ اپنی جگہ کرسی پر ان کو بٹھا دیا اور خود باادب ہاتھ باندھ کر نیچے بیٹھ گئے۔یہ دیکھ کر تمام درباری حیرت سے ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے اور سب بادشاہ کو کوسنے لگے کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ایک ایسے شخص کو سلطنت کا مفتی اور قاضی بنایا ہے جو آداب شاہی اور آداب عدالت سے ناواقف ہے۔دیکھئے یہ کرسی عدالت کی کتنی بڑی توہین ہے کہ ایک دیہاتی کو اپنی کرسی پر بٹھا کر خود زمین پر نیچے بیٹھ گیا ہے۔یہ کیسا جج ہے جسے عدالت کے اصول معلوم نہیں۔اتنا سنا تو آپ کھڑے ہو گئے اور بھرے دربار میں سب کو مخاطب کر کے فرمایا اے لوگو سنو! یہ آنے والا دیہاتی کوئی عام آدمی نہیں بلکہ یہ میرے باپ ہیں۔میرے والد گرامی ہیں جن کی تعظیم واحترام اس احکم الحاکمین نے میرے اوپر فرض کر دیا ہے اور اپنے مقدس کتاب قرآن میں فرمایا: وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ان کو اپنے سے اونچی جگہ پر بٹھاؤ۔ان کے سامنے اونچی جگہ پر نہ بیٹھو بلکہ ان کے قدموں میں بیٹھو۔ان کے قدموں میں جنت ہے۔

پھر اپنے والد گرامی سے عرض کیا ابا حضور آپ نے یہ کیوں تکلیف اٹھائی۔میں بس تھوڑے ہی دنوں میں خود ہی ملاقات کے لئے آنے والا تھا۔کہنے لگے بیٹا زیادہ دن ہو گیا تھا تجھے دیکھا نہیں تھا سوچا دیکھتا آؤں اور یہ معلوم کرتا آؤں کہ میرا لڑکا شاہی عہدے پر پہونچ کر اپنے ماں باپ کو بھول تو نہیں گیا۔الحمد للہ! میں نے اپنے بیٹے کو دین مصطفیٰ کی تعلیم

دی ہے۔ دنیا کی عہدہ اور شاہی منصب بھی میرے بیٹے کو دین سے ہٹا نہ سکی۔ بیٹا میں بہت خوش ہوں۔ اللہ تمہارے علم وعمل میں اضافہ فرمائے۔ تم نے اپنے باپ کی عزت کی اللہ تمہیں دونوں جہان میں تمام کامیابیوں سے ہمکنار فرمائے، یہی میری دعا ہے۔

دوستو! یہ ہے ماں باپ کی ادب و تعظیم، یہ ہے پیغمبر اسلام محمد عربی کی تعلیم کہ ماں باپ کے سامنے اونچی جگہ پر نہ بیٹھو جس سے ان کی توہین ہو، ان کے قدموں میں بیٹھو۔ اللہ رسول خوش ہوگا، عزت ملے گی۔ ان کی دعائیں لو، ان کا دل نہ دکھاؤ ورنہ دنیا میں بے عزت ہو جاؤ گے اور تمہاری آخرت بھی تباہ و برباد ہو جائے گی۔

حضرات گرامی! بعض دنیاوی تعلیم حاصل کرنے والوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ کس قدر گناہوں اور جرائم کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔ ایک واقعہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا جو بے حد عبرت خیز اور نصیحت آمیز ہے۔ ایک غریب والدین نے بچے کو پڑھایا۔ نہ معلوم کیا کیا، محنت ومشقت کرنے کے بعد اس کو امریکہ بھیجا۔ اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ڈگری لے کر جب وہ واپس اپنے وطن آنے لگا تو اپنے آنے کی اطلاع دی۔ اس کے غریب والدین اپنے تمام رشتہ داروں اور دوستوں کو ساتھ لے کر ائیر پورٹ پر اپنے نور نظر لخت جگر کو بڑے اشتیاق سے لینے کے لئے گئے۔ جب ان کا لخت جگر ایئر پورٹ سے باہر آیا تو سب سے علیک سلیک کرنے کا انداز کیا تھا۔ ہاتھ ملانے کے بجائے ایک ایک انگلی ملائی، نہ سلام نہ دعا اور جب وہ اپنے والد کے پاس پہنچا تو دیکھا میلے کچیلے کپڑے میں غریب باپ اسے لینے آیا ہے تو وہ باپ کو بغل گیر ہونے کے بجائے اشارے سے پیچھے ہٹنے کو کہا اور اپنے ساتھ جو فرینڈ لایا تھا اس نے پوچھا سر یہ کون ہیں؟ جواب دیا یہ میرے نوکر اور ملازم ہیں۔ اس وقت وہ والد خون کے آنسو رو رہا تھا اور والدہ کف افسوس مل رہی تھی۔ یہ وہی والد تھا کہ جس نے مزدوریاں کر کے محنت کا بار گراں اٹھا کر اپنے بچے کو امریکہ میں تعلیم دلوائی اور یہ وہی والدہ تھی کہ جس نے لوگوں کے گھروں میں برتن دھو دھو کر، سلائیاں کر کر کے، لوگوں کے کپڑے دھو دھو کر اس بچے کو پڑھایا لکھایا تھا۔ آج وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بچہ ان کو اپنا نوکر اور ملازم کہہ کر ان کی تحقیر تذلیل اور توہین کر رہا تھا اور ان سے ملنا اپنی

توہین سمجھتا تھا۔ مگر یہ تعلیم جسے ہم اہمیت نہیں دیتے۔ یہی اسلامی تعلیم سب سے پہلے احترام والدین سکھاتی ہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سکھاتی ہے۔ ان کی عزت و تعظیم سکھاتی ہے۔ آج لوگ انگریزی اور دنیاوی تعلیم کے لئے لاکھوں کروڑوں خرچ کرتے ہیں مگر قرآن اور دینی تعلیم مفت بھی ملے تو بھی حاصل نہیں کرتے۔ دنیاوی تعلیم کے لئے ہمارے پاس دولت اور وقت موجود ہے مگر دینی ومذہبی تعلیم کے لئے توجہ دلائی جائے تو نہ وقت نکلتا ہے نہ ہی دولت۔ دنیاوی ڈگریوں کے لئے ہم انگلینڈ اور امریکہ تک کا سفر کرتے ہیں۔ دینی اسلامی تعلیم کے لئے محلے کی مسجد اور مدرسہ تک نہیں جا سکتے۔ اگر میدان محشر میں اللہ اور اس کے رسول نے پوچھ لیا کہ دینی تعلیم سے اتنی بے رغبتی کیوں کی، تعلیمات اسلامی سے اتنی لا پروائی کیوں کی تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا۔

جب وہ پوچھیں گے سر محشر بلا کے سامنے
کیا جواب جرم دو گے پھر خدا کے سامنے

●●●

چند اہم نصیحتیں

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (پ ۲۷، سورۃ الذریت)

کتاب کھول کر بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق ترا چہرہ دکھائی دیتا ہے

آج میری تقریر کا موضوع ہے چند اہم نصیحتیں۔ نصیحت کا حکم اللہ نے دیا۔ نبیوں کو دیا رسولوں کو دیا، ولیوں کو دیا اور ان کی معرفت ہر ایمان والے کو دیا۔ نصیحت انبیائے کرام کی سنت ہے۔ نصیحت صحابہ کرام کی سنت ہے۔ نصیحت اولیائے کرام کی سنت ہے، نصیحت بزرگان دین کا طریقہ ہے۔ انبیاء کو حکم ہے کہ وہ میرے بندوں کو نصیحت کریں، اولیاء کو حکم ہے کہ وہ میرے بندوں کو نصیحت کریں۔ باپ بیٹے کو نصیحت کرے، بڑا چھوٹے کو نصیحت کرے، استاذ شاگرد کو نصیحت کرے، پیر مرید کو نصیحت کرے، علماء عوام کو نصیحت کریں۔ فرمایا اے میرے محبوب وَذَكِّرْ نصیحت کیجیے۔ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ بے شک نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔

آیئے سب سے پہلے یہ سمجھیں کہ نصیحت کسے کہتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کسی کو بھلائی کی بات کرنا، فائدے کی بات کرنا، نقصان سے بچنے کی بات کرنا، اس ہمدردی کے جذبے کے تحت جو بات کی جائے اسے نصیحت کہتے ہیں۔ اللہ کو یہ عمل بہت ہی پسند ہے کہ میرے بندے ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہیں۔ فرمایا اَلدِّيْنُ نَصِيْحَةٌ دین سارے کا سارا نصیحت ہی ہے اور نصیحت ہی دین ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ نصیحت کیجیے اس لئے کہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔ اچھا ہو یا برا ہو، نیک ہو یا بد ہو مومن ہو کہ کافر ہو ہر کسی کو نصیحت فائدہ دیتی ہے۔ کافر و مشرک ہو تو اس کو ایمان کی طرف

مائل کرتی ہے۔ جو غافل ہو اس کو دین کی طرف آنے میں نصیحت فائدہ دیتی ہے۔ اور جو دین کی طرف آیا ہو، مومن ہو اس کو روحانیت کی منزل طے کرنے میں نصیحت فائدہ دیتی ہے۔ دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں کہ جس کو نصیحت سے فائدہ نہ ہوتی کہ نصیحت کی بات ایسی اعلیٰ چیز ہے کہ دوسروں کو تو فائدہ دیتی ہے مگر اس سے اپنی ذات کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔

اللہ نصیحت کو اس قدر پسند فرماتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جا رہا تھا اور راستے میں چیونٹیاں چل رہی تھیں تو ان میں سے ایک چیونٹی نے دوسرے سے کہا کہ جلدی سے اپنی بلوں میں گھس جاؤ کہیں ایسا نہ ہو سلیمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں پاؤں سے کچل ڈالے۔ تو یہ سن کر ان میں سے ایک چیونٹی نے کہا۔ جس کو قرآن اپنی زبان میں بیان کر رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ۔ اے چیونٹیوں تم سب اپنی اپنی سوراخوں میں چلی جاؤ۔ یہ نصیحت ہے ایک چیونٹی کا اپنی برادری کو۔

یہاں سوچنے کی بات ہے کہ ایک چیونٹی اگر دوسرے چیونٹی کو نصیحت کرتی ہے۔ اپنی قوم کی خیر خواہی کرتی ہے، اپنی برادری کی بھلائی کی بات کرتی ہے۔ فائدے کی بات کرتی ہے، نقصان سے بچانے کی بات کرتی ہے تو اللہ کو اس کی یہ ادا یہ عمل یہ نصیحت اتنی پسند آتی ہے کہ وہ قرآن میں سورۃ النمل چیونٹی کے نام سے رکھ دیتا ہے تو اگر انسان انسانوں کی بھلائی اور ہمدردی کریں گے، خیر خواہی کریں گے، انسان انسان کا بھلا چاہے گا، انسان انسان کے لئے اچھا سوچے گا تو اس کی یہ ادا اللہ کو کتنا پسند آئے گا، مومن کا بھلا چاہے گا تو اللہ کتنا راضی ہوگا۔

ہمارے بزرگانِ دین کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ گھر ہو یا باہر۔ مسجد ہو یا بازار، ہر جگہ ہر ایک کے ساتھ نصیحت کی بات کرتے رہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ باپ اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے تھے۔ آج ماں باپ ہی دین داری نہیں رکھتے تو اپنے بچوں کو نصیحت کیا کریں گے۔ دنیاوی داری اتنی آچکی ہے حتی کہ کئی جگہوں پر اولاد دین دار بننا چاہتی ہے، ماں باپ ان کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی نوجوان وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر چہرے پر داڑھی رکھ لیتا ہے تو ماں باپ اور گھر والے اس کا مذاق

اڑاتے ہیں کہ تو تو مولوی بن گیا ہے، داڑھی رکھ لی ہے، تجھے کون لڑکی دے گا۔ حالانکہ اس نوجوان نے جس آقا کی محبت میں داڑھی رکھی ہے، اللہ نے اس نبی کو گیارہ بیویاں عطا فرمائی تھیں، یہ کیسی ملحدانہ ذہنیت ہے، اللہ شیطان کے وسوسوں سے بچائے۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پہلے وقتوں میں مائیں اپنے بچوں کو نصیحت کرتی تھیں۔ بیٹا دین پر مضبوطی سے قائم رہنا، نماز قائم کرنا، سرکار کی تعلیمات اور آپ کی سنتوں پر عمل کرنا، جھوٹ کبھی مت بولنا، پیران پیر روشن ضمیر شیخ عبدالقادر جیلانی جب گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے چلے تو ماں نے ان کو نصیحت کی کہ بیٹا جھوٹ کبھی نہ بولنا، ہمیشہ سچ بولنا۔ جان جائے پرواہ نہیں، مال جائے پرواہ نہیں مگر سچ کا دامن نہ چھوڑنا۔ ماں کی نصیحت غوث اعظم سینے سے لگا کر گھر سے نکلے جس قافلے کے ساتھ جا رہے تھے اس قافلے کو راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ ایک ڈاکو آپ کے پاس آیا اور کہا اے لڑکے سچ سچ بتا کیا تیرے پاس کچھ رقم ہے۔ آپ نے سچ سچ بتا دیا اور کہا ہاں میرے پاس چالیس درہم ہے جو میری ماں نے چلتے وقت میری صدری کے استر میں سی دیا تھا۔ ڈاکو آپ کو پکڑ کر اپنے سردار احمد بدوی کے پاس لے گئے اور پورا ماجرا کہہ سنایا۔ تلاشی کیا گیا تو واقعی چالیس درہم صدری کے اندر موجود تھے۔ سردار نے پوچھا بیٹے! ہم ڈاکوؤں سے دنیا اپنا مال چھپاتی ہے اور تم نے اس کو ظاہر کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے ماں سے چلتے وقت جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس لئے میں سچ بول کر اپنے ماں سے کیا ہوا وعدہ پورا کر رہا ہوں۔ یہ سن کر سردار احمد بدوی رونے لگا اور کہا یہ بچہ اپنے ماں سے کیا ہوا وعدہ پورا کر رہا ہے مگر افسوس ہم اپنے پروردگار سے کئے ہوئے وعدہ کو بھول گئے۔ یہ کہہ کر خوب رویا اور سچے دل سے ڈاکہ زنی لوٹ مار اور قتل غارت گری سے توبہ کر لیا۔ اپنے سردار کو جب توبہ کرتے دیکھا تو تمام ڈاکو بھی غوث اعظم کے ہاتھ پر تائب ہو گئے اور سبھوں نے پختہ عہد کیا کہ آئندہ اب اپنے پروردگار کی کبھی بھی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرما لیا۔

یہ ہے نصیحت کی تاثیر، سچ کی فتح ہوئی جس کی وجہ سے اللہ نے ان ڈاکوؤں کو توبہ کی

توفیق عطا فرما دی۔ یہ ایک ماں کی نصیحت کا اثر تھا۔ نصیحت میں وہ تاثیر ہے، وہ برکت ہے کہ زمانے کے بگڑے ہوئے انسان راہِ راست پر آ جاتے ہیں۔ نصیحت کی برکت سے گنہگار مجرم کو توبہ کی توفیق مل جاتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد امام باقر رضی اللہ عنہ نے نصیحت فرمائی کہ بیٹا پانچ قسم کے لوگوں کے ساتھ دوستی مت کرنا۔ ان کے ساتھ راستہ چلتے ہوئے چلنا بھی پڑے تو بھی مت چلنا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ تھوڑی دیر کا ساتھ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ عرض کیا ابا حضور وہ کون کون لوگ ہیں۔

(۱) فرمایا ایک تو بیوقوف سے دوستی کبھی مت کرنا اس لئے کہ بیوقوف اگر تمہیں فائدہ بھی پہونچانا چاہے گا تو اپنی بیوقوفی کی وجہ سے تمہیں نقصان پہونچا بیٹھے گا۔ کسی دانشور کا قول ہے بیوقوف دوست سے عقلمند دشمن اچھا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بندے نے ایک بیوقوف نادان آدمی سے دوستی کر لی، اسے گھر لے آیا، اپنے پاس رکھنے لگا، وہ بیوقوف آدمی دوست کے گھر میں رہنے لگا۔ ایک دن اس کا مالک دوست سویا ہوا تھا اور یہ بیوقوف آدمی محبت میں پنکھا جھل رہا تھا۔ ایک مکھی آئی اور وہ اس سوئے ہوئے بندے کے ناک پر بیٹھ گئی۔ اس بیوقوف آدمی نے اس کو اڑایا پھر آ کے بیٹھ گئی پھر اڑایا پھر آ کے بیٹھ گئی۔ اس طرح کئی بار اس نے اڑایا مگر آ کے بیٹھ جاتی۔ کہاوت ہے، دو جگہ سے مکھی کبھی نہیں ہٹتی، ایک حلوائی کے دکان پر سے نہیں ہٹتی اور ایک کبھی کبھی کسی کے چہرے پر بیٹھ جائے تو نہیں ہٹتی۔ جب اس بیوقوف دوست نے کئی بار اس کو ہٹایا اور مکھی نہ ہٹی تو بیوقوف دوست کو غصہ آیا اس نے کہا اچھا میں ابھی تیری خبر لیتا ہوں۔ چنانچہ ایک بھاری پتھر سامنے پڑا تھا اس نے اٹھایا اور اس کے منہ پر دے مارا۔ اپنے دوست کے دماغ کا کچومر نکال دیا۔

دیکھا آپ نے بیوقوف کی دوستی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اپنی طرف سے تو اس نے مکھی مارا لیکن عقل اتنی نہیں تھی کہ آگے اس کے سر کا کیا بنے گا۔ اس لئے فرمایا بیوقوف سے دوستی کبھی مت کرنا۔ وہ تمہیں اگر فائدہ بھی پہونچانا چاہے گا تو بھی اپنی بیوقوفی سے تمہیں نقصان پہونچا بیٹھے گا۔

(۲) دوسرا تم جھوٹے سے دوستی مت کرنا اس لئے کہ وہ تمہیں ایک لقمے سے بھی کم میں بیچ ڈالے گا۔ اور وہ دور کو قریب اور قریب کو دور بتائے گا جس سے تمہیں صحیح حقیقت کا پتہ نہ چل سکے گا۔ جھوٹا آدمی جب کوئی چیز بیان کرتا ہے تو وہ اس کو اس طرح بیان نہیں کرتا جس طرح وہ ہے بلکہ اس میں کمی وبیشی کرتا ہے جس سے صحیح حقیقت کا پتہ نہیں چلتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ یعنی جھوٹ بولنے سے بچتے رہو۔ جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ معاشرہ میں جھوٹا آدمی بے وقار اور بے اعتماد ہو جاتا ہے۔ اس کی کوئی قدر اور عزت نہیں کرتا۔ جھوٹ تمام فتنہ فساد اور برائیوں کی جڑ ہے، اس لئے قرآن واحادیث میں جھوٹ سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

ایک نوجوان حضور کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور عرض کیا سرکار! مجھ میں چار بری عادتیں ہیں۔ پہلا میں شراب پیتا ہوں، دوسرا میں چوری کرتا ہوں، تیسرا میں بدکاری کرتا ہوں، چوتھا میں جھوٹ بولتا ہوں۔ ان چاروں میں سے جس ایک کو فرمائیں گے میں اسے چھوڑ دوں گا۔ فرمایا جا جھوٹ بولنا چھوڑ دے اس نے حضور کے سامنے پکا عہد کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے اب کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا، یہ عہد کر کے گھر آیا۔

رات ہوئی تو چوری کرنے کے لئے گھر سے نکلا۔ فوراً خیال آیا اگر صبح سرکار نے پوچھ لیا کہ رات میں چوری کی تھی اگر ہاں کہوں گا تو پکڑا جاؤں گا سزا ملے گی اور اگر نا بولوں گا تو یہ جھوٹ ہوگا اور جھوٹ نہ بولنے کا عہد کیا ہے۔ یہ سوچ کر بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ اسی طرح شراب پینے اور بدکاری کرنے کو جی چاہا تو پھر یہی خیال آیا کہ اگر سرکار نے صبح پوچھ لیا کہ شراب پی تھی، بدکاری کی تھی۔ اگر سچ بولوں گا تو سزا ملے گی اور اگر جھوٹ بولوں گا تو یہ وعدہ خلافی ہوگی۔ یہ سوچ کر نوجوان شراب اور بدکاری سے بھی بچ گیا۔ صبح سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا حضور آپ نے نصیحت فرمائی کہ جھوٹ نہ بولنا میں نے جس دن سے جھوٹ بولنا بند کر دیا اور سچ بولنے لگا تو سچ کی برکت سے جھوٹ چھوڑ دینے سے میری تین بری عادتیں خود بخود چھوٹ گئیں۔ یہ سن کر سرکار بے حد خوش ہوئے اور اس نوجوان کو دعائیں دیں، ہاں تو یہ کہہ رہا تھا کہ جھوٹے آدمی سے کبھی دوستی مت کرنا۔

(۳) فاسق آدمی سے دوستی نہ کرنا یعنی جو علی الاعلان کھلے طور پر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس لئے کہ جو اللہ کا نافرمان ہو اور اللہ سے بے وفائی کرتا ہو وہ تجھ سے وفا کیسے کرے گا جو اللہ کا نہ ہوا وہ تیرا کیا ہوگا۔ ایسے انسان پر اعتماد کبھی مت کرنا اور نہ ہی ان سے دوستی رکھنا۔

(۴) فرمایا چوتھا بخیل آدمی سے دوستی مت کرنا اس لئے کہ جب تمہیں سخت ضرورت پڑے گی تو وہ ہاتھ اونچا کر لے گا یعنی نہ دینے کی طرح طرح کے بہانے بتائے گا۔

بخالت بہت بری چیز ہے۔ اللہ اسے بہت ہی ناپسند فرماتا ہے۔ حضور نبی کریم نے فرمایا بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور اور لوگوں سے دور۔ سخی اللہ سے قریب جنت سے قریب اور لوگوں سے قریب۔ اللہ تعالیٰ نے قارون کو بے حساب دولت عطا کی تھی مگر اس نے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کیا۔ کبھی کسی غریب لاچار مجبور اور ضرورت مند کو نہیں دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نصیحت کی اور خوب سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔ اللہ نے اسے اس کی بخالت کی سزا دی اور اس کو مال سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو لوگ مال دولت سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے کل ان کا وہی مال جہنم کے آگ میں تپایا جائے گا اور ان سے ان کے جسموں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یہ تمہارا وہی مال ہے جسے تم دنیا میں راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے تھے اور کنجوسی و بخالت کرتے تھے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بخیل وہ ہے جو خود کھائے اور دوسروں کو نہ کھلائے اور ابخل وہ ہے جو نہ خود کھائے نہ دوسروں کو کھلائے۔ سخاوت یہ ہے کہ خود کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے اور جود یہ ہے کہ خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلاتا رہے۔ میرے آقا کے جود وکرم کا کیا کہنا۔ کوئی بھی سائل آپ کے در سے خالی نہ گیا۔

حضرت مولیٰ علی کوفہ میں جاتے ہیں لوگ کہتے ہیں اے علی حاتم طائی بڑا ہی سخی تھا۔ فرمایا کتنا بڑا سخی تھا، لوگوں نے کہا اتنا بڑا سخی تھا کہ اس کے محل کے دس دروازے تھے۔ ایک ہی سائل دس دروازوں سے بار بار آتا وہ ہر بار عطا کرتا یہ بھی نہ کہتا کہ تو پہلے بھی آیا ہے۔ فرمایا اس کو تم اس کی سخاوت کہتے ہو میں اسے کنجوسی کہوں گا۔ کہا وہ کیسے فرمایا اس

کی ضرورت پوری نہ ہوئی تبھی وہ دس دروازوں پر بار بار آیا۔ ارے میرے نبی نے جس کو
ایک بار دے دیا خدا کی قسم ساری عمر اسے دوبارہ مانگنے کی ضرورت نہ ہوئی۔

(۵) اور پانچواں اس آدمی سے کبھی دوستی مت کرنا جو رشتہ داری کو توڑ دیتا ہو۔ ذرا سی
بات ہوئی تو بولنا چھوڑ دیا۔ رشتہ ناطہ تعلق توڑ لیا۔ تھوڑی سی بات پر رشتہ توڑ دیا ذرا بھی رشتے
کا خیال نہ رکھا۔ ایسے لوگوں سے دوستی مت کرنا، یہ ہماری پانچ نصیحتیں یاد رکھنا۔

اب آیئے اصل بات کی طرف جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ نصیحت کرنا یہ نبیوں
اور ولیوں کا طریقہ ہے۔ حضرت لقمان اللہ کے ولی گزرے ہیں وہ اپنے بچوں کو نصیحتیں
کرتے تھے اور ان کی نصیحتیں اللہ تعالیٰ کو اتنی اچھی لگیں کہ سورۂ لقمان کے نام سے ان کی
نصیحتوں کو قرآن کا حصہ بنا دیا۔ فرمایا بیٹے میں نے چھ ہزار نصیحتوں میں سے صرف چار کو
تمہارے لئے چن لیا ہوں جو تمام نصیحتوں کا نچوڑ ہے۔ بیٹوں نے پوچھا وہ کون کون سی
نصیحتیں ہیں۔ فرمایا چار موقعوں پر چار چیزوں کی حفاظت کرنا۔ (۱) جب تم لوگوں کے
گھروں میں جاؤ تو اپنی آنکھوں کی حفاظت کرنا کیوں کہ گناہ سب سے پہلے آنکھوں کے
راستے سے دل میں داخل ہوتا ہے پھر بعد میں وجود میں آتا ہے۔ (۲) جب لوگوں کی مجلس
میں بیٹھو تو اپنی زبان کی حفاظت کرنا۔ گالی گلوچ غیبت چغلی اور دوسرے تمام برائیوں سے
بچنا۔ (۳) جب کھانے بیٹھو تو اپنے معدہ کی حفاظت کرنا کیوں کہ تندرستی کا راز کم کھانے
میں ہے۔ معدہ تمام بیماریوں کی جڑ ہے اس لئے اس کو تھوڑا خالی رکھنا۔ (۴) چوتھی اور آخری
بات یہ کہ جب نماز کا وقت ہو تو اپنے دل کی حفاظت کرنا یعنی خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ
سے نماز پڑھنا۔ فرمایا بیٹا! دو چیزوں کو کبھی نہ بھولنا۔ ایک اپنے رب کو کبھی نہ بھولنا اور دوسرا
اپنی موت کو کبھی نہ بھولنا۔

حضرات محترم! جو بھی بزرگانِ دین کی نصیحتوں پر عمل کرے گا اللہ اسے اپنا مقبول
ومحبوب بندہ بنالے گا۔ نصیحت اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی سب سے پسندیدہ عمل ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا۔ حضرت گناہ کرتا
ہوں چھوڑ نہیں سکتا۔ اللہ سے ڈر بھی لگتا ہے تو میں کیا کروں مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ فرمایا

جب تو کوئی گناہ کرے تو خدا کا رزق کھانا چھوڑ دے۔ اس نے کہا یہ تو بہت مشکل ہے کہ
رزاق تو وہی ہے پھر میں کھاؤں کہاں سے۔ فرمایا تو یہ کب مناسب ہے کہ تو اس کا دیا ہو
رزق کھائے اور اسی کی نافرمانی کرے۔ دوسرے یہ کہ اگر تو گناہ کرنا چاہے تو تو اس کے
ملک اور زمین سے نکل جا اور کوئی دوسرا ملک اور زمین تلاش کر۔ اس نے کہا تمام ملک اور
زمین اسی کا ہے پھر میں کہاں جاؤں۔ فرمایا یہ تو بہت بری بات ہے کہ جس کے ملک میں رہو
اس کی بغاوت کرنے لگو۔ تیسری بات یہ کہ جب تو کوئی گناہ کرے تو ایسی جگہ تلاش کر کہ
جہاں وہ تجھے نہ دیکھے۔ اس نے کہا یہ تو بہت ہی مشکل ہے اس لئے کہ وہ تو دلوں کا بھید بھی
جانتا ہے۔ اس کی نظروں سے کچھ بھی ڈھکا چھپا نہیں۔ فرمایا تو یہ کب مناسب ہے کہ تو اس کا
دیا ہوا رزق کھائے اور اسی کے ملک میں رہے اور اس کے سامنے گناہ کرے۔ چوتھے یہ کہ
ملک الموت جب تیری روح نکالنے آئے تو اسے کہنا کہ ذرا ٹھہر میں توبہ کرلوں۔ اس نے کہا
جب زندگی پوری ہو جائے گی تو وہ مہلت کب دیتا ہے۔ وہ تو اسی سانس میں روح قبض
کرنے کا حکم دیتا ہے جس سانس میں لکھا ہے وہ تو سانس لینے کی بھی مہلت نہیں دیتا۔ فرمایا تو
یہ مناسب ہے کہ اس کے آنے سے پہلے، روح نکلنے سے پہلے ہر برے کام اور گناہوں
سے توبہ کرلے اور پانچویں بات یہ کہ قیامت کے دن جب حکم ہو کہ اسے دوزخ میں لے
جاؤ تو کہنا میں نہیں جاتا۔ کہا کہ وہ لے جائیں گے۔ فرمایا تو اب خود ہی سوچ لے کہ کیا گناہ
تجھے زیب دیتا ہے۔

یہ نصیحت سن کر وہ شخص قدموں میں گرا اور سچے دل سے توبہ کرلیا۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ
نے نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔ نصیحت سے تاریک دلوں کو روشنی ملتی ہے۔
نصیحت سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو صحیح منزل کا پتہ ملتا ہے۔ نصیحت سے آدمی انسان بن جاتا
ہے، اس میں انسانیت آجاتی ہے۔ نصیحت سے سرکشی اور بغاوت کرنے والا اللہ رب
العزت کا فرماں بردار بندہ بن جاتا ہے۔ نصیحت سے دلوں کا کایا پلٹ جاتی ہے، زندگی میں
انقلاب آجاتا ہے۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نوجوان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے نوجوان

تمہاری جوانی کہیں تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ کتنے نوجوان ایسے تھے جنھوں نے کہا کھاؤ پیو عیش کرو بعد میں توبہ کرلیں گے۔ یہ کہہ کر مال دنیا سمیٹنے میں لگے رہے۔ موت کو بھول گئے، ناجائز اور حرام مال جمع کیا۔ اپنے امیدوں کو طول دیا اور کہتے رہے کہ کل توبہ کرلیں حتی کہ وہ غفلت میں رہ گئے۔ موت کا فرشتہ آ گیا اور وہ اندھیری قبر میں جا سوئے۔ نہ مال نے ان کا ساتھ دیا نہ بیوی بچے ان کے کام آئے، جس کے لئے انھوں نے اپنی آخرت کو تباہ و برباد کیا تھا۔ ان میں سے کسی نے کوئی فائدہ نہ دیا۔ اللہ فرماتا ہے: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۔ اس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹا مگر وہ جو اللہ کے حضور سلامت والا دل لے کر حاضر ہوا۔

دوستو! اچھا دوست وہی ہے جو نصیحت کی باتیں کرتا رہے۔ جو آپ کے آخرت کی بھلائی چاہے جو برائیوں سے آپ کو روکے اور نیکیوں کی دعوت دے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔ بنوامیہ کے آخری خلیفہ ہیں۔ اللہ کے ولی ہیں۔ اسلام کے پہلے مجدد ہیں۔ بڑے بلند پایہ بزرگ اور عالم دین ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کی بیٹیاں عید سے ایک دن پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں ابا جان! کل عید کا دن ہے ہم کون سے کپڑے پہنیں گے۔ آپ نے فرمایا یہی کپڑے جو تم نے پہن رکھا ہے انہیں دھوکر آج صاف کرلو اور کل عید کے دن پہن لینا۔ بیٹیاں مچل گئیں اور ضد کرتے ہوئے کہا نہیں آپ ہمارے لئے نئے کپڑے بنوا دیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا میری بیٹیو! عید کا دن اللہ کی اور اس کا شکر ادا کرنے کا دن ہے نئے کپڑے پہننا ضروری تو نہیں۔ بیٹیوں نے عرض کیا کہ آپ کی بات صحیح اور درست ہے لیکن ہماری سہیلیاں اور دوسری لڑکیاں ہمیں طعنہ دیں گی کہ تم بادشاہ کی بیٹیاں اور امیر المومنین کی لڑکیاں اور اس کپڑے سے عید منا رہی ہو۔ یہ کہتے ہوئے بیٹیوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بیٹیوں کی باتیں سن کر آپ کا دل بھر آیا اور آنکھیں چھلک پڑیں۔ آپ نے وزیر خزانہ کو بلایا اور فرمایا مجھے میری ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دو۔ وزیر بڑا ہی نیک اور پرہیزگار تھا۔ عرض کیا حضور کیا! آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک ماہ تک زندہ

رہیں گے۔ فرمایا جزاک اللہ! تو نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ تو نے بہت عمدہ نصیحت کی۔ پھر آپ نے اپنی بیٹیوں سے فرمایا میری پیاری بیٹیو! اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور خوشنودی پر اپنی آرزو و خوشی قربان کردو۔ کوئی شخص اس وقت تک جنت کا حقدار نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنی رضا کو اپنے مولیٰ کی رضا پر قربان نہ کردے۔

دوستو! اب تک جو واقعات اور روایات آپ حضرات نے سنا اس میں ہمارے لئے بے شمار ہدایتوں کے چراغ روشن ہیں جس سے ہمیں عبرت و نصیحت ملتی ہے۔ سوچو! عمر بن عبد العزیز امیر المومنین اور مسلمانوں کے بادشاہ تھے جو چاہتے خرچ کرسکتے تھے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے کہ وہ اللہ سے ڈرتے تھے کہ ایک دن ہم کو مرنا ہے اور اللہ کے حضور حاضر ہوکر ذرے ذرے کا اور ایک ایک پیسے کا حساب دینا ہے لیکن آج ہمارا حال اس کے برعکس ہے ہم پر غفلت طاری ہے۔ دنیا میں ہم ایسے جی رہے ہیں جیسے ہمیں مرنا ہی نہیں ہے۔

یاد رکھ ہر آن آخر موت ہے
مت تو بن انجان آخر موت ہے
بارہا علمی تجھے سمجھا چکا
مان یا نہ مان آخر موت ہے

آؤ نصیحت کا فیضان دیکھو، نصیحت کی تاثیر دیکھو۔ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔ اب ذرا غور کرو ایک گناہ کبیرہ جس کے بارے میں اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا۔ تم اس کے قریب ہی نہ جاؤ۔ کرنے کی تو دور کی بات رہی، اسلام نے ان چیزوں کے قریب جانے سے بھی روکا ہے جن کے پاس جانے سے جذبات بھڑکتے ہوں۔ شہوات ابھرتے ہوں اور گناہ سرزد ہونے کا امکان ہو۔ میوزک، موسیقی، گانا باجا، بلیو فلمیں اور تمام آلات گناہ سے روکا ہے۔ ہاں تو وہ نوجوان آکر کہنے لگا کہ مجھے زنا کی اجازت دیجیے۔ نبی رحمت کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو جوتا اٹھا کر سر میں مارتا اور کہتا تو یہ کیا بکتا ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی جا چلا جا یہاں سے۔ مگر اللہ کے رسول نے کچھ ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی اور نہ ہی اس کو جھڑک کر بھگایا

بلکہ آپ اس کے قریب گئے اور نہایت ناصحانہ انداز میں اس سے پوچھا اے نوجوان کیا تو پسند کرے گا کہ تیری ماں کے ساتھ کوئی یہ عمل کرے، عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری بیٹی کے ساتھ کوئی یہ عمل کرے، عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا تم راضی ہو کہ تمہاری بہن کے ساتھ کوئی یہ عمل کرے، عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری بیوی کے ساتھ کوئی یہ حرکت کرے، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نہیں نہیں۔ فرمایا تم جس کے ساتھ زنا کرو گے وہ کسی کی ماں ہوگی، کسی کی بیٹی ہوگی کسی کی بہن ہوگی، کسی کی بیوی ہوگی۔ جس طرح تم اپنی ماں بہن بیٹی کے ساتھ ایسی ذلیل حرکت پسند نہیں کرتے لوگ بھی اپنی ماؤں اور بہنوں کے ساتھ یہ پسند نہیں کرتے۔

دوستو! میرے آقا نے اس نوجوان کو نصیحت فرمائی اور پھر آپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا کی۔ مولیٰ اس نوجوان کو گناہِ کبیرہ سے بچا۔ اس کے سینے میں زنا سے نفرت ڈال دے۔ نوجوان کہتا ہے کہ رحمت والے آقا نے دعا کی بس میرے سینے میں ایسی ٹھنڈک پڑ گئی کہ جتنی نفرت مجھے زنا سے ہوگئی کسی اور گناہ سے اتنی نفرت نہیں تھی۔ یہ آقا کے نصیحت کی برکت تھی کہ اس کے بعد زندگی میں کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ آقا کے نصیحت کی تاثیر تھی کہ اس نوجوان کی زندگی سے ہر برائی کا خاتمہ ہوگیا۔ سچ فرمایا اللہ نے **فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ المومنین**۔ نصیحت ایمان والوں کو ہی فائدہ دیتی ہے۔

آیئے اس سلسلے کی آخری کڑی سماعت فرمایئے۔ نصیحت کی برکتیں دیکھئے کہتے ہیں کہ ایک نوجوان صحابی تھے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ جس کھجور کو پسند کرتے تو اس درخت پر چڑھ جاتے اور کھجوروں کے خوشے توڑ کر کھاتے تھے۔ ایک دن ان کو کسی بندے نے پکڑ لیا اور حضور کے پاس لے آئے۔ وہ صحابی گھبرا گئے کہ نا معلوم آج میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا جیسے جیسے وہ حضور کے قریب آئے بدن سے پسینے چھوٹنے لگے۔ پکڑ کر لانے والے آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ نوجوان بلا اجازت میرے کھجور کا پھل توڑتا ہے۔ نبی کریم نے یہ سنا تو محبت سے اسے قریب بلایا۔ غصہ نہیں فرمایا، لعن طعن نہیں کیا، ملامت نہیں کی، ڈانٹ ڈپٹ نہیں کیا، پوچھا تم ایسا کیوں کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا، سرکار مجھے بھوک لگی

ہوتی ہے۔ فرمایا دیکھو جو کھجوریں، نیچے گری ہوتی ہیں، اس میں اذن عام ہوتا ہے، چھوٹ دی گئی ہے، وہ بے شک اٹھا کر کھا لیا کرو مگر جو درخت پر لگی ہوتی ہے وہ مالک کی اجازت کے بغیر نہیں لے سکتے۔ نوجوان کہتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مجھے مسئلہ سمجھایا، نصیحت فرمائی تو میرے سمجھ میں خوب اچھی طرح آ گئی اس کے بعد آقا علیہ السلام نے مجھے دعا دی۔ اے اللہ اس کے رزق کو وسیع کر دے اور اس کی بھوک مٹا دے۔ وہ صحابی کہتے ہیں خدا کی قسم! دعا مانگنا ہی تھا کہ میرے دل میں ایسی ٹھنڈک ہوگئی کہ اس کے بعد میں نے کبھی کسی چیز کو بلا اجازت استعمال نہیں کی۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔

دوستو! یہ میرے آقا کا عبرت سے بھرپور نصیحت کا اثر ہے۔ اس کی برکت ہے کہ تاریک دلوں میں ہدایت کا چراغ جل اٹھا۔ لوگوں کی زندگی سنور گئی۔ زندگی سے ہر برائی کا خاتمہ ہوگیا۔ لوگوں کو راز زندگی سمجھ میں آ گئی۔ معرفتِ الٰہی کا نور حاصل ہوگیا، وہ دنیا کے امام بن گئے۔ یہ میرے نبی کی نصیحت و دعوت کا فیضان تھا کہ:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

●●●

لاکھوں سلام

مصطفیٰ نور مجسم آپ پر لاکھوں سلام
جانِ عالم فخر آدم آپ پر لاکھوں سلام

یوں ہی لہراتارہے گا عرش اعظم پہ صدا
آپ کی عظمت کا پرچم آپ پہ لاکھوں سلام

آپ کی نظر عنایت جس طرف بھی اٹھ گئی
ہوگیا شعلہ بھی شبنم آپ پہ لاکھوں سلام

آپ کا چہرہ نظر کے سامنے لب پر درود
اور نکل جائے مرا دم آپ پہ لاکھوں سلام

آپ کے صدقے میں آقا حشر کے میدان میں
بخشے جائیں گے سبھی ہم آپ پر لاکھوں سلام

○○○

تحمل مزاجی (قوت برداشت)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور تحمل والا ہے۔

حضرات! آج میری تقریر کا موضوع ہے تحمل مزاجی۔ آیئے سب سے پہلے یہ معلوم کریں کہ تحمل مزاجی کسے کہتے ہیں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی کی تکلیف اور ایذا پر صبر کرلینا۔ اسے برداشت کرلینا یہ تحمل مزاجی کہلاتا ہے۔ انسان کے اندر جذبۂ انتقام بھی ہوتا ہے اس کے باوجود اگر وہ اپنے نفس کو قابو میں کرلے۔ اپنے آپ کو تھام لے اور اس بندے کو معاف کردے تو اس کو تحمل مزاجی کہتے ہیں۔ آج اگر کوئی ہمیں ایسی بات کہہ دیتا ہے جو ہماری شان کے خلاف ہوتی ہے تو جلدی سے ہم ہیٹر کی طرح گرم ہوجاتے ہیں۔ برداشت نہیں کرپاتے ہیں، آگ کی طرح بھڑک اٹھتے ہیں۔ صبر وتحمل کا دامن چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ تحمل مزاجی برداشت کرنا یہ انسان کا بہت بڑا جوہر ہے۔ اگر کوئی آدمی ہمیں کوئی ایسی بات کہے جسے سن کر ہم برداشت نہ کرسکیں تو یہ ہماری بہت بڑی کمزوری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔ تحمل مزاجی اور برداشت سے کام لے۔

روایت میں ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی۔ ایک دن اس نے اپنے آقا ابودرداء سے کہا کہ میں آپ کو ایک برس سے مسلسل زہر دے رہی ہوں مگر آپ پر زہر کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ حضرت ابودرداء نے پوچھا کہ کیوں زہر دیتی تھی اور کیا چاہتی تھی۔ لونڈی کہنے لگی تاکہ آپ مرجائیں اور میں آزاد ہوجاؤں۔ فرمایا جا میں نے تجھ کو اللہ کے لئے آزاد کردیا۔

دوستو! یہ تھا ہمارے بزرگوں کا تحمل، آپ چاہتے تو اس کی گردن اڑا دیتے مگر آپ

نے اس کو معاف کر دیا اور آزاد بھی کر دیا اور ایک ہمارا مزاج ہے اگر کوئی ہمارے ساتھ ایسا سلوک کرے تو ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک لونڈی تھی، ایک دن آپ کے پاس ایک مہمان آیا، لونڈی کو حکم دیا کہ کھانا دسترخوان پر لگایا جائے۔ آپ مہمان کو لے کر کھانا کے لئے دسترخوان پر بیٹھے تو لونڈی کھانا لے کر آئی۔ اس کے ہاتھ میں طباق (تھالی) تھا۔ اس کا پاؤں پھسلا طباق ہاتھ سے چھوٹ گیا اور گرم گرم شوربا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے سر پر پڑا۔ سارے کپڑے خراب ہو گئے۔ آپ نے لونڈی کی طرف غصے میں دیکھا۔ لونڈی نے کہا **وَالکاظمین الغیظ** جو لوگ غصہ پی جاتے ہیں۔ فرمایا جا میں غصہ پی گیا۔ لونڈی نے کہا **والعافین عن الناس** اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ فرمایا جا میں نے معاف کر دیا۔ لونڈی نے کہا **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ**۔ اللہ معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ فرمایا جا میں نے تجھے اللہ کے لئے آزاد کر دیا۔

دوستوں سوچو! یہ ہمارے بزرگوں کا تحمل تھا۔ یہ ان کے برداشت اور صبر وضبط کا حال تھا اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر اپنے ماتحتوں سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے یا بیوی سے کھانے میں نمک زیادہ ہو جائے، یا کھانے کا ذائقہ بدمزہ ہو جائے تو ہم اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے جب تک بیوی بچوں کو محرم کے ڈھول کی طرح نہ بجالیں جب کہ بیوی کوئی گھر کی لونڈی یا نوکرانی نہیں بلکہ وہ بھی ہماری ہی طرح آزاد ہے۔ کپڑا دھونا، کھانا بنانا، گھر میں جھاڑو پوتا لگانا، بچوں کو پالنا یہ سب کام اس کے دینی فرائض میں نہیں بلکہ اخلاقی فرائض میں شامل ہے پھر بھی ہم نہیں سوچتے جس طرح ہم سے ہزاروں غلطیاں ہو جاتی ہیں وہ بھی اللہ کی بندی ہے اس سے بھی بھول چوک غلطی ہو سکتی ہے۔

ہمارا رب کتنا علیم اور حلیم ہے کہ بندہ گناہ کئے جاتا ہے مگر اللہ اس کا رزق بند نہیں کرتا۔ اگر رزق بند کر دیا جاتا تو کیا ہوتا مگر گناہ کرنے کے باوجود بھی اللہ اس کو رزق دیئے جاتا ہے۔ یہ رب کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ہم جسم سے کپڑا اتار کر گناہ کرتے ہیں۔ اللہ دوبارہ اس جسم پہ کپڑا لوٹا دیتا ہے۔ ہم گھر سے باہر نکل کر گناہ کرتے ہیں اللہ پھر ہمیں واپس

سلامتی کے ساتھ اپنے گھروں میں لوٹا دیتا ہے۔ ہمارا رب کتنا رحیم وکریم اور حلیم ہے۔ خاکساری، عاجزی، تحمل مزاجی، صبر وضبط ہمارے بزرگان دین کا شیوہ رہا ہے۔

حکایت میں ہے کہ ایک بزرگ کی کسی نے دعوت کی اور اپنے گھر لے گیا۔ وہاں پہونچ کر کہا کہ ابھی کھانا تیار نہیں ہے جایئے تھوڑی دیر بعد تشریف لایئے، وہ لوٹ آئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر بلانے آیا اور کہا چلئے کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے جب وہ بزرگ دوسری بار آئے تو کہا ذرا تھوڑی دیر بعد آنا ابھی کچھ کسر ہے۔ غرضیکہ ان بزرگ کو اس نے دس بار دوڑایا مگر ان کے پیشانی پر ذرا بھی بل نہ آیا۔ ہر بار خندہ پیشانی سے آتے اور جاتے رہے اور حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے کہ کھانے کے لئے آپ مجھے اتنا کیوں دوڑا رہے ہو۔ اس شخص نے کہا حضرت معاف کرنا میں نے یہ گستاخی اور تکلیف صرف آپ کا امتحان لینے کے لئے کیا تھا کہ دیکھوں آپ کے اندر تحمل مزاجی کتنا ہے۔ فرمایا کوئی بات نہیں میرے اندر جو خصلت ہے ہر کتے میں یہ عادت اور خصلت موجود ہے۔ نفس کتا ہے، اس کو کھانا دکھاؤ گے تو فوراً چلا آئے گا اور جب جھڑک دو گے چلا جائے گا۔

اللہ اللہ! یہ تھا ہمارے بزرگوں کا تحمل مزاجی اور ایک ہم ہیں کہ نفسانیت دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، دل علم اور حلم سے خالی ہے۔ بردباری، خاکساری، عاجزی، انکساری صبر وضبط اور تحمل مزاجی بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے برائی کا دفاع اچھائی سے کرنے کی تعلیم دی اور ہمیں حکم دیا کہ ہم برائی کا جواب اچھائی ہی سے دیں۔ فرمایا **اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ**۔ تم ہر برائی کا جواب اچھائی کے ساتھ دو۔ لوگ اگر تمہارے ساتھ برائی کا معاملہ کرتے ہیں تو تم ان کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو، صبر وضبط اور تحمل سے کام لو۔

ایک آدمی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بہت بدتمیزی کا معاملہ کر رہا تھا اور وہ آپ کو گالیاں دے رہا تھا۔ آپ کی بڑی بے ادبی و گستاخی کر رہا تھا اور آپ اس کو دعائیں دے رہے تھے۔ دیکھنے والوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ لوگوں نے کہا حضرت یہ آدمی آپ کے ساتھ ایسا برا معاملہ کر رہا ہے۔ آپ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے اور آپ پھر بھی اسے دعا دے

رہے ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ مَا فِیْہِ۔ ہر برتن میں سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس میں موجود ہوتی ہے۔اس میں شر اور فساد بھرا ہوا ہے اس لئے شر اور برائی نکل رہا تھا اور میرے اندر اللہ رب العزت نے خیر اور بھلائی ڈالی ہے اس لئے میرے اندر سے خیر اور بھلائی نکل رہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ شریعت نے ہمیں یہ قانون بتایا ہے اگر تمہارے ساتھ کوئی برائی بھی کرے تو تم اس کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو۔اس لئے کہ اگر کوئی بندہ ناپاک کپڑا دھونا چاہے تو وہ پیشاب سے کبھی بھی پاک نہیں ہوگا بلکہ ناپاک کپڑا دھونے کے لئے پاک پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ برائی کے بدلے میں اچھائی کا معاملہ کرتے ہیں تو ان کا ٹھکانا جنت الفردوس ہے۔

اگر کوئی بندہ برائی کا بدلہ انتقام سے لینا چاہے تو شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے مگر کتنی؟ جتنی برائی کی گئی ہے۔ہم اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دے سکتے۔بہت سے ہمارے بھائی ہیں جو طیش میں آجاتے ہیں۔جوش میں ہوش کھو دیتے ہیں۔دماغی بیلنس کھو دیتے ہیں۔آپے سے باہر ہوجاتے ہیں۔تحمل برداشت نہیں کر پاتے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہیں اور بڑے غرور سے کہتے ہیں کہ دیکھو میں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔

دوستو! ہم اس نبی کے امتی ہیں جس نے طائف میں پتھر کھائے مگر پتھروں سے نہیں بلکہ دعاؤں سے نوازا۔فتح مکہ کے دن اپنے جانی دشمنوں پہ قابو پا کے بھی انہیں کچھ نہیں کہا۔صبر وضبط اور تحمل سے کام لیا،ان پر رحمتوں کے پھول برسائے جنھوں نے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو خوب ستایا تھا،ظلم کیا تھا۔دہکتے ہوئے کوئلوں اور انگاروں پہ لٹایا تھا،وطن سے بے وطن کیا تھا۔فتح مکہ کے دن آپ اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے تھے۔تمام مظالم کا بدلہ لے سکتے تھے مگر آپ نے اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیا بلکہ محبت سے،پیار سے،شفقت سے اور عفو ودرگزر سے دیا۔ہمیں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں بلکہ محبت سے دینا چاہیے کیوں کہ نفرت کو نفرت سے نہیں محبت سے دور کیا جاسکتا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کی مبارک زندگی میں عفو ودرگزر، پیار شفقت،محبت انسانی شرافت،سمانتا،مانوتہ،صبر وتحمل اور دوسروں کو معاف کرنے کی ایسی ہزاروں مثالیں ملتی

ہیں۔تاریخ انسانیت میں کسی نے دوسروں کے غلطیوں کو اتنا معاف نہیں کیا جتنا رسول اللہ ﷺ نے معاف کیا۔آقا کا یہ عمل پوری انسانی برادری کے لئے باعث تقلید ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ انسان کو قوت برداشت کا سب سے زیادہ مظاہرہ اپنے قریب والوں کے ساتھ ہوتا ہے،بیوی بچوں کے ساتھ ہوتا ہے،ماتحتوں کے ساتھ ہوتا ہے، نوکروں اور خادموں کے ساتھ ہوتا ہے۔آقا علیہ السلام کی مبارک زندگی دیکھیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بچپن میں سرکار کی خدمت میں آیا اور دس سال تک خدمت میں رہا۔ ان دس سالوں میں آقا علیہ السلام نے نہ تو مجھے کبھی مارا نہ مجھے کبھی ڈانٹا اور نہ ہی مجھے کبھی دھمکایا۔

اس کے برعکس آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم ہر روز اپنے ماتحتوں کو،اپنے بیوی بچوں کو ایسی تیز نظروں سے دیکھتے ہیں کہ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ان کو روئے زمین کے بجائے زیر زمین بھیج دیتے۔آج جو جتنا زیادہ قریبی ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ ہم اس کے ساتھ غصے سے پیش آتے ہیں۔ہم غصہ ہونا برا سمجھتے ہی نہیں۔شیطان نے آج کے دور میں گناہوں کو نیا خوبصورت نام دے دیا ہے۔چنانچہ غیبت اور چغلی کا نام گپ شپ رکھ دیا ہے۔جھوٹ کا نام بہانہ رکھ دیا ہے حتی کہ جھوٹ بلوانے کے لئے اپریل فول کے نام سے ایک پروگرام بنالیا ہے۔بے ایمانی کا نام ہوشیاری رکھ دیا ہے۔عریانیت اور ننگا پن کا نام فیشن اور ترقی رکھ دیا ہے۔رشوت کا نام ڈونیشن رکھ دیا ہے اور تمام برائیوں کا نام خوبصورت اس لئے رکھ دیا کہ گناہوں سے انسانوں کو نفرت نہ ہو اسی طرح غصے کا نام جلال رکھ دیا۔ حضرت کو غصہ آیا کہنے لگے بڑی جلالی طبیعت ہے۔کیا ہی خوبصورت نام رکھ دیا تاکہ یہ گناہ چھوٹنے نہ پائے۔سرکار نے بھی اصلاح فرمائی مگر جلال سے نہیں بلکہ جمال سے،پیار سے ،محبت سے،شفقت سے،صبر وتحمل سے کام لیا اور ایک ایک برائی کو دل سے ہمیشہ کے لئے ختم کر کے رکھ دیا۔

آیئے سرکار کی عملی زندگی کو آئیڈیل بنائیں۔ان کی تعلیمات اور سنتوں پر عمل کریں یقین جانئے ان کی پیروی میں جنت ہے،ان کی فرماں برداری میں رضائے مولیٰ ہے،ان کی تعلیمات پر چلنے میں راحت ہے سکون ہے جنت ہے۔حضور اکرم نور مجسم ﷺ

فرماتے ہیں اے لوگو! تم اپنے گھر والوں کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور سلوک کرو۔ان کے ساتھ پیار ومحبت اور شفقت سے پیش آؤ۔تم میں سب سے بہترین وہ انسان ہے جس کا سلوک اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اچھا ہو اور میں تم میں سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔

ایک مرتبہ حضور اکرم نور مجسم ﷺ باہر سے اپنے کاشانۂ نبوت میں تشریف لائے۔ سخت گرمی کا زمانہ تھا، اس وقت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا گلاس میں شربت پی رہی تھیں۔آقا نے آتے ہی دور سے دیکھا تو فرمایا اے عائشہ تھوڑا میرے لئے بھی رکھنا پھر جب آپ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہونچے تو فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ اس برتن میں تم نے کہاں سے منھ لگا کر پیا ہے۔راوی کہتا ہے کہ جہاں ماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے منھ لگایا تھا اسی جگہ حضور ﷺ نے منھ لگا کر شربت نوش فرمایا۔

غور کرو! خاوند کے اس طرز عمل سے بیوی کتنی خوش ہوگی اور وہ اپنے شوہر سے کس درجہ محبت کرے گی جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔جو اپنی بیوی بچوں سے اس طرح محبت سے پیش آئے گا اس کی زندگی کو کتنی خوشیاں ہوں گی، اندازہ لگاؤ۔یقیناً اس کا گھر جنت کا نمونہ ہوگا۔

خوش مزاجی سے رہنا، تکالیف پر صبر وضبط تحمل اور برداشت کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی ہمیشہ خوش رہتا ہے اور جس میں تحمل مزاجی، صبر وضبط اور برداشت کا مادہ کم ہو وہ ہر وقت ٹینشن میں رہتا ہے۔مرد ہے تو کبھی عورت پہ غصہ، عورت ہے تو مرد پہ غصہ، کبھی بچوں پہ غصہ، کبھی ساس پہ غصہ، کبھی نندوں پر غصہ، کبھی پڑوسیوں پہ غصہ، کبھی اپنی بہنوں پہ غصہ اور اگر مرد ہے تو ماتحتوں پہ غصہ، دوستوں پر غصہ، بیوی پر غصہ، بچوں پر غصہ، ہر وقت ٹینشن میں۔اس لئے قوت برداشت بہت ضروری ہے ورنہ انسان دنیا میں کامیاب زندگی نہیں گزار سکتا اسے شکوے ہی شکوے ہوں گے۔الجھن ہی الجھن ہوگی، ٹینشن ہی ٹینشن ہوگی۔

آج تقریباً ہر گھر کا معاملہ قوت برداشت صبر وضبط نہ ہونے کی وجہ سے الجھا ہوا ہے۔ سب کو ذرا ذرا سی بات پر جلال دکھانے کی عادت ہوگئی ہے۔تھوڑی تھوڑی باتوں پر بپھر

جاتے ہیں، بھڑک اٹھتے ہیں، آپے میں نہیں رہتے۔خاوند اپنی بیوی کو معمولی سی بات پر طلاق کی دھمکی دے دیتا ہے۔بیوی بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضد کرتی ہے۔آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ الجھے رہتے ہیں اور پھر ہم سمجھتے ہیں کہ ہم سے بڑا کوئی دین دار نہیں۔ حضور ﷺ کی مبارک زندگی ہمارے سامنے ہے۔اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم اپنے اندر کتنا عفو و درگزر صبر وضبط اور تحمل و برداشت کی طاقت رکھتے ہیں۔معمولی غلطی پر متنفر ہو جانا اور دوریاں پیدا کر لینا۔دعا و سلام بند کر دینا آج کل یہ عام سی عادت بن گئی ہے۔اللہ کے بندو! فرشتے کہاں سے لاؤں گے انہیں انسانوں کے ساتھ مل کر رہنا ہے۔ایک تھوڑی سی غلطی کی وجہ سے ہم اس بندے کی تمام خوبیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔خاوند کی ایک غلطی پر بیوی ایسے معاملہ کرتی ہے جیسے اس نے اس کے پاس خیر دیکھی ہی نہیں۔بیوی کی معمولی غلطی پر خاوند اسے سمجھتا ہے کہ اس سے بری عورت دنیا میں کوئی اور ہے ہی نہیں۔یہ کیا ہے کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں۔آج انسانیت کم ہے، حیوانیت زیادہ ہے۔خلوص کم ہے، نفسانیت زیادہ ہے۔حیاء کم ہے، عریانیت زیادہ ہے۔محبت کم ہے نفرت زیادہ ہے۔ اخلاق کم ہے، بداخلاقی زیادہ ہے۔ہمیں اپنے اندر اخلاق پیدا کرنا ہے۔ہر کسی سے سمانتا اور مانوتہ سے پیش آنا ہے۔صبر وضبط اور تحمل سے کام لینا ہے۔ہمیں اندر باہر ایک دوسرے کو سمجھ کر جینے کا ماحول بنانا ہے۔ہمیں ایک دوسرے کی غلطیوں کو درگزر کرنا ہے تاکہ اللہ اس کے بدلے قیامت کے دن ہماری غلطیوں کو معاف کردے۔حدیث پاک میں ہے کہ جو انسان دنیا میں دوسروں کے قصور اور غلطیوں کو معاف کرتا ہے تو اللہ قیامت کے دن اس کے قصور اور غلطیوں کو معاف فرمادے گا۔

ایک بزرگ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی کی بیوی سے کوئی نقصان ہو گیا۔وہ نقصان اتنا بڑا تھا کہ اگر وہ چاہتا تو سزا دیتا لیکن اس نے دیکھا کہ بیوی بہت شرمندہ ہے۔ اپنے کئے پر پچھتا رہی ہے۔خاوند یہ دیکھ کر سوچنے لگا، کوئی بات نہیں یہ نقصان تو مجھ سے بھی ہوسکتا تھا۔چلو میں نے معاف کر دیا۔بیوی کی غلطی سے نقصان پر ذرا بھی شکن پیشانی پر نہیں لایا اور حسن سلوک سے پیش آیا۔کچھ عرصہ بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا۔خواب میں کسی

نے اس کو دیکھا تو پوچھا بتا وَمَا فَعَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِکَ۔ اللہ نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ کہنے لگا جب اللہ کے حضور میری پیشی ہوئی تو اللہ نے فرمایا اے میرے بندے! فلاں موقع پر تم نے اپنی بیوی کو میری بندی سمجھ کر اس کی غلطی کو معاف کیا تھا۔ میرے بندی کے ساتھ حسن سلوک کیا تیری یہ ادا مجھے بہت پسند آئی۔ آج میں بھی تجھے اپنا بندہ سمجھ کر معاف کرتا ہوں۔ جا میری بنائی ہوئی جنت میں میرے فضل سے داخل ہو جا۔ (سبحان اللہ)

دوستو! آج اگر ہم اسلامی تعلیمات پر عمل کریں تو ہمارا گھر ہمارا ماحول ہمارا سماج اور معاشرہ امن کا، محبت کا، خوشیوں کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ آج اگر ہم کسی کو سمجھائیں کہ اللہ کے بندو! تم گھروں میں حسن اخلاق سے رہو۔ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ محبت سے پیش آؤ اور وہ گھر میں حسن اخلاق سے رہنا شروع کردے۔ بیوی بچوں کے ساتھ پیار ومحبت سے زندگی گزارنے لگے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو بیوی کا غلام بن گیا ہے۔ یاد رکھو! یہ سب بیکار کی باتیں ہیں اگر گھر میں حسن اخلاق اور پیار ومحبت سے رہنے کو زن مرید کہتے ہیں تو اس کا حکم پروردگار نے دیا ہے۔ فرمایا: وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ اے لوگو! اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اچھی طرح سے زندگی گزارو، جابر بن کر نہیں۔ قاہر بن کر نہیں، ظالم بن کر نہیں بلکہ شفیق بن کر رفیق بن کر، رقیق بن کر حسن اخلاق کی زندگی گزارو۔ بیوی بچوں اور گھر والوں کے ساتھ پیار ومحبت سے رہو۔ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھو، اگر محبت کے ساتھ زندگی گزارنے کا نام زن مریدی ہے تو بات کہاں سے کہاں تک چلی جائے گی۔

زن مریدی اسے کہتے ہیں کہ بیوی خلاف شریعت بات کہے اور خاوند شریعت کی باتوں کو چھوڑ کر بیوی کی بات مان لے اور اس پر عمل کرے اور اگر کسی نے شریعت کے حدود اور دائرے میں رہتے ہوئے بیوی کی بات کو قبول کر لیا یا اس کی بات مان لی یا اس کے ساتھ نرمی ومحبت کا سلوک کر رہا ہے تو اس کو زن مرید نہیں کہتے وہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے والا ہے وہ تو وَعَاشِرُوْھُنَّ بالمعروف پر عمل کر رہا ہے۔

عزیزانِ محترم! ہمیں چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی اور نرمی کریں کوئی ہمارے ساتھ برائی بھی کرے تو بھی ہم اس کے ساتھ اچھائی ہی کریں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں

کہ ہم اچھوں کے لئے اچھے ہیں بروں کے لئے برے ہیں ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ یہ تو تجارت ہے، اس کو اخلاق نہیں کہتے۔ ہم مسلمان ہیں اور بحیثیت مسلمان ہمیں اچھوں کے ساتھ تو اچھا ہی رہنا ہے اور جو اچھے نہیں ہیں ان کے ساتھ بھی ہمیں اچھا ہی معاملہ کرنا ہے یہی مسلمان کی شان اور پہچان ہے۔

ایک دور وہ تھا جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے ہمارے اخلاق اچھے تھے، ہماری سوچ اچھی تھی کہ ہم ایک دوسرے کا بھلا سوچتے تھے، ہمیں اپنے مسلمان ہونے کا پاس ولحاظ تھا، نسبت محمدی کا خیال تھا۔ ہمارے پاس ایمان داری اور دیانت داری تھی۔ لوگ ہمارے اخلاق وعادات، کردار وعمل کو دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے۔ مجھے وہ واقعہ یاد آرہا ہے جب ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی۔

ایک دفعہ دہلی کی جامع مسجد میں ایک انگریز نقاشی کا کام دیکھنے کے لئے آیا۔ وہ نقاشی کے کام میں بڑا ماہر تھا۔ جب وہ مسجد کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو ایک مسلمان فقیر بھکاری اس کے پاس آیا اور کہنے لگا بابو جی میں بہت غریب آدمی ہوں، پیروں سے معذور ہوں مجھے کچھ دو۔ اس نے جیب سے ایک بٹوہ نکالا اور اسے کچھ پیسے دیئے پھر جب وہ اسے جیب میں ڈالنے لگا تو وہ بٹوہ کا پیکٹ نیچے گر گیا اسے پتہ ہی نہ چلا۔ اللہ کی شان کہ اس کو مسجد کا ڈیزائن بہت پسند آیا، دیکھ کر بہت خوش ہو کر گھر چلا گیا۔ گھر پہونچ کر اس نے اپنی بیوی سے بتایا کہ دہلی کی جامع مسجد میں جو نقاشی اور ڈیزائن کا کام ہے وہ بہت ہی شاندار ہے، دیکھنے کے لائق ہے۔ اس کی بیوی بھی تعلیم یافتہ تھی اس نے کہا اچھا اگلے اتوار کو مجھے بھی لے جانا میں بھی جا کر دیکھوں گی۔ اس نے جانے کا وعدہ کر لیا۔ رات کو اسے معلوم ہوا کہ بٹوہ پیکٹ گم ہو گیا ہے۔ اسے یاد بھی نہیں آرہا تھا کہ کہاں گرا ہے۔ اس میں کئی سو روپے تھے اس زمانے میں سو روپے کی بہت ویلو تھی۔ اسے بڑا افسوس ہوا۔ خیر! اگلے ہفتے جب وہ اپنی بیوی کو لے کر دوبارہ مسجد دیکھنے آیا تو سیڑھی پر چڑھتے ہوئے اسے وہی بھکاری فقیر نظر آیا۔ وہ بڑی تیزی سے اس کی طرف آرہا تھا مگر اس دفعہ پیسے مانگنے کے بجائے اس نے گڈری سے وہ بٹوہ نکالا اور کہنے لگا بابو جی پچھلے ہفتے آپ کا یہ بٹوہ گر گیا تھا اور آپ چلے گئے تھے۔ میں نے

آپ کو بہت تلاش کیا مگر آپ نہیں ملے۔بس اسی وقت سے یہ سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔آپ یہ لیجیے۔جب اس نے بٹوہ دیکھا تو اس میں پوری کی پوری رقم موجود تھی۔اسے بڑی حیرت ہوئی،سوچنے لگا یہ پیسہ پیسہ مانگنے والا فقیر یہ کل پیسے لے جاتا تو مجھے پتہ نہ چلتا کہ بٹوہ کہاں ہے۔پوچھا تم نے میرے پیسے کا استعمال نہ کیے اگر تم رکھ بھی لیتے تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا۔تم نے اسے مجھے واپس کیوں دیا۔فقیر نے جواب دیا کہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ رکھ لوں نہ دوں پھر ایک اور خیال آ گیا جس کی وجہ سے میں نے ایسا نہ کیا۔پوچھا کون سا خیال آیا تھا۔فقیر کہنے لگا میں مسلمان ہوں اور آپ عیسائی ہیں۔میں محمد عربی ﷺ کا کلمہ پڑھتا ہوں اور آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا۔اگر میں آپ کا بٹوہ رکھ لیتا تو قیامت کے دن آپ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو شکوہ کرتے کہ دیکھئے آپ کے امتی نے میرے امتی کے پیسے چرا لئے تھے تو اس وقت میرے پیغمبر کو شرمندگی وندامت ہوتی اس لئے میں نے ان پیسوں کا استعمال نہیں کیا۔(سبحان اللہ)

اللہ اکبر! مانگنے والے فقیروں کو بھی نسبت محمدی کا لحاظ تھا۔ہمیں بھی اس نسبت کا لاج اور لحاظ رکھنا چاہئے۔جب ہم خیر الامم ہیں۔تمام امتوں سے امت محمدیہ اعلیٰ وافضل ہے تو ہمارا اعمال بھی تمام امت کے اعمال سے افضل واعلیٰ ہونا چاہئے۔اللہ ہم سب کو نیک عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

●●●

موت ایک اٹل فیصلہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسول الکریم

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ (پ ۴،سورۂ آل عمران،آیت نمبر ۱۸۵)

موت ایک اٹل حقیقت ہے جسے انکار نہیں کیا جا سکتا۔اس دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جو اسلام کا انکار کرتے ہیں،قرآن کا انکار کرتے ہیں،انبیاء کا انکار کرتے ہیں،اولیاء کا انکار کرتے ہیں،سزا اور جزا کا انکار کرتے ہیں،قیامت کا انکار کرتے ہیں،جنت ودوزخ کا انکار کرتے ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں جو خدا کا بھی انکار کرتے ہیں لیکن ایسا کوئی نہیں ملے گا جو موت کا انکار کرتا ہو۔امیر ہو یا غریب،مزدور ہو یا سرمایہ دار،عالم ہو یا جاہل،شاہ ہو یا بادشاہ،کافر ہو یا مومن۔سبھی کہتے ہیں ایک دن مرنا ہے،سبھی موت کے قائل ہیں،سب کا موت پر اتفاق ہے۔موت سے کسی کو اختلاف نہیں۔موت سے انکار ہو ہی نہیں سکتا۔یہ تو ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہر انسان اپنے سر کے آنکھوں سے روزانہ اپنے محلے کی گلی کوچوں میں کرتا ہے۔

موت سے بچنے کے لئے دنیا نے بہت طریقے ایجاد کیے،زندگی اور حفظانِ صحت کے لئے بے شمار علاج دریافت کئے۔ہزاروں لاکھوں میڈیکل ریسرچ سینٹر قائم ہوئے۔بڑے بڑے اسپتال اور دواخانے بنائے گئے،جدید مشینری اور آلات وجود میں آئے،بڑے بڑے سائنس داں پیدا ہوئے،بڑے بڑے حکیم اور ڈاکٹر بنے مگر ایک بھی سائنسداں یا ڈاکٹر دنیا میں ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے موت کا علاج دریافت کر لیا ہے۔

ملکہ الیزابیتھ نے مرتے وقت کہا کہ دنیا کا کوئی ڈاکٹر اگر اب مجھے زندہ رکھے تو میں ایک منٹ کی قیمت ایک لاکھ روپے دینے کو تیار ہوں مگر یورپ تو کیا دنیا کا کوئی بھی ڈاکٹر ملکہ کو ایک سکنڈ کی بھی زندگی نہ دے سکا۔غرضیکہ جو بنا ہے وہ فنا ہے۔یہاں جو بھی آیا ہے

جانے کے لئے آیا ہے رہنے کے لئے کوئی بھی نہیں آیا۔

یاد رکھ ہر آن آخر موت ہے
مت تو بن انجان آخر موت ہے
بارہا علمی تجھے سمجھا چکا
مان یا نہ مان آخر موت ہے

کہتے ہیں کہ ایک سوداگر نے اپنے دوست سے جو جہاز کا ناخدا تھا۔ جہاز رانی کرتا تھا اس سے پوچھا تمہارے والد نے کیونکر وفات پائی۔ جہاز راں نے کہا میرے باپ دادا کا پیشہ یہی تھا جو میرا ہے اس لئے میرے آباواجداد سب ڈوب کر مرتے آئے ہیں۔ سوداگر نے کہا کیا تم کو ڈر نہیں لگتا کہ تم بھی ایک دن باپ دادا کی طرح ڈوب کر ہی مروگے۔ دوست نے کہا بے شک ڈوبنے کا خوف تو ہے لیکن موت سے بھاگ کر کہاں جاؤں گا۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کے باپ دادا کیسے مرے۔ سوداگر نے جواب دیا گھر میں مرے۔ دوست نے کہا کیا آپ کو ڈر نہیں لگتا کہ اسی گھر میں آپ کو بھی مرنا ہوگا۔

اس حکایت سے یہ معلوم ہوا کہ آدمی زمین پہ رہے یا دریا میں خشکی پہ رہے یا تری میں، جھونپڑی میں رہے یا محل میں رہے یا لوہے کے قلعے میں موت سے کسی جگہ کسی کو نجات نہیں۔ اللہ کا قرآن ہمارے ذہن کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے کہ اے انسان تجھ کو ایک دن موت کی سواری پہ سوار ہونا ہے۔ تمہیں ایک دن موت کے راستے پر چلنا ہے۔ تمہیں ایک دن موت کے پل کو پار کرنا ہے۔ تمہیں ایک دن موت کے دروازے سے گزرنا ہے۔ تمہیں ایک دن موت کے منظر کا نظارہ کرنا ہے۔ تمہیں ایک دن موت کا جام پینا ہے ،تمہیں ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے۔

ہم اسیر آرزو ہیں دل بہلنے کے لئے
رات دن کی گردشیں ہیں عمر ڈھلنے کے لئے
ایک جھونکے میں ہے اِدھر سے اُدھر
چار دن کی بہار ہے دنیا

موت سے کوئی کسی کو بچا نہیں سکتا، نہ بادشاہ بچا سکتا ہے نہ حکومت بچا سکتی ہے، نہ ڈاکٹر بچا سکتا ہے، نہ حکیم بچا سکتا ہے، نہ ہی دنیا کی کوئی فوج بچا سکتی ہے، موت سے کوئی کسی نہیں بچا سکتا۔

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ حسن بصری ہیرے جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے امیر وکبیر اور بادشاہ آپ کے خریداروں میں تھے۔ ایک مرتبہ آپ ملک شام تشریف لے گئے، وہاں بادشاہ کے وزیر سے ملاقات ہوئی۔ وزیر نے کہا آج ہم ایک جگہ جا رہے ہیں اگر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو اچھا ہے، آپ راضی ہو گئے اور ان کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ کافی دیر تک آپ وزیر کے ساتھ چلتے رہے۔ چلتے چلتے ایک جنگل آ گیا دیکھا کہ جنگل کے بیچ میں ایک چھوٹا سا میدان ہے جہاں پر ایک قیمتی ریشمی خیمہ لگا ہوا ہے۔ وزیر کے پہونچتے ہی سب سے پہلے ایک لشکر جرار نے خیمے کا طواف کیا پھر حکیموں اور ڈاکٹروں نے اس خیمے کا طواف کیا۔ اس کے بعد خوبصورت نوجوان عورتوں کی ایک ٹولی آئی جو زرق برق لباس میں ملبوس تھیں ان کے ہاتھوں میں ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا ایک طشت تھا وہ لے کر اس خیمے کا طواف کر کے لوٹ آئیں۔ اس کے بعد بادشاہ اور وزیر خیمے کے اندر گئے اور کچھ دیر کے بعد باہر آ گئے۔ یہ نظارہ دیکھ کر آپ بہت دیر تک سوچتے رہے۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو آپ نے وزیر سے اس کے متعلق پوچھا۔ وزیر نے کہا کہ قیصر روم بادشاہ کا ایک حسین وجمیل نوجوان فرزند فوت ہو گیا۔ اس خیمے کے اندر اس کی قبر ہے۔ ہم لوگ سال بھر کے بعد اسی طرح خیمے کی زیارت کو آتے ہیں اور اس قسم کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاحب قبر کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر تجھ کو زندہ کرنے میں ہمارا ذرہ بھر امکان ہوتا تو ہم تمام فوج حکیم ڈاکٹر مال دولت خزانے اشرفی ہیرے جواہرات سب کچھ تجھ پر نثار کر دیتے اور تجھے موت سے بچا لیتے مگر تیرا معاملہ تو ایسی ذات کے ساتھ ہے جس کے مقابلے میں تیرا باپ تو کیا ساری کائنات کی طاقت بالکل ہیچ ہے۔

یہ بات سن کر آپ پر اس قدر اثر ہوا کہ آپ اپنا کاروبار چھوڑ کر بصرہ واپس آ گئے اور تمام قیمتی ہیرے جواہرات فی سبیل اللہ غرباء میں تقسیم کر دیے اور فانی دنیا سے توجہ ہٹا کر

گوشہ نشین ہو گئے اور ستر سال تک ایسی عبادت کی کہ اپنے زمانے کے ولیٔ کامل بن گئے۔

دوستو! ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ آپ اپنا کاروبار چھوڑ دو۔ اپنا سب کچھ راہِ خدا میں لٹا دو۔ رات دن تسبیح مصلی لے کر بیٹھے رہو۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ مسلمان بن کے جیو اور مسلمان بن کے مرو۔ جب نماز کا وقت آجائے تو نماز پنج گانہ باجماعت پڑھو۔ حضور کی سنتوں پر عمل کرو، تعلیمات نبوی کے مطابق زندگی گزارو، خدا کے لئے خدا کو مت بھولو موت کو یاد رکھو، فکر آخرت دلوں میں پیدا کرو اور یقین جانو کہ ایک دن مرنا ہے اور مر کے خدا کے حضور اپنے اعمال کا حساب و کتاب دینا ہے۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

دوستو! موت جہاں لکھی ہے جس حالت میں لکھی ہے، جس وقت لکھی ہے جس سبب سے لکھی ہے، آ کر رہے گی۔ موت سے بھاگنے والا انسان خود چل کر اس مقام پہ جا پہونچے گا جہاں اسے موت آنی ہے۔ وہ خود ایسا سبب اختیار کرے گا جو اسے موت کی وادی میں پہونچا دے گا۔ یہ واقعہ تو آپ نے بارہا سنا ہی ہوگا کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملک الموت آدمی کی شکل میں ملاقات کے لئے آئے۔ اس وقت حضرت سلیمان کا وزیر بھی دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ملک الموت نے اس وزیر کی طرف کئی مرتبہ غور کے ساتھ دیکھا۔ جب ملک الموت چلے گئے تو وزیر نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا۔ حضرت یہ کون شخص تھا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا ملک الموت۔ وزیر نے کہا مجھے کئی بار انھوں نے گھورا ہے۔ اس سے مجھ کو بڑا خوف پیدا ہوا ہے، اب میں یہاں نہیں رہنا چاہتا۔ آپ ہوا کو حکم دیجیے کہ وہ مجھے ہندوستان میں پہونچا دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا۔ اس نے اس وزیر کو کئی ہزار میل دور ملک ہندوستان میں پہونچا دیا۔ اس شخص نے جیسے ملک ہندوستان میں قدم رکھا ملک الموت آئے اور اس کی روح قبض کر لی۔ کئی روز بعد پھر ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں آ گئے اور حضرت سلیمان نے اپنے وزیر کا قصہ بیان کیا۔ ملک الموت نے عرض کیا اس روز جو میں اس شخص کی طرف بار بار دیکھتا تھا اس کی

یہی وجہ تھی کہ میں حیران تھا کہ اس کی مدت زندگی پوری ہو چکی ہے اور دو گھڑی بعد سرزمین ہند میں مجھ کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہے اور یہ یہاں کیوں بیٹھا ہے۔ خیر! میں جب حکم ربی کے تحت وہاں گیا تو اس شخص کو وہاں موجود پایا اور ہم نے اس کی روح قبض کر لی۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کا خمیر جہاں کا ہے وہاں اس کو دفن ہونا ہے جیسا کہ حدیث نبوی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی موت کا فیصلہ کسی زمین میں فرما لیتا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی ضرورت اس زمین کی طرف پیدا کر دیتا ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت جس زمین میں لکھی ہوتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کسی کام کے بہانے وہاں بھیجتا ہے اور اس کی روح وہاں نکلتی ہے۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ انسان اسی زمین میں دفن ہوتا ہے جس مٹی سے وہ پیدا ہوا تھا۔

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

موت سے کوئی بھی محفوظ نہیں، وہ ہمارے دائیں بھی ہے بائیں بھی ہے۔ اوپر بھی ہے نیچے بھی ہے، آگے بھی ہے، پیچھے بھی ہے۔ موت ہر شخص کا تعاقب اور پیچھا کر رہی ہے۔ عالم کا بھی جاہل کا بھی، امیر کا بھی غریب کا بھی، مومن کا بھی کافر کا بھی، گدا کا بھی بادشاہ کا بھی، وہ نہ فرعون جیسے متکبر کو چھوڑتی ہے، نہ موسیٰ جیسے کلیم اور ایوب جیسے صابر کو، وہ نہ نمرود جیسے شرکش کو معاف کرتی ہے نہ ابراہیم جیسے خلیل کو، اس کی نظر میں ارسطو اور افلاطون جیسے حکیم اور ابوجہل ابولہب جیسے نادان سب برابر ہیں۔ اس سے نہ ابوبکر و عمر محفوظ رہے اور نہ ہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مگر وفات کے بعد انبیائے کرام کی ارواح کو ان کے جسم مقدس میں واپس کر دیا گیا اور وہ اپنی قبروں میں مع جسم زندہ ہیں جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے اور اس عقیدۂ حیات النبی پہ قرآن و احادیث شاہد ہیں۔

ایک لمحہ کے لئے آئی تھی انہیں بھی موت
پھر ہمیشہ کے لئے ان کی موت مر گئی

دوستو! موت ہر کسی کو آئے گی مگر ہم دنیا کی ملمع سازیوں سے فریب کھا کر موت کو بھول چکے ہیں لیکن یاد رکھو موت ہم کو نہیں بھولی ہے۔ وہ ہر وقت اعلان کرتی ہے، مجھے بھول جانے والو! میں موت ہوں جو تم کو ڈھونڈھتی ہوں اور پالیتی ہوں، خواہ تم لوہے کے قلعے میں کیوں نہ ہو میں وہاں آکر تم کو اچک لوں گی۔ میری گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ قبر کو بھولنے والو ہم سب کو ایک روز قبرستان ہی میں جانا ہے۔ قبر کی مٹی آواز دے رہی ہے۔ فرمان نبوی ہے جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے اے انسان تجھے میرے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں غربت کا گھر ہوں۔ میں تنہائی کا گھر ہوں میں مٹی کا گھر ہوں۔ میں وحشت اور تاریکیوں کا گھر ہوں۔ میں کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں۔ آج اگر تو نیکیوں کا ذخیرہ لے کر آیا ہوگا، اچھے اعمال لے کر آیا ہوگا تو میں تیرے لئے جنت میں تبدیل ہو جاؤں گی، تیرا جسم نورانی بنا دوں گی، تیری روح اللہ کی قرب رحمت میں جائے گی اور اگر تو نے اللہ رسول کی مرضی کے خلاف زندگی گزاری ہوگی، ابوجہل ابولہب بن کر دنیا میں رہا ہوگا، پیغمبر انسانیت محمد عربی ﷺ کی رسالت کا منکر ہوگا۔ شریعت اسلامیہ سے بغاوت و شرکشی کی ہوگی، آخرت اور موت کو بھول کر دنیا کو بہتر بنانے کی فکر کیا ہوگا، گھمنڈ تکبر سے اترا اترا کر چلا ہوگا، ہنس ہنس کے گناہ کیا ہوگا تو آج میں تجھے ایسا دبوچوں گی کہ تیرے جسم کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جائیں گی اور میں تیرے لئے سراپا عذاب بن جاؤں گی۔ اے ابن آدم جب تک تجھ میں دم ہے تب تک تو اولاد آدم ہے جوں ہی دم رک گیا پھر تو مٹی کا ڈھیر ہے۔

یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے، چند دن یہاں رہنا ہے لیکن انسانوں کے طور طریقوں سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ یہاں رہنے کے لئے آیا ہے۔

شاہِ بلخ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ تخت شاہی پر بیٹھے ہیں اور دربار لگا ہوا ہے، اچانک ایک اجنبی آدمی دربار میں داخل ہو کر چاروں طرف دیکھ رہا ہے جب اس سے پوچھا گیا کہ تو کیا دیکھ رہا ہے تو اس نے جواب دیا مجھے یہ مسافر خانہ پسند نہیں آیا۔ اس کی یہ بات سن کر شاہِ بلخ نے کہا یہ مسافر خانہ نہیں ہے بلکہ یہ تو میرا شاہی محل ہے، اس نے کہا اچھا یہ

بتایئے آپ سے پہلے اس میں کون رہتا تھا۔ شاہِ بلخ نے کہا میرا باپ۔ اس سے پہلے کون تھا، کہا دادا۔ دادا سے پہلے کون تھا، کہا پردادا، اجنبی نے کہا اسی لئے تو میں اس کو مسافر خانہ کہتا ہوں کہ اس میں کوئی مستقل نہیں رہا ہے۔ جو بھی آیا چند روز یا چند راتیں گزار کر اس مسافر خانے کو خالی کر گیا۔ اے بادشاہ ایک دن تو بھی اس مسافر خانے سے چلا جائے گا۔

دنیا کے اے مسافر منزل تری قبر ہے
طے کر رہا ہے جو تو دو دن کا یہ سفر ہے

دوستو! اس دنیا میں انسان کا قیام مختصر وقت کے لئے ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب مسلمانوں کے گھروں میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے داھنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر پڑھی جاتی ہے چونکہ اذان اور تکبیر جماعت سے پہلے ہوتی ہے اور تکبیر اور جماعت کے درمیان میں بہت مختصر سا وقفہ ہوتا ہے اس لئے بچے کے کان میں اذان اور تکبیر پڑھ کر اسے یہ بتا دیا جاتا ہے کہ تیرا دنیا میں قیام بہت مختصر وقت کے لئے ہے۔ تیری اذان بھی ہو چکی ہے اور تکبیر بھی پڑھی جا چکی ہے اور اب جماعت ہونے والی ہے اس کی تیاری کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ جب میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے تو اس وقت اذان اور تکبیر نہیں پڑھی جاتی ہے اس لئے کہ وہ تو پہلے ہی سے پڑھی جا چکی ہے۔

موت تو بہر حال آئے گی لیکن جس چیز نے انسان کو موت سے غافل بنا رکھا ہے وہ ہے دنیا کی اندھا دھند محبت اور لمبی لمبی آرزوئیں۔ دوستو! دنیا کمانا مالدار ہونا کوئی بری بات نہیں بلکہ کسب حلال تو فرض ہے۔ حلال روزی کمانے پر قرآن واحادیث میں بڑی بڑی بشارتیں اور خوشخبری سنائی گئی ہیں۔ دنیا میں کسی اور مذہب نے ترک دنیا سنیاس اور رہبانیت کی اتنی مخالفت نہیں کی ہے جتنی مخالفت اسلام نے کی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دوسرے مذاہب میں جا بیٹھنا رہبانیت اور سنیاس اختیار کرنا فضیلت اور کمال کی علامت ہے لیکن اسلام میں ان قبیح اعمال کی کوئی گنجائش نہیں مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ انسان دنیا کمانے میں اتنا مست ہو کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہے کہ میں مسلمان ہوں اور بحیثیت مسلمان مجھ پر کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ میرا ایک خالق و مالک بھی ہے جو میرے ہر ہر عمل کو

دیکھ رہا ہے۔ میری موت کا ایک دن معین ہے مجھے قبر میں جانا ہے جو وحشت اور تنہائی کا گھر ہے۔ وہاں نہ حسب ونسب کام آئے گا نہ عہدہ نہ سفارش۔ زندگی کے ایک ایک لمحے کے بارے میں پوچھا جائے گا کہاں اور کیسے گزارا۔ مال ودولت، مکان دکان، بیوی بچے سب یہیں رہ جائیں گے، صرف اعمال ساتھ جائے گا۔ اگر اعمال اچھے ہوں گے تو قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگا اور اگر اعمال برے ہوں گے تو یہی قبر جہنم کے گڈھوں میں سے ایک گڈھا ہوگا۔ جس طرح سبھی انسان دنیا میں ایک طرح نہیں جیتے، کوئی ہنستا ہے تو کوئی روتا ہے۔ کوئی امیر ہے تو کوئی غریب ہے، کوئی بھوکا ہے تو کوئی آسودہ حال ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد ہر انسان کی برزخی زندگی ہر انسان کی قبر کی کیفیت الگ الگ ہوگی۔ جیسے اعمال ہوگا اسی کے مطابق اس کی قبر ہوگی۔

جس انسان کو ان سب باتوں کا یقین ہو، کیا وہ اللہ ورسول کا باغی ہوسکتا ہے، کیا وہ خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا منکر ہوسکتا ہے۔، وہ نماز سے غافل ہوسکتا ہے، کیا وہ غریبوں یتیموں کا حق مارسکتا ہے، کیا وہ دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈال سکتا ہے، کیا وہ مخلوق خدا پر ظلم کرسکتا ہے، کیا وہ شرابی اور زانی ہوسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ موت، قبر سزا جزا، قیامت، جنت ودوزخ کے بارے میں ہمارا عقیدہ اور یقین بہت کمزور ہوچکا ہے، کھاؤ پیو، عیش کرو، بعد میں دیکھا جائے گا، یہ ہماری ملحدانہ ذہنیت ہے۔

اللہ کے بندوں سوچ لو، پھر سوچ لو تمہارا دنیا میں آنا کوئی انوکھی بات نہیں، تمہارے جیسے بے شمار لوگ اس دنیا میں آئے جو اکڑ اکڑ کر چلتے تھے آج وہ لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ آج وہ قبر کی اندھیری کوٹھری میں پڑے زندگی کا حساب دے رہے ہیں۔ ان کے سر کبھی نیچے نہیں ہوتے تھے۔ ان میں غرور وتکبر بھرا ہوتا تھا۔ آج ان کی کھوپڑیاں پاؤں کی ٹھوکر بنی ہوئی ہیں۔ وہ جدھر سے گزرتے تھے فضا معطر ہوجاتی تھی۔ آج ان کی لاشوں سے تیز بدبو اٹھ رہی ہے۔ ان کے جسم پر خوبصورت اور ریشمی لباس ہوتا تھا آج وہ بوسیدہ چیتھڑوں میں پڑے ہیں۔ کل جو دولت اور حکومت کے نشے میں چور ہوکر مخلوق خدا پر ظلم کررہے تھے آج وہ اپنے ظالمانہ کرتوتوں کا مزہ چکھ رہے ہیں۔ انہیں اپنے مال دولت

عہدہ حکومت اور کرسی پر بڑا ناز تھا لیکن مرنے کے بعد ان میں سے کوئی کام نہ آیا۔

اے غافل انسان سوچ لے ہوسکتا ہے اس سال یا اس مہینے یا اس ہفتے مرنے والوں میں تیرا نام بھی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تیرے زندگی کے دن پورے ہوچکے ہیں۔ دنیا پر فریفتہ ہونے والے اندھے انسان سوچ لے۔ ممکن ہے تیرے سینے میں اترنے والی گولی بازار میں آچکی ہو۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ جس گاڑی میں تیری موت آنی ہے اس کا ایکسیڈنٹ عنقریب ہوجائے۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تیرے کفن کا کپڑا بازار میں دکان پر آچکا ہو، کیا یہ نہیں ہوسکتا موت دھیرے دھیرے چلتی ہوئی تیری دہلیز تک آ پہونچی ہو اور تیری مستی و غفلت پر قہقہے لگا رہی ہو، یہ سب کچھ ہوسکتا ہے مگر لمبی لمبی امیدوں، پروگراموں، منصوبوں اور پلانوں نے تجھے موت سے غافل کررکھا ہے، تھوڑی سی زندگی مانگ کر لایا ہے مگر پلان اتنے بڑے بڑے بنا رہا ہے کہ عمر نوح بھی مل جائے تو بھی پورے نہ ہوں۔

حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ اربوں، کھربوں، انسان جو قیامت تک آنے والے ہیں۔ فرشتوں نے انہیں دیکھ کر عرض کیا یا اللہ! اتنے سارے انسان زمین میں سمائیں گے کیسے۔ اللہ نے کہا میں ان پر موت مسلط کردوں گا۔ زمین خالی ہوتی رہے گی۔ اس پر فرشتوں نے عرض کیا مولیٰ! جب موت مسلط ہوجائے گی تو ہر وقت موت کی فکر لاحق ہوگی جس سے ان کی زندگی تلخ ہوجائے۔ گی لوگ ہر وقت موت کی فکر میں غرق رہیں گے پھر نظام دنیا کیسے چلے گی۔ فرمایا میں ان پر لمبی لمبی امیدیں اور آرزوئیں مسلط کردوں گا۔ ان کے دلوں میں لمبی لمبی امیدیں ڈال دوں گا جسے حاصل کرنے کے لئے صبح وشام وہ دوڑتے رہیں گے اور موت کو بھول جائیں گے۔ واقعی آج ہم لمبی لمبی امیدوں کے سہارے جی رہے ہیں اور انہیں حاصل کرنے کے لئے رات دن کوشاں ہیں۔ انھیں آرزوؤں اور تمناؤں کی جال میں پھنس کر ہم موت کو بھول چکے ہیں پھر بھی ہماری حسرتیں پوری نہیں ہوتی۔ فرمانِ نبوی ہے اگر انسان کو سونے کی دو وادیاں مل جائیں پھر بھی وہ تیسرے وادی کی تمنا کرے گا۔ انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔

یہ حدیث پاک انسان کے انتہائی لالچی اور حریص ہونے کی مثال ہے۔ آدمی اس دنیا میں لمبی لمبی امیدیں رکھتا ہے، ایک آرزو پوری ہوجاتی ہے تو دوسری بہت سی پیدا ہوجاتی ہیں۔ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔

انہیں آرزوؤں اور امیدوں میں پھنس کر انسان آخرت کی تیاری سے غافل رہتا ہے کہ اچانک اسے موت آجاتی ہے اور اس کے سارے ارمانوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ بس عقلمند وہ ہے جو اپنے آخرت کی فکر کرے اور اس کی تیاری میں لگ جائے۔ سب سے بڑی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور سب سے بڑی ناکامی آخرت کی ناکامی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بے وقوف بادشاہ تھا جس نے اپنے دربار کو سجایا اور جب دربار پورے درباریوں سے بھر گیا تو اپنے وزیر کو بلایا اور ایک رومال اس کو دیا اور کہا کہ اس دربار میں جتنے بھی لوگ بیٹھے ہیں اس میں جو سب سے بڑا بیوقوف ہو اس کے سر پر یہ رومال ڈال دو۔ بادشاہ کے ایسا کرنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ ہم اسے بیوقوف سمجھ کر اس پر ہنسیں گے اور اس کا مذاق اڑائیں گے۔ وزیر بڑا عقلمند تھا اس نے رومال لیا اور دربار میں گھوما پھر چکر لگایا اور رومال جیب میں رکھ کر گھر چلا گیا۔ کئی دنوں تک دربار میں نہیں آیا۔ کچھ دنوں کے بعد اچانک بادشاہ کی طبیعت خراب ہوگئی، وہ بیمار پڑ گیا۔ اس کی بیماری اور علالت کی خبر پورے سلطنت میں پھیل گئی۔ جب وزیر کو معلوم ہوا کہ بادشاہ سخت بیمار ہے، زندگی کی امید نہیں ہے تو وہ فوراً عیادت کے لئے آیا دیکھا تو بادشاہ موت اور زندگی کی کشمکش میں ہے۔ اس نے اپنے جیب سے وہی رومال نکالا اور بادشاہ کے سر پر ڈال دیا۔ بادشاہ نے آنکھیں کھولی اور کہا یہ رومال تو میں اس دن تم کو دیا تھا اور کہا تھا کہ دربار میں جو سب سے زیادہ بیوقوف ہو اس کے سر پر ڈال دو مگر تم نے اس دن کسی کے سر پر نہیں ڈالا اور آج میرے سر پر ڈال دیا، ایسا کیوں؟ وزیر نے جواب دیا حضور میری نظر میں آپ سب سے زیادہ بیوقوف ہیں کیوں کہ میں دیکھتا تھا کہ حضور کو ایک دن کی سفر کے لئے اگر کہیں جانا ہوتا تھا تو اس کے لئے بہت ہی انتظام و اہتمام فرماتے تھے۔ استقبال کے لئے سپاہیوں کو پہلے روانہ کر دیتے تھے۔ کھانے پینے کی اچھی اور لذت دار چیزیں پہلے ہی روانہ کر دیا کرتے تھے حالانکہ حضور

کو وہاں صرف ایک گھنٹہ یا ایک دن رہنا ہوتا تھا جس کے لئے اتنا انتظام و اہتمام کرتے تھے مگر آج حضور ایک ایسے سفر پہ جارہے ہیں جہاں سے لوٹ کر واپس آنا محال ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں کے لئے حضور نے کوئی تیاری نہیں کی۔ ساری زندگی غفلت میں گزاری، جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لئے کوئی توشۂ آخرت جمع نہیں کیا۔ اس لئے میری نظر میں جناب سے بڑھ کر کوئی بیوقوف نہیں۔ اس لئے میں نے یہ رومال آپ کے سر پر ڈال دیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا تو نے سچ کہا میں نے پوری زندگی غفلت میں گزاری۔ فکر آخرت سے غافل رہا جہاں ہمیشہ رہنا ہے، وہاں کے لئے توشۂ آخرت جمع نہ کرسکا۔ واقعی مجھ سے بڑھ کر بیوقوف کوئی نہیں، یہ کہا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

ہر طرح سجایا اس گھر کو جس گھر میں ٹھہرنا ہے دو دن
اور جس گھر میں ہمیشہ رہنا ہے کیسا ہے وہ گھر معلوم نہیں

دوستو! یہ ایک بیوقوف بادشاہ کی کہانی تھی جس نے غفلت میں رہ کر زندگی گزاری۔ اب ایک عقلمند بادشاہ کی حکایت سماعت کیجیے اور اس سے درس عبرت حاصل کیجیے۔

کہتے ہیں ایک ملک تھا جس کے باشندے پانچ سال کے لئے ایک آدمی کو اپنا بادشاہ منتخب کرتے اور جب اس کی مدت بادشاہت ختم ہوجاتی تو اس کو ایک ویران جزیرے میں چھوڑ آتے جہاں وہ گھٹ گھٹ کر مرجاتا۔ ایک دفعہ ایک عقلمند آدمی کو اس ملک کے لوگوں نے اپنا بادشاہ منتخب کیا جس نے سب کا انجام دیکھا اور سنا تھا۔ اس نے بادشاہ بنتے ہی سب سے زیادہ توجہ اس ویران سنسان غیر آباد جزیرے کی طرف دیا۔ اس نے انجینئروں اور کاریگروں کو وہاں بھیجا اور حکم دیا کہ اس ویران جزیرے میں خوبصورت اور شاندار محل تعمیر کیے جائیں۔ اچھے اچھے گارڈن اور پارک بنائے جائیں، خوبصورت باغیچے اور تفریح گاہیں بنائی جائیں، دنیا کی ہر آرام اور راحت مہیا کیا جائے۔ چنانچہ انجینئروں اور کاریگروں نے اس ویران جزیرے کو ایک خوبصورت شہر میں تبدیل کر دیا۔ پورے جزیرے کو لوگوں سے بسا دیا گیا۔ جب سب بس گیا تو اس کی اطلاع بادشاہ کو دیا گیا۔ بادشاہ وہاں جانے کے لئے

خود بے چین و بے قرار ہونے لگا۔اس نے لوگوں سے کہا مجھے وہاں جلدی پہنچادو۔میری روح وہاں جانے کے لئے تڑپ رہی ہے تا کہ میں اپنی آنکھوں سے اپنی محنتوں کا صلہ دیکھ سکوں۔لوگوں نے پانچ سال پورے ہونے پر اس کو اس جزیرے میں چھوڑ آئے جو اب ایک شاندار خوبصورت شہر کی شکل میں آباد ہے وہاں پہونچ کر اسے اپنی محنتوں کا پھل ملا۔اس نے اپنی باقی زندگی بڑے ہی عیش و آرام سے گزاری۔

اب آپ ہی فیصلہ کرو۔اس عقلمند بادشاہ کی طرح جینا ہے جس نے اپنے مستقبل کو روشن اور آباد کیا۔یا اُس بیوقوف بادشاہ کی طرح رہنا ہے جس نے مستقبل کے لئے کچھ نہیں کیا۔عقلمند وہی ہے جو اس عقلمند بادشاہ کی طرح جیئے اور اپنی آنے والی منزل پہ دھیان دے۔

خدا کو بھول گئے لوگ فکر روزی میں
خیالِ رزق ہے رزاق کا خیال نہیں

اے دنیا کے شیطانی پھندے میں پھنس کر خدا کو بھول جانے والے انسانو!اگر تمہیں ساری دنیا کی دولت مل جاتی تب بھی دو وقت کی روٹی ہی میسر آتی۔اے مال و دولت جمع کرنے والے!تونے دولت اکٹھا کرلی ہے مجھے یہ بتا کیا تونے اسے خرچ کرنے کے لئے اپنے دن بھی جمع کر لئے ہیں،کیا تجھے زندگی پر بھروسہ ہے۔

یاد رکھ تیری اصل دولت وہی ہے جو تونے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے بقیہ جو کچھ تیرے پاس ہے وہ تیرا نہیں ہے وہ وارثوں کا ہے۔اے دنیا والو اٹھتے ہوئے جنازوں سے عبرت حاصل کرو کہ مجھے بھی ایک دن یہ دنیائے رنگ و بو کو چھوڑ کر جانا ہے اور اکیلا قبر میں رہنا ہے۔وہاں نہ مال کام آئے گا نہ فیکٹریاں اور نہ کارخانے،نہ دوست کام آئیں گے نہ رشتے دار،نہ بیوی کام آئے گی نہ اولاد،نہ ہوشیاری کام آئے گی نہ چالاکی،نہ تخت و تاج کام آئے گا نہ عہدہ و منصب،وہاں نہ رشوت چلے گی نہ کسی کی شفارش،وہاں صرف اور صرف ایمان و عمل کا کھرا سکہ ہی کام آئے گا۔اس لئے آج جتنا نیک عمل کرنا ہے کرلو۔آج حساب نہیں ہے بے حساب کرلو۔کل جب حساب ہوگا عمل نہ ہوگا تو اس وقت ندامت ہوگی۔آج عالم و علماء کی باتیں سن لو عمل کرلو۔اس دن سنے گا تو سہی لیکن تیرا سننا فضول

ہوگا۔آج سوچ لے،اس دن تیرا سوچنا بیکار ہوگا۔آج گناہوں سے توبہ کرلے کیونکہ اس دن کا توبہ کام نہ آئے گا۔آج اللہ کے خوف اور اس کی گرفت سے ڈر کر گناہ چھوڑ دے اس دن کا ڈرنا بیکار ہوگا۔آج اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرلے۔اے کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے دنیا کے انسانوں شرک سے باز آ جاؤ توبہ کرلو۔اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا اقرار کرلو ورنہ دوزخ کے ایندھن بنائے جاؤ گے۔آج مان جاؤ،اس دن مانا تو کیا حاصل ہوگا،پھر کہتا ہوں۔

تجھ کو غافل فکر عقبیٰ کچھ نہیں
کھا نہ دھوکہ عیش دنیا کچھ نہیں

زندگی ہے چند روزہ کچھ نہیں
کچھ نہیں اس کا بھروسہ کچھ نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخرت موت ہے

●●●

اولیاء اللہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

اِنَّ اَلَآ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (پ۱۱، سورۂ یونس)

اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے ان بندوں کی شانِ عظمت کو بیان فرمایا ہے جنہیں عرف عام میں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔ انبیاء ومرسلین کے بعد روئے زمین پر سب سے مقدس یہی جماعت ہے۔

یہ وہ مقدس لوگ ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی رضائے مولیٰ پہ قربان کردیا۔ یہ وہ مقدس لوگ ہیں جنھوں نے قدم قدم پر شریعت مصطفےٰ کا احترام کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں نہ دنیا میں کوئی خوف ہے اور نہ ہی آخرت میں کوئی غم۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے خدا راضی ہے اور یہ خدا سے راضی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا تمغہ عنایت فرمایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی شان میں اللہ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ) فرمارہا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرتے ہیں اسی لئے ساری کائنات ان سے ڈرتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کی بارگاہ میں سجدہ کرتے تو آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں سے زمین تر ہوجاتی۔ یہ وہ مقدس لوگ ہیں کہ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو ان کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج خالق دو جہاں رکھتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زبان سے کہہ دیتے ہیں تو اللہ اسے پورا کردیتا ہے۔ مشیت الٰہی ان کی لبوں پر بولا کرتی ہے۔ حدیث قدسی ہے اللہ فرماتا ہے جب کوئی بندہ میرا ہوجاتا ہے تو میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس کو وہ بڑھاتا ہے۔ میں اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

مطلب یہ کہ بندہ اب اپنے ارادے سے قدم نہیں اٹھاتا بلکہ اس کے قدم مشیت الٰہی کے تحت اٹھتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتا بلکہ مشیت الٰہی اس کے لبوں سے الفاظ ادا کرتی ہے۔ وہ اپنی مرضی سے نہیں دیکھتا بلکہ خدا کی مرضی سے دیکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مقام ولایت پر پہونچ جانے کے بعد بندے کا ارادہ اس کا اپنا ارادہ نہیں بلکہ اس کے ارادوں میں قدرت کے کرشموں کی کارفرمائیاں ہوتی ہیں۔ وہ نظر اٹھاتا ہے تو نوشتۂ تقدیر کو پڑھ لیتا ہے۔ وہ نظر اٹھاتا ہے تو پلک جھپکتے ہی چور کو زمانے کا ابدال بنادیتا ہے۔ وہ خدا کی عطا کردہ طاقت سے سمندروں کے طوفانی موجوں کو موڑ دیتا ہے۔ دریا کے تیز دھاروں کے رخ کو بدل دیتا ہے۔ یہ حضرات اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ڈوبتی کشتی کو ترا دیتے ہیں۔ روتوں کو ہنسا دیتے ہیں جب انسان انہیں دیکھے تو خدا یاد آجائے۔ ان کی مجلس میں بیٹھنے والا، ان سے عقیدت ومحبت رکھنے والا، ان کی صحبت میں رہنے والا، ان کی بارگاہ میں حاضری دینے والا کبھی بدنصیب نہیں بلکہ خوش نصیب ہوتا ہے۔ مولانا رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یک زمانہ صحبت باولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیاء اللہ کی بارگاہوں میں تھوڑی دیر کی حاضری سو سال کی مقبول عبادت سے افضل وبہتر ہے۔

اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کا ہم پر یہ احسان عظیم ہے کہ ان کی بدولت ہمیں دین وایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ ان کی معرفت ہمیں اسلام کا دامن ہاتھ آیا اور ہم مسلمان ہوئے۔ جن کے طفیل پوری دنیا میں اسلام کا نور پھیلا اور اس مہادیپ میں دین اسلام کی شمع روشن ہوئی۔

محمود غزنوی سے لے کر سراج الدولہ تک اس متحدہ ہندوستان میں سینکڑوں مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی۔ ان کے پاس ہیرے جواہرات کے خزانے بھی ہوتے تھے اور

تخت وتاج بھی شاہی جاہ وجلال بھی ہوتا تھا اور شاہانہ شان وشوکت بھی۔ بابر کی ہیبت اور اکبر کے جلال کو کون نہیں جانتا۔ جہاں گیر کی سطوت اور شاہجہاں کے تخت طاؤس سے کون واقف نہیں۔ شیر شاہ سوری کی شمشیر اور ٹیپو سلطان کی تلوار سے کس کو انکار ہے۔ اورنگ زیب کی طاقت اور بہادر شاہ ظفر کی بہادری میں کس کو شک ہے۔ کسی نے رانا پرتاپ کو شکست دی۔ کسی نے پرتھوی راج چوہان کے لشکر کو پامال کیا۔ کسی نے باطل خداؤں کی گردن اڑائی، کسی نے پانی پت کے میدان میں کفر کو شکست دے کر اسلام کا پرچم لہرایا، یہ سب کچھ ہوتا رہا۔ متحدہ ہندوستان کی تاریخ مسلمان بادشاہوں کے ایسے جنگی کارناموں سے بھری پڑی ہے لیکن تاریخ ہند میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ کسی مسلمان بادشاہ نے کسی کافر کو مسلمان کیا ہو۔ کسی غیر مسلم کو اسلام میں داخل کیا ہو اور جہاں تاریخ میں اس طرح کے شواہد ملتے ہیں وہ بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔ حقیقت سے اس کا کچھ بھی تعلق نہیں۔ اگر مسلمان فرمانروا جنگی کارناموں کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ کی طرف بھی توجہ دیتے تو آج تقسیم ہند کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ کنیا کماری سے افغانستان تک سارا ہندوستان ہوتا اور سب مسلمان ہوتے۔

آج ایشیاء بالخصوص ہندو پاک میں جو مسلمان ہمیں نظر آتے ہیں یہ محمود غزنوی اور بابر کی تلوار کا نتیجہ نہیں ہیں۔ اکبر وشاہجہاں کی طاقت وقوت کے طفیل نہیں ہیں بلکہ یہ خواجہ غریب نواز کی پاک نگاہوں کا صدقہ ہے۔ ان بزرگوں کی تبلیغ اور دعوت کا نتیجہ ہے اور ان اولیاء اللہ کی تبلیغ اسلام کا مرہون منت ہے جو اپنے دلوں میں توحید کی شمع لے کر آئے۔ اپنے سینوں میں عشق مصطفیٰ لے کر آئے اور جو لشکر وسپاہ لے کر نہیں تسبیح ومصلیٰ لے کر آئے، جو شان وشوکت نہیں دین وایمان کی قوت لے کر آئے، جو تخت وتاج لے کر نہیں ٹوٹی ہوئی چپل اور کھدر کی ٹوپیاں پہن کر آئے اور پھر ان کی روحانی طاقت وقوت کے آگے ظالم اور شرکس انسانوں کی گردنیں جھک گئیں اور کفرستانِ ہند کے ظلمت کدے میں وحدانیت اور اسلام کی روشنی پھیل گئی۔ کفر وشرک اور گمراہی کے اندھیروں میں رشد وہدایت کی شمع جل اٹھی۔ کفر وطغیان کی تاریکیوں میں نیکی وشرافت کے ستارے چمکنے لگے۔ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو صحیح منزل مل گئی اور اس بت کدۂ ہند میں توحید ورسالت کے ڈنکے بجنے لگے۔

تلوار سے کسی کی گردن اڑا دینا کمال نہیں بلکہ محبت اور اخلاق سے کسی کے دل پر حکومت کرنا یہ کمال ہے۔ فوج اور لشکر سے کسی کو شکست دینا بہادری نہیں بلکہ نگاہ محبت سے کسی کے سر کو حق اور سچائی کے آگے جھکا دینا یہ بہادری ہے۔ لاہور کے ایک شرکس راجہ کے راج محل میں اسلام کی شمع روشن کرنے والے داتا گنج بخش ہجویری تھے۔ دنیا کی سب سے خونخوار تاتاری قوم کو اسلام میں داخل کرنے والے چشتیہ خاندان کے ایک بزرگ تھے جن کی پیار بھری دعوت وتبلیغ سے متاثر ہو کر چنگیز اور ہلاکو کی تاتاری قوم اسلام لے آئی۔ اجمیر کے جوگی جے پال کے جادو کو اپنی کھڑاؤں سے توڑ کر کلمہ پڑھانے والے حضرت معین الدین حسن سنجری تھے۔

یہ بات ٹھیک ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کو ہر میدان میں شکست دی اور قدم قدم پر ان کے لشکر کو اپنے پیروں تلے کچل ڈالا۔ اور یہ بھی درست ہے کہ وہ ہندوستان میں بڑی بڑی خوبصورت عمارتیں بنوا گئے۔ قطب مینار کی بلندی، دہلی کی جامع مسجد کے مینار اور لال قلعہ کے در ودیوار آج بھی مسلمانوں کے جاہ و جلال کا قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔ فتح پور سیکری، بلند دروازہ اور آگرہ کے تاج محل کا ایک ایک حسین نقش آج بھی شاہجہاں کے ذوق سلیم اور شوق تعمیر کی داد دے رہا ہے۔ لاہور کی شاہی مسجد کی خوبصوت محرابیں آج بھی سلاطین اسلام کی شان وشوکت کا پتہ دے رہی ہیں۔ یہ تو سب ٹھیک ہے مگر تاریخ ہند سے جب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس کفرستان میں اسلام کیسے پھیلا؟ اس مہادیپ میں وحدانیت کا چراغ کس نے جلایا تو جواب میں نہ محمود غزنوی کا نام آتا ہے اور نہ بابر اکبر کا نام لیا جاتا اور نہ ہی شاہجہاں کا، نہ ہمایوں کا نام آتا ہے نہ جہانگیر کا، ہاں اگر نام آتا ہے تو داتا گنج بخش ہجویری کا، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کا، بہاء الدین زکریا ملتانی کا، امام ربانی مجدد الف ثانی کا، علاء الحق پنڈوی کا، مخدوم اشرف سمنانی کا، شیخ عبدالحق دہلوی کا، شاہ برکت اللہ مارہروی کا، امام احمد رضا محدث بریلوی کا۔

تو پھر میں ان اولیاء اللہ کی مقدس قبروں پر پھولوں کی چادر کیوں نہ چڑھاؤں جو بے سروسامانی کے عالم میں آئے، بے سہارا آئے بے وسیلہ آئے، تسبیح مصلیٰ لے کر آئے اور ہند

کے ظلمت کدے میں اسلام کا پرچم لہرا گئے، باطل پرست انسانوں کو حق کے آگے جھکا گئے، اپنی پاک اور محبت بھری نگاہوں سے دلوں کو نور اسلام سے منور کر گئے، لاکھوں کروڑوں گمراہ اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو سیدھی راہ دکھا گئے، پھر میں سرکار غریب نواز کے مزار اقدس کی چوکھٹ کو کیوں نہ چوموں جو اپنی ایمانی قوت سے نوے لاکھ انسانوں کو کلمہ پڑھا کر حلقہ بگوشِ اسلام کر گئے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان بے ادب گستاخ لوگوں کی جہالت کا ماتم کیوں نہ کروں جو اولیاء اللہ کی شان میں گستاخیاں کرتے رہتے ہیں اور بزرگانِ دین سے عقیدت ومحبت رکھنے والوں پر شرک وبدعت کے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ انہیں مقدس ہستیوں کے ذریعے ہمیں دین وایمان کی دولت نصیب ہوئی تو پھر ان اولیاء اللہ کے اس احسانِ عظیم کو بھلا دینا احسان فراموشی نہیں تو پھر اور کیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نبیوں میں سے کوئی بھی نبی ہندوستان نہیں آیا۔ خلفائے راشدین میں سے کوئی بھی خلیفہ یہاں نہیں آیا۔ چاروں اماموں میں سے کوئی بھی امام یہاں نہیں آیا پھر بھی اس براعظم میں اس مہادیپ میں کروڑوں اربوں مسلمان نظر آتے ہیں یہ بزرگان دین کی بدولت نہیں تو اور کس کی بدولت ہے۔ اکبر نے تو ہندوستان میں دین اکبری کی بنیاد رکھ کر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور دوسری طرف کئی مشرکانہ رسم ورواج جاری ہونے کے ساتھ ساتھ اکبر کو سجدہ بھی ہونے لگا تھا۔ ایسے نازک وقت میں سرزمین سرہند سے روشنی کا ایک مینار ظاہر ہوا جسے دنیا شیخ احمد سرہندی امام ربانی مجدد الف ثانی کے نام سے جانتی اور مانتی ہے۔ اس مردِ مومن کے سینے میں اسلام کا درد تھا، آنکھوں میں عشق نبی کی چنگاری تھی، پیشانی پر ایمان کا نور تھا اور رگوں میں فاروقی خون جوش مار رہا تھا، اکبری خطرات کو خاطر میں لائے بغیر سرہند کا یہ فقیر بینوا میدان عمل میں کود پڑا تو گمراہی کی بدلیاں کائی کی طرح چھٹتی چلی گئیں اور کئی صدیوں کے لئے اسلام کا مستقبل محفوظ ہو گیا۔ اگر یہ اولیاء اللہ ایمان کی قوت لے کر نہ اٹھتے تو بہت ممکن تھا کہ جو لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے پھر مرتد ہو جاتے۔

یہ بات بھی صحیح ہے کہ بعض مسلمان بادشاہ شراب بھی پیتے تھے اور رقص وسرور کی

محفلیں لگاتے تھے، سلامی اور مجرا بھی کرواتے تھے۔ ان میں شاہی ٹھاٹھ باٹ بھی تھی اور تخت وتاج کی شان وشوکت بھی مگر ان میں دو خوبیاں اور صفات ایسی تھیں کہ جن کی بناء پر ہوسکتا ہے قیامت کے دن ان کی نجات ہو جائے۔ ایک تو وہ عادل اور انصاف پرور تھے اور دوسرے یہ کہ وہ شرابی کبابی تو تھے مگر وہابی نہیں تھے۔ اکبر اگر وہابی ہوتا تو وہ ایک لڑکے کی آرزو لے کر ننگے پاؤں پیدل چل کر خواجہ سلیم چشتی کی قدم بوسی کے لئے فتح پور سیکری نہ جاتا۔ والئی دکن سلطان حیدر علی اگر بدعقیدہ ہوتا تو ایک فرزند کی تمنا لے کر ٹیپو سائیں کی چوکھٹ کو نہ چومتا۔ جہانگیر خواجہ سلیم چشتی کی دعا ہی سے پیدا ہوا تھا۔ شیر دکن سلطان ٹیپو بھی مجذوب ولی ٹیپو شاہ کی دعا سے ہی پیدا ہوا تھا۔ اور پھر مخالفین کے پیشوا حضرت تھانوی جی بھی تو اپنے والدین کے مرشد کی دعا ہی سے پیدا ہوئے۔ سلطان شمس الدین التمش حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا مرید تھا۔ حضرت حواجہ بختیار کاکی کا قدم بوسی کرتا تھا اور ہفتے میں دو دفعہ اپنے مرشد کی زیارت کے لئے پیدل جایا کرتا تھا۔ علاء الدین خلجی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے لنگر میں حصہ دیا کرتا تھا۔ بادشاہ اکبر حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری کا معتقد تھا اور آپ کے وصال کے بعد آپ کے مزار اقدس کی زیارت کے لئے پیدل جایا کرتا تھا۔ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ سرکار خواجہ غریب نواز کے سچے عاشق تھے وہ ہر سال جاروب کشی کے لئے دہلی سے اجمیر آتے اور اپنے پلکوں سے آستانۂ خواجہ کا بوسہ لیتے۔ شاہ رکن عالم ملتانی جب دہلی تشریف لے جاتے تو علاء الدین خلجی ان کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکل آتا اور پانچ لاکھوں روپے ان کی آمد سے پہلے اور پانچ لاکھ روپے ان کے جانے کے بعد غریبوں میں تقسیم کیا کرتا تھا۔ حضرت محمود غزنوی نے سومناتھ کو فتح کرنے کے خاطر اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کے قدم چومے اور اپنے مرشد کا کرتا بطور تبرک لے کر حملہ آور ہوئے اور پھر اسی کرتے کے طفیل فتح نصیب ہوئی۔

یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص بزرگان دین اور اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی وبے ادبی کرتا ہے اور ان کے روحانی فیوض وبرکات کمالات وکرامات کا انکار کرتا ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے بدعقیدہ لوگوں کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی

ہےاور وہ عذاب الیم کے مستحق ہیں۔

آپ آنکھیں اٹھاؤ اور فیصلہ کرو۔ سرکار غریب نواز کے آستانے پر جو مسجدیں ہیں کسی کا نام شاہجہانی مسجد، کسی کا نام عالمگیری مسجد، کسی کا نام اکبری مسجد، کسی کو اکبر نے بنایا، کسی کو عالمگیر نے بنایا کسی کو شاہجہاں نے بنایا۔ آج شاہجہانی مسجد کے لمبے لمبے مینار خطبہ پڑھ رہے ہیں اور یہ اعلان کررہے ہیں کہ اے لوگو! سنو! جب ہندوستان بھوکا ہوتا تو شاہجہاں سے مانگا کرتا تھا۔ اکبری مسجد کے لمبے لمبے مینارے چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ جب ہندوستان بھوکا ہوتا تھا تو اکبر کے دروازے پر حاضری دیتا تھا لیکن جب اکبر اور شاہجہاں بھوکے ہوتے تھے تو خواجۂ اجمیری سے مانگا کرتے تھے۔ غوث پاک کے مزار پر ہاتھ پھیلایا کرتے تھے۔ خواجہ شیخ سلیم چشتی کے آستانے پر حاضری دیتے تھے۔ سلاطین زمانہ تو مانگنے جائیں لیکن چودہ صدی کا یہ دو ٹانگ والا جانور کہتا ہے میں نہیں مانگوں گا۔ میں ان کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ میں کہتا ہوں تمہارے مانگنے کی بات نہیں میرے خواجہ کے دینے کی بات ہے۔ میرے خواجہ تم کو دیں گے ہی نہیں تم مانگو گے کیا۔

ایک مرتبہ خواجہ کے مزار پہ ایک فقیر صدا لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا خواجہ پانچ روپے لوں گا اور ایک گھنٹے کے اندر لوں گا اور ایک ہی شخص سے لوں گا۔ وہاں پر ایک منکر اولیاء تھا۔ اس نے فقیر کی صدا سنی تو قریب آیا اور جل بھن کر جیب سے پانچ روپے نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیا اور کہا یہ لو اور جاؤ یہاں سے خواجہ کیا دیں گے تمہیں۔ فقیر وہ روپے جیب میں رکھا اور کہا خواجہ قربان جاؤں تیری شان نرالی ہے۔ دلایا بھی تو اپنے دشمن سے۔

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا

میرے خواجہ کے آستانے پر جو بھی آیا وہ محروم نہیں لوٹا۔ جس نے ایمان مانگا آپ نے ایمان دیا۔ جس نے دنیا مانگی آپ نے دنیا دیا۔ جس نے حکومت مانگی آپ نے اسے حکومت دے دی۔ کرسی واقتدار کی بھیک سب نے خواجہ سے مانگی۔ دنیا کے تمام سربراہان مملکت نے خواجہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ہندوستان میں جتنے بھی حکمراں

آئے ہیں سب کو وزیر ہی کا عہدہ اور لقب ملا۔ کوئی وزیر اعظم بنا، کوئی وزیر اعلیٰ۔ کوئی وزیر دفاع بنا تو کوئی وزیر خارجہ، کوئی وزیر تعلیم بنا تو کوئی وزیر مالیات غرضیکہ سب وزیر ہی بن کر آئے مگر میرے خواجہ کی یہ شان ہے کہ آپ سلطان الہند بن کر آئے اور سلطان الہند بنا کر آپ کو کسی دنیا دار نے نہیں بلکہ مدینے کے تاجدار نے بھیجا۔ دیکھو جب تک وزیر وفادار رہتا ہے تب تک بادشاہ کی نظر کرم اور وزارت کی کرسی کا حقدار رہتا ہے مگر جب وزیر نمک حرام ہو جائے، غداری کرنے لگے، رعایا کے ساتھ مکر وفریب کرنے لگے تو بادشاہ کو مکمل حق ہے کہ وہ وزیر کو بدل دے۔ اس کو تمام عنایات ونوازشات سے محروم کردے۔ اس کی وزارت کی کرسی کو چھین لے۔ ماضی میں پلٹ کر دیکھو اب تک کتنوں کی کرسیاں گئیں۔ ہند کے راجہ دہلی میں نہیں اجمیر میں ہیں۔ دہلی میں تو صرف وزیر رہتے ہیں، بادشاہ اجمیر میں ہے۔ اے وزیرو! تم کو میرا مشورہ ہے کہ خواجہ کے مشن سے غداری نہ کرنا، خواجہ کے ماننے والوں کو نہ ستانا۔ میرے خواجہ ہند کے راجہ ہیں اگر تم انسانیت، شرافت، مانوتہ اور بھائی چارہ کی راہ سے ہٹ گئے تو تم ہٹا دیئے جاؤ گے اور اگر مخلوق خدا کے ساتھ شفقت، نرمی اور محبت کا رویہ اپنایا، سب کے ساتھ عدل وانصاف کیا، امن شانتی، انسانی ہمدردی اور بھائی چارہ کا چراغ جلایا بلا امتیاز تمام مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ اخلاق ومحبت رکھا اور پنے فرض منصبی کو نبھایا تو اپنا ملک ووطن ترقی کی راہوں پر گامزن ہوگا۔ جب ہم ہر انسان کے ساتھ محبت کرنے لگیں گے تو خدا بھی خوش ہوگا اور اس کا رسول بھی خوش ہوگا۔ میرے خواجہ اسی پیغمبر رحمت کی تعلیم کو پھیلانے آئے تھے جس پیغمبر نے پوری دنیا کے انسانوں کو امن وشانتی، سمانتہ اور مانوتہ کا پیغام دیا۔ میرے خواجہ انسانی بھائی چارہ اور اہنسا کا اپدیش دینے آئے۔ پوری انسانی برادری کو حق اور سچائی کی راہ دکھانے آئے۔ راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھا راستہ بتانے آئے۔ معبودانِ باطل کے سامنے جھکے ہوئے سروں کو خدائے واحد کے سامنے جھکانے آئے۔ جگت گرو آخری پیغمبر محسن انسانیت معلم کائنات محمد عربی ﷺ کا پیغام لوگوں کو سنانے آئے۔ اور اِس شان سے آئے کہ ساتھ میں نہ کوئی فوج تھی نہ کوئی لشکر، نہ کوئی تلوار تھی نہ کوئی خنجر۔ بس ہاتھ میں تسبیح تھی بغل میں قرآن۔ سر پر

کھدر کی ٹوپی تھی اور پاؤں میں لکڑی کا کھڑاؤں مگر دل عشق الٰہی سے روشن تھا اور آنکھوں میں نور مصطفیٰ کے جلوے بسے تھے۔ حکومت پرتھوی راج کی تھی، پرتھوی راج کی ماں نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ بیٹا! تیری راج میں ایک فقیر آئے گا اس کو چھیڑنا نہیں اور نہ ہی ان سے ٹکرانے کی حماقت کرنا ورنہ تیرا راج پاٹ سب ختم ہوجائے گا۔ ماں کی اس نصیحت کو راجہ بھول گیا۔ بولا او فقیر یہاں کیوں آیا ہے۔ فرمایا اسلام کا ڈنکا بجانے آیا ہوں۔ اس ظلمت کدے میں توحید کا چراغ جلانے آیا ہوں۔ باطل خداؤں کے آگے جھکنے والوں کو ایک خدا کے آگے جھکانے آیا ہوں۔ محمد عربی کا کلمہ پڑھانے آیا ہوں۔ اللہ کا قرآن سنانے آیا ہوں اور سچ جو پوچھو تو انگنت خداؤں کے پجاریوں کو خدائے واحد سے ملانے آیا ہوں۔

اگر چہ بت ہیں جماعت کے آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

پرتھوی راج غصے میں آ گیا، کہا او فقیر یہاں سے نکل جا۔ فقیر بھی جلال میں آ گیا۔ فرمایا اے پرتھوی راج تو بدل جا۔ پرتھوی راج نے حکومت کا رعب دکھایا کہا میرے پاس ساز وسامان ہے۔ خواجہ بولے میرے پاس دولت ایمان ہے۔ پرتھوی راج نے کہا میرے پاس ہاتھیوں کا لشکر ہے۔ فرمایا میرے پاس اللہ اکبر ہے۔

اور پھر جب پرتھوی راج کی طاقت اس مردِ حق پر غالب نہ آسکی تو اس نے اس وقت کے مشہور جادوگر جوگی جے پال کو بلایا تاکہ وہ اپنے جادو کے زور سے خواجہ غریب نواز پر غالب آجائے بالآخر ایک کھلے میدان میں مقابلہ ہوا۔ ایک طرف کفر ہے دوسری طرف اسلام ہے۔ ایک طرف گمراہی ہے دوسری طرف ہدایت ہے۔ ایک طرف مادیت ہے دوسری طرف روحانیت ہے۔ ایک طرف جادو ہے دوسری طرف کرامت ہے۔ ایک طرف جے پال ہے دوسری طرف سرکار کی آل ہے۔ جوگی نے اپنی مٹھی بند کی اور کہا او فقیر بتا میری مٹھی میں کیا ہے۔ خواجہ نے نگاہ ولایت سے دیکھا اور فرمایا تیری مٹھی میں گنگا جمنا کی ریت ہے۔ جوگی نے کہا ٹھیک ہے اور پھر سرکار خواجہ نے باغ جنت کا ایک پھول اپنی مٹھی میں لے کر فرمایا او جوگی بتا میری مٹھی میں کیا ہے۔ جوگی جے پال نے اپنے جادو کے زور سے

زمانے کا کونہ کونہ دیکھا مگر کچھ سمجھ میں نہ آئی پھر جادو کے زور سے ہوا میں اڑ گیا اور فضاؤں میں گم ہوگیا۔ سرکار خواجہ نے اپنی کھڑاؤں کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس جوگی کو نیچے لاؤ۔ حکم خواجہ پا کر کھڑاؤں ہوا میں اڑ گئی اور جوگی جے پال کے سر پر پڑنے لگی۔ وہ تنگ آ کر نیچے آ گیا اور نیچے آ کر خواجہ سرکار کے قدم چوم کر مسلمان ہوگیا۔ آپ نے اس کا نام عبد اللہ رکھا۔ یہ نگاہ ولی کی تاثیر ہے کہ پلک جھپکتے ہی غریب نواز سرکار نے اسے جہنم سے نکال کر جنت کا حق دار بنا دیا۔ سچ فرمایا کسی خوش عقیدہ شاعر نے۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

پھر آہستہ آہستہ لوگ کفر وشرک کی زنجیروں کو توڑ کر اسلام کے شیتل چھایہ میں آنے لگے۔ سرکار خواجہ کی دعوت وتبلیغ سے لوگ متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ وادیٔ کفر میں اذان کی صدائے حق گونجنے، بت خانۂ ہند میں نور ایمان جگمگانے لگا۔ معبودانِ باطل کے آگے سر جھکانے والے خدائے واحد کے آگے سر جھکانے لگے۔

ایک چھوٹی سی مسجد کی تعمیر شروع کی گئی جو رات کو چراغ جلا کر بنائی جاتی۔ پرتھوی راج کو پتہ چلا تو اس نے حکم دیا کہ کوئی دکاندار اس فقیر کے مریدوں کو تیل نہ دے۔ چنانچہ اگلے دن کسی نے بھی خواجۂ اجمیری کے مریدوں کو تیل نہ دیا۔ خادموں نے عرض کی آقا! پرتھوی راج کے حکم سے دکانداروں نے ہمیں تیل دینا بند کر دیا ہے۔ فرمایا کوئی فکر نہیں، رات ہوئی تو سرکار خواجہ نے فرمایا کہ میرے وضو کے پانی سے چراغ جلاؤ۔ چنانچہ وضو کے پانی چراغوں میں ڈال کر دیئے روشن کر دیئے گئے اور جس رات خواجہ غریب نواز سرکار کے وضو کے پانی سے چراغ جل رہے تھے اس رات پرتھوی راج کے راج محل میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا، تیل بھی نہیں جلتا تھا۔ یہ میرے خواجہ کی کرامت تھی کہ فطرت بدل گئی۔

نہ تخت وتاج میں نہ لشکر وسپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

ایک دن کی بات ہے آپ کا ایک غلام بازار سے سودا خریدنے جا رہا تھا کہ اس وقت

راجہ پرتھوی راج کی سواری سامنے سے بڑے کر دفر سے آ رہی تھی۔ راجہ کے آدمیوں نے آواز دی اے فقیر راستہ صاف کر دے۔ خواجہ کے خادم نے کچھ پرواہ نہ کی جس کی وجہ سے راجہ غصے میں آکر اس خادم کو تکلیف دی۔ خادم نے آکر خواجہ سے راجہ کی شکایت کی تو سلطان الہند خواجہ غریب نواز نے راجہ کو خط لکھا کہ آئندہ ایسی حرکت سے باز آجاؤ ورنہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ پرتھوی راج خط پڑھ کر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ خواجہ سرکار کی شان میں گستاخی کی۔ حضرت خواجہ نے جب اس کا یہ متکبرانہ جواب سنا تو آپ نے اپنی زبانِ ولایت سے فرمایا ''ہم نے رائے پتھورا کو زندہ پکڑ کر لشکر اسلام کے حوالے کر دیا۔'' سچ ہے۔

جو جذب کے عالم میں نکلے لب مومن سے
وہ بات حقیقت میں تقدیر الٰہی ہے

خواجہ غریب نواز کے زبان حق سے نکلی ہوئی بات پوری ہو کے رہی۔ سلطان شہاب الدین غوری افغانستان سے لشکر اسلام کو لے کر پرتھوی راج پر چڑھائی کر دی۔ خوب گھمسان کی جنگ ہوئی بالآخر اس جنگ میں پرتھوی راج کو شکست ہوئی اور وہ زندہ گرفتار ہو کر قتل ہو گیا۔ حدیث قدسی ہے اللہ فرماتا ہے مَنۡ عَادَ وَلِیًّا فَقَدۡ اٰذَنۡبَتَهٗ لِلۡحَرب۔ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ اب کس میں اتنی طاقت ہے کہ وہ خدا سے جنگ کرے۔ بڑے بڑے نمرود اور فرعون آئے آج ان کا نام ونشان نہیں۔ سب مٹ گئے، تباہ و برباد ہو گئے۔

اے لوگو! اولیاء اللہ سے محبت رکھو۔ ان کی تعلیمات پر عمل کرو، ان کی شان میں گستاخی کے الفاظ کبھی نہ بولو۔ خدا کی بارگاہ میں ان مقدس ہستیوں کا بہت اونچا مقام ہے۔ اللہ ان کی سنتا بھی ہے اور قبول بھی کرتا ہے۔ اسی لئے ہم ان کی بارگاہ میں جاتے ہیں اور ان کے توسل سے خدا سے مانگتے ہیں۔

اب اس شعر کے ساتھ اپنی تقریر کو پوری کر کے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

ترے پایہ کا کوئی ہم نے پایا خواجہ
تو زمیں والوں پہ اللہ کا سایہ خواجہ

ہند میں آپ ہیں سوغات رسولِ عربی
ہر طرف ابر کرم آپ کا چھایا خواجہ
فاصلہ کتنا بڑا ہے انا ساگر کا مگر
حکم پاتے ہی ترے کوزے میں آیا خواجہ
ترے گدا ہیں گنہگار متقی دونوں
برے بھلے پہ ترا فیض عام ہے خواجہ
ترا دیا رہے دار السلام یا خواجہ
تجلیاں ہیں نئی صبح وشام یا خواجہ

●●●

غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسول الکریم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

آج میں قطب ربانی، غوث صمدانی، محبوب سبحانی، قندیل نورانی، شہباز لا مکانی، غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی کرامتوں کا ذکر کروں گا۔ یوں تو آپ کی کرامتیں بے شمار ہیں جسے مکمل بیان کرنا مشکل ہے۔

حضرت مخدوم گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقالے میں فرماتے ہیں کہ سرکار غوث اعظم کی کرامات ومناقب اس قدر ہیں کہ اگر زمین کے تمام درخت کے پتے کاغذ بن جائیں اور ان کی شاخیں قلم بن جائیں اور زمین وآسمان کی تمام مخلوق جمع ہوکر آپ کی بزرگی وفضل وکمالات کو لکھے تو بھی نہ لکھ سکے۔ ایک اور بزرگ حضرت شیخ نور اللہ سورتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام آسمان وزمین کاغذ بن جائیں اور سات سمندر سیاہی اور تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام مخلوق کو طاقت گویائی مل جائے اور سب مل کر سلطان محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی فضائل وکرامات بیان کریں یا لکھیں تو بھی آپ کی فضائل زندگی کا ایک ورق بھی پورا نہیں کر سکتے۔ علامہ آسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

پوچھتے کیا ہو شہ جیلاں کی فضائل آسیؔ
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

تمام اولیائے کرام کرامتیں لے کر آئے، غریب نواز کرامت لے کر آئے، محبوب الٰہی کرامت لے کر آئے، صابر پیا کرامت لے کر آئے، داتا گنج بخش کرامت لے کر آئے۔ بوعلی شاہ کرامت لے کر آئے۔ ذکریا ملتانی کرامت لے کر آئے۔ مخدوم سمنانی کرامت لے کر آئے۔ علاء الحق پنڈوی کرامت لے کر آئے۔ مسعود غازی کرامت لے

کر آئے۔ مفتی اعظم ہند کرامت لے کر آئی۔ تمام اولیاء اللہ کرامت لے کر آئے اور مل کر کہہ دو میرے غوث الاعظم سر سے لے کر پیر تک کرامت بن کر آئے۔ آپ کی جوانی کرامت، آپ کا بڑھاپا کرامت، جس رات میں آپ پیدا ہوئے اس رات میں پورے گیلان میں لڑکی نہیں لڑکوں کا پیدا ہونا کرامت۔ آپ کے پیدائش کی رات حضور کا آپ کے والد گرامی کو خواب میں آکر بشارت وخوشخبری دینا کرامت اور یہ کہنا کرامت کہ اے میرے فرزند ابو صالح موسیٰ جنگی دوست آج رات تمہارے یہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ بڑی شان اور عظمت والا ہے سنو! جس طرح میں تمام نبیوں میں افضل واعلیٰ ہوں وہ بچہ تمام ولیوں میں افضل واعلیٰ ہے۔ دریائے دجلہ کی روانی کو روکنا کرامت، سمندر کی طوفانی موجوں کو موڑنا کرامت، آپ کے فرمان پر اولیائے کرام کا گردن جھکا دینا کرامت، ڈوبتے جہاز کو بچا لینا کرامت، چور کو ابدال بنا دینا کرامت، بارش کو روک دینا کرامت، بارہ سال بعد ڈوبی بارات کو زندہ نکالنا کرامت، مردے کو زندہ کرنا کرامت، اپنے غلاموں کی پردہ پوشی کرنا کرامت، علم فلسفہ کی کتاب کو قرآن میں بدل دینا کرامت، اللہ کے حکم سے تقدیر مبرم کو بدل دینا کرامت، سات لڑکیوں کو سات لڑکوں میں تبدیل فرما دینا کرامت، بھنی ہوئی مرغی کو اللہ کے حکم سے زندہ کر دینا کرامت، اندھے کوڑھی اور فالج زدہ کو تندرست کر دینا کرامت، انبیاء اور صحابہ کرام کی زیارت کروا دینا کرامت، ڈاکوؤں اور چوروں کو ولی وقطب بنا دینا کرامت، سانپ کا آپ سے کلام کرنا کرامت، تمام مخلوق کا آپ کی اطاعت وفرماں برداری کرنا کرامت، آپ کی دعا پر تمام فرشتوں کا آمین کہنا کرامت، اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کا یہ فرمانا کرامت۔

غوث الاعظم امام التقیٰ والنقا
جلوۂ شان قدرت پہ لاکھوں سلام

بغداد کی سرزمین ہے، میرے سرکار غوث اعظم وعظ فرما رہے ہیں۔ عیسائیوں کا ایک مذہبی پیشوا آیا اور حضور غوث الاعظم کے نورانی ہاتھ پر توبہ کیا اور مسلمان ہوگیا۔ پھر اس راہب اور مذہبی پیشوا نے مجمع عام میں بیان کیا کہ میں یمن کا رہنے والا ہوں۔ مجھے مسلمان

ہونے کا شوق پیدا ہوا تو میں نے یہ مصمم ارادہ کیا کہ میں یمن میں جو شخص سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا میں اسی کے ہاتھ پہ مسلمان ہوں گا۔اسی خیال میں تھا کہ مجھے نیند آ گئی،خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مجھے فرمایا اے سنام بغداد چلے جاؤ اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے ہاتھ پر مسلمان ہو جاؤ۔اس لئے کہ اس زمانے میں اس زمین پر ان سے زیادہ کوئی متقی اور پرہیزگار نہیں۔

آپ کا نام شیخ عبدالقادر جیلانی ہے،کنیت ابومحمد ہے۔لقب پیران پیر دستگیر،محبوب سبحانی غوث الاعظم محی الدین ہے۔یعنی دین کو زندہ کرنے والے۔آپ خود فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن میں سفر سے بغداد آ رہا تھا۔راستے میں مجھے ایک کمزور لاغر بیمار انسان پڑا ہوا ملا جو کراہ رہا تھا۔اس نے مجھے دیکھ کر السلام علیک یا عبدالقادر کہا۔میں نے سلام کا جواب دیا پھر اس نے کہا مجھے اٹھاؤ۔میں نے اٹھا کر بٹھا دیا تو اچانک اس کا چہرہ بارونق اور موٹا تازہ ہوگیا۔میں حیران ہوا تو کہنے لگا تعجب کی بات نہیں میں آپ کے نانا جان حضرت محمد ﷺ کا دین ہوں جو مردہ ہو رہا تھا۔اللہ نے آپ کے ذریعے مجھے نئی زندگی عطا فرمائی۔آپ محی الدین ہیں چنانچہ جب میں بغداد کے جامع مسجد کے حدود میں داخل ہوا تو ایک شخص نے یا سیدی محی الدین کے الفاظ سے پکارا۔نماز جمعہ ختم ہوئی تو لوگ دوڑے ہوئے میری طرف آئے اور یا محی الدین یا محی الدین پکارتے ہوئے میرے ہاتھ چومنے لگے حالانکہ اس سے پہلے کسی نے بھی مجھے اس لقب سے نہیں پکارا تھا۔

ہمارے دین کی حقانیت کے دونوں شاہد ہیں
معین الدین اجمیری محی الدین جیلانی

آپ کے نام مبارک میں اسم اعظم کی تاثیر ہے۔علمائے کرام فرماتے ہیں یا غوث کا ورد ہر مشکل میں اکسیر ہے۔محبوبیت میں آپ کا وہ مرتبہ وہ مقام ہے کہ تقدیر مبرم کو بھی مقام محبوبیت کی بنا پر اللہ سے تبدیل کروا دیتے ہیں۔امام اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ایک قسم اولیاء اللہ وہ ہیں جو محب ہیں اور دوسرے قسم محبوب۔جو اولیاء اللہ محب ہیں وہ اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور

جو اولیاء اللہ محبوب ہیں۔اللہ ان کی رضا چاہتا ہے۔جیسے تمام نبیوں میں سرکار کی ذات محبوب ہے باقی انبیاء محب ہیں۔اسی طرح اولیاء اللہ میں غوث الاعظم کی ذات۔نظام الدین کی ذات معین الدین کی ذات محبوب ہیں باقی سب ولی محب پھر محبوب اولیاء کے سردار حضور غوث الاعظم ہیں۔اور غوث الاعظم کا لقب وخطاب کسی مخلوق نے نہیں بلکہ خالق نے آپ کو دیا ہے۔اللہ جو خود سب سے بڑا فریاد رس ہے اپنے محبوب بندے عبدالقادر جیلانی کو غوث الاعظم کا خطاب ولقب عطا فرمایا۔جواہر العشاق کے نام سے حضرت بندہ نواز گیسو دراز گلبرگہ شریف نے ایک شرح لکھی ہے جس میں غوث الاعظم کے باسٹھ (۶۲) الہامات قلم بند کیا ہے اور ہر الہام میں اللہ نے آپ کو ''یا غوث الاعظم'' کے خطاب سے مخاطب فرمایا ہے۔جس سے آپ کی عظمت اور بزرگی ظاہر ہوتی ہے۔اللہ نے کائنات کی فریاد رسی کے لئے آپ کو اپنے صفت دستگیری کا مظہر بنایا اور آپ کو وہ تمام علوم،تصرفات واختیارات عطا فرمایا تھا جن کی کائنات میں دستگیری اور فریاد رسی کے لئے ضرورت ہے۔

آپ کی بہت سی کرامتیں ایسی ہیں جو حضور سید عالم ﷺ کے معجزے سے مشابہت ومتابقت رکھتی ہیں جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ سیدنا غوث اعظم کی کرامات سید عالم ﷺ کے معجزات کے مظہر ہیں بلکہ یوں کہیے کہ سرکار کے معجزات غوث اعظم کے ہاتھوں پر بطور کرامات ظاہر ہوئے ہیں۔اسی لئے آپ مظہر جمال مصطفائی ہیں۔مظہر ذات مصطفیٰ ہیں۔آپ سرکار کے جمال وکمال کے نمونہ و پرتو ہیں۔

یہاں پر ایک بات کی وضاحت اور کردوں کہ کسی نبی کا معجزہ اس کے ولی کے کرامت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔جیسے آصف بن برخیا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر ہیں اور آپ کے امت کے ولی بھی۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک دن اپنے درباریوں سے کہا تم میں کون ہے جو ملکہ یمن بلقیس کے تخت کو یمن سے حاضر کردے۔یہ سن کر آپ کے وزیر اور بنی اسرائیل کے ولی آصف بن برخیا پلک جھلکتے ہی تخت بلقیس جو ملک یمن میں ہزاروں میل کی دوری پر ہے دربار سلیمان میں حاضر کردیتے ہیں۔یہ کرامت دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا جو اس ولی کی کرامت کی صورت میں ظاہر ہوا۔اس بات سے اس

ولی کے بلند مرتبے کے ساتھ اس کے نبی کی شان عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے لہٰذا سیدنا غوث اعظم اپنی عظیم کرامات کے ذریعے سید عالم ﷺ کے معجزات کو ظاہر کیا جن سے نہ صرف آپ کی بزرگی اور شان عظمت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ آپ کے نبی دونوں عالم کے سردار احمد مختار ﷺ کی عظمت اور بزرگی کا بھی اظہار ہوتا ہے کیوں کہ جس نبی کے امتی کا یہ حال ہو اس کے نبی کی عظمتوں کا کیا عالم ہوگا۔

جب ان کے گدا بھر دیتے ہیں، شاہانِ زمانہ کی جھولی
محتاج کا جب یہ عالم ہے مختار کا عالم کیا ہوگا
جب ان کے غلاموں کے در پہ جھکتے ہیں سلاطین عالم
پھر کوئی بتائے آقا کے دربار کا عالم کیا ہوگا

اب آیئے سرکار غوث اعظم کی کچھ کرامتیں سماعت فرمایئے۔ تفریح الخاطر فی مناقب عبدالقادر میں ہے کہ ایک روز غوث اعظم بغداد کے ایک محلے سے گزرے تو دیکھا ایک مسلمان اور ایک عیسائی آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ آپ نے سبب دریافت کیا تو مسلمان نے کہا یہ عیسائی کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمہارے نبی محمد عربی ﷺ سے افضل ہیں کیونکہ انھوں نے مردوں کو زندہ فرمایا اور مسلمانوں کے نبی نے کوئی مردہ زندہ نہیں کیا۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ مسلمانوں کے نبی سے زیادہ ہے۔ سرکار غوث اعظم نے جب یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا اے پادری تو کیا کہتا ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے مردوں کو زندہ نہیں فرمایا۔ میرے نبی نے جابر کے دونوں بچوں کو زندہ فرمایا۔ فلاں فلاں مردے کو زندہ کیا بلکہ ان چیزوں کو زندگی بخشی جن کی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بے جان کنکریوں میں جان ڈال دی۔ پتھروں نے آپ سے کلام کیا، درختوں نے آپ کو سلام کیا۔

آپ نے حضور کے معجزات کا ذکر کیا مگر وہ برابر انکار کرتا رہا۔ آخر جب اس نے کسی طرح تسلیم نہ کیا تو آپ نے فرمایا اے عیسائی میں حضور سید عالم محمد عربی ﷺ کا امتی ہوں اور ان کے غلاموں کا غلام ہوں۔ اگر میں مردے زندہ کر دوں تو پھر نبی کریم ﷺ کی افضلیت کو تسلیم کرے گا۔ اس نے کہا ہاں میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ آپ نے

فرمایا مجھے کسی قبرستان میں لے چل میں انشاء اللہ مردہ زندہ کر دوں گا۔ چنانچہ وہ آپ کو ایک قبرستان میں لے گیا اور ایک پرانی قبر کے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ حضرت اس قبر کے مردے کو زندہ کر کے دکھائیں۔ سرکار غوث اعظم نے قبر پر توجہ کی اور فرمایا یہ صاحب قبر دنیا میں گویا تھا اگر تو چاہے تو یہ قبر سے گاتا ہوا اٹھے پھر سرکار غوث اعظم نے اس قبر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ اتنا کہنا تھا کہ قبر شق ہوئی اور مردہ گاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ یہ کرامت دیکھ کر عیسائی مسلمان ہو گیا۔

حضور غوث اعظم کی یہ کرامت سید عالم ﷺ کے اس معجزے سے مشابہت اور مطابقت رکھتی ہے جس میں سید عالم ﷺ نے مردے کو زندہ فرمایا۔ مدارج النبوت میں حضرت شیخ محقق عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سید عالم ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی۔ اس شخص نے کہا میں اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک میری بیٹی جو مر چکی ہے آپ زندہ نہ فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی قبر دکھاؤ اس شخص نے قبر دکھائی تب آپ نے اس لڑکی کو آواز دی۔ لڑکی نے جواب دیا لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ میں حاضر ہوں فرمانبردار ہو کر۔ آپ نے فرمایا کیا تو دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرے گی؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ نہیں۔ میں نے اپنے رب کو اپنے ماں باپ سے زیادہ مہربان پایا۔

حضرت خواجہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ مقام بقا کی منزل پر تھے جو بزرگ اس مقام تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں وہ تقدیر مبرم کو بھی مقام محبوبیت کی بنا پر اللہ سے تبدیل کروا دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تقدیر مبرم کو آپ کے دعاؤں سے بدل دیتا ہے۔ سرکار غوث اعظم خود فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنا راز مردے پر ڈالوں تو وہ فوراً اللہ کے قدرت سے کھڑا ہو کر چلنے لگے۔

میرے سرکار غوث اعظم کو اللہ کی طرف سے اس قدر تصرف اور علم و کشف حاصل تھا کہ آپ اللہ کی عطا سے غیب کی باتوں کا پتہ دیتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں حضور غوث اعظم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ فرمان غوث

اعظم ہے کہ اگر شریعت نے میرے منہ میں لگام نہ ڈالی ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتا کہ تم نے گھر میں کیا کھایا ہے اور کیا رکھا ہے۔ میں تمہارے ظاہر و باطن سب کو جانتا ہوں کیونکہ تم میری نظروں میں شیشے کی طرح ہو۔

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے
دو عالم کی خبر رکھتا ہے دیوانہ محمد کا

آپ کے تمام خداداد تصرفات وکرامات سے آپ کے مقام محبوبیت کا ظہور ہوتا ہے۔ ہر شے پر آپ کا تصرف تھا۔ آگ پانی مٹی ہوا سب پر آپ نے تصرف فرمایا مگر کچھ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے فیضانِ اولیاء کا انکار کرتے ہیں۔ سرکار غوث اعظم کے دور میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو فیضان اولیاء کے منکر تھے جو اولیاء اللہ کی خداداد طاقتوں کا انکار کرتے تھے، جو اولیائے کرام کے تصرفات کو نہیں مانتے تھے۔ ایک عیسائی نے جب مردے کو زندہ ہوتے دیکھا تو وہ مسلمان ہو گیا مگر اس زمانے کی طرح غوث اعظم کے زمانے میں بھی کچھ ایسے بھی مسلمان تھے جو آپ کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اب جو انھوں نے سنا کہ غوث اعظم نے ایک عیسائی کو مسلمان کرنے کے لئے مردہ زندہ کر دیا ہے۔ وہ سرکار غوث اعظم کی مخالفت پر اتر آئے، کہنے لگے بھلا قبر سے مردہ کیسے زندہ ہو کر اٹھ سکتا ہے اور وہ بھی گاتا ہوا۔ بس یہ ایک چکر ہے جو عبد القادر جیلانی سب لوگوں کو دیئے جا رہے ہیں۔ ان گستاخوں اور بے ادبوں نے ایک منصوبہ تیار کیا کہ ہم لوگوں پر ظاہر کریں گے کہ غوث اعظم کوئی علم نہیں رکھتے۔ نہ وہ قبر کے حالات سے آگاہ ہیں اور نہ ہی انہیں کوئی تصرفات حاصل ہے۔

چنانچہ اس خیال بد سے انھوں نے یہ منصوبہ اور پلان بنایا کہ ہم میں سے ایک شخص چار پائی پر لیٹ جائے اور اوپر چادر ڈال دی جائے اور اسے اٹھا کر عبد القادر جیلانی کے دروازے پر لے جائیں اور ان سے کہیں کہ حضرت اس میت کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ انھیں کیا معلوم کہ چار پائی پر کوئی مردہ ہے یا زندہ۔ چنانچہ جب وہ نماز جنازہ پڑھائیں تو تم لوگ آگے پیچھے کھڑے رہنا اور جب وہ تکبیر کہیں تو چار پائی پر لیٹنے والے اٹھ کر کھڑا ہو

جائے اور پھر تم سب یہ کہنا یہ ہے تمہارا علم کہ چار پائی پر لیٹنے والا کا تو پتہ نہ چل سکا اور قبر میں لیٹنے والے مردے کو زندہ کرتے ہو اور اس کے حالات کی خبر رکھتے ہو چنانچہ انھوں نے اس منصوبے کے تحت ایک نوجوان کو چار پائی پر لٹایا اور دوسرے ساتھ ہو لئے اور یہ بناوٹی میت کو لے کر غوث اعظم کے پاس پہنچے۔ کہنے لگے حضور ہمارا یہ نوجوان فوت ہو گیا ہے، انتقال کر گیا ہے۔ آپ اللہ والے ہیں اس کی نماز جنازہ پڑھا دیجئے۔ اب جو آپ نے نظر چار پائی پر ڈالی تو نگاہ بصیرت سے مشاہدہ فرمالیا کہ چار پائی پر لیٹنے والا زندہ ہے۔ آپ کو رحم آیا اور فرمایا جاؤ لے جاؤ کسی اور سے نماز جنازہ پڑھوالو۔ انھوں نے منت وسماجت کی۔ آپ بھی ان کے منصوبے سے باخبر ہو چکے تھے۔ جب وہ نہ مانے تو آپ نے فرمایا اچھا چلو میں پڑھا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ جنازہ گاہ میں پہونچے اور فرمایا صفیں درست کر لو۔ بے ادب اور گستاخ لوگ اندر اندر سے خوش ہو رہے تھے کہ ہمارا کام بن گیا۔ انھوں نے جلدی جلدی صفیں درست کر لیں۔ سرکار غوث اعظم نے فرمایا اس میت کا وارث کون ہے۔ بدقسمتی سے اس کا باپ بھی ان میں موجود تھا۔ کہنے لگا میں ہوں۔ فرمایا تیرے بیٹے کی نماز جنازہ پڑھا دوں؟ یہ بات سن کر باپ کا کلیجہ دہل گیا لیکن اسے یقین تھا کہ عبد القادر جیلانی کے نماز جنازہ پڑھانے سے کیا ہوگا۔ بچہ تو میرا زندہ ہے۔ کہنے لگا جناب پڑھا دو۔ اب جو آپ نے نیت باندھی نماز جنازہ شروع کی۔ آگے پیچھے کھڑے ساتھی انتظار کرنے لگے کہ اب وہ نوجوان چار پائی سے اٹھے گا اور ہم شیخ عبد القادر جیلانی کا مذاق اڑائیں گے مگر خدا کی قدرت دیکھیے کہ پہلی تکبیر ہوئی۔ دوسری تیسری اور چوتھی ہوئی حتی کہ سلام پھیر دیا گیا اور وہ نوجوان چار پائی سے نہ اٹھا۔ جنازے کے فوراً بعد اس کا باپ جلدی جلدی چار پائی کے قریب گیا اور چہرے پر سے چادر کو ہٹایا تو دیکھا نوجوان فوت ہو چکا ہے۔ سرکار غوث اعظم نے فرمایا عبد القادر نے جنازہ پڑھا دیا ہے اب یہ قیامت کے دن سے پہلے نہیں اٹھے گا۔

غوث اعظم کی شان عظمت کا انکار کرنے والو! اولیاء اللہ کے فیضان وتصرفات کو نہ ماننے والو! ان کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبی کرنے والو! اللہ سے ڈرو اور اولیاء اللہ کی شان عظمت تسلیم کر لو۔ یاد رکھو! اگر اللہ والوں کی فرمانبرداری انسان کو آباد کرتی ہے تو ان کی

شان میں بے ادبی وگستاخی برباد کرسکتی ہے۔ یہ نگاہ ولی کی شان ہے کہ جو اٹھے تو بیڑا پار کردے جو مردہ دلوں پر پڑے تو زندہ کردے، جو بے نمازی پر پڑے تو نمازی بنادے، جو چور پر پڑے تو ولی بنادے اور اگر قبر پر پڑے تو اللہ کے حکم سے مردہ کو زندہ کردے۔

حضرات! کہیں شیطان یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ مارنا اور جلانا تو صرف اللہ ہی کا کام ہے، کوئی بندہ یہ کیسے کرسکتا ہے۔ تو عرض یہ ہے کہ بے شک اللہ ہی فاعل حقیقی ہے مگر وہ اپنی قدرت کاملہ سے جس کو چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے اختیارات عطا فرماتا ہے۔ دیکھئے بے جان کو جان بخشنا یہ اللہ ہی کا کام ہے۔ مگر اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات وتصرفات سے حضرت عیسیٰ روح اللہ بھی مردوں کو زندہ کردیتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں۔ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ نے کسی نبی یا ولی کو کچھ دینے کا اختیار دیا ہی نہیں تو ایسا شخص قرآن کو جھٹلا رہا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ارشاد ربانی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہہ رہے کہ میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

دیکھا آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاف اعلان فرمارہے ہیں کہ میں اللہ کی بخشی ہوئی طاقت وقوت سے اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتا ہوں حتی کہ مردوں کو بھی زندہ کردیا کرتا ہوں۔ قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے طرف سے انبیائے کرام علیہم السلام کو طرح طرح کے اختیارات عطا کئے جاتے ہیں۔ اور فیضانِ انبیاء سے اولیاء اللہ کو عطا کیے جاتے ہیں لہٰذا وہ بھی اللہ کی عطا سے بہت کچھ عطا فرما سکتے ہیں جو فیضان اولیاء کا منکر ہے وہ گمراہ اور بددین ہے۔

ایک آخری بات عرض کردوں کہ خدا کی قدرت، نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت حقیقت میں ایک ہی آفتاب کی کرنیں ہیں۔ ایک ہی چاند کی چاندنی ہے۔ ایک ہی دریا کی لہریں ہیں۔ ایک ہی پھول کی پتیاں ہیں جو کام خدا کے سوا کوئی نہ کرسکے وہ قدرت ہے۔ اگر وہی کام کوئی نبی کر بتائے تو معجزہ ہے اگر ولی کرکے بتائے تو کرامت ہے۔ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ خدا کی قدرت نبی کے معجزے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور نبی کا معجزہ ولی کے

کرامت سے روشن ہوتا ہے نبی معجزہ دکھا کر یہ ثابت کرتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ رب العالمین ہے احکم الحاکمین ہے۔ سارے سنسار کا خالق ومالک ہے۔ زمین وآسمان کا نور ہے جو بہت بڑی شان والا اور قدرت والا ہے اور ولی کرامت دکھا کر انسانوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں اپنے نبی کا ایک فرمانبردار غلام اور سچا امتی ہوں۔ اپنے نبی کے فضل وکمال کا مظہر ہوں۔ اللہ کی قدرت کبھی عصائے موسوی میں ظاہر ہوتی ہے کبھی محمد رسول اللہ کے معجزے میں ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی اولیائے کرام کی کرامات میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غوث اعظم کی زبان پر ظاہر ہوتی ہے۔

تمام اولیائے کرام برحق ہیں۔ ان کی کرامات حق ہے ان کی ولایت حق ہے، ان کے فضل وکمال حق ہیں، ان کے تصرفات حق ہیں۔ اللہ کا قرآن کہتا ہے نہ انھیں کوئی غم ہے اور نہ ہی کوئی خوف۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں ان کا ساتھی اور مددگار ہے۔ پیر ومرشد سرکار مفتی اعظم ہندشاہ مصطفےٰ رضا خاں نوری بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان فرمارہے ہیں۔

ترے ہاتھ میں ہاتھ میں نے دیا ہے
ترے ہاتھ ہے لاج یا غوث اعظم
قسم ہے کہ مشکل کو مشکل نہ پایا
کہا ہم نے جس وقت یا غوث اعظم
ہے قسمت مری ٹیڑھی تم سیدھی کرو
نکل جائے سب پیچ وخم غوث اعظم
خبر لو ہماری کہ ہم ہیں تمہارے
کرو ہم پہ فضل وکرم غوث اعظم

عارف باللہ، عاشق رسول علامہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے زبانی مولانا تھانوی اپنی کتاب الافاضات الیومیہ میں ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگو! تم تعجب کرتے ہو اولیاء اللہ کے حالات پر، اولیاء اللہ کے کمالات پر، اولیاء اللہ کے کرامات پر۔ آؤ میں تمہیں ایک عجیب تر بات سناتا ہوں۔ سنو! حضور غوث پاک کا ایک دھوبی مرگیا،

نکیرین قبر میں سوال کرنے کے لئے آئے پوچھا من ربك تیرا رب کون ہے؟ وہ کہنے لگا میں تو ان پڑھ گنوار آدمی ہوں کچھ پتہ نہیں تمہارے سوالوں کا۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ غوث پاک کا دھوبی ہوں۔ پوچھا ما دینك تیرا دین کیا ہے۔ کہنے لگا اتنا پڑھا لکھا نہیں ہوں گنہگار آدمی ہوں کچھ معلوم نہیں ہے بس اتنا معلوم ہے کہ غوث پاک کے گھر سے کپڑے آتے تھے دھو دیتا تھا۔ پوچھا ما قلت تقول فی حق هذه الرجل۔ کہنے لگا اتنی پہچان بھی نہیں ہے ۔گنہگار آدمی ہوں۔ حضور غوث پاک کا دھوبی ہوں۔ اتنی بات قبول ہو تو بخش دو نہیں تو سزا دو۔ فرشتوں نے عرض کیا مولیٰ! اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، حکم آیا بخش دیا جائے۔

ذرا غور سے سنو! مولانا تھانوی لکھتے ہیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ کیسے بخشش ہوگئی یہ تو کوئی جواب نہ تھا کہ غوث پاک کا دھوبی ہوں، بخشش ہوگئی۔ مولانا تھانوی لکھتے ہیں کہ دھوبی کا بار بار یہ کہنا کہ غوث پاک کا دھوبی ہوں اس کے نسبت کے قوی ہونے کا دلیل تھا۔ اس کا غوث پاک سے عقیدت ومحبت پختہ ہونے کا دلیل تھا جو مر کے بھی غوث پاک کو نہیں بھولا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غوث پاک کا دھوبی ہوں جو ان کا خدا ہے وہی میرا خدا ہے۔ جو ان کا رسول وہی میرا رسول ہے جو ان کا دین ہے وہی میرا دین ہے۔

ان تمام روایات وواقعات سے معلوم ہوا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے فیوض وبرکات صرف اس عالم ہی میں نہیں ہیں بلکہ ان کے فیوض وبرکات عالم ارواح میں بھی ہیں۔ عالم برزخ میں بھی ہیں اور عالم آخرت میں بھی ہیں۔

دوستو اور بزرگو! یہ ہے کمالات ولایت، یہ ہے نسبت کی برکت، یہ ہے نسبت کا فیضان، یہ ہے نسبت کا صلہ، لوگ پوچھتے ہیں اولیاء سے نسبت کا تعلق کا، عقیدت کا تمہیں فائدہ کیا ملتا ہے۔ آؤ میں تمہیں بتاؤں کروڑوں فائدے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے وسیلے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

میں قادری ہوں شکر ہے رب قدیر کا
دامن ہے میرے ہاتھ میں پیرانِ پیر کا

زبان کی حفاظت

نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الکریم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ (پ ۲۸، سورہ صف، آیت ۲)

انسان مختلف اعضاء کا مجموعہ ہے۔ ہاتھ، پیر، ناک، کان، آنکھیں اور زبان۔ انہیں مختلف اعضاء سے انسان بنا ہے اگر یہ اعضاء سنور جائیں تو انسان سنور جاتا ہے۔ انسان کے جسم میں ایک چھوٹا سا عضو زبان ہے۔ زبان اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے اگر اس میں طاقت گویائی اللہ نے نہ دیا ہوتا تو ہم گونگے ہوتے مگر آج کے دور میں اس کا استعمال بہت غلط اور برے طریقے سے کیا جاتا ہے۔ زبانِ ہے تو بہت چھوٹی مگر اس سے بڑے بڑے گناہ صادر ہو رہے ہیں۔ اس لئے آج زبان کی حفاظت کی موضوع پر تقریر کروں گا۔

انداز مرا گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

فرمانِ نبوی ہے جس نے زبان کی حفاظت کی وہ سلامت رہا۔ تمام آفتوں میں سب سے بڑی آفت زبان ہے۔ تمام فتنوں میں سے بڑا فتنہ زبان کا فتنہ ہے۔ یہی زبان جھگڑا کراتی ہے، یہی زبان غصہ دلاتی ہے، یہی زبان بے ایمان بناتی ہے، یہی زبان انسان کو گناہوں میں ملوث کرتی ہے، یہی زبان قتل وغارت گری کا بازار گرم کرتی ہے، یہی زبان رشتہ ناطہ اور تعلق توڑواتی ہے، یہی زبان صحیح نہ استعمال کرنے سے ذلیل وخوار کرتی ہے، یہی زبان سماج اور معاشرہ میں فتنہ فساد پھیلاتی ہے، یہی زبان حلوا بھی کھلاتی ہے اور یہی زبان جوتے بھی لگواتی ہے، یہی زبان عزت بھی دیتی ہے اور یہی ذلت بھی دیتی ہے، اسی زبان سے تلاوت کرکے، اسی زبان سے نیکیوں کی دعوت دے کر، اسی زبان سے ہر کسی کے ساتھ اخلاق ومحبت کی بات کرکے، اسی زبان سے وعظ ونصیحت کرکے، اسی زبان سے حمد ونعت اور

درودوسلام پڑھ کر اللہ رسول کی تعریف کر کے انسان جنت کا حق دار بن جاتا ہے اور اسی زبان
سے اللہ کی وحدانیت کا، رسول کی رسالت کا اسلام کی حقانیت کا اور قرآن کی صداقت کا انکار
کر کے انسان جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ زبان تمام فتنوں اور برائیوں کی جڑ ہے، اس لئے اس کا صحیح استعمال بہت
ضروری ہے۔قرآن واحادیث میں بے شمار مقامات پر زبان کی حفاظت کے لئے سخت تاکید
آئی ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو جسم کے تمام اعضاء زبان کے سامنے
ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اے زبان تو سیدھے سیدھے چلنا اگر تو سیدھی رہی
تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو سیدھا نہ چلی بگڑ گئی تو ہم سب مارے جائیں گے۔

کہتے ہیں کہ اللہ کے ایک مقبول بندے گزرے ہیں جن کا نام حضرت لقمان ہے۔آپ
کی نصیحتیں اللہ کو اتنی پسند آئیں کہ اپنے کلام پاک میں آپ کے نام سے ایک سورت ہی نازل
فرمادی۔آپ بادشاہِ وقت کے وزیر اور مشیر تھے۔ایک مرتبہ بادشاہ نے آپ کو بکری دیا اور کہا
کہ اسے ذبح کرو اور اس میں جو سب سے اچھی چیز ہو وہ میرے پاس لے آؤ۔چنانچہ آپ نے
بکری ذبح کی اور اس کی زبان اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا دل بہر کیف آپ بکری کی
زبان لے کر بادشاہ کے پاس آئے اور کہا اس کے پورے جسم میں سب سے اچھی چیز یہی
ہے۔بادشاہ نے دوسری بکری دی اور کہا اسے ذبح کر کے اس کے جسم میں جو بری میں بری چیز
ہے وہ لے کر آؤ۔آپ نے دوسری بکری ذبح کی اور پھر وہی زبان لے کر بادشاہ کی خدمت میں
آئے اور پیش کر کے کہا سب سے بری میں بری چیز بھی یہی ہے۔بادشاہ نے تعجب سے کہا یہ
کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی چیز بری بھی ہو اور وہی چیز اچھی بھی ہو۔آپ نے فرمایا اے بادشاہ
یہ حقیقت ہے کہ زبان ہی سب سے اچھی ہے اور زبان ہی سب سے بری ہے۔اگر زبان صحیح
چلتی ہے۔اللہ کے کہنے کے مطابق بری باتوں سے دور رہتی ہے تو پورے اعضاء میں سب
سے اچھی یہی ہے۔اور اگر یہ بگڑ گئی ہے، فتنہ فساد پھیلانے لگی ہے، غیبت چغلی میں لگ گئی ہے
، جھوٹ بولنے لگی ہے، لگائی بجھائی میں پڑ گئی ہے تو تمام اعضاء میں سب سے بری یہی
ہے۔اگر یہ صحیح ہے تو جسم کی پوری باڈی صحیح ہے اور اگر یہ خراب ہے تو پورا جسم خراب ہے۔جس

نے زبان کی حفاظت کی اور غصہ پہ قابو پالیا وہ تمام آفتوں سے محفوظ رہا۔

اللہ کے یہاں زبان کی بڑی اہمیت ہے اور اتنی اہمیت ہے کہ ایک کافر ومشرک آدمی
پوری زندگی کفر وشرک میں گزارتا ہے۔گناہ کرتے کرتے جسم کے بال سفید ہوگئے پھر بھی
اگر وہ سچے دل سے کفر وشرک اور تمام گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت
فرمادیتا ہے۔زبان سے ایمان آتا بھی ہے اور چلا بھی جاتا ہے۔زبان سے کلمہ پڑھ لیا
ایمان آ گیا۔کفر بک دیا، اللہ رسول کی شان میں گستاخی کی ایمان چلا گیا۔زبان سے نکلے
ہوئے الفاظ کی اتنی اہمیت ہے کہ ناجائز جائز ہوجاتا ہے اور حرام حلال ہوجاتا ہے ایک
عورت جو غیر محرم تھی جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا ناجائز اور حرام تھا اس عورت کو آپ نے
اپنی نکاح میں زبان سے "قَبِلْتُ" کہہ کر قبول کر لیا۔اب وہ عورت آپ کی شریک حیات
بن گئی، وہ آپ کے لئے حلال ہوگئی اور اسی عورت کو تین مرتبہ زبان سے طلاق کہہ دیا اب وہ
آپ کے لئے حرام ہوگئی۔دیکھو زبان کے صحیح استعمال سے ایک غیر محرم عورت آپ کی بیوی
بن گئی۔آپ کے لئے حلال ہوگئی اور زبان کے غلط استعمال سے وہی عورت اب آپ کے
لئے حرام ہوگئی۔انسان کے زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ کے یہاں بہت ہی قدر وقیمت
رکھتے ہیں۔اس لئے زبان کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں
ارشاد فرماتا ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ انسان کوئی بات کہتا
ہے اچھا ہو یا برا اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے جو کچھ اس نے کہا ہے۔محفوظ کر دیا
جاتا ہے۔کسی دانشور کا قول ہے عقلمند وہ ہے جو سوچ کر بولتا ہے اور بیوقوف وہ ہے جو بول کر
سوچتا ہے اور پچھتاتا ہے۔

آدمی کو چاہیے کہ زبان کا استعمال غصے کی حالت میں نہ کرے۔عام طور پر دیکھا گیا
ہے کہ غصے میں مردوں کا ہاتھ بے قابو ہو کر زیادہ چلتا ہے اور عورت کی زبان زیادہ چلتی
ہے۔زبان وہ تلوار ہے جو کبھی زنگ آلود نہیں ہوتی ہمیشہ چلتی رہتی ہے حالانکہ زبان کی تلوار ان
رشتوں کو کاٹ دیتی ہے جن کو لوہے کی تلوار نہیں کاٹ سکتی۔یاد رکھو! سچا مسلمان اور صحیح انسان
وہی ہے جس کے زبان سے کسی مسلمان اور انسان کو دکھ تکلیف نہ پہنچے۔آج کچھ لوگ ہیں جو

زبان کا غلط استعمال کرتے ہیں۔غیبت چغلی کرتے ہیں۔ایک دوسرے پر طنز کرتے ہیں۔ایک دوسرے کی تنقیص کرتے ہیں۔زبان سے ایسی باتیں کہہ کر ایک دوسرے کا دل دکھاتے ہیں۔یادرکھیں تلوار کا وار انسان کے جسم پر ہوتا ہے مگر زبان کا وار ہمیشہ دل پر ہوتا ہے۔تلوار سے لگایا ہوا زخم جلدی بھر جاتا ہے مگر زبان سے لگایا ہوا زخم وہ کبھی مندمل نہیں ہوتا۔اسی لئے تو آقا علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص مجھے دو چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دے دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ایک شرم گاہ کی حفاظت اور دوسرا زبان کی حفاظت۔

قیامت کے دن ایسے لوگ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے جن کی زبان سے پوری زندگی میں برے الفاظ نہیں نکلے۔وہاں اگر ہم اپنی جاہلانہ گفتگو کے ساتھ پیش ہوئے تو ہمیں کتنی شرمندگی وندامت ہوگی۔اگر اللہ نے ہم سے پوچھ لیا بتاؤ تم نے فلاں کو گالی کیوں دی تھی،فلاں کو کمینہ کیوں کہا تھا،فلاں کو زبان سے کہہ کر تکلیف کیوں دیا تھا،عالم علماء کی توہین کیوں کیا تھا۔فتنے کیوں پھیلایا تھا۔زبان سے ایسی بات کر کے کسی کا دل کیوں دکھایا تھا۔بولو خدا کے سامنے کیا جواب دو گے۔وہاں جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔تمام ولیوں کے سردار سرکار غوث اعظم اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت اپنی جلال میں ہوگا۔نفسا نفسی کا عالم ہوگا،اللہ عیسائیوں سے پوچھے گا تم نے مخلوق کو میرا شریک کیوں بنایا۔مجھے چھوڑ کر غیر کی پوجا پاٹ کیوں کی۔وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیں گے کہ انھوں نے کہا تھا (نعوذ باللہ) اللہ عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا آپ نے کہا۔جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا جائے گا تو ہیبت الٰہی کے مارے ان کے بدن کے ہر بال سے خون کا قطرہ نکلے گا اور وہ کہیں گے لعنت ہے تم پر تم دنیا میں جھوٹ تو بولتے ہی تھے یہاں بھی جھوٹ بولتے ہو۔غرضیکہ تمام انبیاء اور رسولوں سے یہی سوال ہوگا۔سب یہی عرض کریں گے مولیٰ میں نے تو ان سب کو تیری وحدانیت کی دعوت دی تھی مگر انھوں نے تجھے چھوڑ کر کفر اور شرک اختیار کیا۔میں نے انہیں کبھی نہیں کہا تھا کہ میری پوجا کرنا میں تو صرف تیری عبادت کا،تیری وحدانیت کا درس دیا تھا۔

سوچو! جب سچوں کے ساتھ وہاں یہ معاملہ ہوگا تو ہم جیسے جھوٹوں کا کیا حال ہوگا۔آج

زبان سے الٹی سیدھی باتیں نکالنا بہت آسان ہے مگر قیامت کے دن جواب دینا بھاری ہوگا۔اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول اکثر انسان کس وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔سرکار نے فرمایا دو اعضاء کی غلط استعمال سے اکثر لوگ جہنم میں جائیں گے۔ایک وہ جو دو جبڑوں کے درمیان میں ہے یعنی زبان۔اور دوسرا وہ چیز جو دونوں رانوں کے درمیان میں ہے یعنی شرمگاہ۔مطلب اس حدیث پاک کا یہ ہے کہ لوگ زبان اور شرم گاہ کے غلط استعمال کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔گلشن صداقت کے مہکتے ہوئے پھول جانشین رسول، ملت اسلامیہ کے شفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعض اوقات اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچتے تھے اور فرماتے تھے یہ جسم کا وہ عضو اور حصہ ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔عظیم ہے وہ انسان جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اور اس کا صحیح استعمال کیا۔

دوستو! زبان کا پھسلنا پاؤں کے پھسلنے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔پاؤں پھسل جائے تو انسان دوبارہ کھڑا ہو جاتا ہے لیکن زبان سے غلط نکل جائے تو پھر اختیار میں کچھ نہیں ہوتا۔کہاوت ہے،کمان سے نکلا ہوا تیر اور زبان سے نکلی ہوئی بات کبھی واپس نہیں آتی۔زبان کے پھسلنے سے انسان سماج میں بے وقار ہو جاتا ہے۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے آپ اپنی مجلس میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک چھوٹی سی بچی نے نصیحت کی۔کسی نے پوچھا حضرت کیا نصیحت کی۔فرمایا ایک مرتبہ بارش ہو رہی تھی۔کیچڑ تھا لوگ بڑی احتیاط سے چل رہے تھے۔میں بھی جا رہا تھا۔میں نے ایک بچی کو آتے ہوئے دیکھا میں نے کہا بیٹی احتیاط سے چلنا کہیں پھسل نہ جانا۔اس نے مجھے دیکھ کر کہا حضرت میں پھسل گئی تو دوبارہ کھڑی ہو جاؤں گی۔ذرا آپ اپنا خیال رکھنا اگر آپ پھسل گئے تو پوری امت پھسل جائے گی کیونکہ امت کے امام ہیں آپ پھسلنا نہیں کیونکہ زَلَّةُ العَالِمِ زَلَّةُ العَالَم عالم کا پھسلنا عالم کا پھسلنا ہے۔اگر آپ کی زبان پھسل گئی تو امت پھسل جائے گی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے چھوٹی بچی نے استقامت کا سبق دیا۔ایک بزرگ نے فرمایا دل ہنڈیا کی طرح ہے اور زبان چمچ کی طرح ہے۔چمچ وہی نکالے گا جو ہنڈیا میں ہوگا۔زبان وہی کچھ نکالتی ہے جو دل میں موجود ہوا کرتا ہے۔اگر دل

میں ظلمت ہوگی برائی ہوگی تو زبان سے بری بات نکلے گی اور اگر دل میں نور ہوگا۔دل روشن ہوگا تو زبان سے پاکیزہ اور اچھی بات نکلے گی جسے سن کر دل کو سکون ملے گا۔ہماری زبان دل کی ترجمان ہے۔جس طرح ڈاکٹر مریض کے زبان کی رنگت کو دیکھ کر بیماری کا اندازہ لگا لیتے ہیں اسی طرح علماء اور اللہ والے زبان کی گفتگو سن کر روحانی بیماریوں کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ دانشوروں کا قول ہے کہ علماء کی محفل میں بیٹھو تو زبان سنبھال کر بیٹھو۔حاکم کی محفل میں بیٹھو تو نگاہیں سنبھال کر بیٹھو اور اللہ والوں کی محفل میں بیٹھو تو اپنے دلوں کو سنبھال کر بیٹھو۔عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لمبی زبان یا تونی انسان کو مصیبت اور فتنے میں ڈال دیتی ہے کیوں کہ آدمی جتنا زیادہ بولے گا اتنا ہی سر پر مصیبت لے گا۔اتنا ہی زیادہ مصیبت میں پھنستا ہی جائے گا۔ یہاں اس سے لایعنی اور فضول گفتگو مراد ہے نہ کہ وعظ نصیحت اور تقریر۔

فرمان نبوی ہے زبان کا صحیح استعمال کرو۔جھوٹ سے بچو ہمیشہ سچ بولو۔سچ بولنے میں برکت ہے،رحمت ہے،بخشش ہے،نجات ہے۔آیئے اس ضمن میں ایک واقعہ سماعت فرمایئے۔اپنے وطن کی بات ہے ایک شہر میں زمین کا ٹکڑا تھا جس پر تنازع اور اختلاف پیدا ہوگیا۔مسلمانوں کا دعویٰ تھا یہ زمین ہماری ہے،ہندوؤں کا دعویٰ تھا نہیں،یہ زمین ہماری ہے۔ہندو چاہتے تھے وہاں مندر بنایا جائے مسلمان چاہتے تھے وہاں مسجد بنائی جائے۔ انگریزوں کی اس وقت حکومت تھی،قریب تھا کہ آپس میں دونوں قومیں لڑ جائیں۔نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔معاملہ بڑا ہی نازک تھا،دونوں عدالت میں پہونچے۔جج بھی پریشان تھا کہ کوئی صلح صفائی کی صورت نکل آئے تو بہتر ہے۔جب مقدمہ کی سماعت ہونے لگی تو انگریز جج نے سوال پوچھا کہ تصفیہ اور صلح کی کوئی صورت ہے۔ہندوؤں نے کہا ہم ایک تجویز پیش کرتے ہیں بغیر مقدمے کے بات سلجھ جائے گی۔جج نے کہا وہ کون سی بات ہے۔کہا ہم ایک مسلمان عالم کا نام بتا دیتے ہیں آپ ان کو اپنے پاس بلا لیجیے اور ان سے پوچھئے یہ جگہ کس کی ہے اگر وہ کہہ دیں گے کہ ہندوؤں کی ہے تو آپ ہمارے حوالے کر دیجئے اور اگر وہ کہیں مسلمانوں کی ہے تو ان کے حوالے کر دیجیے۔جب لوگ عدالت کے کمرے سے باہر نکلے تو ہندو عوام اپنے نمائندوں سے ناراض ہونے لگی کہ بس تم نے تو بیڑا اغرق کر دیا جس کا نام تم

نے دیا ہے وہ تو مسلمان ہے بلکہ وہ مسلمانوں کا مذہبی پیشوا ہے،وہ تو مسلمانوں کے حق میں ہی بات کرے گا۔دوسری طرف مسلمان مارے خوشی سے اچھل رہے تھے کہہ رہے تھے کہ گواہی دینے کے لئے ایک عالم دین کو چنا گیا ہے جب وہ عالم ہے تو آخر وہ مسجد بنانے کی ہی بات کرے گا۔مسلمان خوشیاں منا رہے ہیں۔ہندوؤں کے دل مرجھا گئے ہیں بہر حال اس دن کا انتظار تھا۔دوبارہ جب مقدمے کی تاریخی آئی تو کثیر تعداد میں دونوں سماج کے لوگ عدالت میں پہونچ گئے،مجمع لگا ہوا تھا۔وہاں ایک عالم دین کو پیش کیا گیا جن کی گواہی ہندوؤں کو بھی تسلیم تھی۔جج نے ان سے پوچھا مولانا صاحب بتایئے یہ زمین ہندوؤں کی ہے یا مسلمانوں کی۔اس عالم دین نے کہا یہ زمین ہندوؤں کی ہے۔جج نے پوچھا کیا اس زمین پر ہندو اپنا مندر بنا سکتے ہیں۔انھوں نے کہا یہ زمین جب ہندوؤں کی ملکیت ہے تو مندر بنائیں یا گھر بنائیں یہ ان کی مرضی ہے جو بھی بنائیں۔ان کو بنانے کا اختیار ہے چنانچہ جج نے اسی وقت ایک تاریخی فیصلہ لکھا۔''آج کے مقدمے میں مسلمان ہار گئے مگر اسلام جیت گیا۔'' جب جج نے یہ فیصلہ سنایا تو ہندوؤں نے یہ کہا۔جج صاحب آپ نے فیصلہ ہمارے حق میں دیا ہے۔اب ہمارا بھی فیصلہ سن لیجیے۔ہم کلمہ پڑھتے ہیں مسلمان ہوتے ہیں اب ہم اپنی ہاتھوں سے اس جگہ مسجد بنائیں گے۔وہ مذہب کتنا سچا مذہب ہے جس نے یہ تعلیم دی کہ کبھی جھوٹ نہ بولو۔جھوٹی گواہی نہ دو بلکہ ہمیشہ سچ بولو چاہے اس سے تمہیں یا تمہارے رشتہ دار کو نقصان کیوں نہ پہونچتا ہو،ہم اس مذہب اسلام پر ایمان لاتے ہیں جو سچائی کی اتنی تلقین کرتا ہے۔

دیکھا آپ نے زبان کا صحیح استعمال کیا۔سچ بولنے کی برکت سے اللہ نے ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔آج کچھ مسلمان آپ کو ایسے بھی ملیں گے جو صرف ایک چائے پر جھوٹی گواہی دے کر اپنے ایمان کو بیچ دیتے ہیں۔

تاریخ میں بہت سے ایسے جانباز گزرے ہیں جنھوں نے اپنی آن اور زبان کے خاطر جان دے دی مگر زبان نہیں ہارے۔جو زبان سے کہہ دیا اسے پورا کر کے دکھا دیا۔اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس جنگی قیدیوں میں ایک کافر شہزادہ آیا جس نے میدان جنگ میں مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچایا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے حکم دیا کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے جس نے ہماری فوجوں کا نقصان کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر نے جلاد کو بلایا۔ آپ کی عادت تھی کہ اگر آپ کسی کو سزائے موت دیتے تو اس سے پوچھتے تھے کہ تمہاری زندگی کی کوئی آخری خواہش ہو وہ کہو میں پوری کروں گا۔ وہ کہنے لگا مجھے ایک پیالہ پانی پلا دیجیے۔ پانی کا پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ ہاتھ میں لے کر وہ کھڑا ہو گیا مگر اس کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ حضرت عمر نے پوچھا کیا ہوا، پانی پیو۔ اس نے کہا کہ نہیں مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں پانی پینے لگوں اور اس دوران یہ جلاد مجھے قتل کر دے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اطمینان رکھو جب تک تم یہ پانی نہیں پیو گے ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ یہ لفظ سنتے ہی شہزادے نے پانی کا پیالہ زمین کے اوپر پھینک دیا۔ سارا پانی زمین نے چوس لیا۔ شہزادہ کہنے لگا امیر المومنین! اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے کیونکہ آپ نے مجھے زبان دیا ہے کہ جب تک میں یہ پانی نہ پیوں گا آپ مجھے قتل نہیں کریں گے۔ پانی میں نے نہیں پیا آپ ہمیں قتل نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے جیسا کوئی ہوتا تو دھوکہ دہی کے الزام میں گردن اڑا دیتا لیکن وہ امیر المومنین حضرت عمر تھے، فرمانے لگے ہاں میں نے تجھے زبان دیا تھا اب میں تجھے قتل نہیں کر سکتا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ کہا تو وہ شہزادہ کہنے لگا۔ امیر المومنین میرے دل کے اندر اسلام کی عظمت بہت زیادہ ہے میں چاہتا تھا کہ اس سچے دین کو قبول کر لوں لیکن میرے دل میں خیال آیا کہ اگر میں کلمہ پڑھوں گا تو لوگ کہیں گے کہ موت کے ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھ لیا۔ اس لئے میں نے ایسا حیلہ کیا لہٰذا میں اپنے اختیار سے سچے دل سے مسلمان بننے کا اعلان کرتا ہوں۔ اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان بن گیا۔

دیکھو سچ بولنے سے اللہ رب العزت کی رحمت اترتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن سب کچھ ہوسکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ مومن زبان کا پکا اور سچا ہوتا ہے۔ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، کسی کا دل نہ دکھائے۔ روایت میں ہے کہ جس نے کسی مومن کے دل کو خوش کیا اللہ اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ وہ فرشتہ قیامت تک اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا رہتا ہے اور اس کے ذکر و عبادت کا ثواب اس بندے کے

نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میرے کسی امتی کی ضرورت کو پورا کیا تا کہ اس کا دل خوش ہو جائے تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

آج اگر ہم کسی کے دل کو خوش نہیں کر سکتے تو اس کے دل کو رنج و غم بھی نہ پہونچائیں۔ یاد رکھنا! بیماریوں میں سب سے بری دل کی بیماری ہے اور دل کی بیماریوں میں سب سے بری دل آزاری ہے۔ کسی کے دل کو دکھانا ہے مگر ہم بڑی دلیری سے دوسروں کی دل آزادی کر رہے ہوتے ہیں۔ خاوند بیوی کو کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے کہ وہ بیچاری سارا دن روتی رہتی ہے۔ اور بیوی خاوند کو ایسی بات کہہ دیتی ہے کہ اس بیچارے کا چین و سکون برباد ہو جاتا ہے۔ آج ہمیں زبان چلانے کی بڑی عادت ہے۔ ہم ہر وقت بولتے ہی رہتے ہیں، سننے کی عادت کم، بولنے کی عادت زیادہ ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ بدزبانی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ آیئے آخر میں ایک حدیث پاک سماعت فرمایئے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایک عورت ہے جو روزہ نماز صدقہ و خیرات بہت ہی کرتی ہے مگر وہ اپنے پڑوسیوں سے بدزبانی کرتی ہے۔ زبان سے انھیں تکلیف پہونچاتی ہے۔ ایسی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے۔ فرمایا ایسی عورت جہنمی ہے جو اپنے زبان کی حفاظت نہیں کرتی اور اس سے پڑوسیوں کو دکھ پہونچاتی ہے۔ پھر اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عورت ہے جو نفلی نمازیں روزے صدقے وخیرات کم کرتی ہے مگر دوسروں کو اپنی زبان سے تکلیف نہیں پہونچاتی۔ یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسی عورت جنتی ہے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ زبان کا صحیح استعمال انسان کو جنت میں پہنچا دیتا ہے۔ اور زبان کا غلط استعمال انسان کو جہنم کا ایندھن بنا دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبان کی خوب خوب حفاظت کریں جس نے زبان کی حفاظت کی وہ سلامتی میں رہا۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

شکر الٰہی

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (پ ۲، سورہ بقرہ، آیت ۱۵۲)

میرا شکر کرو اور ناشکری مت کرو۔

آج میری تقریر کا موضوع ہے شکر الٰہی۔ شکر نعمتوں پر ہوتا ہے اور سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ نے ہم کو اسلام دیا۔ قرآن دیا ایمان دیا۔ اور اپنے محبوب کا امتی بنایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مکمل تمام اعضاء سے اطاعت فرمانبرداری کا نام شکر ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو تمام گناہوں سے بچانے اور اللہ کی فرمانبرداری اختیار کرنے کا نام شکر ہے۔ فرمان نبوی ہے صبر کرنے والا دل اور شکر کرنے والی زبان اللہ کو بے حد پسند ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا شکر آدھا ایمان ہے اور نیک بخت آدمی وہ ہے جو سکھ اور دکھ میں ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا رہے۔ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا مولیٰ! آدم کو تو نے اپنی دست قدرت سے پیدا کیا اور ان کو بہت سی اچھی اچھی نعمتیں دیں وہ تیرا شکر کس طرح بجا لائے۔ فرمایا اے موسیٰ آدم کو جو کچھ نعمتیں ملیں انھوں نے سمجھا کہ وہ سب میرے مولیٰ کی طرف سے ہیں۔ ان کا اس طرح سمجھنا ہی شکر گزاری ہے۔

تفسیر کی کتابوں میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو قیامت تک پیدا ہونے والی ان کی تمام ذریت اور اولاد کو دکھائی گئی۔ تو انھوں نے دیکھا کہ کوئی خوبصورت ہے کوئی بدصورت ہے۔ کوئی امیر ہے تو کوئی غریب ہے۔ کوئی تونگر ہے تو کوئی مفلس ہے۔ کوئی خوشحال ہے تو کوئی فاقہ وتنگ دستی سے بے حال ہے۔ کوئی بیمار ہے تو کوئی تندرست ہے۔ کوئی لولا ہے تو

کوئی لنگڑا ہے۔ کوئی بہرا ہے تو کوئی اندھا ہے۔ کوئی بھوکا ہے تو کوئی آسودہ ہے۔ کوئی رو رہا ہے تو کوئی ہنس رہا ہے۔ کوئی غموں سے نڈھال ہے تو کوئی خوشیوں سے مالا مال ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت آدم علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں عرض کیا مولیٰ! یہ سب تیرے ہی بندے ہیں۔ تیری خزانہ قدرت میں کسی چیز کی کمی نہیں سب کو برابر دیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ سب کو تندرستی دی ہوتی، سب کو خوشحالی دی ہوتی، سب کو مالدار بنا دیا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ کہیں پر کوئی رنج وغم نہ ہوتا، کہیں پر ماتم نہ ہوتا، یہ دنیا خوشیوں سے بھری ہوتی تو کتنی خوبصورت دکھائی دیتی۔

اللہ نے فرمایا اے میرے پیغمبر اگر میں سب کو ایک جیسا بنا دیتا تو دنیا کا نظام رک جاتا اور کوئی میرا شکر نہ کرتا۔ انسان پر خوشحالی آتی ہے تو وہ غافل ہو جاتا ہے۔ وہ مجھے یاد نہیں کرتا۔ تندرست ہوتا ہے تو مجھے یاد نہیں کرتا۔ اس لئے تنگ دستی اور بیماری پیدا کیا تاکہ لوگ مجھے یاد کریں اور میرا شکریہ ادا کریں۔

علماء اور محدثین فرماتے ہیں کہ بچے کی پیدائش کا شکریہ عقیقہ ہے، نکاح کا شکریہ ولیمہ ہے، رمضان اور عید کا شکریہ صدقہ ہے جانور پالنے کا شکریہ ہے، کبھی کبھی اس کا دودھ فقیروں کو دے دیا کرے۔ کھیتی باڑی کا شکریہ یہ ہے کہ اس کا پھل کھانے سے منع نہ کرے اور علم کا شکریہ یہ ہے کہ جو کچھ جانتا ہے وہ دوسرے لوگوں کو بتائے تاکہ اس کا فیضان جاری رہے اور اپنے پورے وجود کا شکریہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ رسول کی نافرمانی سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو تمام مخلوقات میں سب سے افضل واعلیٰ بنایا۔ کرامت اور بزرگی کا تاج اس کے سر پر رکھا۔ اشرف المخلوقات کا لقب دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ بے شمار نعمتیں انسانوں کے لئے نازل فرمائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تحصوھا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم اس کو شمار نہیں کر سکو گے۔ انسان جس حال میں بھی ہو ہر حال میں اللہ کی رحمتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ اللہ نے اپنی ان نعمتوں کے بارے میں جگہ جگہ قرآن میں ذکر فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السماءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔ اللہ کی وہ ذات

ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت۔ اور آسمان سے اتارا تمہارے لئے پانی پھر اس میں سے نکالا تمہارے لئے پھل اور طرح طرح کے کھانے پینے کی نعمتیں۔

آپ غور کریں اللہ نے ہمارے لئے زمین بنائی۔ یہ زمین اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اگر یہ زمین نہ ہوتی تو ہم کہاں رہتے۔ ہم مکان کہاں بناتے۔ ہم اناج اور پھل فروٹ کہاں سے پیدا کرتے جو رات دن ہم کھاتے ہیں۔ اسی زمین سے ہم اپنی تمام ضروریات پورا کرتے ہیں۔ اسی زمین سے اللہ نے ہمارے لئے طرح طرح کے معدنیات نکالیں۔ ہیرے جواہرات سونا چاندی لوہا تانبا پیتل وغیرہ اسی زمین سے پیدا فرمایا جو ہمارے لئے بہت ہی کارآمد اور زینت کا سامان ہے۔ سوچو! یہ سب کتنی بڑی نعمتیں ہیں اسی طرح اور بھی بے شمار نعمت ہیں جو زمین سے اللہ ہمارے لئے نکالتا ہے۔ ایک پانی ہی کو دیکھو یہ کتنی بڑی اللہ کی نعمتیں ہے اگر چوبیس گھنٹے تک ہمیں یہ نعمت نہ ملے تو ہمارا کیا حال ہوگا۔

اسی طرح ہوا کو دیکھیں یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے، ہماری زندگی کے ساتھ ہوا کا کتنا گہرا تعلق ہے۔ اگر ہوا کا وجود نہ ہو تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کو دیکھو، سورج کو دیکھو یہ ہماری پھلوں اور فصلوں کو پکانے میں بہت ہی کارآمد ہیں۔ چاند اور ستاروں کو دیکھو، ان کی خوبصورتی اور روشنی کو دیکھو، تمام جانوروں کو دیکھو۔ اللہ فرماتا ہے:
وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ۔ ان مویشیوں میں تمہارے لئے بہت منافع ہیں یعنی بعض جانوروں کا دودھ ہم پیتے ہیں جیسے گائے بھینس اونٹ بکری وغیرہ پھر ہم ان کو ذبح کر کے ان کے گوشت سے ہم طاقت وقوت حاصل کرتے ہیں اور ان کے چمڑے سے ہم فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ اور بنائے ہم نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

حضرات اگر انسان اپنے وجود پر غور کرے تو اسے سر سے لے کر پیر تک بے شمار اللہ کی نعمتوں کے جلوے نظر آئیں گے۔ اللہ نے ہمیں بولنے کے لئے زبان دیا۔ دیکھنے کے

لئے آنکھیں دیں۔ چلنے کے لئے پیر دیا۔ پکڑنے کے لئے ہاتھ دیا۔ زندہ رہنے کے لئے جسم میں جان ڈالی پھر جسم میں سانس ڈالی پھر صحت وتندرستی دی۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ اگر ہم ساری زندگی اللہ کی دی ہوئی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہیں تو بھی ادا نہیں کر سکتے۔ یہ جو ہم سانس لیتے ہیں خدا کی قسم! اگر ہم اس سانس کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ یہ انسان دن میں چوبیس ہزار مرتبہ سانس لیتا ہے۔ اسی طرح یہ کان کو دیکھیں یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ کسی بہرے سے پوچھو کان کتنی بڑی نعمت ہے۔ اسی طرح یہ دو آنکھیں کتنی بڑی نعمت ہے۔ آنکھوں کی قدر و قیمت پوچھنا ہے تو کسی اندھے سے پوچھو جو اس نعمت سے محروم ہے۔ قیامت کے دن اگر اللہ صرف اسی آنکھ کا حساب مانگے گا کہ بتاؤ میں نے دیکھنے کے لئے تمہیں دو آنکھیں دی تھیں تم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ کسی نعمت کا شکریہ یہی ہے کہ ہم اس کا صحیح استعمال کریں۔ اگر ہم نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا غلط استعمال کیا تو یہ ناشکری ہے اور خدا کے یہاں ہمیں جواب دینا ہے اور اگر ہم میں سے کسی نے یہ کہہ دیا کہ یا اللہ ہم نے ساری عمر عبادت کی اور تیری نعمتوں کا شکر ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اگر عدل کے ترازو کے ایک پلڑے میں اپنی نعمتیں رکھ دے اور دوسرے پلڑے میں ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادت تو بتاؤ وہاں ہماری ناقص عبادت کی کیا حیثیت ہوگی۔ اس کی ساری نعمتوں میں سے صرف ایک ہی نعمت کا پلڑا زندگی بھر کی عبادتوں پر بھاری ہوگا۔

علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ یہ حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ وہ اللہ کے مقبول بندے ہیں جن کو جاگتے ہوئے ستر مرتبہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہی علامہ شعرانی اپنی تصنیف میں یہ حدیث شریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج میں ایسے جزیرے کے پاس سے گزر کر آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا ہوں جہاں اللہ کا ایک مقبول بندہ رہتا تھا جس نے چار سو سال تک اللہ کی اس طرح عبادت کی کہ اس نے پلک جھپکنے تک کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی کا خیال دل میں نہیں لایا۔

جب چار سو سال تک اس نے اللہ کی عبادت کی پھر اس کی موت کا وقت آ گیا تو اس نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی یا اللہ! میں چاہتا ہوں کہ میری روح سجدے کی حالت میں نکلے۔ جب روح نکلے تو میرا سر تیری بارگاہ میں جھکا ہوا ہو اور تو میری روح قبض فرما لے۔ اس نے یہ دعا اس لئے مانگی کہ نبی کریم نے فرمایا بخاری شریف کی حدیث ہے:

کُلُّ عَبۡدٍ یُبۡعَثُ عَلٰی مَا مَاتَ عَلَیۡہِ۔ جو آدمی جس حال میں مرے گا اسی حالت میں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔ اگر سجدے میں مر گیا تو حالت سجدہ میں خدا کے حضور پیش ہوگا۔ اگر تلاوت کرتے کرتے موت آ گئی تو اسی حالت میں قبر سے اٹھے گا۔ اگر اذان دیتے ہوئے موت آ گئی تو قبر سے اذان دیتے ہوئے اٹھے گا۔ مختصر یہ کہ آدمی جس حال میں فوت ہوا ہے اسی حالت میں خدا کے حضور پیش ہوگا۔ اللہ برے خاتمہ سے بچائے، ایمان کے ساتھ اٹھائے۔

اس آدمی نے کہا یا اللہ! میں چاہتا ہوں کہ سجدے کی حالت میں میری موت آئے تاکہ تیری بارگاہ میں قیامت کے دن سجدے کی حالت میں پیش ہوں۔ اللہ نے ملک الموت کو حکم دیا۔ عزرائیل! عرض کی جی رب جلیل۔ فرمایا جا ہمارے اس بندے کی روح کو سجدے کی حالت میں قبض کر لے تاکہ اس کی یہ آخری خواہش بھی پوری ہو جائے۔ عزرائیل علیہ السلام نے اس بندے کی روح کو سجدے کی حالت میں قبض کر لیا۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں یہی بندہ جب قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو اللہ جنت کے فرشتوں کو حکم دے گا کہ اے میرے فرشتو! میرے اس بندے کو میری رحمت کے زور پر جنت میں لے جاؤ۔ وہ بندہ کہے گا یا اللہ میں تیری رحمت کے زور پر جنت میں جانا نہیں چاہتا بلکہ میں تو اپنی عبادت کی زور پر جنت میں جانا چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس عبادت گزار بندے سے فرمائے گا کہ اچھا تمہیں اپنی عبادت پر ناز ہے کہ تو میری رحمت اور فضل کے سہارے جنت میں جانا نہیں چاہتا بلکہ اپنی عبادت کے سہارے جنت میں جانا چاہتا ہے۔ اے میرے فرشتو! اسے جنت میں لے جانے کے بجائے عدل کے ترازو پر لے جاؤ اور ایک پلڑے میں اس کی چار سو سالہ عبادت رکھو اور دوسرے پلڑے

میں ہمارے نعمتوں میں سے صرف ایک نعمت یعنی اس کی آنکھوں میں سے ایک آنکھ رکھ دو اور پھر وزن کرو کہ کون سا پلڑا بھاری ہے۔ چنانچہ اس عابد کی چار سو سالہ عبادت کو عدل کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور دوسرے پلڑے میں اللہ کی عطا کردہ آنکھوں میں سے ایک آنکھ رکھ دی جائے گی جب دونوں کا وزن کیا جائے گا تو آنکھ والی نعمت کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ اللہ دوزخ کے فرشتوں سے فرمائے گا اے جہنم کے فرشتو میرے اس بندے کو جہنم میں لے جاؤ۔ وہ بندہ کہے گا اے اللہ میں بھول گیا۔ اے خالق کائنات میں اپنی عبادت کی زور پر جنت میں نہیں جانا چاہتا بلکہ مولیٰ میں تو تیری رحمت کے زور پر جنت میں جانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر رب العالمین کی رحمت جوش میں آئے گی اور اللہ فرمائے گا اے فرشتو! اسے جنت میں لے جاؤ۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنی عبادت اور نیک اعمال پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے عبادت ضائع ہو جاتی ہے اور اللہ ناراض ہوتا ہے۔ اس لئے بندے کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اپنے رب کے فضل و کرم کا سہارا لے اس کی رحمت ہی کو باعث نجات جانے۔ ہماری عبادت یا اپنا کوئی نیک عمل اس لائق نہیں کہ وہ ہماری بخشش کا ذریعہ بن سکے۔ بندے کو چاہئے کہ وہ کسی حالت میں بھی اللہ کی ناشکری نہ کرے۔ اللہ جس حال میں رکھے اس کا شکر گزار بندہ بن کر رہنا چاہئے۔ یاد رکھو کہ جو اللہ کی تھوڑی سی معرفت رکھتے ہیں اور جن کو واقعی اللہ سے محبت ہوتی ہے وہ کسی حالت میں بھی اللہ کی ناشکری نہیں کرتے چاہے وہ جس حال میں بھی ہوں۔

نزہۃ المجالس میں بڑا پیارا ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے حضرت منصف فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک راستے سے گزر رہے تھے کہ آپ نے ایک معذور اور اپاہج آدمی کو دیکھا جو آنکھوں سے اندھا تھا۔ ہاتھ پاؤں سے معذور تھا مگر زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ شکر ہے اس رب کائنات کا جس نے مجھے آزمائش سے عافیت عطا فرمائی جس میں اس نے اپنی بہت سی مخلوق کو مبتلا کر رکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اس معذور بزرگ کو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے پوچھا اے

اللہ کے شکر گزار بندے نہ تیری ٹانگیں ہیں نہ تیری آنکھیں ہیں نہ ہی تیرا کوئی عضو سلامت
ہے پھر شکر یہ کس بات کا ادا کر رہا ہے۔اس بزرگ نے کہا اے اللہ کے پیارے نبی میں شکر
اس بات پر کر رہا ہوں کہ اللہ نے مجھے ہر گناہ سے بچا لیا ہے۔اے اللہ کے پیغمبر! اگر میری
آنکھیں ہوتیں تو میں کسی بری چیز کو کسی حرام شے کو دیکھ بیٹھتا۔ٹانگیں ہوتیں تو ہو سکتا تھا کہ
برائی کی طرف چلا جاتا لیکن شکر ہے اس ذات باری تعالیٰ کا کہ اس نے مجھے ہر گناہ سے
بچا لیا ہے، میں ہر گناہ سے محفوظ ہوں، ہر برائی سے بچا ہوا ہوں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا
اچھا یہ تو بتاؤ وہ کون سی آزمائش ہے جس سے اللہ نے تمہیں بچا لیا ہے۔وہ بزرگ کہنے لگے
اے اللہ کے نبی میں ان لوگوں سے بہت اچھا ہوں جن کے دل میں معرفت الٰہی نہیں جن
کے دل عشق الٰہی سے خالی ہیں۔اے اللہ کے نبی معرفت خداوندی اور عشق الٰہی یہ عظیم نعمت
ہے اس پر جس قدر شکر کروں کم ہے۔

قربان جائیے اس بزرگ کی اس نورانی کلام پر کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھیں نہ ہونے
کے باوجود بھی شکر کرنے کا ڈھنگ سکھا دیا اور بتا دیا کہ انسان کو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا
چاہیئے۔اور یہ بھی فرمایا کہ شکر کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے انسان کو اپنے سے نیچے والوں کو
دیکھنا چاہیئے۔اگر آپ اپنے سے اونچے کو دیکھیں گے تو پریشان اور دکھی ہوں گے۔زبان
پہ شکوہ وشکایات کے الفاظ آئیں گے جو کفر ہے اور اپنے سے نیچے کو دیکھیں گے تو دل میں
شکر کا جذبہ پیدا ہوگا۔

حضرت شیخ سعدی کا نام آپ نے سنا ہوگا۔وہ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ اللہ کا شکر گزار
بندہ بن کر رہا۔کبھی بھی میری زبان پر حرف شکایت نہ آیا۔مصیبت ہو یا تکلیف، سکھ ہو یا
دکھ لیکن ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میرے دل کی یہ کیفیت بدل گئی اور میری زبان سے ناشکری کا
لفظ نکل گیا لیکن پھر سنبھل گیا اور فوراً اللہ کا شکر ادا کیا۔ہوا یوں کہ ایک مرتبہ میں کوفہ کی جامع
مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے جا رہا تھا میرے پاس جوتے نہیں تھے۔میرے نفس نے
مجھے ورغلایا دل میں یہ خیال آیا کہ میں اللہ کی عبادت کے لئے جا رہا ہوں اور میرے پاس
جوتے تک نہیں میں ننگے پاؤں آگے چلا جب میں مسجد کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ ایک شخص

زمین پر پڑا ہے اور اس کے پاؤں بھی نہیں ہیں۔میں نے جب یہ منظر دیکھا تو فوراً سجدے
میں پڑ گیا کہ اے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جوتے نہیں ہیں مگر پیر تو سلامت ہے
لیکن اس بیچارے کے تو پیر بھی نہیں ہیں۔

میرے بھائیو! معلوم ہوا کہ ہر حال میں ہمیں شکر گزار بندہ رہنا چاہیئے۔

فرمان نبوی ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر والوں کو دیکھو تا کہ عمل کا شوق
زیادہ ہو اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھیں تا کہ دل میں شکر کی کیفیت
پیدا ہو۔اب شکر ادا کرنے کے دو طریقے ہیں ایک تو انسان اپنی زبان سے الحمد للہ کہے۔یہ
زبانی اللہ رب العزت کا شکر ادا کر رہا ہے۔اور ایک اپنے جسم سے اللہ کے حکموں کی پابندی
کرے۔گویا یہ جسمانی شکر الٰہی ادا کر رہا ہے۔زبان سے بھی اللہ کا شکر ادا کرے اور اپنے
جسم سے بھی اللہ کی اطاعت کرے گویا یہ اللہ کا شکر ادا کرنے والا بندہ ہے۔

بندے پر لازم ہے کہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتا رہے۔اللہ فرماتا ہے اگر تم میرا
شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے یعنی میں
اپنی نعمتیں چھین لوں گا۔آیئے اس سلسلے میں ایک واقعہ سماعت فرمایئے۔

یاد رکھو اللہ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے، دے کر شکر کا امتحان لیتا ہے اور نہ دے
کر صبر کا امتحان لیتا ہے۔مال و دولت کا نہ ہونا بھی امتحان ہے اور اس کی فراوانی بھی امتحان
ہے۔خوش بخت ہیں وہ لوگ جو ہر حال میں اپنے خالق و مالک کی رضا اور خوشنودی حاصل
کرتے ہیں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۵ کی حدیث ہے۔حضور نبی
کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے ایک کوڑھی، ایک گنجا، ایک
اندھا۔اللہ نے ان کے شکر کا امتحان لینا چاہا، ان کو آزمائش میں ڈالا۔ان کے پاس ایک
فرشتہ بھیجا جو پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے کہا اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْکَ۔اے کوڑھی
تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے۔اس نے کہا اچھی رنگ اور اچھی جلد اور مجھ سے یہ بیماری
جاتی رہے جس سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔کوڑھی کا یہ سوال سن کر اس فرشتے نے

جوانسانی شکل میں اس کے پاس آیا تھا۔اس نے اس کوڑھی پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری جاتی رہی۔اللہ نے اس کو اچھا رنگ اور اچھی جلد عطا کر دی وہ تندرست ہو گیا،خوبصورت ہو گیا پھر فرشتے نے پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے۔اس نے کہا اونٹ۔اللہ نے اسے اونٹی عطا فرمائی۔اس اونٹی کی نسل اتنی بڑھی کہ وہ ہزاروں اونٹوں اور اونٹنیوں کے ریوڑ کا مالک بن گیا پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا بتا تجھے کس چیز کی خواہش ہے اس نے کہا میرے سر پر خوبصورت بال آ جائیں میرا گنجا پن دور ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔پھر فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے سر پر خوبصورت بال آ گئے پھر اس سے پوچھا تجھے کون سا مال پسند ہے۔تو اس نے گائے طلب کی پھر اسے ایک گابھن گائے دی گئی اور کہا کہ اللہ تجھے اس میں برکت دے۔فرشتے نے دعا مانگی تو اس گائے کی نسل اتنی بڑھی کہ وہ ہزاروں گایوں کے ریوڑ کا مالک بن گیا۔وہ بھی عالی شان محل میں بڑی ٹھاٹھ باٹ کی زندگی گزارنے لگا۔پھر فرشتہ تیسرے آدمی کے پاس پہونچا جو آنکھوں کی بینائی سے محروم تھا۔فرشتے نے اس سے پوچھا تجھے کون سی چیز پسند ہے۔اس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ میری آنکھوں میں روشنی آ جائے تا کہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔یہ سن کر فرشتے نے اس اندھے پر اللہ کا نام لے کر اپنا نورانی ہاتھ پھیرا تو اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں پھر پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے تو وہ اندھا جو آنکھوں والا ہو چکا تھا کہنے لگا مجھے بکری زیادہ پسند ہے۔چنانچہ اسے بکری دی اور برکت کی دعا کی تو اس کی بکریوں میں اتنی برکت ہوئی کہ وہ ہزاروں لاکھوں بکریوں کا مالک بن گیا۔اس طرح وہ بھی عالی شان محل میں عزت کی زندگی گزارنے لگا۔

محترم سامعین کرام! غور کیجئے اللہ نے جو فرشتہ انسانی شکل میں بھیجا اس نے جب کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری جاتی رہی اور وہ حسین و جمیل ہو گیا۔گنجے کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے سر پر خوبصورت بال آ گئے۔اندھے پر ہاتھ لگایا تو اس کی آنکھوں میں روشنی آ گئی۔یہاں سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کو یہ عظمت حاصل ہے کہ ان کے ہاتھ اگر بیماروں کو مس ہو جائیں تو بیماری جاتی رہتی ہے۔بلکہ ان کے جسم کے ساتھ لگنے

والے کرتے میں بھی یہ طاقت ہے کہ اس سے آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کا ذکر بڑی تفصیل سے موجود ہے کہ بھائیوں نے حضرت یوسف سے کہا کہ ابا حضور کی آنکھیں آپ کی جدائی میں رو رو کر سفید ہو گئی ہیں۔آنکھوں کی روشنی چلی گئی ہے تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۔(پ ۱۳،سورۂ یوسف،آیت ۹۳) میرا یہ کرتا لے جاؤ اور اسے میرے والد گرامی کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھوں میں روشنی آ جائے گی۔

دوستو! سوچو غور کرو کہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں آ کر کوڑھی گنجے اور نابینا پر ہاتھ پھیر دے تو انھیں اچھی صحت،خوبصورت بال اور آنکھیں عطا ہو سکتی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کی برکت سے سیدنا یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہو سکتی ہیں۔عیسیٰ علیہ السلام کی دست نبوت سے مریضوں کو شفا،مادرزاد اندھوں کو آنکھیں مل سکتی ہیں۔مردے اللہ کے حکم سے زندہ ہو سکتے ہیں تو امام الانبیاء ﷺ کی ذات بابرکت سے بلائیں،آفتیں،مصیبتیں دور کیوں نہ ہوں گی۔جب نبیوں کی شان یہ ہے تو امام الانبیاء کی کیا شان ہو گی۔آپ کی بارگاہ عالیہ سے کیوں نہ روحانی جسمانی مصیبتوں سے نجات حاصل ہو گی۔اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں:

تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسم عطایا
تمہیں دافع بلایا تمہیں شافع خطایا
کوئی تم سا کون آیا

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ فرشتہ انسانی شکل میں آیا اور اس نے کوڑھی گنجے اور نابینا پر ہاتھ پھیرا تو انھیں بارگاہ خداوندی سے صحت یابی مل گئی اور انہیں اپنی پسند کے مال بھی اللہ نے دیئے کہ وہ تینوں اپنے وقت کے سیٹھ کہلانے لگے۔

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کافی عرصہ گزر جانے کے بعد پھر وہی فرشتہ سائل کی شکل میں ان کے پاس آیا سب سے پہلے وہ کوڑھی کے پاس پہونچا اور کہا میں ایک غریب آدمی ہوں۔سفر کی وجہ سے میرے سارے اسباب جاتے رہے،میں محتاج ہو گیا۔اللہ

کے نام پر مانگنے کے لئے آیا ہوں۔جس نے تجھے اچھی رنگت اور اچھی جلد عطا کی ہے۔
مجھے اللہ کے نام پر ایک اونٹ دے دے۔اس نے کہا کہ مجھ پر بہت سے حقوق ہیں۔یعنی
میرے بچے اور نوکر ہیں جن کے خرچ کے باعث ان کے اخراجات بھی پورے نہیں ہوتے
میں تجھے کہاں سے دوں۔فرشتے نے کہا شاید تو مجھے نہیں پہچانتا مگر میں تجھے اچھی طرح
پہچانتا ہوں تو وہی ہے جو پہلے کوڑھی تھا اور فقیر تھا لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے۔اپنی
اوقات بھول گیا۔اللہ نے تجھے ٹھیک کیا اور مال دولت عطا کی۔کہنے لگا میں امیر میرا باپ
امیر،میرا دادا امیر،میرا پردادا امیر تھا۔ہم تو خاندانی امیر ہیں تم کون ہو بات کرنے والے کہ
تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تھا چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں جوتے لگواؤں گا۔چنانچہ اس
نے کہا اچھا میاں ناراض نہ ہونا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے جیسا تو پہلے تھا ویسا ہی کر دے۔وہ
جب یہ کہہ کر چلا گیا تو اس کے جانوروں میں ایک بیماری آگئی اور سب اونٹ مر گئے اور وہ
پھر دوبارہ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔گویا اس نے اللہ کی ناشکری کی جس کی وجہ سے اس
کی صحت اور مال دولت چھین لیا گیا۔

پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے بھی خدا کے نام پر سوال کیا اور اس نے بھی وہی
جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا۔فرشتے نے کہا اللہ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے
تھا۔چنانچہ اس کے سر کے بال غائب ہو گئے اور وہ پھر گنجا ہو گیا اور اللہ نے اس کی گایوں
میں ایک ایسی بیماری پیدا کر دی جس سے سب گائیں مر گئیں۔اس طرح وہ جیسا پہلے تھا ویسا
ہی بن گیا۔پھر وہی فرشتہ نابینا کے پاس آیا اور اپنی ضرورت کو پیش کیا۔اور کہا بھئی میں اللہ
کے نام پر مانگنے آیا ہوں،محتاج ہوں۔اس اللہ کے پر نام پر سوال کرتا ہوں جس نے تجھے
آنکھیں دیں،مجھے ایک بکری دے دو۔جب اس نے یہ بات کی تو اس کی آنکھوں میں
آنسو آگئے کہنے لگا تم نے بالکل سچ کہا میں پہلے اندھا تھا۔مفلس اور کنگال تھا،کوئی خدا کا
بندہ آیا اس نے مجھے دعا دی اللہ نے مجھ پر کرم فرمایا میری آنکھیں روشن ہو گئیں اور اللہ نے
اتنا رزق عطا فرمایا۔اے سائل تو میرے مال میں سے جتنا چاہے لے لے۔دیکھو ان دو
پہاڑوں کے درمیان ہماری ہزاروں بکریاں پھر رہی ہیں جتنی چاہو تم اللہ کے نام پر لے

جاؤ۔اللہ کی قسم! آج تو جو کچھ بھی اللہ کے نام پر مانگو گے میں دے دوں گا۔اس پر فرشتہ
کہنے لگا مبارک ہو میں تو اللہ کا فرشتہ ہوں اللہ نے مجھے تین بندوں کی طرف آزمائش بنا کر بھیجا
تھا دو تو اپنی اوقات کو بھول گئے مگر تم نے اپنی اوقات کو یاد رکھا ہے۔اللہ تیرے مال میں اور
زیادہ برکت عطا فرمائے تو نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا۔اللہ فرماتا ہے بندہ اگر میری نعمتوں
کا شکر یہ ادا کرے گا تو میں اس پر اپنی رحمتوں برکتوں کے دروازے کھول دوں گا اور اگر فرعون
،نمرود،شداد اور قارون کی طرح میری نافرمانی اور ناشکری کرے گا تو میرا عذاب سخت ہے۔
اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ۔ تمہارے رب کی پکڑ بہت ہی سخت پکڑ ہے۔(منثورات)

محترم آج یہی حال ہمارے کچھ مالداروں کا ہے۔جب ان کے پاس مال و دولت کی
فراوانی ہو جاتی ہے تو وہ اپنی اوقات اور سابقہ حالات کو بھول جاتے ہیں۔فقیروں غریبوں
اور مسکینوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ان پر طرح طرح کے آواز کستے ہیں۔ان کو
بیوقوف ناسمجھ اور بے عقل کہتے ہیں۔یاد رکھو! دولت کا آجانا عقلمند ہنرمند اور تعلیم یافتہ
ہونے کی دلیل نہیں۔اگر رزق کی عطا عقل سے ہوتی تو کم عقل والے کم پڑھے لکھے لوگ
بھوکے مر جاتے لیکن آپ نے مشاہدہ کیا ہو گا کہ کئی لوگ جو اتنی زیادہ سمجھ بوجھ کے مالک
نہیں ہوتے حتی کہ بعض تو اپنا نام بھی لکھنا نہیں جانتے مگر دولت کی ڈھیر ان کے پاس ہے۔
کوٹھیوں اور بنگلوں میں ان کی رہائش ہے۔پانچ چھ درجہ تک پڑھے ہیں مگر وزارت کی
کرسی پر فائز ہیں اور بعض لوگ زیادہ ہی تعلیم یافتہ ہیں،ماسٹر ڈگری ہے۔صاحب عقل ہیں
مگر انہیں دو وقت سکون کی روٹی بھی میسر نہیں۔دولت وثروت اور روزی یہ اللہ کی عطا ہے،
وہ جسے چاہے جتنا عطا فرما دے،یہ اس کی تقسیم ہے۔ہمیں ہر حال میں اللہ کی تقسیم پر راضی
رہنا چاہیے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

●●●

شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچو

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

اللہ رب العزت اپنے پاک اور مقدس کلام میں ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۔ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے تو اس کو دشمن ہی بنائے رکھو اور اس کے ہتھکنڈوں سے بچو۔ شیطان مردود ہے، وہ خدا کا بھی دشمن ہے اور خدا کے بندوں کا بھی دشمن ہے۔ ہمیں اس دشمن کے مکروفریب اور ہتھکنڈوں کا اچھی طرح سے پتہ ہونا چاہیے کیوں کہ جب چور کو پتہ چل جاتا ہے کہ مکان کے مالک کو میرا پتہ چل گیا ہے تو پھر وہ اس گھر میں آنا چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح شیطان کو جب معلوم ہوجاتا ہے کہ اب یہ میرے مکروفریب کو سمجھ چکا ہے تو وہ بھی اس سے مایوس ہوجاتا ہے پھر اس کے بچھائے ہوئے جال کام نہیں کرتے۔ آیئے شیطان کی کہانی قرآن کے زبانی سماعت فرمایئے۔

قرآن میں اللہ نے شیطان کی پوری ہسٹری بیان کردی ہے۔ فرمایا كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۔ وہ جنوں میں سے تھا۔ اس نے بہت عبادت کی۔ زمین کے چپے چپے پر سجدے کیے حتیٰ کہ اس کو رب کی قربت کا اعزاز مل گیا۔ کثرت عبادت کی وجہ سے اس کا نام عابدوزاہد پڑ گیا۔ اللہ رب العزت نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ فرمایا یہ دنیا میں میرے خلیفہ ہوں گے ان کو سجدہ کرو۔ تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا شیطان نے سجدہ نہیں کیا۔ اللہ نے پوچھا تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو کہنے لگا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ تو نے مجھے آگ سے بنایا آگ کی فطرت ہے اوپر اٹھنا اور آدم کو مٹی سے بنایا، مٹی کی فطرت ہے نیچے آنا۔ اس لئے میں ان سے بہتر ہوں، میں ان سے افضل ہوں۔ میں ان کو سجدہ نہیں کروں گا۔

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسے اس وقت کس چیز کا نشہ چڑھا ہوا تھا۔ اس وقت اسے ''میں'' کا نشہ چڑھا ہوا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''میں ہوں میں'' شراب کا نشہ چھوٹا ہے مگر ''میں'' کا نشہ غرور کا نشہ اور گھمنڈ کا نشہ سب سے بڑا ہوتا ہے۔ جب شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا تو اللہ نے فرمایا فَاخْرُجْ فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۔ نکل جا مردود میری بارگاہ سے قیامت تک تیرے اوپر لعنت ہے۔ کہنے لگا تو مجھے نکال رہا ہے۔ لَاَ كِيْدَنَّكَ عَلٰى صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ میں صراط مستقیم پر گھات لگا کر بیٹھوں گا۔ تیرے نیک بندوں کو قیامت تک گمراہ کرتا رہوں گا۔ فرمایا جو میرے نیک بندے ہوں گے انہیں تو کبھی بھی گمراہ نہ کرسکے گا اور اگر کوئی ایمان والا غفلت سے کوئی گناہ بھی کرے گا تو میں اس پر توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا۔ وہ زمین وآسمان کے برابر بھی گناہ لے کر آئے گا اور میری بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرلے گا تو میں اس کو بخش دوں گا، اس کو معاف کردوں گا، بخش دوں گا اور اگر آئندہ وہ گناہوں سے بچتا رہے تو اس کے ماضی کے گناہوں کو بھی معاف کردوں گا۔

شیطان نے سوچا کہ آدم کو جنت میں جگہ مل گئی ہے اور میں ان کی وجہ سے راندۂ درگاہ بن گیا ہوں اس لئے کسی نہ کسی طرح ان کو جنت سے نکلوانا چاہیے۔ اللہ نے آدم کو فرمایا تھا۔ يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ اے آدم تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو اور کھاؤ پیو۔ اس میں سے بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے گھومو پھرو مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ حد سے بڑھنے والوں میں ہوجاؤ گے۔ شیطان نے ان کو ماں حوا کے ذریعہ ورغلایا حتیٰ کہ وہ وقت آیا جب حضرت آدم نے گندم کھالیا۔ اس وقت ان کے ذہن میں یہ بات بالکل نہیں تھا کہ ہم اللہ کے حدود کو پار کررہے ہیں وہ سمجھتے تھے کہ اس درخت کا پھل کھانا نافرمانی نہیں ہے جب انھوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو پروردگار نے فرمایا اے آدم اب آپ زمین پر جایئے اور وہیں رہیئے۔

یہاں پر ایک بات کی وضاحت اور کردوں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب گندم کا دانہ کھالیا تو دونوں کے بدن سے جنتی لباس اتر گیا اور دونوں عریاں ہوگئے۔ حضرت آدم نے

دوڑ کر جلدی سے انجیر کے تین پتوں کو توڑا۔ دو پتے سے پیچھے اور ایک پتے سے آگے والے حصے کو چھپایا۔ اور ماں حوا نے پانچ پتوں سے اپنے آپ کو چھپایا۔ دو سینے پر رکھا دو پیچھے اور ایک آگے اسی لئے عورت کے کفن میں پانچ کپڑے دیا جاتا ہے اور مرد کے کفن میں تین۔

گندم کھانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو سراندیپ لنکا کے پہاڑ پر اتارا اور حوا کو جدہ میں اتارا۔ دونوں ایک دوسرے کی جدائی میں روتے رہے۔ معافیاں مانگتے رہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ وہ دونوں تین سو سال تک روتے رہے۔ بالآخر ادھر لنکا سے آدم چلے۔ جدہ سے ماں حوا چلیں۔ میدان عرفات کے ایک پہاڑ جبل رحمت پر دونوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اس لئے اس جگہ کا نام عرفات رکھا گیا یعنی پہچان کی جگہ۔ اس پہاڑ کو جبل رحمت اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر آدم اور حوا کی توبہ اللہ نے اپنے محبوب رحمۃ اللعالمین کے نام کے وسیلے سے قبول فرمائی تھی۔

جب ان کی توبہ قبول ہوگئی تو وہ دونوں عرفات سے مکہ کی طرف چلے۔ انہیں مزدلفہ میں رات آئی۔ مزدلفہ عربی میں چادر کو کہتے ہیں۔ اس وقت ان کے پاس ایک بڑی چادر تھی اور دونوں میاں بیوی اس ایک چادر کے اندر ہوئے تھے۔ اس وجہ سے اس جگہ کا نام مزدلفہ پڑ گیا۔ اس کے بعد بحکم الٰہی حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کا گھر خانہ کعبہ بنایا چونکہ آپ کا جسد خاکی آپ کا مجسمہ اللہ نے اپنے دست قدرت سے عرفات کے میدان ہی میں بنایا تھا۔ اس لئے پہونچی وہیں خاک جہاں کی خمیر تھی۔ علمائے مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ کے خمیر سے جو مٹی بچی اللہ نے اس سے کھجور کا درخت پیدا فرمایا۔ اس لئے کھجور انسانی بدن کے لئے بہت ہی صحت منداور فائدے مند ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے آپ کا مجسمہ بنانے کے بعد اس پر چالیس دن تک آسمان سے بارش برسائی، انتالیس دن رنج وغم کی بارش ہوئی اور صرف ایک دن خوشی کی اس لئے انسان کی زندگی میں خوشی کم ہے اور غم زیادہ ہیں۔ آپ کا وصال عرفات کے میدان میں ہوا۔ ایک روایت کے مطابق مقام بوقبیس کے پہاڑوں میں آپ کا قبر انور ہے۔ کچھ علماء نے مسجد خیف میدان منی بتایا ہے جس جگہ ماں حوا کی وفات ہوئی اس شہر کا نام جدہ پڑ گیا۔ جدہ عربی میں دادی کو کہتے ہیں اور جد دادا کو کہتے ہیں چونکہ تمام نسل انسانی کی

دادی کی یہاں پر قبر ہے، ماں حوا کی قبر جدہ شہر میں اس وقت بھی موجود ہے۔

اتنی تفصیل بتانے کا مقصد یہ ہے کہ شیطان ہمارا بھی دشمن ہے اور ہمارے باپ دادا کا بھی دشمن ہے۔ وہ انسان کو گمراہ کر کے وہ انسان کو کفر وشرک میں مبتلا کر کے وہ انسان کو اللہ کا نافرمان بنا کر آدم کی دشمنی کا ان کی اولاد سے بدلا لیتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔ شیطان کے ورغلانے میں نہ آئیں اور صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن کر زندگی گزاریں۔ شیطان مردود کے ہتھکنڈوں سے بچیں۔ وہ انہیں ہتھکنڈوں کے ذریعے انسانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ وہ انسان کو بہکاتا ہے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ گناہ کو بہت خوبصورت نام دیتا ہے۔ بڑے بڑے حکمرانوں کی طرح سبز باغ دکھاتا ہے۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ انسانوں کو بڑی نیکی سے ہٹا کر چھوٹی نیکی پر لے آتا ہے۔ مثلاً کسی کو نیکی کا ایک کام کرنے پر ایک لاکھ نیکیاں ملنی تھیں تو وہ اسے سو نیکی والے کام پر لگا دے گا تا کہ اسے زیادہ فائدہ نہ ہو۔ مطلب کہ دشمن کی نیکی میں بھی دشمنی ہوتی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ ایک رات ان کی تہجد کی نماز قضا ہوگئی۔ ان کو اس پر بہت ہی افسوس ہوا۔ صبح اٹھ کر اللہ کے سامنے گڑگڑا کر معافی مانگی دوسرے دن پھر وہ رات کو سوئے ہوئے تھے کہ کوئی آدمی آیا اور اس نے انہیں پکڑ کر جگایا اور کہنے لگا اٹھئے اور جلدی سے نماز پڑھ لیجیے۔ تہجد کا وقت جا رہا ہے، وہ صحابی اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے تو تو میرا بڑا خیر خواہ ہے کہ عین وقت پر نماز کے لئے جگایا۔ میں تمہارا بہت ہی شکر گزار ہوں لیکن یہ تو بتاؤ کہ آپ کون ہیں؟ کہنے لگا میں شیطان ہوں، کہنے لگے شیطان کا کام ہے نماز کو چھڑا دینا اور تو شیطان ہو کر نماز کے لئے جگا رہا ہے۔ تو نے مجھے جگایا کیسے اس میں تیرا کچھ فائدہ ہے۔ تو تو کسی کا فائدہ اور بھلا نہیں چاہتا۔ وہ کہنے لگا میں آپ کی بھلا آج بھی نہیں چاہتا ہوں۔ صحابی رسول نے فرمایا تو نے مجھے نماز تہجد کے لئے جگایا ہے اور کہہ رہا ہے میں بھلا نہیں چاہتا۔ وہ مردود کہنے لگا وجہ یہ ہے کہ جب آپ کی کل تہجد کی نماز قضا ہوئی تھی تو آپ اس وقت اس قدر روئے تھے کہ آپ کے رونے پر اللہ کو پیار آ گیا اور اس نے آپ کے نامۂ اعمال میں تین سو ساٹھ تہجد پڑھنے کا ثواب لکھ دیا۔ میں نے سوچا اگر آج بھی آپ سو گئے اور تہجد نہیں پڑھی تو آج بھی تین سو ساٹھ تہجد پڑھنے کا

ثواب آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اس لئے میں نے بہتر سمجھا کہ آپ کو جگادوں تا کہ آپ کو صرف ایک رات کی تہجد کا اجر وثواب ملے۔

حضرات محترم! دیکھا آپ نے، شیطان ہمارے ساتھ اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو اس نیکی میں بھی اس کی دشمنی چھپی ہوتی ہے۔ شیطان مردود ہمارا ازلی دشمن ہے، وہ ہم کو بڑی نیکی سے ہٹا کر چھوٹی نیکی پر لے آتا ہے تا کہ اجر وثواب کم ملے۔

نزہۃ المجالس میں ہے کہ ایک بزرگ دیوار کے ساتھ چارپائی بچھا کر سوئے ہوئے تھے۔ ان کے پاس شیطان آیا اور انہیں جگا دیا۔ انھوں نے پوچھا کیا ہوا کیوں مجھے جگایا۔ کہنے لگا یہ دیوار گرنے والی ہے جلدی سے ایک طرف ہٹ جایئے۔ وہ بزرگ فوراً ہٹ گئے۔ جیسے ہی وہ ایک طرف ہٹے فوراً دیوار نیچے گر گئی۔ وہ بزرگ کہنے لگے بھائی تیرا بھلا ہو تو نے مجھے بروقت اس جان لیوا خطرے سے بچا لیا۔ میں تیرا بہت ہی احسان مند ہوں مگر یہ تو بتا کہ تو کون ہے، وہ کہنے لگا میں شیطان ہوں۔ انھوں نے فرمایا شیطان تو کبھی کسی کا بھلا نہیں کرتا تو نے کیسے ہمارے ساتھ خیر خواہی کی۔ کہنے لگا میں اب بھی کوئی خیر خواہی نہیں کی۔ وہ بزرگ حیران ہو کر کہنے لگے یہ خیر خواہی ہی تو ہے کہ تو نے مجھے دیوار کے نیچے دبنے سے بچا لیا۔ شیطان کہنے لگا حضرت! یہی تو میرا فن تھا اگر آپ وہیں بیٹھے یا لیٹے رہتے اور دیوار گر جاتی تو اچانک دیوار کے نیچے دبنے کی وجہ سے آپ کو شہادت کی موت آتی آپ کو شہادت کا درجہ مل جاتا اس لئے میں نے آپ کو پہلے ہی جگا دیا تا کہ کہیں آپ کو شہادت کا رتبہ نہ مل جائے۔

دیکھا آپ نے شیطان کا انسان سے دشمنی۔ وہ چاہتا کہ جس طرح میں خدا کی نافرمانی کر کے جہنم کا حق دار بن گیا ہوں۔ اسی طرح آدم کی اولاد بھی خدا کی نافرمانی کر کے جہنم کا حق دار بن جائے۔ اس لئے وہ انسانوں کو کفر وشرک، بت پرستی اور تمام گناہوں میں ملوث کرتا ہے۔ گناہوں اور برائیوں کا خوبصورت نام دے کر انسانوں سے گناہ کرواتا ہے۔

فیملی لائف میں شیطان کا زبردست کردار اور رول ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میاں بیوی میں جھگڑا ہوا۔ رنجش اور عداوت پیدا ہو تا کہ گھر تباہ وبرباد ہو جائے۔ انسان کا بسا بسایا گھر اجڑ جائے۔ اس کے بچے بیکار ہو جائیں۔ ان کی صحیح طور پر تعلیم وتربیت نہ ہو سکے۔ اس لئے وہ

میاں بیوی کے درمیان نفرت اور عداوت پیدا کرتا ہے۔ وہ خاص کر خاوند کے دماغ میں فتور ڈالتا ہے وہ آدمی کو غلط راستے پر لے جاتا ہے تا کہ اس کی بیوی سے دوری رہے اور نوبت طلاق تک آ پہونچے۔ وہ باہر دوستوں کے اندر گلاب کا پھول بنا رہتا ہے اور گھر کے اندر سوکھا کریلا بن جاتا ہے۔ آ کر کہتا ہے حضرت! پتہ نہیں گھر میں آتے ہی دماغ گرم ہو جاتا ہے۔ موڈ آؤٹ ہو جاتا ہے۔ وہ اصل میں شیطان گرم کر رہا ہوتا ہے۔ وہ میاں بیوی کے درمیان الجھنیں پیدا کرتا ہے، وہ سوچتا ہے یہ صرف دو کا معاملہ نہیں بلکہ دو خاندان آپس میں لڑیں گے۔ اس لئے دو کو لڑوا دو تا کہ سب لڑنے لگیں۔ دونوں کے رشتے توڑوا دو تا کہ دو سو (۲۰۰) سے رشتے ٹوٹ جائیں۔ رشتہ ٹوٹنے کی وجہ سے سو (۱۰۰) ادھر سے سو (۱۰۰) ادھر سے ایک دوسرے سے منھ پھلا رکھیں گے۔ شیطان میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑا کروا کر خاوند کے منھ سے طلاق کے الفاظ کہلواتا ہے۔ جب اس کی عقل ٹھکانے آتی ہے تو کہتا ہے کہ وہ تو میں نے غصے میں طلاق دیئے تھے۔ پوچھو اس سے کیا کوئی پیار میں بھی طلاق دیتا ہے، سبھی غصے ہی میں دیتے ہیں۔ خیر طلاق غصے میں دیا جائے یا راضی خوشی سے۔ ہر حال میں طلاق ہو جائے گی۔ بس یہ سمجھو کہ طلاق ایک بندوں کی گولی ہے، پیار سے گولی مارو گے تو بھی لگے گا اور غصے میں مارو گے تو بھی لگے گا۔ غصے میں آ کر طلاق دیا جب عقل ٹھکانے آیا تو مولانا احب سے مسئلہ پوچھنے آیا اور بعض تو ایسے ہیں طلاق دے دی، نکاح ٹوٹ گئی پھر بھی میاں بیوی کی طرح آپس میں رہنا شروع کر دیں گے۔ یقین جانئے وہ جتنے دنوں تک اسی حال میں ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے تب تک ان کے نامۂ اعمال میں زنا کا گناہ لکھا جاتا رہے گا۔

دیکھو شیطان کتنا بڑا گناہ کروا رہا ہے۔ حدیث پاک میں میں نے پڑھا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں گے اور پھر بغیر نکاح ورجوع کے ان کے ساتھ اس طرح اپنی زندگی گزاریں گے۔

دوستو! واقعی شیطان ایسے کام کرواتا ہے جس سے انسان کے اندر غصہ پیدا ہو اس لئے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ فیملی کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اچھے ڈھنگ سے زندگی گزاریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں عورت پر ظلم ہوتا ہے۔ اللہ اس گھر

سے رحمتیں برکتیں اٹھالیتا ہے اوراس گھر کا دورزوال شروع ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: **وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ**۔ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پیار ومحبت سے رہو۔ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ برداشت اور صبر کا مادہ پیدا کرو۔ غصہ کو طلاق مغلظہ دے دو کیوں کہ جب کوئی انسان غصے کی حالت میں ہوتا ہے تو شیطان اس کی رگوں کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے۔ غصہ آنے سے عقل چلی جاتی ہے پھر انسان سے طرح طرح کی تباہی سرزد ہوتی ہے۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ غصے سے بچو کیوں کہ یہ پاگل پن سے شروع ہوتا ہے اور ندامت وپچھتاوے پر ختم ہوجاتا ہے۔

جب حضرت نوح علیہ السلام ایمان والوں کو لے کر کشتی میں بیٹھے تو انہیں کشتی میں ایک بوڑھا نظر آیا۔ اسے کوئی پہچانتا بھی نہ تھا۔ آپ نے خدا کے حکم سے ہر چیز کا جوڑا کشتی میں بٹھایا تھا مگر وہ اکیلا تھا۔ لوگوں نے اسے پکڑلیا، وہ حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھنے لگے یہ بوڑھا کون ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے پوچھا بتاؤ تم کون ہو۔ وہ کہنے لگا جی میں ابلیس ہوں، مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے معاف فرمادیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں ہم ایسے ہی نہیں چھوڑیں گے تو ہمیں اپنا گن اور فن بتاتا جا جس سے تو لوگوں کو سب سے زیادہ نقصان پہونچاتا ہے۔ کہنے لگا جی میں سچ سچ بتاؤں گا البتہ آپ وعدہ کریں کہ آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، ہم تمہیں چھوڑ دیں گے وہ کہنے لگا میں تین باتوں سے انسانوں کو تباہ وبرباد کردیتا ہوں۔ ایک حسد، دوسرا لالچ، تیسرا غصہ۔

دوستو! واقعی یہ تینوں انسانوں کے لئے خطرناک بیماریاں ہیں جو ایک صحت مند معاشرہ اور سماج کے لئے تباہ کن ہیں۔ آج معاشرہ اور سماج میں جو بھی جھگڑے لڑائی اور برائی پائی جارہی ہے اس کے پیچھے حسد لالچ اور غصے کا ناپاک جذبہ ہی کارفرما ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے **انساءُ حبائل الشیطن**۔ عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔ عورتیں شیطان کا ایسا جال ہیں جس میں آدمی بآسانی پھنس جاتا ہے۔ بعض کتابوں میں شیطان کا قول نقل کیا گیا ہے کہ عورت میرا وہ تیر ہے جو کبھی خطا نہیں ہوتا۔ وہ جال ہے جس کے ذریعہ میں انسانوں کو پھانستا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان نے مردوں کو عورتوں

کے ذریعہ تباہ وبرباد کررکھا ہے اور عورتوں کو مال کے ذریعہ غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔ نفس پر کنٹرول نہ ہو۔ خوف خدا نہ ہو تو جوان اور بوڑھے سب بدنگاہی کے مریض ہوتے ہیں بلکہ فاسق وفاجر اور گھٹیا قسم کے لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اولاد تو اپنی اچھی لگتی ہے مگر بیوی دوسرے کی اچھی لگتی ہے۔ (نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ)

ہمارے اسلاف عورت کے فتنے سے بہت بچتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ بوڑھے ہوگئے اور بال بھی سارے سفید ہوگئے تو اس وقت بھی آپ یہ دعا مانگتے تھے۔ اے اللہ مجھے قتل اور زنا سے محفوظ فرمانا۔ کسی نے دعا سنی تو پوچھا آپ اس بڑھاپے میں ایسی دعا مانگتے ہیں۔ فرمانے لگے میں بوڑھا ہوگیا ہوں میرا شیطان تو بوڑھا نہیں ہوا۔

ایک بزرگ ایک مرتبہ کسی مرید کے گھر تشریف لے گئے۔ مرید کی بیوی نے حضرت سے پردہ نہ کیا جب کہ پیر سے بھی پردہ ہے۔ کچھ جاہل عورتیں تو اس حد تک عقیدت میں اندھی ہوجاتی ہیں کہ وہ پیر صاحب کے ہاتھوں کو چومتی چاٹتی ہیں اور پیر صاحب بھی کچھ نہیں کہتے۔ یہ بے شرع پیر اور یہ جاہل مرید ایسی خلاف شرع حرکتیں کرتے ہیں۔ خیر! حضرت نے مرید کو بلا کر ڈانٹا کہ عورت سے پردہ کیوں نہیں کرواتے ہو۔ میں بوڑھا ہوگیا میرا شیطان بوڑھا نہیں ہوا۔ مرید کے سمجھ میں یہ بات آئی اور اسی دن سے پردے کا اہتمام کرنے لگا۔ بے پردگی تمام برائیوں کی جڑ ہے اور نظر شیطان کے تیر میں سے ایک تیر ہے۔ نظر کے بارے میں اردو کے قومی شاعر مرزا غالب کہتے ہیں۔

ترے تیر نیم کش کو کوئی میرے دل سے پوچھے
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

آئیے شیطان کے مکروفریب کے بارے میں حدیث پاک کے حوالے سے ایک عجیب وغریب واقعہ سماعت کیجئے جو سننے والوں کے لئے سامان عبرت ہے۔ یہ واقعہ علامہ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں بھی نقل کیا ہے۔

کہتے ہیں بنی اسرائیل میں برصیصا نام کا ایک راہب تھا جو بہت ہی عبادت گزار تھا۔

اس نے اپنے لئے ایک عبادت خانہ بھی بنایا تھا وہ اسی میں عبادت میں مست رہتا تھا۔ اسے دنیا کی کچھ پڑی نہیں تھی اور نہ ہی وہ لوگوں سے ملتا تھا اور نہ ہی کسی کو اپنے پاس آنے دیتا تھا۔ ایک دن شیطان نے اسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ برصیصا اپنے حجرے سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔ وہ ایسا عبادت گزار تھا کہ رات دن بس عبادت ہی کرتا رہتا۔ جب بہت تھک جاتا تو کبھی کبھی اپنے کھڑکی کے باہر جھانک کر دیکھ لیتا جس طرف اس کی کھڑکیاں کھلتی تھیں اس طرف کوئی آبادی نہیں تھی۔ صرف اس کا عبادت خانہ تھا اور اس کے اردگرد کھیت اور باغ تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ دن میں ایک یا دو بار کھڑکی سے دیکھتا ہے تو شیطان نے انسانی شکل میں آکر اس کے کھڑکی کے سامنے نماز کی نیت باندھ لی۔ اس کو نماز کیا پڑھنا تھا بس شکل بنا کر کھڑا تھا۔ اب دیکھو جس کی جو لائن ہوتی ہے اس کو گمراہ کرنے کے لئے اس کے مطابق بہروپ بناتا ہے۔

جب اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو ایک آدمی کو قیام کی حالت میں دیکھا وہ بڑا حیران ہوا۔ جب دن کے دوسرے حصے میں اس نے دوبارہ ارادتاً باہر دیکھا تو وہ رکوع میں تھا۔ بڑا لمبا رکوع کیا پھر تیسری مرتبہ سجدے کی حالت میں دیکھا۔ کئی دن اسی طرح ہوتا رہا۔ آہستہ آہستہ برصیصا کے دل میں یہ بات آنے لگی تو شیطان نے کھڑکی کے قریب مصلی بچھانا شروع کردیا۔ جب مصلیٰ کھڑکی کے قریب آگیا اور برصیصا نے باہر جھانکا تو اس نے شیطان سے پوچھا تم کون ہو۔ وہ کہنے لگا، آپ کو مجھ سے کیا غرض ہے۔ میں اپنے کام میں لگا ہوں مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔ وہ سوچنے لگا یہ عجیب ہے کہ کسی کی کوئی بات سننا گوارہ نہیں کرتا۔ دوسرے دن برصیصا نے پھر پوچھا کہ آپ اپنا تعارف تو کروائیں۔ وہ کہنے لگا مجھے اپنا کام کرنے دو۔

اللہ کی شان ایک دن بارش ہونے لگی۔ وہ بارش میں بھی نمازی کی شکل بنا کر کھڑا ہوگیا۔ برصیصا کے دل میں یہ بات آئی کہ جب یہ اتنا عبادت گزار ہے کہ اس نے بارش کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی کیوں نہ میں اس سے کہوں میاں اندر آجاؤ۔ چنانچہ اس نے شیطان سے کہا تم اندر آجاؤ۔ وہ جواب میں کہنے لگا ٹھیک ہے۔ مومن کو مومن کی دعوت قبول کرلینا

چاہیے۔ لہٰذا میں آپ کی دعوت قبول کرلیتا ہوں۔ وہ تو چاہتا ہی تھا چنانچہ اس نے حجرے میں آکر نماز کی نیت باندھ لی۔ وہ کئی مہینوں تک اس کے کمرے میں عبادت کی شکل بناتا رہا وہ دراصل عبادت نہیں کررہا تھا۔ فقط نماز کی شکل بنارہا تھا لیکن برصیصا یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ اس کو نماز سے کیا غرض تھی۔ وہ تو اپنے مشن پر تھا۔ جب کئی ماہ گزر گئے تو برصیصا نے واقعی اسے سب سے بڑا بزرگ سمجھنا شروع کردیا اور اس کے دل میں اس کی عقیدت پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ ایک دن شیطان برصیصا سے کہنے لگا کہ اب میرا سال پورا ہوچکا ہے لہٰذا اب میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں مجھے آپ سے بے حد ہمدردی ہے۔ اس لئے جاتے جاتے آپ کو ایک ایسا تحفہ دے جاتا ہوں جو مجھے بڑوں سے ملا تھا۔ وہ تحفہ یہ ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی بھی بیمار آئے تو اس پر یہ پڑھ کر دم کردینا۔ اس کی ساری بیماری غائب ہوجائے گی۔ وہ تندرست شفایاب ہوجائے گا۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کوئی آیا تھا اور تحفہ دے کر گیا تھا۔ چنانچہ شیطان نے اسے ایک منتر سکھا دیا اور یہ کہتے ہوئے رخصت ہوگیا کہ اچھا پھر کبھی ملیں گے۔ وہ وہاں سے سیدھا بادشاہ کے گھر گیا۔ بادشاہ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ شیطان نے جاکر اس کی بیٹی پر اپنا اثر ڈالا۔ وہ خوبصورت پڑھی لکھی لڑکی تھی لیکن شیطان کے اثر سے اس پر دورے پڑنا شروع ہوگئے۔ بادشاہ نے اس کے علاج کے لئے ڈاکٹر اور حکیم بلوائے، کئی دنوں تک وہ اس کا علاج کرتے رہے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

جب کئی دنوں کے علاج کے بعد بھی کچھ فائدہ نہ ہوا تو شیطان نے بادشاہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ بڑے بڑے حکیموں اور ڈاکٹروں سے علاج کروالیا ہے اب کسی دم والے ہی کو دم کروا کر دیکھ لو۔ یہ خیال آتے ہی اس نے سوچا کہ ہاں کسی دم والے کو تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے ہر طرف اپنے سرکاری ہرکارے بھیجے تاکہ وہ پتہ لگا کر آئیں کہ اس وقت سب سے زیادہ عبادت گزار اور نیک بندہ کون ہے۔ سب نے کہا اس وقت تو سب سے زیادہ نیک اور عبادت گزار بندہ تو برصیصا ہے مگر وہ تو کسی سے ملتا نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا اگر وہ کسی سے نہیں ملتا تو اس کے پاس جاکر میری طرف سے درخواست کرو کہ ہم ایک خاص ضروری کام کے لئے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ کے کچھ آدمی شاہی درخواست لے کر برصیصا کے

پاس آئے اور کہنے لگے کہ شہزادی کی طبیعت بہت ہی خراب ہے۔ حکیموں اور طبیبوں سے بہت ہی علاج کروایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بادشاہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے پاس شہزادی کو لے کر آجائیں اور آپ ان پر پڑھ کر دم کردیں۔ امید ہے کہ آپ کے کرنے سے وہ ٹھیک ہوجائے گی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ ہاں میں نے ایک منتر سیکھا تو ہے اس کو آزمانے کا اب اچھا موقع ہے کہ دم کارگر ہے یا نہیں چنانچہ اس نے ان لوگوں کو شہزادی کو لانے کی اجازت دے دی۔

بادشاہ اپنی بیٹی کو لے کر برصیصا کے پاس آ گیا۔ اس نے جیسے ہی پڑھ کر دم کیا وہ فوراً ٹھیک ہوگئی۔ مرض بھی شیطان نے لگایا تھا اور دم کرنے والا منتر بھی اسی نے بتایا تھا۔ لہٰذا دم کرتے ہی شیطان اس کو چھوڑ کر چلا گیا اور وہ بالکل ٹھیک ہوگئی۔ بادشاہ کو پکا یقین ہوگیا کہ میری بیٹی اس کے دم سے ٹھیک ہوئی ہے۔ ڈیڑھ ماہ کے بعد اس نے پھر اس طرح لڑکی پر حملہ کیا اور وہ اسے پھر برصیصا کے پاس لے آیا۔ اس نے دم کیا تو وہ پھر اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ اب بادشاہ کو مکمل یقین ہوگیا کہ میری بیٹی کا علاج اس کے دم میں ہے اب برصیصا کی بڑی شہرت ہوئی کہ اس کے دم سے بادشاہ کی بیٹی ٹھیک ہوجاتی ہے۔

کچھ عرصے کے بعد اس بادشاہ کے ملک پر کسی نے حملہ کیا وہ اپنے شہزادوں کے ہمراہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری کرنے لگا۔ اب بادشاہ سوچ میں پڑ گیا کہ اگر جنگ میں جائیں تو بیٹی کو کس کے پاس چھوڑ کر جائیں۔ کسی نے مشورہ دیا وزیر کے پاس چھوڑ جائیں۔ بادشاہ کہنے لگا کہ اگر اس کو دوبارہ بیماری لگ گئی تو پھر کیا بنے گا۔ برصیصا تو کسی کی بات بھی نہیں سنے گا۔ چنانچہ بادشاہ نے کہا میں خود برصیصا کے پاس اپنی بیٹی چھوڑ جاتا ہوں۔ دیکھو شیطان کیسے جوڑ ملا رہا ہے۔ بادشاہ اپنے تینوں بیٹو اور بیٹی کو لے کر برصیصا کے پاس پہونچ گیا اور کہنے لگا کہ ہم ایک جنگ پر جا رہے ہیں، زندگی اور موت کا پتہ نہیں۔ مجھے اس وقت سب سے زیادہ بھروسہ واعتماد تمہارے اوپر ہے اور ہمارے بیٹی کا علاج بھی تمہارے پاس ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ جب تک میں جنگ سے واپس نہ آؤں یہ لڑکی تمہارے پاس رہے۔ برصیصا کہنے لگا توبہ توبہ میں یہ کام کیسے کرسکتا ہوں کہ یہ اکیلی میرے پاس رہے۔ بادشاہ نے

کہا نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس آپ اجازت دے دیں میں اس کے رہنے کے لئے آپ کے عبادت خانے کے سامنے ایک گھر بنوا دیتا ہوں اور یہ اسی گھر میں رہے گی۔ کہا چلو ٹھیک ہے۔ بادشاہ نے اس کے عبادت خانے کے سامنے گھر بنوا دیا۔ اور لڑکی کو وہاں چھوڑ کر جنگ پر روانہ ہوگیا۔

اب برصیصا کے دل میں یہ بات آئی کہ میں اپنے لئے کھانا تو بناتا ہی ہوں اگر بچی کا کھانا میں ہی بنا دیا کروں تو اس میں حرج کیا ہے کیوں کہ وہ اکیلی ہے۔ پتہ نہیں کہ اپنے لئے کھانا پکائے گی بھی یا نہیں پکائے گی۔ چنانچہ وہ کھانا بناتا اور آدھا خود کھا کر باقی آدھا کھانا اپنے عبادت خانے کے دروازے سے باہر رکھ دیتا اور اپنا دروازہ کھٹکھٹا دیتا یہ اس لڑکی کی لئے اشارہ ہوتا تھا کہ اپنا کھانا اٹھا لو۔ اس طرح وہ لڑکی کھانا اٹھا کر لے جاتی اور کھا لیتی۔ کچھ دنوں تک یہی معمول رہا۔ اس کے بعد شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ دیکھو وہ لڑکی اکیلی رہتی ہے تم کھانا پکا کر اپنے دروازے کے باہر رکھ دیتے ہو اور لڑکی کو وہ کھانا اٹھانے کے لئے باہر گلی میں نکلنا پڑتا ہے۔ اگر کبھی کسی مرد نے دیکھ لیا تو وہ اس کی عزت خراب کردے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ کھانا بنا کر اس کے دروازے کے اندر رکھ دیا کرو تاکہ اس کو باہر نہ نکلنا پڑے۔ برصیصا نے کھانا بنا کر اس کے دروازے کے اندر رکھنا شروع کردیا۔ وہ کھانا رکھ کر کنڈی کھٹکھٹا دیتا اور وہ کھانا اٹھا لیتی۔ جب کچھ اور مہینے گزر گئے تو شیطان نے اس کے دل میں ڈالی کہ تم خود تو عبادت میں لگے رہتے ہو یہ لڑکی اکیلی ہے ایسا نہ ہو کہ تنہائی کی وجہ اور زیادہ بیمار ہو جائے اس لئے بہتر ہے کہ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھو۔ اس کو کچھ نصیحت کرو تاکہ یہ بھی عبادت گزار بن جائے۔ چنانچہ اس نے اس کے پاس بیٹھ کر وعظ نصیحت کرنے شروع کردی۔ اس کی وعظ ونصیحت کا اس لڑکی پر بڑا اثر ہوا اس لڑکی نے عبادت اور وظیفے شروع کردیئے۔ اب شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ دیکھو تیری وعظ ونصیحت کا اس پر کتنا اثر ہوا۔ ایسی نصیحت ہر روز ہونی چاہیے۔ اس نے روزانہ لڑکی کے پاس بیٹھ کر نصیحت کرنا شروع کردی تاکہ میری طرح یہ بھی خوب عبادت کرنے لگے۔ یہ سلسلہ کئی مہینوں تک چلتا رہا۔ کچھ عرصہ اسی طرح گزرا تو شیطان نے لڑکی کو مزین

کر کے برصیصا کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا اور وہ اس لڑکی کے حسن و جمال کا دیوانہ ہوتا گیا۔ اب شیطان نے برصیصا کے دل میں جوانی کے خیالات ڈالنا شروع کر دیئے۔ حتیٰ کہ برصیصا کا دل عبادت خانے سے اچاٹ ہو گیا۔ شیطان نے اس کے دل میں لڑکی کا عشق پیدا کر دیا اور لڑکی کے دل میں برصیصا کا عشق بھر دیا۔ حتیٰ کہ دونوں طرف برابر کی آگ بھڑک گئی اور برصیصا زنا کا مرتکب ہو گیا۔ جب دونوں کے درمیان حیاء کی دیوار ہٹ گئی تو وہ آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنے لگے۔ اسی دوران شہزادی حاملہ ہو گئی۔ اب برصیصا کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو میرا کیا بنے گا۔ میرے تقویٰ کا سارا بھرم کھل جائے گا۔ شیطان نے اس کے دل میں خیال ڈالا کوئی فکر کی بات نہیں۔ جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کو زندہ درگور کر دینا اور لڑکی کو سمجھا دینا وہ اپنا بھی عیب چھپائے گی اور تمہارا بھی عیب چھپائے گی۔

ایک دن وہ بھی آیا جب اس شہزادی نے بچے کو جنم دیا جب بچے کو وہ دودھ پلانے لگی تو شیطان نے برصیصا کے دل میں ڈالا کہ ڈیڑھ سال گزر گئے ہیں بادشاہ اور اس کے شہزادے جنگ سے واپس آنے والے ہیں۔ شہزادی تو ان کو سارا ماجرا سنا دے گی۔ اس لئے تم اس کا بیٹا کسی بہانے قتل کر دو تا کہ گناہ کا ثبوت نہ رہے۔ چنانچہ ایک دن شہزادی سوئی ہوئی تھی۔ اس نے بچے کو اٹھایا اور قتل کر کے گھر کے صحن میں دفن کر دیا۔ اب ماں تو ماں ہی ہوتی ہے جب وہ اٹھی تو اس نے کہا میرا بچہ کدھر ہے۔ اس نے کہا مجھے کچھ پتہ نہیں۔ چنانچہ وہ اس سے خفا اور ناراض ہونے لگی۔ جب وہ خفا ہونے لگی تو دونوں میں ان بن ہو گئی۔ شیطان نے برصیصا سے کہا کہ دیکھو یہ ماں ہے یہ اپنے بچے کو ہرگز نہیں بھولے گی اور تمہارے کالے کرتوتوں کو بادشاہ پر ظاہر کر دے گی لہٰذا اب اس کا ایک ہی علاج ہے کہ لڑکی کو قتل کر دو تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ جب بادشاہ آ کر پوچھے گا تو بتا دینا کہ وہ زیادہ بیمار ہو گئی تھی اور مر گئی۔ چنانچہ اس نے لڑکی کو قتل کر کے لڑکے کے ساتھ صحن ہی میں دفن کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی عبادت میں لگ گیا۔

کچھ مہینوں کے بعد بادشاہ جنگ سے واپس آ گیا، اس نے بیٹوں کو بھیجا جاؤ اپنی بہن کو

لے آؤ۔ وہ برصیصا کے پاس آئے اور کہنے لگے جی! ہماری بہن آپ کے پاس تھی ہم اسے لینے آئے ہیں۔ برصیصا ان کی بات سن کر رو پڑا اور کہنے لگا کہ آپ کی بہن بہت اچھی تھی بڑی نیک تھی لیکن وہ اللہ کو پیاری ہو گئی۔ یہ صحن میں اس کی قبر ہے۔ بھائیوں نے جب یہ سنا تو وہ سب رو دھو کر واپس چلے گئے۔ گھر جا کر جب وہ رات کو سوئے تو شیطان خواب میں بڑے بھائی کے پاس گیا اور کہنے لگا برصیصا نے تمہاری بہن کے ساتھ یہ کرتوت کیا ہے اور اس نے خود اسے قتل کیا ہے۔ اور فلاں جگہ اسے بچے کے ساتھ دفن کیا ہے۔ اس کے بعد منجھلے بھائی کے پاس آیا۔ اس سے بھی یہی کہا اس کے بعد چھوٹے بھائی کے پاس گیا اس سے بھی یہی کہا۔ تینوں بھائی جب صبح اٹھے تو ایک نے کہا میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ تیسرے نے کہا میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔ چنانچہ انھوں نے جا کر جب زمین کو کھودا تو انہیں اس میں بہن کی ہڈیاں بھی مل گئیں اور ساتھ ہی ساتھ بچے کی ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی مل گیا۔ جب ثبوت مل گیا تو برصیصا کو گرفتار کر لیا۔ اسے جب قاضی کے پاس عدالت میں لے جایا گیا تو قاضی نے اسے پھانسی دینے کا حکم دیا۔ جب برصیصا کو پھانسی کے تختے پر لایا گیا اور گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا گیا تو وہی شیطان عبادت گزار کی شکل میں آیا اور کہنے لگا۔ مجھے پہچانتے ہو، کہا ہاں میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں تم وہی عبادت گزار ہو جس نے مجھے وہ دم والا منتر بتایا تھا۔ شیطان نے کہا ہاں وہ دم میں نے ہی آپ کو بتایا تھا اور لڑکی پر میں نے اثر ڈال کر بیمار کیا تھا۔ اسے قتل بھی میں نے تجھ سے کروایا تھا۔ اب اگر تو بچنا چاہتا ہے تو میں تجھے بچا سکتا ہوں۔ برصیصا نے کہا اب تم مجھے پھانسی سے کیسے بچا سکتے ہو۔ شیطان نے کہا بس یہ کہہ دو خدا نہیں ہے۔ خدا کے وجود سے انکار کر دو میں تمہیں بچا لوں گا۔ برصیصا کے حواس باختہ ہو گئے اس نے سوچا چلو ایک بار کہہ دیتا ہوں۔ پھانسی سے اترنے کے بعد دوبارہ توبہ کر لوں گا۔ کلمہ پڑھ لوں گا۔ چنانچہ اس نے خدا کا انکار کر دیا۔ جلاد نے پھندے کی رسی کھینچ لی اور یوں زمانے کے عابد کی کفر پر موت ہو گئی۔ (اللہ اکبر) اللہ ہم سب کا ایمان بچائے۔

دوستو! اس واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ شیطان کتنی لمبی سازش اور پلاننگ کر کے انسان

کو گناہ کے قریب کرتا چلا جاتا ہے۔اس سے انسان بچ نہیں سکتا۔اللہ ہی اس سے بچا سکتا ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح فجر کے نماز کے بعد ۱۰۰ مرتبہ اعوذ باللہ پڑھے گا وہ پورا دن شیطان کے شر اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں جس سے وہ لوگوں کو جکڑتا ہے۔عورتیں شیطان کی جال ہیں جس سے وہ پھانستا ہے۔ایک دن شیطان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے اللہ کے نبی آپ نے میرے لئے کوہِ طور پر خدا سے سفارش کی تھی۔یہ آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے اس احسان کے بدلے میں آپ کو دو مفید باتیں بتاتا ہوں۔وہ لوگوں تک پہنچا دینا۔پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی غصہ نہ کرے کیوں کہ غصے کی حالت میں میں ان کے رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہوں اور اس کو تباہ و برباد کر دیتا ہوں۔اور دوسری بات یہ کہ کوئی آدمی کسی غیر محرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے ورنہ میں دونوں کو زنا میں مبتلا کر دوں گا۔(اللہ اکبر)

شیطان مردود کی چال کو اس وقت تک سمجھنا ممکن ہی نہیں۔جب تک اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو۔اے ہمارے رب ہمارے ایمان کی حفاظت فرما اور گناہوں سے بچا۔

شیطان کا سب سے بڑا حملہ موت کے وقت ہوتا ہے۔حدیث پاک میں آیا ہے کہ سکرات کے وقت شیطان ماں باپ بھائی بہن کی شکل میں آتا ہے اور مرنے والے سے کہتا ہے کہ دین اسلام کا انکار کر دے۔یہودیت اور عیسائیت کا اقرار کر لے۔اب آپ بتائیے کہ جب شیطان ان محبت والی شخصیتوں کی شکل میں آکر دین وایمان چھیننے کے لئے دورے ڈالے تو پھر اس کی شر اور فتنوں سے بچنا کتنا مشکل ہوگا،اس لئے یہ دعا ہمیشہ کیجیے۔

کچھ رہے یا نہ رہے بس یہ دعا مولیٰ
نزع کے وقت سلامت میرا ایمان رہے

جتنا ہی آپ کا ایمان و عمل مضبوط ہوگا اتنا ہی شیطان آپ کے پیچھے پڑے گا۔اسلاف کرام کے آخری ایام کو دیکھئے۔شیطان نے کیسے ان پر حملہ کیا۔حضرت امام رازی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔علامہ قرطبی کی مثال سامنے ہے۔امام احمد بن حنبل پر شیطان نے حملے کیے۔غوث اعظم پر شیطان نے حملے کیے۔بے شمار اولیائے کرام پر

شیطان نے حملے کئے مگر ہر جگہ ان بزرگوں کے ہاتھوں شیطان کو منھ کی کھانی پڑی۔

یہ مردود لکڑی سے نہیں ڈرتا بلکہ یہ دل کے نور سے ڈرتا ہے۔گویا جس کا دل جتنا ہی زیادہ نورانی ہوگا شیطان اس بندے سے اتنے ہی زیادہ ڈرے گا۔

آج کے اس دور میں ہمیں اپنے اوپر زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے کیوں کہ پہلے زمانے میں تو فتنے پیدل آیا کرتے تھے اور آج کے دور میں تو فتنے اور برائیاں سواریوں پر سوار ہو کر آرہی ہیں۔ایک مرتبہ کسی نے شیطان کو فارغ بیٹھے ہوئے دیکھا۔اس نے کہا کیا بات ہے آج تم تو چھٹی منا رہے ہو۔کہنے لگا اب تو انسانوں میں بھی میرے بہت چیلے ہو گئے ہیں اس لئے اب مجھے اتنا کام کرنے کی ضرورت نہیں،وہ میرا کام خود ہی کرتے رہتے ہیں۔پہلے میں انہیں گناہوں کے طریقے سکھاتا تھا اور آج میں ان سے گناہوں کے طریقے سیکھتا ہوں۔واقعی سچ ہے جب انسان بگڑ جاتا ہے تو شیطان سے بڑھ کر شیطان بن جاتا ہے۔اللہ ہمیں شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچائے اور اس کے مکر وفریب سے دور رکھے۔

●●●

محبت الٰہی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (پ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۶۵)

آج میری تقریر کا موضوع ہے محبت الٰہی۔ اللہ سے محبت کرنا۔ حدیث قدسی ہے کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ فَاَحْبَبْتُ اُعْرِفَ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں یا مجھ سے کوئی محبت کرے۔ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے محبوب کے نور کو پیدا فرمایا اور اس نور سے تمام مخلوق کو پیدا فرمایا تا کہ وہ مجھ سے محبت کرے۔ گویا مخلوق کو پیدا کرنے کا مقصد اللہ سے محبت ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ میرے بندے مجھ سے محبت کریں۔ ان کے دل میری محبت سے لبریز ہوں۔ ان کے دلوں میں میری محبت چھائی ہوئی ہو۔

انسان کے جسم میں بہت سے اعضاء ہوتے ہیں اور ہر عضو کا کوئی نہ کوئی کام ہے۔ آنکھ کا کام ہے دیکھنا، کان کا کام ہے سننا، زبان کا کام ہے بولنا اور دل کا کام ہے محبت کرنا، دل یا تو اللہ سے محبت کرے گا یا پھر مخلوق سے۔ اگر اللہ سے محبت ہوگئی تو دل میں نیکیوں کا شوق پیدا ہوگا۔ فرائض اور واجبات کو وقت پر ادا کرنے کی فکر ہوگی۔ اور اگر مخلوق یا دنیا کی محبت ہوگی تو دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کا ترک کر دینا تمام فضیلت کی کنجی ہے۔ دنیا کی محبت کا دل سے نکل جانا اور اللہ کی محبت دل میں سما جانا کامل مومن ہونے کی نشانی ہے۔

آج کسی کے دل میں مال کی محبت ہے، کسی کے دل میں عورت کی محبت ہے، کسی کے دل میں اولاد کی محبت ہے، کسی کے دل میں شہوات کی محبت ہے، کسی کے دل میں عہدہ اور منصب کی محبت ہے، دل ایک ہے محبت ہزاروں کی، ایک دل میں اتنی محبت؟ کیا یہ دل اسی

لئے دیا گیا ہے ہرگز ہرگز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ اللہ فرماتا ہے ہم نے انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے کہ ایک رحمٰن کو دے دے اور دوسرا نفس اور شیطان کو دے دے بلکہ دل ایک ہی ہے اور ایک ہی کے لئے ہے۔

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عشق الٰہی کا سبق ایک دھوبن نے سکھائی۔ کسی نے کہا حضرت وہ کیسے؟ فرمایا پڑوس میں ایک دھوبی رہتا تھا، گرمیوں کا موسم تھا میں رات میں چھت پر سویا ہوا تھا۔ مجھے پڑوسی کے یہاں میاں بیوی میں کچھ تلخ کلامی اور تو تو میں میں ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے ذرا غور کیا اور دھیان سے سنا تو بیوی شوہر سے کہہ رہی تھی کہ میں نے تمہاری وجہ سے اس گھر کے اندر بھوک اور پیاس کو برداشت کیا۔ بھوکی اور پیاسی رہ کر بھی اس گھر میں پڑی رہی۔ مفلسی غریبی تنگ دستی ہر چیز کو برداشت کیا اور میں تمہاری خاطر اور بھی بہت کچھ تکلیفیں برداشت کر سکتی ہوں لیکن اگر تم چاہو کہ میرے سوا کسی غیر عورت کی طرف نظر اٹھاؤ میں یہ کبھی نہیں برداشت کر سکتی۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن پاک میں نظر دوڑائی تو میری نظر اس آیت پر رک گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۔ اے میرے بندے تو جو بھی گناہ لے کر آئے گا سب معاف کر دوں گا لیکن میری محبت میں کسی کو شریک کرے گا تو میں ہرگز ہرگز برداشت نہیں کروں گا، معاف نہیں کروں گا۔

آپ خود سوچیں بیوی فاقہ برداشت کر لیتی ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر گزارہ کر لیتی ہے۔ روکھی سوکھی کھا کے گھر میں پڑی رہتی ہے لیکن اس کا خاوند کسی غیر عورت کی طرف ایک نظر اٹھا کر دیکھے تو یہ کبھی برداشت نہیں کرتی۔ عورت سب دیکھ سکتی ہے مگر اپنا سو تن نہیں دیکھ سکتی۔ تو جب بیوی خیال غیر کو شوہر کے دل میں برداشت نہیں کرتی تو بھلا اللہ رب العزت کب برداشت کرے گا کہ بندہ میرا ہو اور دل میں میری محبت کے سوا خیال غیر بسا ہو۔ کنکر اور پتھر سے بنے ہوئے باطل اور جھوٹے خداؤں کی محبت بسی ہو، محبت دنیا بسی

ہو۔ بیوی اگر خاوند کو غیر کی طرف نظر ڈالتا دیکھے تو بولنا چھوڑ دیتی ہے۔ ناراض ہوجاتی ہے تو سوچو! ہم اللہ سے محبت کا دعویٰ کریں اور دل میں دنیا کی محبت بسی ہو۔ غیروں کے طور طریقے پر راضی ہوں۔ اسلام کو چھوڑ کر غیروں کے قانون پر راضی ہوں۔ یہ محبت نہیں ہے بلکہ منافقت ہے۔ یہ عشق نہیں ہے بلکہ فسق ہے، فریب ہے دھوکہ ہے۔

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نا اُمید
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

جن کو اللہ سے محبت ہوتی ہے، انہیں کلام اللہ سے محبت ہوتی ہے۔ سنت رسول اللہ سے محبت ہوتی ہے۔ کعبۃ اللہ سے محبت ہوتی ہے۔ اولیا اللہ سے محبت ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ سے محبت ہوتی ہے اور جب اللہ رسول سے محبت ہوتی ہے تو اطاعت کرنا آسان ہوجاتا ہے کیوں کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے وہ اس کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ اگر انسان اللہ سے محبت کرے گا تو اس کے لئے نماز کے لئے اٹھنا آسان ہوجاتا ہے۔ نیکیوں کی دعوت آسان ہوجاتا ہے۔ نیک عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ اچھے راستے پر قدم بڑھانا آسان ہوجاتا ہے۔ تمام برائیوں کو چھوڑ دینا آسان ہوجاتا ہے۔

دوستو! جب اللہ سے محبت ہوگی تو انسان خود بخود اللہ کی طرف دوڑے گا۔ اس لئے کہ جس اللہ سے وہ محبت کررہا ہے اسی اللہ کا حکم ہے کہ اَقِمِ الصَّلٰوۃ نماز پڑھو۔ جس اللہ سے محبت کررہا ہے اسی اللہ کا حکم ہے کہ اَطِیْعُ الرَّسُوْلَ میرے پیارے رسول کی اطاعت کرو۔ ان سے محبت رکھو۔ ان کی عزت و تعظیم کرو، ان کی تعلیمات پر عمل کرو۔ تمام برائیوں کو چھوڑ دو، نیک کام کرو، پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ ماں باپ کی خدمت کرو۔ جھوٹ غیبت اور چغلی سے بچو، ہمیشہ سچ بولو۔ گویا اللہ کی محبت تمام نیک اعمال کی بنیاد ہے۔

لوگ مال کی محبت میں رات دن محنت کرتے ہیں، فیکٹریوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں۔ بعض لوگ نائٹ ڈیوٹی دیتے ہیں۔ سوچو اگر انسان مال و دولت کو حاصل کرنے کے لئے اپنی نیند قربان کرسکتا ہے تو اپنے پروردگار کو راضی کرنے کے لئے راتوں کو کیوں نہیں اٹھ سکتا ہے۔ کیوں نہیں پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کرسکتا ہے۔ یقیناً کرسکتا

ہے۔ آج اللہ اور رسول سے محبت کا جذبہ کم کیوں ہوگیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ دنیا کی اور نفس کی خواہشات دل پر غالب آچکی ہے۔ انسانی خواہشات کو یوں سمجھئے جیسے ایک بلب جل رہا ہے اور اس کے اوپر ٹوکری رکھ دیں تو کمرے میں ہر طرف اندھیرا ہوجائے گا۔ یہی مثال غافل مومن کی ہے کہ اس کا بلب تو روشن ہے کیوں کہ اس نے کلمہ پڑھ لیا مگر اس کے اوپر غفلت کی ٹوکری آگئی۔ لذت نفس اور خواہشات دنیا کی دبیز چادر اس پر پڑ گئی اس لئے اب بیچارے کے دل میں اندھیرا ہے۔ اگر یہ اس غفلت کی ٹوکری کو ہٹا دے گا تو یہ دل کا بلب اسی وقت جگمگا اٹھے گا۔

دوستو! جب انسان کو اللہ کی قربت کا، اللہ کی محبت کا مقام حاصل ہوجاتا ہے اور اس کا دل عشق الٰہی سے لبریز ہوجاتا ہے تو اس کے گفتار اور کردار میں، اس کی ذات اور اس کی ہاتھ میں، اس کی زبان اس کی آنکھ میں ایسی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ آسمان کی طرف دیکھے تو لوح محفوظ میں نوشتہ تقدیر پڑھ لیتا ہے۔ نیچے نگاہ کرے تو تحت الثریٰ تک دکھائی دیتا ہے۔ وہ چھولے تو مٹی سونا بن جاتا ہے۔ وہ زبان سے کہے تو اللہ پوری فرمادیتا ہے۔ وہ دعا مانگے تو اللہ قبول فرمالیتا ہے۔ وہ سراپا کرامت بن جاتا ہے۔

کہتے ہیں ایک اللہ والے کہیں دور سفر پہ جارہے تھے۔ راستے میں انہیں ایک عیسائی ملا، اس نے کہا مجھے بھی سفر پر جانا ہے۔ فرمایا چلو ہم دونوں اکٹھے سفر کریں گے، وہ عیسائی آپ کے ساتھ ہوگیا۔ دونوں چلتے رہے، چلتے چلتے کئی دن ہوگیا راستے میں کھانے کی جو چیزیں تھیں وہ سب ختم ہوگئیں، فاقہ کشی ہوگیا۔ دونوں سوچنے لگے اب کیا کریں۔ ان بزرگ نے کہا کہ آج میں دعا مانگتا ہوں کہ اللہ ہمیں کہیں سے رزق عطا فرمائے جو رزق ہمیں وہ دے گا وہ ہم کھالیں گے اور کل آپ دعا مانگنا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ پہلے دن وہ بزرگ نے دعا مانگی۔ اے اللہ! میں مسلمان ہوں اور یہ کافر ہے اگر میری دعا تونے قبول نہیں کی اور کھانے کو کچھ نہیں دیا تو یہ کہے گا اسلام میں کوئی روحانیت نہیں۔ اسلام میں کوئی برکت نہیں۔ اس لئے اے رب محمد اپنے محبوب کے دین کی سچائی اور حقانیت کو ظاہر فرما دے، میری لاج رکھ لے۔ میری دعا قبول فرمالے۔ دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجاز کا۔

ابھی دعا مانگی ہی تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی کھانے کی بھری ہوئی ایک طشتری لے کر آ گیا۔ وہ بزرگ بہت خوش ہوئے اور فرمایا الحمدللہ۔ اللہ نے میری لاج رکھ لی پھر سوچنے لگے کہ آج تو اسلام کی برکت سے کھانا مل گیا ہے اب دیکھیں گے کہ کل عیسائی کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ کل کا دن آ گیا۔ اب عیسائی کی باری تھی وہ دعا مانگے کہ اللہ کھانا دے۔ چنانچہ وہ ایک طرف چلا گیا۔ اس نے ایک مختصر سی دعا مانگی اور واپس بزرگ کے پاس آ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی دو بڑی بڑی طشتریوں میں بھونا ہوا گوشت لے کر حاضر ہو گیا۔ جب اس بزرگ نے دیکھا تو حیران ہوئے کہ میں نے کل اسلام کی برکت سے دعا مانگی تھی تو ایک طشتری کھانا آیا تھا اور آج اس عیسائی نے دعا مانگی تو اس کی دعا پر دو طشتریوں میں کھانا آ گیا۔ یا اللہ! یہ معاملہ کیا ہے۔ ادھر عیسائی بڑا خوش ہے۔ اس نے دسترخوان بچھایا۔ کہا چلیے حضرت کھانا کھائیے۔

بزرگ کہنے لگے، آپ کھایئے میرا دل کھانے کو نہیں چاہتا ہے۔ کہنے لگا مجھے آپ کا دل پریشان سا نظر آتا ہے۔ فرمایا ہاں واقعی میں پریشان ہوں کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ وہ کہنے لگا آپ پہلے اطمینان سے کھانا کھا لیجیے بعد میں میں آپ کو دو خوشخبریاں سناؤں گا جسے سن کر آپ کا پریشان دل خوش ہو جائے گا۔ کہنے لگا پہلے خوشخبری سناؤ تو کھانا کھاؤں گا۔ وہ عیسائی کہنے لگا جب میں آپ کے پاس سے وہاں گیا تو میں نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! یہ تیرا عزت والا مومن بندہ ہے۔ اس کا دل تیرے عشق سے روشن ہے تو اس کی برکت سے میرے لئے دو طشتریوں میں کھانا بھیج دے۔ اللہ نے تمہارے وسیلے سے میری دعا قبول کی اور دو طشتریوں میں کھانا بھیج دیا۔ لہٰذا پہلی خوشخبری تو یہ ہے کہ آپ اللہ کے ولی ہیں دوسری خوشخبری یہ ہے کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں اور آپ کے ہاتھوں پر مسلمان ہوتا ہوں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

یہ سب اللہ رسول سے محبت کا صلہ ہے مومن جو کہہ دیتا ہے وہ ہو کے رہتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

آج عشق الٰہی نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اعمال میں جان نہیں ہے۔ دعاؤں میں اثر نہیں آج کا مسلمان راکھ کا ڈھیر بن گیا ہے۔ سینے میں محبت الٰہی اور عشق رسول کے وہ انگارے نہیں جل رہے جو اس کے سینے کو گرما رہے ہوں جو اسے کبھی پنج وقتہ نمازوں میں کھڑا کر رہے ہوں۔ کبھی رات کی تنہائیوں میں نفل نماز پڑھنے پر مجبور کر رہے ہوں۔ ایک وقت وہ تھا جب رات کے آخری پہر میں نوجوان اٹھتا تھا۔ اللہ کے سامنے رو رو کر گڑگڑاتا تھا۔ اس کا دل اللہ کی محبت میں تڑپتا تھا آج وہ مچلنے اور تڑپنے والا دل نہیں ہے۔

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

جنہیں خدا سے محبت ہو جاتی ہے۔ اللہ رسول سے عشق ہو جاتا ہے وہ راہ خدا میں عشق مولیٰ میں اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں اور خود بھی لٹ جاتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے

عقل والوں کے نصیبوں میں کہاں ذوق جنوں
عشق والے ہیں جو ہر چیز لٹا دیتے ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہمارے سامنے ہے ایک دفعہ آپ جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حسین وجمیل نوجوان سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے۔ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَ الْكِبْرِيَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ۔ جب اس نوجوان نے اچھے انداز میں اللہ رب العزت کی تعریف کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل مچل اٹھا۔ رب کے نام کی لذت سے دل جھوم اٹھا۔ فرمایا اے بھائی۔ ایک مرتبہ میرے رب کا نام اسی انداز سے پھر سنا دو۔ اس نے کہا جی سنا دوں گا مگر اس کے بدلے میں آپ ہمیں کیا دیں گے۔ فرمایا میرا یہ بکریوں کا

آدھا ریوڑ آپ کو دے دوں گا۔ چنانچہ نوجوان نے پھر ایک مرتبہ وہی نغمۂ لاہوتی سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَ الْمَلَكُوْتِ.. پڑھا۔ یہ سنا تو عشق کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ دل نے چاہا پھر سنوں۔ کہا اے بھائی ایک بار میرے رحیم وکریم پروردگار کا نام اور سنا دو۔ اس نے کہا اب کیا دیں گے۔ فرمایا بقیہ بکریوں کا آدھا ریوڑ بھی آپ کے حوالے کر دوں گا۔ اس نے پھر وہی نغمۂ جانفزاں چھیڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کانوں میں اور بھی زیادہ رس گھل گیا اور دل مچل اٹھا۔ فرمایا اے بھائی ایک مرتبہ اور میرے رب کا نام سنا دو۔ اس نے کہا اب تو آپ کے پاس دینے کے لئے کچھ ہے ہی نہیں۔ آپ مجھے کیا دیں گے۔ فرمایا میرے پاس بکریاں تو نہیں جو تھیں وہ سب آپ کے حوالے کر چکا ہوں مگر آپ کو بکریاں چرانے والے کی ضرورت ہوگی۔ اے دوست میں تیری بکریاں چرایا کروں گا بس تو ایک بار اسی انداز میں میرے رب کا نام پھر سنا دے۔ اس نے کہا اے ابراہیم یہ بکریاں آپ کو مبارک ہوں۔ میں تو اللہ رب العزت کا فرشتہ ہوں۔ آپ کی خُلّت کا آپ کی دوستی کا۔ آپ کے عشق مولیٰ کا امتحان لینے آیا تھا۔ آپ اس امتحان میں سو بٹا سو نمبر لائے۔ آج سے آپ کو خلیل اللہ کا لقب دیا جاتا ہے۔ واقعی آپ نے اللہ سے محبت کا دوستی کا حق ادا کر دیا۔ آپ اس ایوارڈ کے لائق ہیں، اسی دن سے آپ کو ابراہیم خلیل اللہ کہا جانے لگا۔

معلوم ہوا جن کو اللہ سے عشق ومحبت ہوتی ہے وہ اس کے نام پر اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں اور خود بھی لٹ جاتے ہیں۔ یاد رکھیے! جان، مال، اولاد اور وطن ان چار چیزوں سے ہر انسان کو فطرتی طور پر محبت ہوتی ہے مگر تاریخ گواہ ہے کہ اللہ والوں نے ان سب کی محبت کو رب کی محبت پر قربان کر دیا ہے۔ اپنا تن من دھن سب کچھ عشق مولیٰ میں لٹا دیا ہے۔ جب مال کی باری آئی تو مال لٹا دیا۔ وطن کی باری آئی تو وطن قربان کر دیا۔ جان کی باری آئی تو نار نمرود میں کود پڑے۔ اولاد کی باری آئی تو اکلوتے بیٹے کی گردن پر چھری چلا کر دنیا کو بتا دیا کہ اے دنیا والو عشق اس کا نام ہے، محبت اسے کہتے ہیں۔ اطاعت وفرمانبرداری اس طرح کیا جاتا ہے۔ بندہ اپنے اللہ سے اس طرح محبت کرتا ہے۔

شاعر کہتا ہے:

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے ہم ثواب وعذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے عشق والے حساب کیا جانیں

بات عشق کی آ گئی تو ایک واقعہ اور سماعت فرما لیجئے۔ مکاشفۃ القلوب میں علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک نوجوان کے قریب سے گزرے جو اپنے باغ کو پانی دے رہا تھا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے اپنی محبت کا ایک قطرہ عطا فرما دے۔ فرمایا تو عشق الٰہی کا ایک قطرہ برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر اس نے کہا اچھا تو دعا کر دیجیے کہ وہ اپنے عشق کا ایک ذرہ ہی عطا فرما دے۔ فرمایا اے نوجوان ایک ذرے کا بھی تو تاب نہیں لا سکتا۔ اس نے عرض کیا اچھا تو آدھے ذرے کی دعا کر دیجئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے پروردگار اس نوجوان کو اپنی محبت کا آدھا ذرہ عطا فرما دے۔ دعا قبول ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ چلے گئے۔

پھر کافی عرصے کے بعد دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس نوجوان کی باغ سے گزر ہوا۔ آپ نے سوچا چلو نوجوان کی خیریت معلوم کر لوں کہ وہ کس حال میں ہے۔ آپ باغ کے قریب گئے۔ کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان سے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے وہ تو اللہ کی محبت میں دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف چلا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ میں اس نوجوان کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ اب وہ کس حال میں ہے۔ حکم ہوا فلاں پہاڑ پر جاؤ میرا وہ بندہ تم کو وہاں پر ملے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پہاڑ پر گئے دیکھا کہ ایک چٹان کے اوپر وہ نوجوان آسمان کی طرف منہ اٹھائے ہوئے کھڑا ہے۔

دیوانے کی نظروں کو جہاں دیکھ رہا ہے
اور دیوانہ خدا جانے کہاں دیکھ رہا ہے

وہ نوجوان اللہ کی جانب لو لگائے ہاتھ اٹھائے مناجات کر رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے قریب گئے۔ اس کو سلام کیا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا پھر فرمایا میں عیسیٰ ہوں پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نوجوان کے کندھے کو پکڑ کر ہلایا تو

بھی کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مخاطب ہوا۔تب اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی۔اے میرے پیغمبر عیسیٰ وہ بندہ بھلا انسانوں کی بات کیسے سن سکتا ہے جس کے دل میں میری محبت کا آدھا ذرہ موجود ہو۔مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم! اس کے بدن کو اگر آری سے دوٹکڑے کردو تو بھی مجھے چھوڑ کر وہ غیر کو نہیں دیکھے گا۔اس کے بدن کو چیر ڈالو تو اس کو پتہ بھی نہیں چلے گا کیوں کہ میرا عشق اس پر غالب ہے۔

جب آپریشن میں دوا اور انجکشن کا اثر بدن پر غالب رہتا ہے تو ڈاکٹر بدن کو چیرتا پھاڑتا ہے مگر درد اور تکلیف نہیں ہوتی۔ایسے ہی جس پر عشق الٰہی کا اثر غالب ہوتا ہے اس کے بدن پر چھریاں چلاؤ۔ٹکڑے ٹکڑے کردو تو بھی اسے پتہ نہیں چلتا وہ تمام تکلیفوں اور غموں سے بےخوف ہوتا ہے۔

دوستو! اگر اللہ کی محبت کا چھوٹا سا ذرہ بھی مل جائے تو ہمارے دل کے لئے وہی کافی ہے جبکہ اس سے بھی کم حصہ مل جائے تو بھی ہمارا کام بن جائے۔اللہ ہم سب کے دلوں کو اپنے اور اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے یادوں کا مزار بنادے۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

سلام

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاع
اَرْسَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی عِنْدَنَا نُوْرًا مُّبِیْنًا
مُصْطَفٰی مَا جَآءَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

●●●

دنیا کی محبت سے بچو

نَحْمَدُهٗ وَنصلی علٰی رسولهِ الکریم

یَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ م لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (پ ۲۱، سورۃ العنکبوت، آیت ۶۴)

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں
آئی ہے بے حیا مرا ایمان لوٹنے
دنیا کھڑی ہے دولت دنیا لئے ہوئے

آج کا موضوع ہے دنیا کی محبت سے بچو۔دنیا کی محبت آخرت کی سب سے بڑی دشمن ہے۔غور کیجیے! دشمن کے لفظ میں بھی چار حرف ہیں اور انسان کے دشمن بھی چار ہی ہیں۔سب سے پہلا دشمن ہمارا شیطان ہے۔دوسرا دنیا کی محبت ہے۔تیسرا مخلوق کی محبت ہے اور چوتھا نفس کی پیروی ہے۔گویا دنیا، شیطان، مخلوق اور نفس انسان کے آخرت کے دشمن ہیں۔اس لئے دنیا کی محبت شیطان کی پیروی مخلوق کی اطاعت اور نفس کی غلامی سے بچنا چاہیے۔

حدیث پاک میں ہے:

حُبُّ الدُّنْیَا رَاْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ یعنی دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔اس کا ترک کردنیا ہر فضیلت کی کنجی ہے۔دنیا کو ترک کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اچھا کھانا نہ کھائے، اچھا مکان نہ بنائے۔دنیا کی محبت چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ بیوی بچوں اور ماں باپ کو چھوڑ کر غار میں مصلےٰ بچھا کر عبادت شروع کردیں نہیں اسلام ایسا حکم نہیں دیتا بلکہ ترک دنیا کا مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا کی ان لذتوں کو چھوڑ دے جو اللہ کی یاد سے غافل کردیتی ہیں اور جس میں انسان پھنس کر بھول جاتا ہے کہ میں کیا ہوں اور کس کے لئے

ہوں۔مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بہت اچھے انداز سے سمجھائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

چیست دنیا از خدا غافل بودن

نے قماش ونقرہ وفرزند وزن

فرماتے ہیں دنیا کیا ہے، اچھا کھانے کا نام دنیا نہیں۔اچھا پہننے کا نام دنیا نہیں۔اچھا مکان بنانے کا نام دنیا نہیں۔جائز طور سے دولت کمانے کا نام دنیا نہیں۔بیوی بچے رکھنے کا نام دنیا نہیں بلکہ اللہ سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے جو چیز آپ کو اللہ سے غافل اور دور کردے وہی دنیا ہے خواہ کوئی بھی چیز ہو۔بیوی ہو بچے ہوں کاروبار ہو اگر یہ سب یاد خدا کے ساتھ ہو تو دنیا نہیں دین ہے۔ایک آدمی دولت مند ہے مگر شریعت کے مطابق زندگی گزار رہا ہے۔اللہ رسول کا فرمانبردار ہے تو ایسا شخص دین دار ہے اور ایسا آدمی جو غریب ہے مفلس ہے مگر شریعت سے دور ہے۔مسجد سے دور ہے۔اللہ رسول سے دور ہے نمازوں سے دور ہے۔اچھے کام سے دور ہے تو ایسا شخص پکا دنیا دار ہے۔بس یوں سمجھو کہ جو کام یاد خدا میں ہو جائے وہ دین ہے۔اور جو یاد خدا سے غافل کردے وہ دنیا ہے۔

جنہیں دنیا سمجھ میں آ گئی۔انھوں نے اس کی لذتوں کو چھوڑ دیا۔وہ جانتے تھے یہ دنیاوی زندگی ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہے اس لئے وہ ضرورت کے مقدار ہی دنیا حاصل کرتے اور لذتوں کو چھوڑ دیتے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں آخرت کی فکر دیکھئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر فکر آخرت تھی کہ ایک مرتبہ انھوں نے پینے کے لئے پانی مانگا تو کسی نے شربت لا کر پیش کردیا، وہ شربت پیتے ہوئے رونے لگے۔کسی نے پوچھا حضرت آپ کیوں رو رہے ہیں۔فرمانے لگے مجھے قرآن مجید کی یہ آیت یاد آ گئی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں سے فرمائے گا: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا اے میرے بندے تم نے دنیا کی لذت دنیا میں سمیٹ لی تھی وہ تمہیں مل گئی تھی آج تمہارے لئے میرے پاس کوئی حصہ نہیں ہے۔

ایک بزرگ نے دنیا کو خواب میں دیکھا کہ دنیا ایک کنواری لڑکی کی شکل میں ہے۔

انھوں نے پوچھا تو نے لاکھوں نکاح کیے ہیں اس کے باوجود تو کنواری ہی رہی۔کہنے لگی جنھوں نے مجھ سے نکاح کیا وہ مرد نہیں تھے۔اور جو مرد تھے وہ مجھ سے نکاح کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔انھوں نے مجھے ناپسند کیا، ٹھکرایا اور لات مارا۔

دوستو! دنیا میں ایسی بہت سی بزرگ ہستیاں ہوئی ہیں جنھیں نہ دنیا آنے کی خوشی ہوتی تھی اور نہ دنیا کے جانے کا غم ہوتا تھا۔سرکار غوث اعظم کی دنیا سے بے رغبتی دیکھئے۔ایک مرتبہ آپ کا سامانِ تجارت جہاز میں آ رہا تھا، کسی نے بتایا کہ حضرت وہ جہاز ڈوب گیا ہے۔آپ نے فرمایا الحمدللہ، تھوڑی دیر بعد پھر اطلاع آئی کہ حضرت وہ جہاز بچ کر کنارے لگ گیا ہے۔حضرت سرکار غوث اعظم نے فرمایا الحمدللہ۔ایک آدمی نے پوچھا حضرت! ڈوبنے کی اطلاع ملی تو بھی الحمدللہ اور بچنے کی اطلاع ملی تو بھی الحمدللہ۔فرمایا جب ڈوبنے کی اطلاع ملی تو میں نے اپنے دل میں جھانکا تو اس میں مال کے ڈوب جانے کا غم نہیں تھا اس لئے میں نے الحمدللہ کہا۔اور جب بچنے کی اطلاع ملی تو میں نے دل میں جھانکا تو اس میں مال کے بچ جانے کی خوشی نہیں تھی تو میں نے مال دنیا اور دنیا کی محبت سے اپنے دل کو خالی پایا اس لئے الحمدللہ کہا۔

دوستو! سچے مومن کی پہچان یہی ہے کہ اللہ کی محبت ہر چیز کی محبت پر غالب ہو۔اللہ رسول کا معاملہ۔اسلام کا معاملہ آئے تو انسان دولت اور دنیا کو لات مار دے مگر اسلام کا دامن کبھی نہ چھوڑے

حضرت بابا فرید رحمہ اللہ علیہ بارہ سال تک پیر کو تلاش کیے مگر کوئی آپ کو نہیں ملا۔بارہ سال تک عبادت ریاضت اور خوب مجاہدہ کیا۔بالآخر ایک رات آپ نے خواب میں ہونے والے پیر کو دیکھ لیا۔آواز آئی اے فرید یہی تیرا پیر ہے۔آپ نے پیر کا چہرہ خواب میں دیکھا تو پیر نوجواان ملا مگر کچھ اتہ پتہ نہیں کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ان کی حلیہ اور تصویر کو نگاہوں میں بسائے تلاش کرنے کے لئے آپ گھر سے نکل پڑے پورے دن دہلی کی گلیوں میں تلاش کرتے رہے، ہر چہرہ کو دیکھتے مگر کوئی چہرہ نظر نہیں آیا جو اس چہرے سے میچ کرتا ہو۔ملتا ہو۔پورے دن تلاش کیا اس حلئے اور شبیہ والا کوئی نہ ملا۔پورا دن گزر گیا، عصر کے وقت آپ

دہلی سے باہر جنگل کی طرف جا رہے تھے کہ دیکھا کچھ لوگ گیند کھیل رہے ہیں، ان کھیلنے والوں میں وہی نوجوان ہے جس کا چہرہ خواب میں آپ کو بتایا گیا تھا، وہ گیند پھینک رہا ہے سب کھیل رہے ہیں۔ بابا فرید کھیلنے والوں کے پاس پہونچے تو اس نے گیند بابا فرید کی طرف پھینکا۔ آپ نے جلدی سے اٹھالیا، کیچ کرلیا۔ اس نے کہا اے فرید ارے یہ گیند نہیں ہے یہ دنیا ہے دنیا اسے جلدی سے پھینک دے۔ یہ اولیائے کرام کی ٹیم ہے جو اسے فٹ بال بنائے ہوئے ہے۔

دوستو! اولیائے کرام اس دنیا کو اپنے قدم کی ٹھوکروں میں رکھتے ہیں۔ اسے قدموں کا فٹ بال بناتے ہیں کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سینے سے لگانے کے قابل نہیں۔ یہ پیروں کا فٹ بال بننے کے قابل ہے۔ اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ کھیل کود تماشہ ہے۔ کھیل کود تماشہ تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے۔ یہاں بھی ہر انسان کو تھوڑی دیر رہنا ہے۔ ہمیشہ رہنے کی جگہ آخرت ہے جسے انسان بھولا ہوا ہے۔

دنیا کے اے مسافر منزل تری قبر ہے
طے کر رہا ہے جو تو دو دن کا یہ سفر ہے

ارشاد ربانی ہے: وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ. یہ دنیا کی زندگی صرف کھیل کود تماشہ ہے اور آخرت کی زندگی ہی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اس آیت میں اللہ نے زندگی کو کھیل کود تماشہ کہا ہے اس کے کئی وجوہات ہیں۔

(۱) دنیا میں سب سے جلدی ختم ہونے والا کھیل کود تماشہ ہے۔ جتنے بھی کھیل تماشے ہیں وہ چند گھڑیوں کے لئے ہوتے ہیں۔ سرکس کا تماشہ، کھیل کا تماشہ، فلم کا تماشہ اور دنیا کا ہر تماشہ صرف اور صرف چند گھڑیوں کا ہوتا ہے۔ اللہ نے دنیا کو کھیل کود تماشے سے اس لئے تشبیہ دی تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ دنیا گھڑی دو گھڑی کا معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن کہیں گے۔ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا دنیا میں ہم نہیں رہے مگر تھوڑا سا وقت۔ سو سال کی زندگی بھی تھوڑی سی نظر آئے گی۔ گویا خواب تھا جو کچھ دنیا میں دیکھا۔ ایک افسانہ تھا جو سنا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال سے زیادہ تھی۔ ساڑھے نو سو سال تک آپ نے تبلیغ فرمائی پھر اس کے بعد جب لوگ ایمان نہیں لائے، شرکسی کیے، پیغام ربانی کا مذاق اڑایا تو اللہ کا عذاب آیا جس میں تمام مشرک بے ایمان مارے گئے۔ طوفان کے بعد بھی ساٹھ سال تک حضرت نوح علیہ السلام زندہ رہے۔ روایات میں آیا ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو اللہ رب العزت نے ان سے پوچھا اے میرے پیغمبر نوح! آپ نے دنیا کی زندگی کو کیسے پایا۔ عرض کیا مولیٰ مجھے یوں محسوس ہوا کہ ایک مکان کے دو دروازے تھے۔ میں ایک میں داخل ہوا اور دوسرے میں سے نکل گیا۔ تو جب ایک ہزار سال کی زندگی یوں نظر آئے گی تو پھر دنیا کی سو سالہ زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ ہر مرنے والے کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ابھی کل کی تو بات ہے میں بچہ تھا ان گلیوں میں کھیل رہا تھا آج سو سال ہو گئے کتنی تھوڑی دیر ہم دنیا میں رہے۔

دوستو! یہ دنیا ناپائیدار ہے۔ مستقل رہنے کی جگہ نہیں، یہ ایک مسافر خانہ ہے۔ کرایہ کا گھر ہے۔ اس کا طلب کرنے والا اور اس سے محبت کرنے والا بیوقوف ہے۔ اس سے دل لگانا آخرت کی بربادی ہے۔ اس لئے اللہ والے دنیا کی طرف محبت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ان کی نظر میں اللہ کی ذات ہوتی ہے۔ جمال گنبد خضریٰ ہوتا ہے۔ وہ آخرت کے لذتوں کے خواہش مند ہوتے ہیں بلکہ جب ان کو دنیا کی لذتیں اور نعمتیں ملنی ہوتی ہیں تو وہ اس بات سے گھبراتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیک اعمال کا اجر آخرت کے بجائے ہمیں دنیا میں مل جائے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں۔ یہاں نیک کام کیجیے اور اس کے اجر کا آخرت میں طلب گار بنئے کیوں کہ دنیا کی زندگی تھوڑی ہے اور آخرت دائمی ہے۔

(۲) دنیا کو کھیل کود تماشہ سے تشبیہ دینے میں دوسری وجہ یہ کہ عام طور پر کھیل کود تماشہ دیکھنے کے بعد آدمی کو افسوس ہی ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ وقت بھی ضائع کیا اور پیسے بھی ضائع کیے۔ دنیادار کا بھی بالکل حال یہی ہوتا ہے کہ اپنے موت کے وقت افسوس کرتا ہے کہ میں تو دنیا کے پیچھے رب سے غافل رہ کر اپنی زندگی ضائع کردی۔ دنیا سے جاتے وقت انسان کے ساتھ اس کے نیک اور برے اعمال جاتے ہیں جو اس نے کیا ہے بقیہ سب یہاں ہی رہ جاتا ہے۔

(۳) دنیا کو کھیل کود تماشہ سے تشبیہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کھیل کود تماشہ سائے کی

طرح ہوتے ہیں۔ پردے اور اسکرین پر نظر آتا ہے کہ بندہ چل رہا ہے، ہنس رہا ہے، دوڑ رہا ہے، مگر حقیقت میں ان کا سایہ چل رہا ہوتا ہے۔ جوان کے پیچھے بھاگتے ہیں، وہ سایہ کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ دنیا کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جو اس کے پیچھے بھاگتا ہے وہ سائے کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

سرکار مدینہ راحت قلب وسینہ ﷺ نے فرمایا **اَلدُّنْیَاءُ جِیْفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ**۔ دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔ یہ حدیث قابل غور ہے کہ دنیا کے طلب کرنے والے کو کتا کیوں کہا۔ دوسرے بھی جانور تھے ان سے کیوں نہیں تشبیہ دی۔ کوا کہا ہوتا مگر حدیث پاک میں کسی اور جانور یا کوے کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ کتے کا لفظ استعمال ہوا ہے حالانکہ جس طرح کتا مردار کھاتا ہے اسی طرح کوا بھی مردار کھاتا ہے مگر کوا سے تشبیہ نہیں دی بلکہ طالب دنیا کو کتا کہا۔ ایسا کیوں؟ اس کے بہت سے وجوہات ہیں:

(۱) مثال کے طور پر کوے کو جہاں کہیں کوئی مردار ملتا ہے تو وہ اسے اکیلا نہیں کھاتا بلکہ کائیں کائیں شور مچا کر سب برادری کو بلا لیتا ہے پھر وہ سب مل کر کھاتے ہیں لیکن کتا مردار کو ہمیشہ اکیلا کھاتا ہے وہ کسی دوسرے کتے کی شرکت بھی پسند نہیں کرتا۔ وہ بھلے پورا جانور نہ کھا سکے مگر دوسرے کتے کو اس میں سے کھانا برداشت نہیں کرے گا بلکہ اگر کوئی دوسرا کتا آجائے تو مردار کو چھوڑ کر اس کتے کے ساتھ لڑنا شروع کر دے گا اور پھر جو زیادہ طاقتور ہوگا وہی اس کو کھائے گا۔ یہی حال دنیا دار کا ہے۔ وہ دنیا کا سارا فائدہ خود لینا چاہتا ہے۔ وہ اپنی دنیا میں کسی کی شرکت نہیں چاہتا۔ اپنا ہی بھلا چاہتا ہے۔ گویا اس کے اندر کتے جیسی صفت ہے کہ جس طرح کتا مردار کو اکیلا کھانا چاہتا ہے اسی طرح یہ بھی ساری دنیا کے خزانوں کو اکیلا سمیٹنا چاہتا ہے۔

(۲) دنیا دار کو کتا کہنے کی دوسری وجہ اور نکتہ یہ ہے کہ کوا کبھی کسی مردہ کوے کو نہیں کھاتا بلکہ اگر کہیں پر مردہ کوا پڑا ہو تو کوے وہاں پر آنے سے کتراتے ہیں اور خوب شور مچاتے ہیں جبکہ کتے کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اسے اگر کسی مردار کتے کی ہڈی بھی مل جائے تو وہ ان کو بھی چبا لیتا ہے۔ یہی حال دنیا دار کا ہے کہ وہ دنیا سے تو دھوکہ کرتا ہی ہے اگر اس کا کوئی بھائی اس

کے ساتھ کام کرے تو وہ اس کو بھی دھوکہ دینے سے باز نہیں آتا۔ گویا اس کے اندر وہی بات ہے جو کتے کے اندر ہوتی ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ کوا دوسرے کوؤں سے عبرت پکڑتا ہے اگر کوئی آدمی کسی کوے کو مار کر لٹکا دے تو کوے قریب آنا چھوڑ دیں گے۔ وہ سوچتے ہیں کہ ایک مار ڈالا ہے اگر ہم وہاں جائیں گے تو ہم کو بھی مار ڈالیں گے لیکن کتا دوسرے کتوں سے عبرت نہیں پکڑتا۔ یہی حال دنیا دار کا ہوتا ہے اس کے سامنے روزانہ دنیا دار مر رہے ہوتے ہیں اور ان کا انجام برا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود دنیا دار یہ چاہتا ہے کہ مجھے بھی دنیا مل جائے۔ ایک کرسی کو چھوڑتا ہے اور اسے سولی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ یا اسے بم سے اڑا دیا جاتا ہے مگر دوسرا تیار ہوتا ہے کہ کرسی مجھے دے دی جائے۔ یہ تو روز کا تماشہ ہے۔ آپ سنتے ہیں کہ رات کو امیر ہیں صبح کو فقیر ہیں۔ رات کو وزیر ہیں، صبح کو اسیر ہیں۔ رات کو صدر ہیں، صبح کو ملک بدر ہیں۔ کیا دنیا کے ان حکمرانوں کا قصہ آپ نے نہیں پڑھا جنہیں راتوں رات اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں پناہ لینا پڑا لیکن عبرت کوئی نہیں پکڑتا۔ ایک جاتا ہے کئی تیار ہوتے ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم سے پہلے والے کا انجام کیا ہوا۔ کتا حد سے زیادہ ذلیل اور لالچی جانور ہے۔ دنیا دار کے اندر بھی یہی صفت ہے اس لئے طالب دنیا کو کتا کہا گیا۔

(۴) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کوا اگر مردار کھاتا ہے تو وہ نرم گوشت کھاتا ہے اور ہڈیوں کو چھوڑ دیتا ہے لیکن کتا گوشت بھی کھاتا ہے اور ہڈیوں کو بھی چچوڑتا ہے۔ یہی حال دنیا دار کا ہے کہ وہ پہلے جائز منافع کماتا ہے اور پھر سود در سود بھی کھاتا ہے۔ گویا ہڈیاں چچوڑتا ہے۔

(۵) دنیا دار کو کتا کہنے کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ اگر کسی جگہ پر مردار پڑا ہو اور کوا اس میں سے کچھ کھائے بھی تو وہ رات کو اپنے گھونسلے میں چلا جاتا ہے لیکن کتے کی عادت اور ہے۔ وہ دن میں اسے کھائے گا اور رات کو اس پر بیٹھ کر پہرہ دے گا تاکہ کوئی اور کتا اس پر قابض نہ ہو جائے۔ یہی حال دنیا دار کا ہے۔ وہ سارا دن دکان کے اندر ہوتا ہے اور رات کو دکان اس کے اندر ہوتی ہے۔ حتی کہ وہ نماز بھی پڑھ رہا ہوتا ہے تو دکان اور حساب کا خیال معلوم ہوا۔ دنیا دار کتے کی عادت اور خصلت رکھتا ہے۔ اللہ دنیا کی محبت سے بچائے اور ایسی

دنیا عطا فرمائے جو آخرت کے لئے نفع بخش ہو۔

اللہ نے جب سے دنیا بنائی ہے کبھی بھی اس کو محبت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اللہ چاہتا ہے کہ میرے بندے دنیا سے دل لگانے کے بجائے مجھ سے دل لگائیں، آخرت سے دل لگائیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح نماز روزہ اور نیک اعمال سے انسان کی روحانی زندگی کی بقا ہے اسی طرح انسان کی جسمانی زندگی کی بقا مال سے ہے۔ مال اور دولت بذات خود برا اور حرام نہیں بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ غلط ہے، ناجائز اور حرام ہے۔ ہمیں اس سے بچنا چاہیے، اگر کسی کو اللہ نے مال دیا ہے تو وہ اس کو اللہ رب العزت کی نعمت سمجھنے اور اس کو اپنی آخرت بنانے میں لگائے۔ یہ سب سے بڑی منافع کی تجارت ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک آدمی تھا، وہ بیچارہ بہت ہی غریب تھا۔ روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترستا تھا۔ ایک دفعہ اس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، وہ کہنے لگا حضرت آپ کلیم اللہ ہیں اور کوہِ طور پر جا رہے ہیں۔ آپ میری طرف سے اللہ کی بارگاہ میں یہ فریاد پیش کر دینا کہ میری زندگی کا سارا رزق مجھے ایک ہی ساتھ مل جائے تاکہ میں چند دن تو اچھی طرح کھا پی کر جاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی فریاد خدا کی بارگاہ میں پیش کر دی اور اللہ تعالیٰ نے قبول بھی فرما لی اور اسے بہت سی بکریاں اور بہت سے اناج کی بوریاں جو جو چیزیں اور جتنی اس کی مقدر میں تھیں سب ایک ہی ساتھ عطا فرما دیں۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اپنے کام میں لگ گئے۔

ایک سال کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا کہ میں اس بندے کا پتہ تو کروں کہ وہ کس حال میں ہے۔ آپ اس کے گھر پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ ایک عالی شان مکان بنا ہوا ہے اس کے دروازے پر مہمانوں اور دوستوں کی بھیڑ ہے۔ فقیر فقراء سب کے لئے دسترخوان لگے ہوئے ہیں اور ان پر عمدہ عمدہ کھانے لگے ہوئے ہیں اور سب لوگ کھا رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سارا منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ عرض کیا پروردگار! آپ نے اسے جو ساری زندگی کا رزق ایک ساتھ عطا فرمایا تھا وہ تو تھوڑا سا تھا اور اب تو اس کے پاس کئی گنا نعمتیں زیادہ ہیں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا اے میرے پیغمبر! اگر وہ رزق اپنی ذات پر

خرچ کرتا تو اس کا رزق تو وہی تھا جو ہم نے اس کو دیا تھا لیکن اس نے ہمارے ساتھ نفع کی تجارت کی۔ میرے راہ میں خرچ کرنا شروع کر دیا اور یہ میرا دستور ہے کہ جو میری راہ میں ایک روپے خرچ کرتا ہے میں اس کو ایک کے عوض سات سو گنا دیتا ہوں۔ اس کو میری راہ میں خرچ کرنے سے زیادہ نفع ہوا ہے اس لئے اس کے پاس مال و دولت بہت زیادہ ہے۔

مفسرین کرام نے تفاسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مال کی مثال پانی کی طرح ہے۔ کشتی کے چلنے کے لئے پانی ضروری ہے مگر کشتی تب چلتی ہے جب پانی کشتی کے نیچے ہوتا ہے اور اگر نیچے کے بجائے پانی کشتی کے اندر آ جائے تو یہی پانی اس کے ڈوبنے اور تباہی کا سبب بن جائے گا۔

اس مثال سے معلوم ہوا کہ بندۂ مومن کا مال پانی کی طرح ہے اور وہ کشتی کی طرح ہے اگر یہ مال بندۂ مومن کے نیچے رہا تو تیرنے کا ذریعہ بنے گا اور اگر مومن پر سوار ہو گیا تو ڈوبنے کا ذریعہ بن جائے گا۔ اس لئے مومن اور کافر میں جو فرق ہے وہ یہی ہے۔

کافر کی یہ شیوہ ہے کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ ہے شان کہ گم اس میں ہے آفاق

اللہ ہم سب کے دلوں کو اپنے اور اپنے پیارے محبوب ﷺ کی یادوں کا مدینہ بنا دے۔

●●●

دعا مومن کا ہتھیار ہے

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ (پ ۲۴، سورۂ مومن، آیت نمبر ۶۰)

تنگدستی کے جو عالم میں میں گھبراتا ہوں
ہر در غیر پہ جاتے ہوئے کتراتا ہوں
ہاتھ پھیلانے میں محتاج کو غیرت کیسی
شرم آتی ہے کہ بندہ ترا کہلاتا ہوں

آج میں دعا اور کیفیت دعا کے متعلق گفتگو کروں گا اور یہ بتاؤں گا کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ایک ہے رسم دعا اور ایک ہے کیفیتِ دعا۔رسم دعا کیا ہے اور کیفیتِ دعا کیا ہے۔رسمِ دعا یہ ہے جو ہم روزانہ اپنی زبان سے بے توجہی میں لاپرواہی میں الفاظِ دعا ادا کرتے ہیں۔ابھی تک ہم رسم دعا ہی ادا کئے۔کیفیتِ دعا ہمارے اندر پیدا ہی نہیں ہوئی۔بزرگوں نے فرمایا جب کیفیتِ دعا بندے میں پیدا ہوجاتی ہے۔بندہ اللہ کے حضور میں رو رو کر پوری توجہ اور عاجزی کے ساتھ دعا مانگتا ہے تو دعائیں قبول ہوجاتی ہیں۔

اللہ رب العزت نے اپنی مقدس قرآن میں ارشاد فرمایا ہے اے میرے بندو! مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو سنوں گا۔دعائیں مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔اور اگر تم مجھ سے مانگنا بند کردو گے تو میں ایک ایسی قوم پیدا کروں گا جو مجھ سے مانگے گی اور میں اسے عطا کروں گا۔سرکار فرماتے ہیں: اُدۡعُوۡا اِلَی اللہِ فِیۡ جَمِیۡعِ الۡاَحۡوَالِ ہر حال میں اللہ کو پکارا کرو اور اس سے دعائیں مانگا کرو کیونکہ تمام عبادتوں کی اصل ہے۔دعا مقصد عبادت ہے، دعا مومن کا ہتھیار ہے۔فرمایا لِکُلِّ شَیۡءٍ زِیۡنَۃٌ وَزِیۡنَۃُ الۡعِبَادَۃِ الدُّعَا۔ ہر شے کے لئے زینت ہے اور عبادت کی زینت دعا ہے۔اللہ فرماتا ہے مجھے حیا اور شرم آتی ہے

اس بات سے کہ بندہ مجھ سے دعا مانگے اور اور میں دعا قبول نہ کروں۔بندہ مجھ سے سوال کرے اور میں اسے عطا نہ کروں۔روایات میں آیا ہے کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب کوئی مشکل کی گھڑی آتی تو آپ فوراً وضو فرماتے اور دو رکعات نماز ادا کر کے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرماتے تو مشکل آسان ہوجاتی۔مسائل حل ہوجاتے اور آپ فرماتے اے لوگو! دعا مومن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جب کوئی مشکل گھڑی آن پہنچے تو تم دو رکعات نماز ادا کرو اور اپنے رب سے دعا مانگو اللہ تمہارے مشکلات کو حل فرمادے گا۔

فرمانِ نبوی ہے دعا مومن کا ہتھیار ہے، دعا عبادت کا مغز ہے۔دعا عبادت کا مقصد ہے اور دعا ہی عبادت ہے۔اللہ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو دعائیں مانگتا ہے اور جو دعا نہیں مانگتا۔اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔لوگ اپنوں کو عطا کرتے ہیں اور غیروں کو محروم کرتے ہیں مگر اللہ رب العزت کا معاملہ کچھ اور ہے وہ اپنوں کو بھی عطا کرتا ہے اور جو اس کی ذات کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں جو کفر و شرک کرتے ہیں۔اللہ ان کو بھی عطا کرتا ہے جو مشرک اور کافر ہیں۔

اللہ نے ان کو دنیا میں اولاد بھی عطا کی ہے، عزت بھی عطا کی ہے، خوشحالی بھی عطا کی ہے۔وہ ان کو دولت دیتا ہے، تندرستی دیتا ہے، حکومت دیتا ہے، لقمۂ تر کھلاتا ہے وہ رب العالمین ہے۔تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔تمام مخلوقات کی ضروریات زندگی اس کے ذمہ کرم میں ہے، وہ کسی کو محروم نہیں کرتا۔مخلوق سے مانگئے۔دوست، واحباب سے مانگئے تو کہیں گے یار میری اپنی ضرورت بہت ہے۔ابھی مجھے قرضہ چکانا ہے۔حالات میرے ٹائٹ ہوگئے ہیں۔ابھی میں تکلیف میں ہوں میری پیمنٹ رک گئی ہے۔آپ دوست سے ایک مرتبہ مانگیں گے وہ دے دیگا۔دوسری بار مانگیں گے وہ دے دگا۔تیسر بار منہ بنائے گا، چوتھی بار بولنا چھوڑ دے گا۔پانچویں بار آپ سے تعلق توڑ دے گا کہ یہ کیسا آدمی ہے ہر وقت مانگتا ہی رہتا ہے۔آپ مخلوق سے بار بار مانگو تو تنگ ہوجاتی ہے۔آپ سے نفرت کرنے لگتی ہے مگر خدا کا کرم تو دیکھو۔اللہ سے بار بار مانگو تو اللہ خوش ہوتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس بندے کو اپنا دوست بنالیتا ہے۔

یہاں پر ایک بات کی وضاحت کرتا ہوا چلوں۔ایک ہوتا ہے دعائیں کروانا اور ایک ہوتا ہے دعائیں لینا۔دعائیں کروانا عبادت ہے لیکن کسی کی دعائیں لینا اس سے بڑی عبادت ہے۔دعائیں کروانا یہ ہے کہ حضرت میرے لئے دعا کر دیجئے۔امام صاحب دعا کر دیجیے۔مولانا صاحب دعا کر دیجیے کہ میرا فلاں کام ہو جائے۔دعا کروانا سُنّت ہے اور تعلیم امت بھی ہے کہ دعاؤں میں یاد رکھنا۔یہ سب دعائیں کروانے میں شامل ہے لیکن اس سے بھی ایک بڑا عمل یہ ہے کہ ہم ایسے کام کریں کہ جسے دیکھ کر ماں باپ استاد اور پیر کے منہ سے دعائیں نکلیں بس سمجھو دعا ہو گئی۔آج تو دعائیں کروانے والے بہت ہیں اور دعائیں لینے والے بہت کم ہیں۔ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم دعائیں لینے والا بنیں۔حدیث پاک میں ہے حضور کے تین شاگرد تھے اور تینوں کا نام عبد اللہ تھا۔وہ حضور کی خدمت بابرکت میں پیش پیش تھے۔حضور تینوں کا نام لے کر تہجد میں دعائیں مانگتے تھے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تینوں شخصیتیں دنیا میں بہت فضل وکمال اور عزت والے بنے۔ان میں عبد اللہ بن عباس امام المفسرین بنے،عبد اللہ بن عمر امام المحدثین بنے،عبد اللہ بن مسعود امام الفقہاء بنے۔اللہ نے تینوں کو علم وفضل سے ایسا نوازا کہ آج اسلام کی تاریخ میں وہ سورج کی طرح چمک رہے ہیں، یہ دعائیں لینے کی مثال ہے۔

ہاں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔دعا مانگنے سے اللہ پلک جھپکتے ہی تمام مشکلات کو حل فرما دیتا ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک روز شیطان حضور کی خدمت میں حاضر تھا۔حضور نے فرمایا اے ابلیس تو نے ایسی نافرمانی کی کہ اپنے آپ کو دوزخ کا حقدار بنا لیا۔ابلیس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے لوح محفوظ میں دعا دیکھی ہے کہ اگر کوئی ہزار گناہ کرتا ہو اور تمام عمر میں اُس دعا کو ایک بار پڑھ لے تو اللہ اس کے گناہوں کی مغفرت فرما دے گا اور اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔سرکار نے فرمایا اے ابلیس وہ دعا پڑھ۔ابلیس یہ سن کر غائب ہو گیا۔سرکار متفکر اور غمگین ہوئے۔اسی وقت حضرت جبریل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نزول ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا آپ پر سلام بھیج رہا ہے اور کہا ہے کہ ابلیس نے سچ کہا ہے لیکن

ابلیس کے فنا ہونے سے چار ہزار سال پہلے اس دعا کو اس کی یاد سے بھلا دوں گا۔سرکار وہ دعا میں آپ کو بتانے آیا ہوں۔وہ دعا یہ ہے: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ۔ سُبْحَانَ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ سُبْحَانَ الْكَرِيْمِ السَّتَّارِ۔ سُبْحَانَ الْخَالِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ جو کوئی آپ کا امتی ایک بار بھی اس دعا کو پڑھے گا اس کے نامۂ اعمال میں ایک لاکھ حج مقبول اور ایک ہزار ختم قرآن کا ثواب درج کیا جائے گا اور جو بھی اللہ سے طلب کرے گا۔اللہ اسے عطا فرمائے گا اور اس کے تمام مشکلات کو حل فرما دے گا۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دعا کے دو (۲) پر ہوتے ہیں۔ایک ہے رزق حلال اور دوسرا ہے صدق مقال یعنی ہمیشہ سچ بولنا۔اگر رزق حلال اور صدق مقال نہیں تو دعا ہرگز ہرگز قبول نہیں ہوگا۔رزق حلال پر ہی دعا کی قبولیت کا دارومدار ہے۔اور صرف دعا ہی نہیں بلکہ فرائض واجبات روزہ نماز حج زکوٰۃ صدقہ وخیرات سب قیامت کے دن لپیٹ دیا جائے گا اور گندے کپڑے میں لپیٹ کر اس کے منہ پہ مار دیا جائے گا۔نماز بھی پڑھ رہے ہیں اور تمام ناجائز اور حرام کام بھی کر رہے ہیں۔نماز بھی پڑھ رہے ہیں اور ناپ تول میں کمی بھی کر رہے ہیں۔نماز بھی پڑھ رہے ہیں اور کوکن افیم کا دھندھا بھی کر رہے ہیں۔نماز بھی پڑھ رہے ہیں اور جوا سٹہ بازی کا کاروبار بھی کر رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ نماز قبول ہو رہی ہے۔اب قیامت میں پہونچے تو اللہ نے فرمایا فرشتو! لے جاؤ اس کو جہنم میں منھ کے بل ڈال دو۔اب وہ پریشان ہیں کہ اتنی ساری نمازیں پڑھی ،وہ کہاں گئیں۔ایک نماز نہیں چھوڑا مگر ساتھ میں بیاز بھی نہیں چھوڑا۔اس بیاز نے اس نماز کو غارت کر دی۔ایسی نماز جسے پڑھ کر انسان برائیوں کو نہ چھوڑ سکے وہ عبادت نہیں بلکہ عادت ہے۔نماز پڑھو تو ہر برائی کو چھوڑ دو۔حرام کھانے سے حرام پینے سے اور حرام کاموں سے بچو۔اللہ مسلمان کو رزق حلال عطا فرمائے کیوں کہ یہ ساری عبادتوں کی جان ہے۔لوگ سمجھتے ہیں پانچ فرض ہے، میں کہتا ہوں چھ فرض ہے اور چھٹا فرض اہم فرض ہے اور اسی چھٹی فرض پر تمام فرض کی قبولیت کا دارومدار ہے اور وہ ہے حلال روزی۔اگر پیٹ میں حرام لقمہ گیا تو ستر دن کی عبادت اور دعا قبول نہیں ہوگی۔

ایک صحابی جن کا نام سعد بن ابی وقاص تھا۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ یعنی میری زبان میں اتنی تاثیر پیدا فرما دے کہ میری دعا قبول ہو جائے۔ فرمایا اے ابن وقاص! حلال کھانا اور پینا اپنے اوپر لازم کرلو۔ اللہ تمہاری زبان میں وہ تاثیر پیدا فرمادے گا کہ تم جو کہو گے وہ قبول ہو جائے گا۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ قبولیت دعا کے لئے ضروری ہے کہ فرائض واجبات وقت پر ادا کرے اور رزق حلال کھائے۔ تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے ایک واقعہ نقل فرمایا کہ حجاج بن یوسف جب کوفہ کا گورنر بن کر آیا تو اسے معلوم ہوا کہ کوفہ میں اللہ والوں کی ایک ایسی جماعت ہے جو مستجاب الدعوات ہے یعنی وہ جس کے لئے دعا کر دیتے ہیں وہ قبول ہو جاتی ہے اور جس کے لئے بددعا کر دیتے ہیں وہ بھی قبول ہو جاتی ہے اور اس کے بربادی میں کوئی شک نہیں رہتا۔ حجاج بن یوسف بڑا سفاک اور ظالم تھا اس نے سوچا کہ میرے ظلم کو دیکھ کر کہیں یہ لوگ میرے لئے بددعا نہ کر دیں اور میں برباد و ہلاک ہو جاؤں اس لئے اس نے کوفہ پہونچتے ہی ان سب اللہ والوں کی کھانے پر دعوت کی اور سب کو لقمۂ حرام کھلا دیا۔ جب سب کھا چکے تو اس نے ہاتھ اٹھا کر عرض کی الحمد للہ۔ سب نے کہا کس بات پر آپ خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں اس نے کہا کہ ہم نے تم سب کو لقمۂ حرام کھلا دیا ہے تا کہ تمہارے زبانوں کی تاثیر جاتی رہے اور میں تمہاری بددعا سے بچ جاؤں۔

یہاں پر ایک بات کی وضاحت اور کردوں کہ اگر ہم حرام کھانا چھوڑ دیں اور لقمۂ حلال لازم کرلیں تو بھی دعا قبول نہ ہوتی ہو تو ہم کیا کریں۔ دیکھو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے اور کبھی کسی مصلحت کے تحت دعا کے قبول ہونے میں تاخیر ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی قبول ہی نہ ہو اور وہ آخرت کے لئے ذخیرہ جمع کر لی گئی ہو کہ آخرت میں بندہ زیادہ ہی محتاج دعا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ بسا اوقات بندہ دعا مانگتا ہے مگر اس کی دعا آخرت کے لئے ذخیرہ کر لی جاتی ہے اور یہی بندہ جب جنت میں داخل ہوتا ہے تو وہاں کی ساری نعمتوں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے کہ میرے لئے اتنی ساری نعمتیں یہاں موجود

ہیں۔ وہ عرض کرتا ہے کہ مولیٰ میں نے دنیا میں اتنے سارے نیک اعمال نہیں کئے پھر اتنا سارا انعام مجھ پر کیونکہ ہوا۔ اللہ اس بندے سے فرماتا ہے اے میرے بندے تو نے دنیا میں دعا مانگی تھی اور میں نے دنیا میں تجھے محروم رکھا تھا یعنی تیری دعا کا صلہ دنیا میں نہیں دیا۔ اس کے بدلے میں تیرے لئے یہاں جمع کیا۔ بندہ عرض کرے گا کاش! دنیا میں مری ایک بھی دعا قبول نہ ہوتی تو اچھا ہوتا۔ وہ سب میرے لئے ذخیرۂ آخرت بن جاتا۔

حضرت یحییٰ بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں اللہ رب العزت کو دیکھا تو عرض کیا الٰہی میں اکثر دعا کرتا ہوں اور تو قبول نہیں فرماتا۔ حکم ہوا اے یحییٰ میں تیری آواز کو دوست رکھتا ہوں تیری آواز مجھے بہت ہی پسند ہے۔ مانگنے کا تیرا انداز بہت ہی نرالہ ہے۔ تیری صورت مجھے بہت ہی اچھی لگتی ہے اس لئے تیری دعا میں تاخیر کرتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بے عمل فاسق و فاجر شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں جو بھی دعا مانگتا ہوں اللہ قبول فرما لیتا ہے اور مجھے عطا فرما دیتا ہے جبکہ میں بے نمازی ہوں فاسق و فاجر ہوں۔ مگر ایک باعمل نیک متقی پرہیزگار مسلمان جب دعا مانگتا ہے تو بسا اوقات اس کی قبولیت میں تاخیر ہوتی ہے، ایسا کیوں؟ آپ نے فرمایا جب کوئی نیک بندہ متقی بندہ باعمل بندہ خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی طرف پیار و محبت سے دیکھتا رہتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے اے فرشتو! یہ میرا بڑا ہی محبوب بندہ ہے مجھے اس کی صورت بہت بھلی لگتی ہے ٹھہرو! مجھے خوب دیکھ لینے دو۔ ابھی مت دینا ورنہ یہ میرا محبوب بندہ چلا جائے گا۔ اس لئے نیک آدمی کی دعا میں کبھی کبھی تاخیر ہو جاتی ہے اور جب کوئی گنہگار فاسق و فاجر بے نمازی بے عمل بے شرع بندہ دعا کے لئے بارگاہ الٰہی میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنا منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے اے فرشتو! یہ منحوس بندہ کہاں سے آ گیا میں اس کی شکل دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا۔ اسے جلدی دے کر یہاں سے بھگاؤ۔ چنانچہ اسے جلدی مل جاتی ہے، اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے اور نیک متقی باعمل کی دعا میں کبھی کبھی تاخیر ہو جاتی ہے۔

دعا کی قبولیت کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آدمی دعا مانگنے میں مخلص ہو، سنجیدہ ہو۔ دعا کرتے وقت توجہ الی اللہ ہو۔ یہی کیفیت دعا ہے باقی سب رسم دعا ہے۔ آج ہمارے

پاس کیفیت دعا نہیں ہے بلکہ رسم دعا ہے۔ ہم صرف زبان سے الفاظ دعا ادا کرتے ہیں۔ دل ہمارا کہیں اور بھٹکتا ہوتا ہے۔ دعا میں صرف زبان حرکت کرتی ہے دل کہیں اور قافیں مار رہا ہوتا ہے پھر ہماری دعا کہاں سے قبول ہو۔ اللہ انہیں کی دعائیں قبول فرماتا ہے جو پوری توجہ کے ساتھ دل لگا کر عاجزی انکساری سے رو کر گڑگڑاتے ہیں اس سے لو لگا کر مانگتے ہیں۔

نزہۃ المجالس میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر خوب دعا مانگ رہا ہے۔ آپ کھڑے دیکھتے رہے۔ فرمایا اے مولیٰ یہ شخص جو دعا مانگ رہا ہے اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اسے عطا کر دیتا۔ فرمایا اے موسیٰ یہ صرف زبان سے دعا مانگ رہا ہے اس کا دل اس کی بکریوں میں لگا ہوا ہے۔ میں اسی کی دعا قبول کرتا ہوں جو دل سے دعا مانگے۔ کیوں کہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

آج جو ہم دعا مانگتے ہیں تو ہماری خواہش ہوتی ہے کہ بس شام تک ہماری دعا قبول ہو جائے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کہتا ہے یا اللہ مجھے مال دار بنا دے۔ اللہ اس کو نہیں بناتا کیوں؟ اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ اگر اس کو مالدار بنا دیا تو یہ اولاد کی تربیت صحیح طور سے نہیں کر سکے گا اور اس کی اولاد نافرمان بن کر ایمان سے خارج ہو جائے گی۔ کتنے لوگ ہیں دولت کی کمی نہیں، دولت ان کے گھروں میں آجاتی ہے اور اولاد ان کے ہاتھوں سے نکل کر بے ایمان ہو جاتی ہے، بے دین ہو جاتی ہے۔ ہمیں کیا پتہ کہ ہماری دعا کس وجہ سے قبول نہیں ہو رہی ہے۔ اگر دعا قبول نہ بھی ہو تو اللہ سے بدظن نہ ہوں بلکہ اس پر ایمان رکھیں کہ اس میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی جو دعا قبول نہیں ہوتی۔ اللہ اپنے بندے سے ستر ماں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ بچہ ماں سے جب کوئی چیز مانگتا ہے تو ماں کبھی دیتی ہے اور کبھی نہیں دیتی، اگر بچہ کے لئے تکلیف دہ اور نقصان والی چیز ہے تو نہیں دیتی اگر فائدے والی ہے تو دیتی ہے۔ سیب دے گی، نارنگی دے گی، پھول دے گی لیکن وہی بچہ اگر آگ کا انگارہ پھول سمجھ کر کھیلنے یا کھانے کے لئے مانگے تو ماں ہرگز ہرگز نہیں دے گی۔ اس لئے کہ وہ

جانتی ہے یہ میرے بچے کے لئے نقصان دہ ہے۔ بالکل اسی طرح سمجھ لیجئے اللہ بندے سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے، وہ اچھی طرح سے جانتا ہے کہ میرا نادان بندہ جو چیز مجھ سے مانگ رہا ہے وہ اس کے لئے دنیا و آخرت میں نقصان دہ ہے اس لئے وہ نہیں دیتا۔ یہ اسی محبت کا تقاضا ہی ہے۔ اس لئے دعا مانگنے کے بعد یہ امید رکھنا کہ فوراً دعا قبول ہو جائے گی یا اس کا بدلہ مجھے دنیا میں مل ہی جائے گا یہ آداب بندگی کے خلاف ہے۔ دعا نہ بھی قبول ہو تو بھی اللہ سے بدظن نہ ہوں مکمل اس پر بھروسہ رکھیں۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ آپ کے ہر دعا کا بدلہ یا کسی نیکی کا صلہ دنیا ہی میں مل جائے، یہ دنیا دار العمل ہے دار الجزا نہیں۔

کچھ لوگ دعا مانگتے ہیں اور کچھ لوگ دعا پڑھتے ہیں۔ دعا پڑھنے سے قبول نہیں ہوتی بلکہ دعا مانگنے سے قبول ہوتی ہے۔ پڑھنا تو یہ ہے کہ زبان سے دعا کے الفاظ ادا ہوتے رہیں اور مانگنا یہ ہے کہ پوری توجہ کے ساتھ عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ سے لو لگا کر مانگیں۔ آیئے اس سلسلے میں ایک واقعہ سماعت کیجیے یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہندوستان پر مغلیہ سلطنت کا ستارہ چمک رہا تھا۔ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے زیر سایہ پورا ہندوستان چین کی نیند لے رہا تھا۔ سرکار غریب نواز کی بارگاہ میں ایک نابینا اندھا عرصۂ دراز سے اپنی آنکھوں کی روشنی کے لئے دعائیں مانگتا تھا۔ تیس سال گزر گئے مگر دعا قبول نہ ہوئی۔ اتفاقاً انھیں ایام میں اورنگ زیب علیہ الرحمہ سلطان الہند عطائے رسول، خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آستانۂ غریب نواز میں ایک اندھا دعا مانگ رہا ہے۔ آپ اس کے پاس پہونچے۔ اس کے حالات سنے۔ اس نے کہا تیس سال سے اجمیر آرہا ہوں، دعائیں مانگتا ہوں کہ آنکھوں میں روشنی آجائے مگر ابھی تک میری آنکھوں میں روشنی نہیں آئی۔ فرمایا اے اندھے اگر کل صبح تک تیری آنکھوں میں روشنی نہ آئی تو میں تجھے پھانسی پر لٹکا دوں گا۔ یاد رکھ میرا نام اورنگ زیب ہے جو حکم صادر ہوتا ہے اسے دنیا میں کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ سن کر اندھے پر ایک بجلی گری کہ میں تو خواجہ کے دربار میں آنکھوں کی روشنی کے لئے آیا تھا مگر اب تو زندگی ہی خطرے میں پڑ گئی، پھانسی مل رہی ہے۔ رات بڑی تیزی سے گزر رہی ہے۔ رات کا پچھلا پہر ہے، اندھا بارگاہِ خداوندی میں خواجہ کے وسیلے سے گڑگڑا گڑگڑا

کراب دل سے دعائیں مانگ رہا ہے۔ یا اللہ میں بے قصور ہوں۔ صبح ہوتے ہی بادشاہ میری زندگی کو ختم کردے گا مجھ پر رحم فرما۔ صرف ایک ہی صورت میری زندگی بچنے کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تو میری آنکھوں کو روشن کردے اگر تو نے میری آنکھوں میں روشنی نہیں دیا تو صبح ہوتے ہی بادشاہ مجھے پھانسی کے پھندے پر لٹکا دے گا۔ مولیٰ خواجہ کے صدقے میں ان کے وسیلے سے میری آنکھوں میں رشنی دے دے۔ اتنا کہا اور سجدے میں گر گیا۔ خوب رویا گڑگڑایا، دعا قبول ہوگئی۔ سجدے سے سر اٹھایا تو آنکھوں میں روشنی آگئی۔ زمین نظر آنے لگی۔ خواجہ کی چوکھٹ دکھائی دینے لگا۔ گنبد خواجہ اور مسجد کے ممبر ومحراب نظر آنے لگے۔

ادھر نماز فجر پڑھ کر فاتحہ خوانی کے لئے جیسے بادشاہ اورنگ زیب مزار خواجہ میں داخل ہوئے۔ اندھے نے دیکھ لیا، زور سے چلایا جہاں پناہ میری آنکھیں روشن ہوگئیں۔ اگر یقین نہ ہو تو میری بینائی کا امتحان لے لو۔ سپاہیوں نے کہا بتاؤ یہ کتنی انگلیاں ہیں کہا چار۔ اور یہ کتنی ہیں کہا پانچ۔ بادشاہ نے کہا صحیح کہتا ہے چھوڑ دو اسے۔ پھر اورنگ زیب نے کہا اے اندھے تیس برس تک تو نے دعا نہیں مانگی بلکہ رسم دعا ادا کی۔ صرف زبان سے الفاظ دعا کہتا رہا، دل سے دعا نہیں مانگی تو صرف دعا پڑھتا تھا، دعا مانگتا نہ تھا۔ یاد رکھ دعائیں انہیں کی قبول ہوتی ہیں جو دل لگا کر تڑپ کر عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا مانگتے ہیں۔ ان پر اللہ کی طرف سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

اللہ والوں کے وسیلے سے دعا مانگنا سنت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور کے وسیلے سے دعا مانگی قبول ہوگئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے مانگی قبول ہوگئی۔ حضرت ابراہیم نے مانگی قبول ہوگئی۔ ہر نبی نے مانگی قبول ہوگئی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینے میں جب بارش نہ ہونے کی وجہ سے سخت قحط پڑ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے ہوئے اور عرض کیا مولیٰ سرکار کے چچا عباس کے وسیلے سے دعا مانگتا ہوں قبول فرما، بارش کا نزول فرما، قحط کو دور فرما۔

معلوم ہوا کہ وسیلہ تعلق اور نسبت سے دعا مانگنا ناجائز اور بدعت نہیں بلکہ صحابہ کی سنت ہے، اللہ والوں کی سنت ہے۔ میرے پیر ومرشد مفتی اعظم سرکار فرماتے ہیں:

وصل مولیٰ چاہتے ہو تو وسیلہ ڈھونڈھ لو
بے وسیلہ نجدیوں ہرگز خدا ملتا نہیں

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی دعا کو اپنی دعا کی طرح نہ سمجھو۔ اللہ والوں کے وسیلے سے اللہ دعا قبول فرماتا ہے۔ تاریخ ہند میں ہے کہ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کا ایک پرانا جبہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا اور سلطان محمود غزنوی نے اس کرتا مبارک کو بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ اپنے پاس رکھا تھا۔ چنانچہ جب سلطان محمود غزنوی نے اپنے لشکر جرار کے ساتھ سومناتھ پر کئی بار حملہ کیا مگر فتح وکامیابی حاصل نہ کرسکا، ظاہری قوتیں جواب دے گئیں، انسانی تدبیریں ناکام ہوگئیں، جنگی چالیں بیکار ثابت ہوئیں تو سلطان محمود غزنوی کے دل میں خیال آیا کہ آج دعا کے ہتھیار کو بھی آزما کر دیکھ لیں۔ اس لئے کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ پھر سلطان محمود غزنوی میدانِ جنگ سے الگ ایک کنارے پر گھوڑے کے پشت سے اترا۔ دو رکعت نماز نفل ادا کی اور اپنے پیر ومرشد کا جبہ مبارک سامنے رکھا اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کی۔ یا اللہ! یہ جبہ تیرے ولی حضرت ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہ کا ہے جو تیرے محبوب بندوں میں سے ہیں۔ میں اس جبہ مبارک کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ تو مجھ کو فتح ونصرت عطا فرما۔ آمین

اس دعا کے بعد جب سومناتھ پر آپ نے حملہ کیا تو اللہ نے سلطان محمود غزنوی کو فتح عطا فرمادی۔ پانچ سو راجاؤں کی پانچ لاکھ متحدہ فوج کو ایسی عبرتناک شکست دی جو اسلام کی تاریخ بن گئی۔ رات کو حضرت سلطان محمود غزنوی نے خواب میں پیر ومرشد خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں۔ اے محمود! تو نے اس قدر معمولی چیز کے لئے میرے جبہ کے وسیلے سے دعا کی تو اللہ نے تیری دعا قبول کی اور تجھے فتح سومناتھ عطا فرمایا۔ اگر تو اس وقت یہ دعا مانگتا کہ تمام کفار ومشرکین اسلام قبول کرلیں اور دنیا سے کفر وشرک کا خاتمہ ہوجائے تو یقیناً تیری دعا قبول ہوجاتی۔

دوستو اور بزرگو! جب اللہ کے ولی کی جبہ کی یہ شان ہے تو محبوب خدا احمد مجتبیٰ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا شان ہوگی۔ ان کے موئے مبارک، جبہ مبارک کی برکت

وعظمت کا کیا عالم ہوگا۔

خدا کے پاک بندوں کی تو یہ تاثیر ہوتی ہے
کہ ان کی ٹھوکروں کی خاک میں اکسیر ہوتی ہے

معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے وسیلے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔فرمایا بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اس لئے سجدے کی حالت میں کثرت سے دعا مانگو۔دعا نرم اور آہستہ آواز سے مانگو۔اپنے دعاؤں میں اہل ایمان کو بالخصوص ماں باپ استاد اور پیرومرشد کو ضرور شامل کرو۔مسافروں،یتیموں،لاچاروں،مجبوروں،بیماروں اور مظلوموں سے دعائیں کرواؤ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا جلد قبول فرماتا ہے۔کعبے کے چاروں طرف مسجد حرام میں صفا ومروہ پہ،عرفات کے میدان میں،مزدلفہ میں مدینہ میں،گنبد خضریٰ کے پاس،مسجد نبوی میں،ریاض الجنۃ میں،روضہ رسول پر ممبر ومحراب مسجد نبوی میں،جنت البقیع میں،مدینہ منورہ کے تمام مقدس مقامات میں،قبر امام اعظم،مزار غوث پاک کے پاس،تربت غوث اعظم پہ جو بھی دعا مانگو گے وہ قبول ہوگی اور امام اہل سنت مجدد دین وملت پروانہ شمع رسالت سرکار اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں خواجہ غریب نواز کے مزار پر جو بھی دعا مانگی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا

(علامہ حسن رضا بریلوی)

●●●

مسجد کی اہمیت اور احترام

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۱۸﴾ (پ۱۰،سورہ توبہ،آیت نمبر ۱۸)

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائے۔اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں۔(ترجمہ کنزالایمان)

مفسر قرآن حضرت صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسجدوں کو آباد کرنے کے کئی معنی اور قول ہیں۔ایک تو یہ کہ مسجد آباد کرنے سے مراد مسجد بنانا اس کی ہر طرح سے نگہداشت رکھنا۔اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھنا اور اس میں پنج وقتہ نماز پڑھنا۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں معتکف ہوکر بیٹھنا اور تیسرا قول مسجدوں کو آباد کرنے میں یہ امور بھی داخل ہیں کہ اس میں جھاڑو دینا صاف صفائی کرنا،روشنی کرنا، خوشبودار بنانا اور انہیں دنیا کی باتوں سے اور ایسی چیزوں سے محفوظ رکھنا جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔مسجدیں عبادت کرنے اور ذکر کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے عبادت اور سجدوں سے اسے زینت دو۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ علم کا درس اور تعلیمات دینیہ بھی ذکر وعبادت میں شامل ہے اس لئے مساجد میں درس وتدریس دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ نمازی کی نماز میں خلل نہ ہو کیوں کہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہو تو اس وقت بلند آواز سے تلاوت اور ذکر کرنا جس سے کہ نمازی کی نماز میں بھول اور خلل واقع ہو شرعاً منع ہے۔آہستہ پڑھنے

میں کوئی حرج نہیں یہ جائز اور مستحسن ہے۔

قرونِ اولیٰ میں یہی مسجدیں اسلام کی پہلی درسگاہ ہوتی تھیں اور انھیں درسگاہوں سے امام بخاری، امام اعظم اور امام غزالی جیسے فقہا اور محدثین وقت کے عظیم محدث اور فقیہ بن کے نکلے تھے۔ مساجد کو اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔

انسانی زندگی کا بنیادی مقصد خدا کی عبادت اور بندگی ہے اور خدا کی بندگی کا مکمل اظہار نماز کے ذریعے ہوتا ہے۔ نماز کو باجماعت ادا کرنے کے لئے مساجد کا نظام رکھا گیا ہے۔ اس طرح مساجد روئے زمین کی وہ مقدس اور قابل احترام جگہیں ہیں جہاں خدا کے بندے خدا کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔ مساجد کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اللہ کے گھر ہیں اور انھیں خدائے تعالیٰ سے خاص نسبت حاصل ہے۔ مساجد کو بیت اللہ کہا جاتا ہے یعنی اللہ کا گھر۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا خدا یہاں پر رہتا ہے جو مسجد کو اللہ کا گھر کہا گیا۔ جواباً صرف اتنا کہوں گا کہ ملک میں کچھ ایسی جگہیں اور عمارتیں ہوتی ہیں جنہیں سرکاری عمارت کہا جاتا ہے مثلاً ڈاک خانہ، کورٹ، کچہری، تھانہ اور بھی بہت سی ایسی عمارتیں ہیں جو سرکاری کہلاتی ہیں۔ بتاؤ کیا سرکار یہاں رہتی ہے؟ نہیں۔ ان عمارتوں کو سرکاری اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں پر سرکاری کام کاج ہوتے ہیں۔ بعینہٖ مسجد میں چونکہ اللہ کی عبادت ہوتی ہے، تلاوت قرآن کی جاتی ہے، قانون شریعت فرمان الٰہی اور دینی احکام بندوں کو سکھایا اور بتایا جاتا ہے اس لئے مساجد کو اللہ کا گھر کہا گیا ہے۔

رسول اکرم نور مجسم رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک دنیا میں سب سے اچھی میں اچھی اور محبوب ترین جگہ مساجد ہیں اور سب سے بری میں بری جگہ بازار اور منڈیاں ہیں۔ عظمت مساجد کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مسجد کی تعمیر حصول جنت اور حصول رضائے الٰہی کا ایک آسان نسخہ ہے۔ چنانچہ بہت سی احادیث میں آپ ﷺ نے تعمیر مسجد میں حصہ لینے والوں کو جنت میں محل تعمیر کیے جانے کی خوشخبری دی ہے۔ ایک جگہ پر ارشاد فرمایا جس نے روئے زمین پر خلوص دل کے ساتھ رضائے مولیٰ کے لئے مسجد تعمیر کی یا تعمیر میں کسی طرح سے حصہ لیا تو خدائے تعالیٰ اس کے لئے جنت میں میرے جواہرات کا محل

بنائے گا۔

حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص وضو کر کے مسجد میں جائے تو ہر ہر قدم پر اس کے نامۂ اعمال میں ستر ستر نیکیاں درج کی جاتی ہیں۔ ایک ایک قدم پر ستر ستر گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور ستر ستر درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں اور جس آدمی کا دل مسجد میں زیادہ لگے گا کل قیامت کے دن اسے اللہ کے عرش کے نیچے سایہ نصیب ہوگا۔ جیسا کہ حدیث معراج میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ معراج کی رات جب تشریف لے گئے تو آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اللہ کے عرش کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔ پوچھا اے جبریل یہ کون خوش نصیب آدمی ہے جسے اللہ کے عرش کا سایہ نصیب ہے۔ کیا یہ کوئی فرشتہ ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا یہ کوئی نبی ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو پھر یہ کون ہے۔ عرض کیا حضور یہ آپ کے امت کا وہ شخص ہے جس کا دل ہمیشہ مسجد میں لگا رہتا تھا۔ سبحان اللہ اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ جلدی جلدی مرغ کی طرح ٹھونگ مار کر جلدی مسجد سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ مسجد میں تھوڑی دیر کی حاضری بھی ہمارے لئے جیل جیسی محسوس ہوتی ہے اور نفس کہتا ہے کہ جلدی سے فرصت پا کر مسجد سے نکل جاؤں۔ یہ ہمارا حال ہے اسی لئے ہم بے حال ہیں۔

ہر آدمی اپنا گھر صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو بدرجۂ اولیٰ خدا کے گھر کی صفائی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے گھر خانۂ کعبہ کی صفائی کا حکم دیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھو۔ فرمایا مجھ پر میرے امت کے اعمال اور اس کے اجر پیش کیے گئے یہاں تک کہ وہ کوڑا بھی جو کسی نے مسجد سے باہر کیا تھا۔ مساجد کو صاف ستھرا اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا گیا۔ مسجدوں میں جاروب کشی کرنے والے اللہ اور رسول کے نگاہ میں قابل قدر ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سیاہ فام شخص مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا جس کی اطلاع حضور ﷺ کو نہیں دی گئی۔ آپ نے جب دوسرے دن اس کو نہیں دیکھا تو لوگوں سے پوچھا آپ کو بتایا گیا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی اچانک موت کی خبر پہ تشریف لے گئے اور اس کے لئے دعائے

مغفرت فرمائی۔

دوستو! وہ موت کتنی اچھی ہے جس کو اللہ کے گھر کی مزدوری کرتے کرتے آجائے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنے گھر کی خدمت کرنے کا موقع دیا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی طریقے سے کر رہے ہوں۔ سب اللہ کے گھر کے خادم ہیں، سب کو خادم ہی کی طرح رہنا چاہیے۔

حضور نے مسجد کے آداب واحترام کی تلقین فرمائی ہے۔ فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مسجدوں میں چلّائیں گے۔ یعنی مسجد کا ادب واحترام کو پامال کرتے ہوئے لوگ بلند آواز میں گفتگو کریں گے انھیں مسجد کا پاس اور لحاظ ذرا بھی نہ ہوگا۔ لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کریں گے تم ان کے پاس نہ بیٹھنا اللہ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں۔ گانے بجانے اور دنیاوی آوازیں مسجدوں میں آئیں گی۔ حضور کی یہ تمام پیشن گوئی آج امت کے حالات پر من وعن صادق آرہی ہے۔ مسجدیں جو اللہ کی عبادت کے لئے ہیں آج لوگوں نے اسے فتنوں کا آماجگاہ بنا لیا ہے۔ مسجد میں فتنے کھڑے کیے جارہے ہیں۔ کہیں مسجد کی ٹرسٹ کے لئے جھگڑا ہے، کہیں نظامت کے لئے جھگڑا ہے، کہیں عہدہ اور منصب کے لئے رسّہ کشی ہے۔ میٹنگ میں یہ منظر دیکھا جاسکتا ہے۔ دینی ادارے اور مسجدیں جھگڑوں کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہیں۔ ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مسجد کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھیں اور اپنے آپ کو مسجد کا خادم سمجھیں حاکم نہیں۔

حضرت ابن یزید کہتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد نبوی میں سویا ہوا تھا۔ کسی نے میرے اوپر کنکری پھینکی میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے فرمایا جاؤ ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس بلا لاؤ جو مسجد میں زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ میں ان دونوں کو حضرت عمر کے پاس لے آیا۔ حضرت عمر نے ان سے پوچھا تم لوگ کس قبیلے اور جماعت سے تعلق رکھتے ہو ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ناراضگی کے ساتھ فرمایا خدا کی قسم اگر تم دونوں مدینہ والوں میں سے ہوتے تو میں تم دونوں کو خوب پیٹتا۔ تمہیں پتہ نہیں رسول

اللہ ﷺ کی مسجد میں اتنی زور سے تم باتیں کرتے ہو جس سے صاحب مزار حضور پاک ﷺ کی آرام میں خلل ہو رہا ہے۔

دوستو! ہمیں مسجد میں زور زور سے بات کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا رب ناراض ہو جائے اور ساری عبادت واعمال برباد ہو جائیں۔ ایک بات کی یہاں پر وضاحت کر دوں کہ مسجد میں دنیا کی گفتگو کرنا آداب مسجد کے خلاف ہے، البتہ خطیب وامام اگر تقریر میں دنیاوی مثالیں سمجھانے کے لئے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی یہ آداب مسجد کے خلاف ہے۔

اسلام نے مساجد کو ایک خاص اہمیت عطا کی ہے۔ یہ مسجدیں اسلامی مذہب کا علامتی نشان ہی نہیں بلکہ اسلامی تہذیب وتمدن کی تربیت گاہ اور عظیم درسگاہ ہیں۔ آج مسجدوں کو کامیابی کا ضامن تو مانا جاتا ہے مگر نماز کے لئے پابندی ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ مسجد کے نام پر سر کٹانے کا حوصلہ تو ہوتا ہے مگر مسجد میں سر جھکانا بے حد گراں گزرتا ہے۔ ترک نماز ایک فیشن بن گیا جب کہ مسلم اور کافر کے درمیان نماز ہی کا فرق ہے مگر اب صرف گوشت خوری اور ناموں میں ہے۔ پہلے لوگ نماز کے لئے دور جایا کرتے تھے کہ ہر قدم پر نیکی زیادہ ملے گی اور اب مسجد کے باہر ہی کھڑے رہتے ہیں اور گپ شپ ہوتی رہتی ہے مگر نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایک صاحب نے اپنا مکان اس لئے بیچ دیا کہ ان کے گھر کے پاس مسجد تھی۔ اذان سے ان کی نیند میں خلل ہو جاتی تھی۔ (نعوذ باللہ) ایسے بھی مسلمان آپ کو ملیں گے۔ ایسے ہی مسلمانوں کے بارے میں حضور شیخ الاسلام نے فرمایا:

جس میں پاس شریعت نہ خوف خدا
وہ رہا کیا رہا، وہ گیا کیا گیا
ایک تصویر تھی جو مٹا دی گئی
یہ غلط ہے مسلمان مارا گیا

مسجدیں صرف پاک صاف اور عبادت ہی کا تقاضا نہیں کرتیں بلکہ یہ بھی تقاضا کرتی ہیں کہ نماز کے لئے اچھے کپڑے ہوں مگر ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اس کا اہتمام نہیں

کرتے جس حال میں ہوں اٹھ کے چلے آتے ہیں۔شرٹ پر چھپی ہوئی تصویریں اور کفریہ
شرکیہ جملے لکھے ہوئے ہیں جسے دیکھ کر دوسرے کی بھی نماز خراب ہوتی ہے اس پر توجہ نہیں
دی جاتی اور جب یہی لوگ شادیوں میں آفسوں میں انٹریو کے لئے جاتے ہیں تو ایک دم
اپ ٹو ڈیٹ ہوکر جاتے ہیں۔میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ سے بڑھ کر کوئی ہے جس
کے لئے زیب وزینت اختیار کی جائے۔دنیا کے انسانوں کے لئے زیب وزینت اختیار کیا
جاتا ہے مگر وہ رب جو اپنے بندے کو حالت نماز میں پیار و محبت سے دیکھتا ہے اس کے لئے
کوئی اہتمام نہیں جیسے چاہو چلے آؤ۔

مسجدوں میں لوگ اپنے چھوٹے بچوں کو بھی لاتے ہیں اور یہ بچے پھر پوری مسجد میں
دوڑتے اور ادھم مچاتے پھرتے ہیں۔پنج وقتہ نمازوں میں کم جمعہ اور رمضان کی تراویح میں
مسجد میں بچوں کا طوفان برپا رہتا ہے۔جبکہ حدیث پاک میں ہے اپنی مسجدوں کو دیوانہ
پاگل اور ناسمجھ بچوں سے بچاؤ۔ہم لوگوں کو اپنے بچوں کو لانے میں بڑی دلچسپی ہوتی ہے مگر
یہی بچے جب بڑے ہوجاتے ہیں تو مسجدوں سے دور ہوجاتے ہیں۔یہ ساری غلطی ماں
باپ کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تمام تربیت تو دیتے ہیں کہ گڈ مارننگ، ہیلو، ہائے اور بائے
کیسے کہنا ہے مگر یہ سکھانا ضروری نہیں سمجھتے کہ نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے۔مسجد کے آداب کیا
ہیں، امام کا احترام کیا ہے۔علماء کی عزت کیسے کیا جائے۔مسلمانوں میں آج کل ایک اور
خرابی پیدا ہوگئی ہے اور وہ ہے متولیان کا مسئلہ جب سے مسلمانوں میں عہدے اور اقتدار
کی حرص پیدا ہوئی ہے تب سے مسجد کی تولیت بھی ایک مسئلہ بن چکا ہے۔عہدے اور اقتدار
کا مسئلہ، امامت اور تولیت کا مسئلہ۔مذہب اور سیاست کا مسئلہ۔آج کل زیادہ تر متولی اور
قوم کے لیڈر وہ لوگ بنائے جاتے ہیں جو مالدار ہوں۔جاہ و منصب والے ہوں۔اگر چہ وہ
بے نمازی ہی کیوں نہ ہوں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے اداروں کی طرح مسجد کی
تولیت کو لے کر آپس میں جھگڑا فساد اور مقدمہ بازی ہوتی رہتی ہے۔بعض دفعہ پولیس
آجاتی ہے اور مسجد میں تالا لگ جاتا ہے۔اور آپس میں اختلاف اس حد تک ہوجاتا ہے کہ
اس کی بناء پر اس مسجد میں آنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔حالانکہ امامت کی طرح تولیت کا حق بھی

متقی پرہیزگار شخص کو ہی پہونچتا ہے۔جو دین کا عالم ہو یا اگر عالم نہ ہو تو دین کا کم سے کم سمجھ
بوجھ رکھتا ہو۔دل میں خوف خدا ہو۔جو قوم کی رہنمائی کرسکیں۔امام بھی ایسے شخص کو ہونا
چاہئے جو علوم دین سے مکمل آراستہ ہو۔جو لوگوں کی دینی واخلاقی تربیت کرسکے جو معاشرتی
علوم، سوشل نالج رکھتا ہو اور سماجی معاملے میں لوگوں کی رہنمائی کرسکے۔اختلافی مسائل میں
فیصلہ کرسکے اور سماج میں اس کا مقام منصب امامت کے شایانِ شان ہو۔

مساجد اور ہماری ذمہ داریوں کے تعلق سے ایک آخری اور بہت ہی ضروری بات
عرض کردوں کہ مسجدوں میں موبائل سے اجتناب کریں۔یہ ایک نیا وائرس ہے جو انسانوں
میں سرایت کرگیا ہے۔آدمی اس کے بغیر زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا۔یہ ایک ضرورت ہے مگر
کچھ لوگ خاص طور سے نوجوان طبقہ اس کا استعمال غلط طور سے کررہا ہے۔اس میں قصور
موبائل کا نہیں بلکہ موبائل استعمال کرنے والوں کا ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم اس کا صحیح
استعمال کریں اور صحیح جگہ پر کریں، صحیح وقت میں کریں تو یہ ہمارے لئے فائدہ مند ہے ورنہ
دنیا و آخرت کے لئے نقصان دہ بھی ہے۔کچھ سالوں پہلے تک مسجد ہی ایک ایسی جگہ باقی بچی
تھی جہاں میوزک یا گانے کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی مگر جب سے موبائل عام ہوا ہے اب
مسجدوں میں بھی میوزک گانے اور مختلف طرح کے رنگ ٹون سنائی دینے لگی ہے جس سے نہ
صرف مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے بلکہ نمازیں بھی خراب ہورہی ہیں۔افسوس اس بات پر ہوتا
ہے کہ یہی لوگ جب عدالت، کورٹ، کچہری، تھانہ، امتحان حال، مخصوص آفس یا انٹریو کے
حالت میں ہوتے ہیں تو اس بات کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں کہ کہیں موبائل نہ بج جائے
ورنہ صاحب ناراض ہوجائے گا اس لئے پہلے ہی بند کرلیتے ہیں۔تب نہیں بھولتے اور جب
مسجد میں آتے ہیں، بورڈ لگا ہوا ہے، پڑھتے بھی ہیں کہ مسجد میں اپنے موبائل کی سوئچ بند
کردیں، اس کے باوجود لوگ نہیں بند کرتے اور نماز میں رنگ ٹون بجتے رہتے ہیں جس کی
وجہ سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے اور نماز میں خلل ہوتا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ ہم جس
چیز کو اہمیت دیتے ہیں وہی ہمیں یاد رہتا ہے۔کیا اللہ کا گھر اتنا بے وقار ہوگیا ہے جیسا کہ ہم
سمجھ رہے ہیں۔خدا کی قسم اس دھرتی پر جو مرتبہ اور مقام اللہ کے گھر کو حاصل ہے وہ کسی گھر

کو حاصل نہیں۔ہمیں اپنے مسجدوں کا احترام کرنا ہوگا۔ ہماری عادت اور حالت کو ہمیں خود بدلنا ہوگا۔اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ جو قوم اپنی حالت نہیں بدلتی میں بھی اس کے حالات کو نہیں بدلتا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

نزھۃ المجالس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسجد کی صاف صفائی بڑے ثواب کا کام ہے جس کسی نے مٹھی بھر مٹی، کوڑا کرکٹ یا کچڑا مسجد سے نکالی تو اس کا ثواب احد پہاڑ کے وزن کے برابر ہوگا۔فرمایا مَنْ اَخْرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ كَفًّا مِّنْ تُرَابٍ كَانَ ثَوَابُهٗ فِيْ مِيْزَانِهٖ كَجَبَلِ اُحُدٍ۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایک شخص مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا وہ مر گیا۔حضور کو علم ہوا تو آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے۔نماز جنازہ پڑھی اور پوچھا کہ تم نے کون سا عمل بہتر پایا۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ سنتا ہے تو آپ نے فرمایا تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں۔پھر فرمایا اس مردے نے جواب دیا کہ مسجد میں جھاڑو دینے کا عمل بہتر ہے۔

مساجد کی تعمیر اس کا نظم و نسق ایک ایسا احسن عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ فرمان نبوی ہے جو شخص مسجد تعمیر کرواتا ہے یا مسجد بنانے میں کسی طرح کی تعاون کرتا ہے تو اس کے لئے جنت میں ایک خوبصورت ہیرے جواہرات سے مزین محل تعمیر کیا جاتا ہے اور جو شخص اذان سنتا ہے اور باوضو ہوکر مسجد میں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندے کے لئے ہر قدم کے بدلے میں جنت میں سو محل تعمیر کرو۔

حضور ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو نماز کے لئے ایک مسجد کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی۔آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے زمین خریدا اور اس کی پوری رقم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ادا کردی۔فرمانِ نبوی ہے جس نے خالص اللہ کے لئے مسجد بنایا تو قیامت تک اس میں نماز ادا کرنے والوں کا ثواب مسجد بنانے والوں کو ملتا رہے گا۔

صدیق اکبر سے قیمت دلوا کر حضور نے انھیں ایسے ثواب کا حق دار بنا دیا جو ختم ہونے والا نہیں۔چنانچہ قیامت تک جو بھی نمازی مسجد نبوی میں نماز پڑھے گا یا کوئی عبادت کرے گا اس کا ثواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔

دوستو!اور اسلامی بھائیو!مسجد تعمیر کرنے،مسجد میں با جماعت نماز ادا کرنے،مسجد کی صاف صفائی،اس میں روشنی کرنے اور اس کو خوشبودار رکھنے پر خدا کی طرف سے ہمارے لئے بے شمار اجر و ثواب ہے۔چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص مساجد میں روشنی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو روشن کرے گا اور جو اس میں خوشبو رکھے گا۔اللہ تعالیٰ اس کی قبر میں جنت کی خوشبو داخل کرے گا۔ترمذی شریف کی حدیث ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو مسجدوں کی خبر گیری کرتا ہے۔اس کی دیکھ ریکھ رکھتا ہے تم اس کے ایمان کی گواہی دو کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے کہ وہی لوگ اللہ کی مساجد کو آباد رکھتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔فرمایا حُبُّ الْمَسَاجِدِ مِنَ الْاِيْمَانِ مسجد کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔مساجد کو روشنی سے مزین کرنا بہت ہی برکت کا باعث ہے۔آج بھی بہت سے مقامات پر شادی بیاہ اور خوشی کی تقریب کے موقع پر جہاں لوگ اپنے گھروں اور مکانوں کو سجاتے ہیں وہیں لوگ اپنی مسجدوں کو بھی روشنی اور برقی قمقموں سے سجاتے ہیں۔یہ بڑی اچھی بات ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں روشنی کرتا ہے تو فرشتے اس وقت تک اس شخص کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں جب تک یہ روشنی رہتی ہے اور جو شخص مسجد میں ایک چٹائی بچھائے یا کوئی ضرورت کی چیز مسجد میں دے تو جب تک وہ چیز برقرار رہے گی ستر ہزار فرشتے اس کے لئے مغفرت کرتے رہیں گے۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ مسجد تعمیر کرنا،اس کا ادب و احترام کرنا،ساری ضروریات کا انتظام کرنا اور مسجد کو سجدوں سے بسائے رکھنا فرائض واجبات وقت پر ادا کرنا، زیادہ تر وقت مسجدوں میں ذکر الٰہی کرنا یہ سب باعث نجات اور خیر و برکت ہے اور یہی مقصود حیات بھی ہے۔

●●●

اسلام میں عورت کا مقام

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ① (پ ۴، سورۂ نساء، آیت نمبر ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں یعنی آدم وحوا علیہما السلام سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدائے تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔ یقین جانو اللہ سب کی خبر رکھتا ہے۔

کہتے ہیں کہ مرد عورت کے بغیر ادھورا ہے اور عورت مرد کے بغیر نامکمل ہے۔ مرد انسانیت کے ایک حصے کی ترجمانی کرتا ہے تو دوسرے حصے کی ترجمانی عورت کرتی ہے۔ عورت کو نظر انداز کر کے انسانی برادری کے لئے جو بھی پروگرام بنے گا وہ ناقص اور ادھورا ہوگا۔ ہم ایسی کسی سوسائٹی کا تصور نہیں کر سکتے جو تنہا مردوں پر مشتمل ہو اور جس میں عورت کی ضرورت نہ ہو۔ مرد کی زندگی میں بہت سے ایسی تشنہ پہلو ہیں جن کی آسودگی کا سامان عورت ہی کر سکتی ہے اور خود عورت کے زندگی کے کئی گوشے مرد کے بغیر ادھورے ہیں۔ مرد کے زندگی کے بہت سے ایسے خالی گوشے ہیں جنھیں عورت کے حسین ہاتھ ہی پر سکتے ہیں۔ عورت مرد کے سوال کا جواب اور اس کے ترانۂ محبت کا ساز ہے۔ اسی طرح مرد کے بغیر عورت کے دل کی دنیا ویران ہے، سونی ہے بے رونق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مرد عورت دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ نہ عورت مرد سے الگ ہو سکتی ہے اور نہ ہی مرد عورت سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ سماجی معاشرتی جنسی اور نفسانی اعتبار سے دونوں کو ایک

دوسرے کی سخت ضرورت ہے اس کے لئے اسلام نے دونوں کو ازدواجی زندگی کے بندھن اور رشتے میں باندھ دیا ہے۔

آقا علیہ السلام نے فرمایا نکاح کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ خدا کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ اسی سے نسل انسانیت کی بقا ہے۔ سنیاس اور رہبانیت یہ انسانیت کے لئے کفن ہے، ایک صحابی بارگاہِ رسالت میں آئے۔ عرض کیا سرکار! دنیا کا سارا جنجال شادی کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے اس لئے میں شادی نہیں کروں گا اور اپنا سارا وقت عبادت الٰہی میں صرف کروں گا۔ یہ سن کر نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہوں۔ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں لیکن رات کو نفلی نمازیں بھی پڑھتا ہوں۔ نفلی روزے بھی رکھتا ہوں اور سو بھی جاتا ہوں۔ عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے کو چھوڑ دے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ **النکاح من سنتی فمن رغب سنتی فلیس منی** علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر زنا جیسے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں فی الفور نکاح فرض ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ نان ونفقہ پر قدرت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو تو بھی نکاح کر لے اور کسب حلال کے لئے جدوجہد کرتا رہے۔

دنیا میں کسی مذہب اور قانون میں کسی تہذیب اور سوسائٹی میں عورت کو وہ مقام اور درجہ نہیں دیا گیا جو مقام اور مرتبہ عورت کو اسلام نے دیا ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا میں عورتوں کی کوئی عزت نہیں تھی۔ وہ جانوروں کی طرح بازاروں میں بکا کرتی تھیں۔ مرد انھیں پیر کی جوتی کی طرح استعمال کرتے تھے جب چاہا پہنا جب چاہا نکال دیا۔ یونان کی تہذیب میں عورت کو شیطان کا ایجنٹ کہا گیا۔ روم میں عورت کو تمام برائیوں کا جڑ کہا گیا۔ یہودیت اور عیسائیت میں عورت کو شیطان کی بیٹی اور نجاست کا مجسمہ کہا گیا۔ کنفیوشش اور مانی کے مذہب میں عورت کا قتل نہ صرف جائز بلکہ کار ثواب سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں عورت کو پتی کے چتا پر زندہ جلا کر راکھ کر دیا جاتا تھا۔ اہل عرب اسلام سے پہلے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ عورت سے نفرت اور بیزاری اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اگر کسی کے گھر

لڑکی پیدا ہوتی تو وہ اس کو منحوس سمجھ گھر چھوڑ کر چلا جاتا۔عرب کی خودداری اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ انہیں کوئی لڑکی کا باپ کہے یا وہ کسی کو اپنا داماد بنائیں اسی لئے وہ اپنی بچیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے۔

ایک شخص سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا۔عرض کرنے لگا، میری ایک بچی تھی اور وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی۔جب کبھی میں اسے بلاتا تو وہ خوشی خوشی دوڑتی ہوئی آتی اور گود میں بیٹھ جاتی۔ایک دن میں نے اسے آواز دی تو وہ میرے پیچھے پیچھے دوڑتی ہوئی آئی۔میں اسے اپنے ساتھ لے گیا اور آبادی سے باہر ایک گڈھا بنا کر اس گڈھے میں اسے زندہ دفن کر دیا۔جس وقت اسے میں دفن کر رہا تھا اس وقت اس کی روح اس خاک کے تودے میں تڑپ رہی تھی، وہ مجھے ابا جان ابا جان کہتی رہی مگر مجھے ذرا بھی رحم نہیں آیا اور بالآخر میں نے اس کو دفن کر ہی دیا۔

یہ واقعہ سن کر سرکار کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔یہاں تک کہ آنسوؤں سے آپ کی داڑھی مبارک تر ہوگئی۔اس شخص نے کہا اگر میں اسلام قبول کر لوں تو کیا اللہ میرے ان غلطیوں کو معاف کر دے گا۔فرمایا ہاں کفر و شرک سے توبہ کر لے اسلام رحمت کا ساگر ہے اس میں نہا لے تیرے سارے پاپ دھل جائیں گے۔اِنَّ الْاِسْلَامَ یھدم ما قبلہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔اس نے اسلام قبول کر لیا۔فرمایا اے لوگوں جس طرح اللہ مردوں کا خالق ہے اسی طرح وہ عورتوں کا بھی خالق و مالک ہے ۔دونوں اسی کے بندے ہیں وہ دونوں سے ہی پیار کرتا ہے اس لئے تم بیٹیوں کے ساتھ اور عورتوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک نہ کرو۔انہیں دفن کرنا بند کرو۔بیٹی اللہ کی رحمت ہے رحمت ہوگی تو نعمت ملے گی۔

آج بیٹی بچاؤ کی تحریک چلائی جا رہی ہے مگر میرے نبی نے، اسلام کے پیغمبر نے چودہ سو سال پہلے ہی یہ تحریک چلائی تھی۔بیٹی بچاؤ کی تحریک یہ بھی اسلام ہی کی تحریک ہے جو لوگ چلا رہے ہیں۔میں ان لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب ایسا ہے جس نے بیوی کو آدھا ایمان قرار دیا ہو جس نے بیواؤں کو عزت

کی مسند پہ بٹھایا ہو جس نے عورت کے حسن و جمال کو نہیں بلکہ اس کے عورت ہونے کو قابل احترام ٹھہرایا ہو۔اسلام نے اسے عزت کا مقام دیا۔عورت اگر ماں ہے تو اس کے قدموں میں جنت ہے اگر بیوی ہے تو آدھا ایمان ہے اگر بہن ہے تو باپ کی جائیداد میں حصے دار ہے اگر بیٹی ہے تو بیٹے سے زیادہ پیار کا حق دار ہے۔فرمایا اگر بازار سے کوئی چیز کھانے پینے کی لاؤ تو سب سے پہلے بیٹے کو نہیں بلکہ بیٹی کو دو۔

زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھا جاتا تھا۔قرآن اس کے بارے میں کہتا ہے۔وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی، وہ کس جرم میں دفن کی گئی تھی۔تو نے کیا جرم کیا تھا جس کی سزا تجھے دفن اور قتل سے دی گئی۔کیا تو نے کسی کو ستایا تھا، کسی کا دل دکھایا تھا، کسی کا خون بہایا تھا۔آخر کیا جرم کیا تھا تو نے جس کی تجھے یہ سزا ملی۔اللہ کا قرآن کہتا ہے اسلام سے پہلے جب ان جاہلوں کو بتایا جاتا کہ اللہ نے تمہیں بیٹی دی ہے تو ان کے چہرے پر یہ خبر سن کر نحوست اور بدبختی کی سیاہی پھیل جاتی تھی۔ان کا دل غم سے پھٹنے لگتا تھا۔وہ شرم کے مارے چھپتے پھرتے تھے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ یہ لڑکی کا باپ بن گیا ہے اس لئے وہ اپنی لخت جگر کو زمین میں زندہ دفن کر دیتا۔حضرت عمر فاروق اعظم ؓ فرماتے ہیں کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔موازنہ کریں ایک طرف تو یہ معاشرہ تھا جس میں بیٹی کا ہونا باعث شرم تھا۔وہ پاپ تھی گناہ تھی، وہ شیطان کی نمائندہ تھی، وہ زہریلا سانپ تھی، وہ کڑوا گھونٹ تھی، وہ ہاتھوں کی میل تھی، پیروں کی جوتی تھی، وہ بوجھ تھی وہ پاؤں کی دھون تھی۔جس عورت کے کوکھ سے مرد نے جنم لیا تھا وہ اسی کا احترام بھول گیا تھا۔اسلام نے دنیا میں عورت کو اس کا کھویا ہوا وقار واپس دلایا۔اس کے چھینے ہوئے حقوق واپس کروائے۔دلوں میں اس کی محبت پیدا کی اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو سخت تاکیدی حکم دیا۔اس کی پرورش اور کفالت دخول جنت کا سبب بتایا۔

حضرت ام المومنین عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص لڑکیوں کے امتحان میں مبتلا کیا گیا یعنی اللہ نے اس کو صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں دیں

اور پھر اس نے اللہ کی عطا پر راضی ہو کر ان بچیوں کی پرورش کی تو کل قیامت کے دن یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ کی آگ سے آڑ بن جائیں گی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔حضرت عائشہ نے اس عورت کو تین کھجوریں عنایت فرمائی۔اس نے ایک ایک کھجور ان دونوں بچیوں کو دے دی۔تیسری کھجور خود کھانا چاہتی تھی کہ اتنے میں ان بچیوں نے وہ کھجور بھی مانگی تو اس عورت نے دو ٹکڑے کر کے آدھی آدھی دونوں لڑکیوں کو دے دی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماں کی ممتا کا جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا یہ عورت دوزخ سے آزاد کر دی گئی اور اس پر جنت واجب ہو گئی جو اس طرح اپنی لڑکیوں سے محبت رکھتی ہے،ایسی عورت جنتی ہے۔

دوستو! تربیت اولاد میں تعلیم وادب کے ساتھ ساتھ اولاد سے محبت بھی شامل ہے۔
بچیوں سے محبت کرنا حضور کی سنت ہے۔آپ نے بچیوں سے اس قدر محبت کا حکم دیا،فرمایا کھانے پینے کی چیز پہلے لڑکی کو دو بعد میں لڑکے کو دو۔

فرمایا جو شخص لڑکی کی پیدائش پر غم نہ کرے۔لڑکی کو ذلیل اور کمتر نہ سمجھے۔لڑکے کی طرح اس کو مانے جانے تو اللہ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے یہاں دو لڑکیاں ہوئیں اور اس نے ان کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں اور اس نے ان کی شادی کر دی تو وہ جنت میں اس طرح میرے ساتھ ہو گا جس طرح یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے یہاں تین لڑکیاں ہوں اور اس نے ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کیا اور وہ جوان ہو گئیں تو ان کی شادی کی تو یہ لڑکیاں اسے جنت میں لے جائیں گی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اگر کسی کے پاس ایک ہی لڑکی ہو تو فرمایا اگر ایک ہی ہے اور اس ایک ساتھ بھی بھلائی کی تو بھی وہ جنتی ہے۔

ایک دن اللہ کے رسول نے صحابہ کے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا میں تم سب کو نہ

بتاؤں کہ سب سے بڑی فضیلت والا صدقہ کون سا ہے۔سنو! اپنی اس بچی پر احسان کرنا جو بیوہ ہونے یا طلاق دیئے جانے کی وجہ سے تیری طرف لوٹا دی گئی ہو اور جس کا تیرے سوا کوئی دوسرا کفیل نہ ہو۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ اسلام نے عورت کو بہت اونچا مقام اور درجہ دیا ہے ورنہ زمانۂ جاہلیت میں جو ظلم عورتوں پر ہوتا تھا وہ عیاں اور بیاں ہے۔

یہاں پر ایک اور پہلو کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بیٹے کے پیدا ہونے پر بے تحاشہ خوشی منائی جاتی ہے اور بیٹی کی پیدائش پر غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔
ایک دوست نے بتایا کہ ان کے پڑوس میں ایک دن رونے پیٹنے کی آواز سنائی دی۔ہم نے سمجھا کہ شاید کوئی مر گیا ہے میں نے جب معلوم کیا تو پتہ چلا کہ کوئی مرا نہیں ہے بلکہ ان کے یہاں بچی پیدا ہوئی ہے۔اس کے پیدا ہونے پر رونا پیٹنا ہو رہا ہے۔آپ اندازہ لگائیں کہ زمانۂ جاہلیت کے مشرکین کی طرح آج کل کے مسلمان بھی رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ ہم جس پیغمبر کے ماننے والے ہیں ان کو اپنی بیٹیوں سے بے پناہ محبت تھی اور آپ اپنی بیٹیوں کے لئے سراپا شفقت ہی شفقت تھے۔بیٹیوں کے لئے بَضْعَةٌ مِنِّي کے الفاظ استعمال فرماتے۔کہیں باہر سے جب تشریف لاتے تو سب سے پہلے بیٹی کے گھر جاتے،تحفہ تحائف دیتے اور جب سیدہ فاطمہ ملنے کے لئے خود آتیں تو آپ محبت و شفقت میں کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے۔ان کے لئے چادر بچھاتے اور ان کو بڑے پیار سے بٹھاتے۔گویا یہ پوری انسانی برادری کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے لئے بالخصوص پیغام تھا کہ عورت بحیثیت بیٹی تمہاری شفقت و محبت کی مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف بیٹیاں دے کر ان لوگوں کے لئے تسکین و اطمینان کا سامان پیدا کر دیا جو بیٹوں سے محروم ہیں،ان کو سمجھایا گیا ہے کہ اگر بیٹوں کا ہونا عزت اور فخر کی بات ہوتی اور بیٹیوں کا ہونا فی ذاتہٖ حقارت اور ذلت کی بات ہوتی تو اللہ کبھی بھی اپنے محبوب کو بیٹیاں نہ دیتا صرف بیٹے ہی دیتا۔اور یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے کہ بعض اوقات انسان کو ماں باپ کو زندگی کے مشکل لمحات میں بیٹوں سے زیادہ بیٹیاں کام آتی ہیں اور بعض بیٹے تو باپ کے لئے کبھی

کبھی وبال جان بھی بن جاتے ہیں۔

میں ان بھائی اور بہنوں کو دعوت فکر دیتا ہوں جو ماڈرن بننے کے شوق میں یورپ کی ہر ادا کو اپنا لینا چاہتے ہیں اور جنہیں دنیا کی کامیابی یورپ کی تقلید ونقالی میں دکھائی دیتی ہے۔یقین جانو ان کی تقلید اور اتباع میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ان کی اتباع میں جہنم ہے۔ان کی اتباع میں بیماری ہے۔ان کی اتباع میں ایڈز ہے۔ان کی اتباع میں ناکامی ہے۔ان کی اتباع نہ کرو جو چاند پر گئے ہیں بلکہ ان کی اتباع کرو جن کے قدموں میں چاند خود آیا ہے۔ان کی اتباع نہ کرو جو چڑھتے ہوئے سورج کی پوجا کرتے ہیں ان کی اتباع کرو جن کے اشاروں پر ڈوبا ہوا سورج خود پلٹ آیا ہے۔ان کی اتباع میں کامیابی ہے۔ ان کی اتباع میں جنت ہے،راحت ہے،رحمت ہے،برکت ہے۔اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے۔آج جو ہم طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں یہ سب ترک سنت کا وبال ہے۔طریق مصطفٰے سے ہٹنے کا نتیجہ ہے۔تعلیمات نبوی کو چھوڑنے کا سبب ہے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں:

طریق مصطفٰے کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

آؤ امریکہ اور یورپ کے معاشرہ وسوسائٹی کو دیکھو جہاں بیٹی کو بھاری بوجھ سمجھا جاتا ہے۔جب وہ بالغ ہو جاتی ہے تو اسے گھر سے نکال دیا جاتا ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ اب اپنے رہن سہن کا خود ہی انتظام کرو۔اپنے لئے کوئی فرینڈ خود ہی تلاش کرو اور پھر وہ بیچاری زندگی کی مشکلات سے نا آشنا در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے اور کبھی ایک آغوش میں پناہ لیتی ہے اور کبھی دوسری آغوش میں لیکن اسے کہیں بھی سکون وقرار نہیں ملتا۔اس کے برعکس مسلم معاشرہ میں نوجوان بیٹی کے والدین اپنی بچی کے لئے رشتہ خود ہی تلاش کرتے ہیں پھر وہ تمام مراحل سے گزرتے ہوئے اپنی نگرانی میں بچی کا گھر بساتے ہیں اس کی ہر سکھ دکھ میں شریک ہوتے ہیں۔

یہاں پر ایک اور بات کی وضاحت کردوں کہ آج مسلمان اپنی جہالت کی وجہ سے

عورتوں پر ظلم کرتے ہیں یا اپنی بیویوں کے ساتھ غلط برتاؤ کرتے ہیں تو ان جاہلوں کی وجہ سے ہم اسلام کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔اسلام نے تو ہمیں عورتوں اور اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور شوہر کے دل ودماغ میں یہ بات خوب اچھی طرح سے بٹھا دی گئی ہے کہ اچھی بیوی دنیا کی سب سے قیمتی سرمایہ اور پونجی ہے اور اچھی بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کے گھر کی حفاظت کرے جو اپنے شوہر سے بے پناہ محبت کرے،اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔اس کی ناپسند کو اپنی ناپسند سمجھے۔اس کی امانت میں خیانت نہ کرے اور اچھا شوہر وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ پیار ومحبت سے زندگی گزارے۔بیوی کی ضروریات کا خیال رکھے،بیوی کے سوا کسی غیر عورت کی طرف نگاہ نہ اٹھائے۔اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:**وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** اے لوگو! اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ اچھے ڈھنگ سے زندگی گزارو۔حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی وصال سے پہلے جن اہم باتوں کی آقا نے امت کو تلقین فرمائی ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ اے لوگو! اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔تم جو کھانا ان کو بھی وہی کھلانا جتنا قیمتی لباس تم پہننا اتنا ہی قیمتی لباس ان کو بھی پہنانا،خبردار ان کے ساتھ ظلم وزیادتی سے پیش نہ آنا۔ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔

اسلام کا ایک معاشرتی نظام پردہ بھی ہے۔آج شیطان عورتوں کو ورغلاتا ہے کہ تو پردہ میں کیوں ہے۔باہر نکل دنیا ترقی کررہی ہے تو بھی ان کے شانے سے شانہ ملا کر چل اور جب عورت پردے سے باہر نکلتی ہے تو یہی شکاری اس کا پیچھا کرتے ہیں۔یاد رکھو! پھول جب تک چمن میں ہے تروتازہ ہے،محفوظ ہے۔چمن سے نکلا مرجھا گیا،مسل دیا گیا۔ایک عورت کا اصلی مقام اس کا اپنا گھر ہے جہاں وہ بیٹھ کر اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرسکتی ہے۔اپنے بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت کرسکتی ہے،آج ادا کے نام پر۔ترقی کے نام پر،فیشن کے نام پر،ماڈلنگ کے نام پر،آرٹ اور کلا کے نام پر عورت کو برسر اسٹیج نچایا جارہا ہے۔ٹھمکے لگوائے جارہے ہیں،اس کی ننگی تصویر اخباروں،میگزینوں،اشتہار،ٹی وی اور انٹرنیٹ پر شائع کرکے قدرت کی اس حسین اور خوبصورت شاہکار کو ذلیل ورسوا کیا جارہا

ہے۔میں دنیا والوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم نے فیشن اور ترقی کے نام پر عورت کو ننگا کیا۔تم نے اسے دفتروں اور فیکٹریوں میں پہنچا دیا۔تم نے اسے نائٹ کلبوں میں تھرکنا اور ناچنا سکھا دیا۔محفل کی رقاصہ، پارلیمنٹ کی ممبر، فوج کی سپاہی، دفتر کی کلرک تو بنا دیا مگر بچوں کے لئے ایک شفیق ماں نہ بنا سکے۔

اسلام بحالت مجبوری عورت کو تجارت اور ملازمت کی اجازت بھی دیتا ہے مگر اس کے لئے کچھ حدود مقرر ہیں۔مخلوط تعلیم و تجارت کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

اجنبی مردوں کے ساتھ خلوت میں میٹنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔بلا پردہ کسی غیر کے سامنے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔اپنے حسن و جمال کی نمائش دکھانے کی اجازت نہیں دیتا۔غیر محرم مردوں کے ساتھ ہاتھ ملانے کی اجازت نہیں دیتا۔اکیلے لمبا سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ہاں جہاں صرف عورتیں ہی عورتیں کام کرتی ہوں اوپر سے نیچے تک پورا عملہ (اسٹاف) عورتوں کا ہو وہاں مرد کا کوئی عمل دخل نہ ہو تو بحالت مجبوری عورت کو تجارت ملازمت کرنے کی اسلام نے اجازت دی ہے۔مگر اصولی طور پر اسلام نے عورت کو معاشی جدوجہد سے آزاد رکھا ہے۔اس کے نان و نفقہ کا بوجھ اس کے باپ پر ہے۔اس کے بھائی پر ہے، اس کے شوہر پر ہے، اس کی بیٹوں پر ہے۔اس لئے عورت کو مزدوری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لوگ کہتے ہیں اگر عورت کو ملازمت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے تو بیچاری، بے سہارا بیوہ خواتین اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کہاں سے پالے گی۔یہ دنیا والوں کا عورت کے ساتھ ہمدردی نہیں مکاری ہے، دھوکہ ہے، فریب ہے۔یہ مکار اور فریبی لوگ ہیں، ان کو عورتوں کے مسائل سے دلچسپی نہیں بلکہ ان کے حسن و جمال سے دلچسپی ہے۔ان کو عورت کی مجبوریوں اور پریشانیوں کا خیال نہیں بلکہ یہ بدبخت تو عورت کی جوانی عورت کے جسم عورت کی شکل و صورت کے غم میں مرے جا رہے ہیں۔میں پوچھنا چاہتا ہوں اگر ان لوگوں کو بیوہ اور بے سہارا عورتوں کی معاشی پریشانیوں کا غم ہے تو پھر یہ بیوہ اور اڈھیر عمر کی عورت کو ملازمت کیوں نہیں دیتے۔انہیں اپنی سکریٹری کیوں نہیں بناتے۔انہیں ایئر ہوسٹس کیوں

نہیں بناتے۔انہیں نرسیں کیوں نہیں بناتے۔کیا مجبور صرف نوجوان لڑکیاں ہی ہوتی ہیں، کیا مجبور صرف حسن والیاں ہی ہوتی ہیں؟

مکارو! اسلام عورت کا مقام اس کے حسن اور جوانی کے لحاظ سے متعین نہیں کرتا بلکہ اسلام عورت کو عمر کے ہر حصے میں قابل احترام ٹھہراتا ہے۔اسلام عورت کو بچپن میں بیٹی بنا کر شفقت دیتا ہے۔جوانی میں شوہر کی محبت دیتا ہے۔بڑھاپے میں عظمت دیتا ہے۔اور مرنے کے بعد دعائے مغفرت دیتا ہے۔میں پوچھنا چاہتا ہوں مکار بھیڑیو! تم نے عورت کو کیا دیا؟ تم نے عورت کا گھر چھینا، تم نے بہن کے سر سے آنچل کھینچا، تم نے جوان بیٹی کو کپڑا پہنانے کے باوجود ننگا پھرایا۔تم نے عورت کے حسن کو تماشہ بنایا۔تم نے اس کو چوراہے پر نچوایا۔فیشن اور ترقی کے نام پر ٹھمکا لگوایا۔اسلام تم سے کہتا ہے عورت کو عورت ہی رہنے دو اسی میں سب کا فائدہ ہے۔اور وہ عورتیں بھی کان کھول کر سن لیں جو سر بازار بن سنور کر بے پردہ گھومتی ہیں، دعوت حسن دیتی ہیں۔حرام کاریوں میں مبتلا ہیں ایسی عورتیں، عورتوں کے ماتھے پر ایک بد نما داغ ہیں۔یہ عورتیں نہیں کینسر کے سڑے ہوئے پھوڑے ہیں۔یہ عورتیں نہیں عورتوں کی شکل میں جانور ہیں۔یہ عورتیں نہیں ہیں نجاست کی ڈھیر ہیں۔یہ عورت نہیں ہیں غلاظت کی ننگی تصویر ہیں۔یہ عورتیں نہیں ہیں سماج کے جسم پر چیچک کے داغ ہیں۔یہ عورتیں نہیں شرم وحیا کے جنازے ہیں۔یہ عورتیں نہیں روح سے خالی لاشیں ہیں۔

اے دخترانِ اسلام! ذرا تم اپنے مقام پہ غور کرو۔تمہارا مقام کتنا بلند ہے۔تمہاری آغوش کتنی پاکیزہ ہے۔ہاں ہاں تمہاری گود وہ ہے جس میں بڑے بڑے محدث، مفسر، غوث قطب، ولی، صحابی، انبیاء، اولیاء ہی نہیں بلکہ سید الانبیاء سید الاولیاء نے پرورش پائی ہے۔ تمہاری آغوش تمہارے بچوں کا پہلا مکتب اور درسگاہ ہے اور اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ غازی بھی ہیں، شہید بھی ہیں، خالد بن ولید بھی ہیں، طارق بن زیادہ بھی ہیں، صلاح الدین ایوبی اور محمود غزنوی بھی ہیں۔میں کہتا ہوں آج بھی اگر تم چاہو تو ہمارے معاشرے میں انقلاب آسکتا ہے۔سماج کی الجھی ہوئی زلفیں سنور سکتی ہیں۔برائیاں دور ہو سکتی ہیں۔سماج سے غیر اسلامی رسم و رواج کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔شادی بیاہ میں فضول خرچ بند ہو سکتے ہیں۔بینڈ باجے

کھیل کود تماشے ناچ اور گانے تمام ناجائز اور حرام کام ختم ہو سکتے ہیں۔ اگر تاجدار مدینہ کی یہ مرضی ہوتی کہ میری بیٹی فاطمہ کی شادی بڑے دھوم دھام سے ہو تو اس کے لئے عثمان غنی کا خزانہ موجود تھا جو سرکار کے ایک ایک اشارے پر نو نو سو اونٹ اشرفیوں سے بھرے ہوئے حاضر کر دیتے تھے۔ کیا اشارہ پاتے ہی وہ اپنی دولت کو آپ کے قدموں میں ڈھیر نہیں کر سکتے تھے۔ بے شک کر سکتے تھے۔ میرے آقا تو اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں اگر آپ چاہتے تو اللہ آپ کے لئے زمین کو سونا بنا دیتا۔ اگر آپ چاہتے تو سونے کے پہاڑ آپ کے ساتھ چلتے لیکن چونکہ منشاء یہ تھا کہ قیامت تک کی یہ سادگی، یہ شادی مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ اور مثال بن جائے۔ اس لئے نہایت سادگی سے یہ رسم ادا کی گئی۔ لہٰذا اے مسلمانو تم بھی سادگی اپناؤ اور اپنے معاشرے سے بینڈ باجے، آتش بازی، عورتوں کے ناچ گانے یہ ساری حرام رسمیں نکال دو۔ یہ سب فضول خرچی ہے اور فضول خرچی گھر کی بربادی ہے۔ دنیا کو دکھانے کے لئے، شہرت کے لئے، نام و نمود کے لئے اپنے گھروں میں آگ مت لگاؤ۔ یاد رکھو عزت اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کو ماننے میں ہے۔ سرکار مدینہ کی پیروی میں ہے، تعلیمات نبوی میں ہے۔ صحابہ اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے میں ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اسلام کی روشنی میں اپنے تمام معاملات کو حل کرتے ہیں در حقیقت یہی لوگ چین و سکون میں ہیں۔

●●●

کروڑوں درود

کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

شافع روز جزا تم پہ کروڑوں درود
دافع جملہ بلا تم پہ کروڑوں درود

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہیں سے پناہ
تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

اپنے خطا کاروں کو اپنے ہی دامن میں لو
کون کرے یہ بھلا تم پہ کروڑوں درود

بے ہنر و بے تمیز کس کو ہوئے ہیں عزیز
ایک تمہارے سوا تم پہ کروڑوں درود

خلق کے حاکم ہو تم رزق کے قاسم ہو تم
جو ملا تم سے ملا تم پہ کروڑوں درود

دل کرو ٹھنڈا مرا وہ کف پا چاند سا
سینے پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

روزوں کا مقصد اور فلسفہ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہٖ الکریم

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ (پ ۲، سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۸۳)

رمضان المبارک کا مہینہ ایک بار پھر اپنی رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ ہم سب پر سایہ فگن ہے۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس مہینے میں ایک ایک لمحے کا صحیح طور سے استعمال کرتے ہیں۔یقین جانئے رمضان شریف کا ایک ایک لمحہ خیر وبرکت سے بھر پور ہے۔رمضان کا مہینہ تمہارے لئے ٹریننگ کا مہینہ ہے۔روزوں کا اہتمام، نوافل کی پابندی، تلاوت قرآن اور ذکر کی مصروفیات یہ سب ہمارے ایمان کو تازگی بخشتی ہیں اور ہماری روح کو پاک کرکے آنے والے گیارہ مہینوں کے لئے تیار کرتی ہیں۔یہ مہینہ محض سستا ثواب بٹورنے کا مہینہ نہیں بلکہ ایک انقلابی مہینہ ہے جو دلوں کو روحانیت کی طرف پھیر دیتا ہے۔حرکت وعمل کا مہینہ ہے، ہمیشہ کے لئے اپنے اندر تبدیلی لانے کا مہینہ ہے۔دلوں کو ہمیشہ کے لئے پاکیزہ بنانے کا مہینہ ہے۔روح کو دنیا کی تمام نفسانی خواہشات سے پاک کرنے کا مہینہ ہے۔

رمضان کا مہینہ اس لئے آتا ہے کہ امت مسلمہ میں ایک نئی روح پھونک دے اور مسلمانوں میں اپنے فرائض کی ذمہ داریوں کا زندہ احساس پیدا کردے۔قرآن مجید میں روزوں کی فرضیت کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ روزے اس لئے فرض کیے گئے ہیں تاکہ تمہاری زندگی سے برائیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوجائے اور تم متقی بن جاؤ۔تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ رسول کا سراپا فرمانبردار بن جائے۔بندے کی ہر خواہش اللہ کے حکم کے مطابق ہو۔زندگی کے ہر موڑ پر رضائے الٰہی اور اطاعت رسول پیش نظر ہو۔

اللہ جن کاموں سے خوش ہوتا ہے وہی انجام دے اور جن کاموں سے وہ ناراض ہوتا ہے اس سے بچے۔اللہ سے ہمیشہ ڈرتا رہے اور ہر برے کام چھوڑ دے یہی تقویٰ ہے۔یہی رمضان کا امت سے مطالبہ ہے اور یہی روزوں کی اصل مقصد ہے۔

دوستو! رمضان کا مہینہ بہت ہی خیر وبرکت والا مہینہ ہے۔اس مہینے کی رحمتیں برکتیں بے حساب ہیں۔ان بے حساب رحمتوں اور برکتوں کو ہم نے اجر وثواب تک محدود رکھا ہے۔ہمارے ذہنوں میں رمضان کی برکتوں کا بس یہی ایک مفہوم رہ گیا ہے کہ اس مہینے میں ہر نیکی کا اجر وثواب بڑھ کر ستر گنا ہوجاتا ہے۔لہٰذا خوب نوافل پڑھو۔کئی کئی بار قرآن ختم کرو، ذکر وتسبیح سے زبان تر رکھو، خوب افطار پارٹیاں کراؤ، جو بھی ہلکے پھلکے نیکی کے کام ہوسکیں ان میں پوری دلچسپی لو۔اس طرح اجر وثواب کے ذخیرے اکٹھا کرو اور جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کرو۔

آج ہمارے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات نہیں رہ گئی ہے کہ یہ مہینہ تو آتا ہے ہمیں قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اور ہمیں قرآنی تعلیمات کا خوگر بنانے کے لئے۔اب اگر ہم قرآن کے سانچے میں اپنے آپ کو نہ ڈھال سکے، اپنی زندگیوں کو قرآن وسنت کے تابع نہ کرسکے تو کئی بار قرآن ختم کرنے، نوافل پڑھنے، تلاوت کرنے اور روزہ رکھنے کا اصل مقصد کیا ہمیں مل جائے گا۔ثواب ہمیں ضرور ملے گا مگر یہ ہماری تمام عبادتیں روحانیت سے خالی ہوں گی مقصد سے دور ہوں گی۔

اس میں شک نہیں کہ رمضان میں نیکیوں کا اجر وثواب بڑھ جاتا ہے لیکن اس کا ایک دوسرا اور اہم پہلو یہ ہے کہ آپ ہمیشہ کے لئے تمام برائیوں کو چھوڑ دیں اور اللہ کی رضا والی زندگی جینا سیکھیں۔رمضان کے مہینے میں اگر تم نے نیکیوں کا اہتمام تو کرلیا مگر اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا ازالہ نہیں کیا۔روزے رکھ لئے مگر بعد ماہ رمضان گناہوں والی زندگی جینا نہیں چھوڑا تو ان بے حساب غلطیوں کا گناہ کہاں جائے گا اور ان کا خمیازہ کون بھگتے گا۔

حصول اجر وثواب کا یہ رجحان ہمارے دل ودماغ میں اس طرح چھا گیا کہ ہمیں یہ احساس بھی نہیں رہا کہ قرآن پاک نے تو رمضان کے روزوں کی غرض وغایت ومقصد بتائی

ہے۔اس نے روزوں کا مقصد تقویٰ قرار دیا ہے۔ ہمیشہ کے لئے زندگی سے تمام برائیوں کا
خاتمہ بتایا ہے۔اس ماہ رمضان کی برکتوں کا اصل پہلو اجر وثواب کی زیادتی نہیں۔ برکت کا
اصل پہلو یہ ہے کہ دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔ زندگی کے ہر موڑ پر شیطان کا
مقابلہ کرنے کی ہمارے اندر ہمت وقوت پیدا ہو جائے۔ اپنے پورے معاشرہ اور سماج کو
قرآن کے رنگ میں رنگنے کی تڑپ پیدا ہو جائے۔ سینہ محبت الٰہی کی روشنی سے اس طرح
جگمگا اٹھے کہ پھر اس میں کسی تاریکی کے لئے جگہ نہ رہ جائے۔ دل عشق رسول کا مدینہ بن
جائے کہ آدمی مجسم سنتوں کا پیکر بن جائے۔اس ماہ رمضان میں اللہ رب العزت کے طرف
سے جو کتاب ہمیں قرآن کی شکل میں عطا ہوئی ہے اس سے ہمارا رشتہ مضبوطی سے استوار
اور قائم ہو جائے۔ اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے طرف سے جو ذمہ داری ہمارے اوپر
عائد ہوتی ہے یعنی قرآن کے پیغام کو دنیا کے انسانوں تک پہونچانا اور قرآن کا حق ادا
کرنے کے لئے ایسی بے چینی پیدا ہو جائے کہ ہمیں ایک پل بھی قرار نہ آئے۔

ماہ رمضان کے روزوں کا مقصد اور فلسفہ یہی ہے۔ ماہ رمضان کا پیغام یہی ہے کہ آپ
ایک مہینے کی ٹریننگ لے کر گیارہ مہینے تک میدان عمل میں سرگرم عمل رہیں اور اگر رمضان ماہ
تک ہی آپ نیک بنے رہے، باقی گیارہ مہینے آپ فسق وفجور والی زندگی گزارے تو گویا کہ
آپ ماہ رمضان کا مقصد اور فلسفہ حاصل نہ کرسکے۔ اسلام میں ہر عبادت کا مقصد اور فلسفہ
یہی ہے کہ ہم تمام برائیوں کو چھوڑ دیں۔ گناہوں سے بچیں اور تقویٰ والی زندگی اختیار
کریں۔ زندگی کے ہر موڑ پر اللہ سے ڈرتے رہیں۔ حضور کی تعلیمات پر مکمل عمل کریں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں رمضان "رَمَضَاءٌ" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جلا دینا
اور ماہ رمضان کو اسی لئے رمضان کہا گیا ہے کہ یہ روزہ دار کے گناہوں کو جلا ڈالتا ہے۔
فرمان نبوی ہے رمضان گناہوں کو جلا ڈالتا ہے جو ماہ رمضان میں ایمان ویقین کے ساتھ
روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرمادے گا۔

رمضان المبارک کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ پورا
قرآن پڑھ جائیے۔ اسلامی بارہ مہینے کے ناموں میں سے صرف قرآن میں رمضان مہینے کا

ہی نام لیا گیا ہے اور اسی مہینے کے فضائل واضح لفظوں میں بیان ہوئے۔ کسی دوسرے مہینے
کا نام نہیں لیا گیا صرف ماہ رمضان کا قرآن میں نام لیا گیا۔ عورتوں میں صرف بی بی مریم کا
نام قرآن میں آیا۔ صحابہ کرام میں صرف حضرت زید بن حارثہ کا نام قرآن میں لیا گیا جس
سے ان تینوں کی شان عظمت معلوم ہوتی ہے۔

رمضان میں پانچ حروف ہیں۔ ر م ض ا ن۔ ر سے مراد رحمت الٰہی ہے۔ م سے
سے مراد محبت الٰہی ہے۔ ض سے مراد ضمانت الٰہی ہے۔ الف سے مراد امان الٰہی ہے۔ ن
سے مراد نور الٰہی ہے۔ اور رمضان میں پانچ خصوصی عبادتیں ہوتی ہیں۔ روزہ، تراویح،
تلاوت قرآن، اعتکاف اور شب قدر کی عبادت۔ تو جو کوئی سچے دل سے یہ پانچوں عبادتیں
کرے وہ ان پانچوں انعام کا مستحق ہے۔ یعنی رحمت الٰہی اس کے قدموں کا بوسہ لے گی۔
محبت الٰہی سے اس کا دل سرشار ہوگا۔ میدان قیامت میں اللہ اس کا ضامن ہوگا۔ محشر کے
تمام خوف سے وہ امن وامان میں ہوگا۔ مرنے کے بعد اس کی قبر میں نور ہی نور ہوگا۔

دوستو! رمضان کا مہینے بے شمار فضائل وبرکات کا حامل ہے۔ اس ماہ کی بزرگی اور
عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے
لئے قرآن کا نزول اسی مہینے میں کیا۔ حضرت سلمان فارسی ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور
نبی کریم ﷺ نے ماہ شعبان کے آخری دن وعظ فرمایا۔ اے لوگو! تمہارے پاس عظمت
اور برکت والا مہینہ آگیا۔ وہ مہینہ جس میں ایک رات ہزار مہینوں کی راتوں سے افضل
ہے۔ اس ماہ کے روزے فرض کیے جو کوئی اس ماہ میں نیکی کا کام کرے تو اسے ایک کے
بدلے میں ستر نیکیاں دی جائیں گی۔ فرمایا اس مہینے میں نیکیاں بڑھ جاتی ہیں۔ اعمال کی
کھیتی ہری بھری ہو جاتی ہے جیسے کہ ہر چیز کے لئے بڑھنے پھلنے اور پھولنے کا ایک موسم ہوتا
ہے۔ موسم برسات میں جب بارش ہوتی ہے تو زمین اور کھیتیاں ہری بھری ہو جاتی ہیں۔
اس طرح اس ماہ میں رحمت الٰہی کی بارش ہوتی ہے جس سے اعمال کی کھیتیاں سرسبز
وشاداب ہو جاتی ہیں۔ نیکیاں بڑھنے پھلنے اور پھولنے لگتی ہیں۔

موجودہ حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی کمپنیاں سال میں ایک آدھ بار کچھ

آفرس نکالا کرتی ہیں ۔ دیکھئے! موبائل کمپنیاں کچھ اسکیمیں اور آفرس نکالتی ہیں کہ ستر (۷۰) کا بیلنس کراؤ تو آپ کو اسی (۸۰) ملے گا اور اسی (۸۰) کا بیلنس کراؤ تو ۹۰/ یا سو (۱۰۰) ملے گا۔ ان تجارتی آفرس سے فائدہ اٹھانے میں ہر کوئی لگا ہوا ہے مگر افسوس ہم اس شاندار اور عظیم خدائی آفرس سے بے خبر ہوتے ہیں جو اللہ رب العزت کی جانب سے ہمیں رمضان کی شکل میں عطا کیا گیا ہے۔ اس مہینے میں ہر اچھے کام کا اجر وثواب صرف دگنا ہی نہیں بلکہ ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے اور اس سے بھی زیادہ اگر اللہ چاہے تو ایک کے بدلے میں سات سو اجر وثواب عطا فرمادے۔

فرمایا یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ اس ماہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے جو اس مہینے میں کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرائے تو یہ اس کے گناہوں کے لئے مغفرت ہے۔ اس کی گردن آگ سے آزاد کردی جائے گی اور اس افطار کرانے والے کو ویسا ہی ثواب ملے گا جیسے کہ روزہ دار کو ملے گا اور روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہر شخص اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ روزہ افطار کرائے تو سرکار نے فرمایا اللہ یہ ثواب ہر اس شخص کو دے گا جو ایک گھونٹ پانی یا ایک کھجور سے روزہ افطار کرائے اور جس نے کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے سیراب فرمائے گا کہ وہ کبھی بھی بھوکا اور پیاسا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہوجائے گا۔

فرمان عالی شان ہے جس نے کسی روزہ دار کو پانی پلایا تو وہ شخص گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوجاتا ہے جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم گھر پہ ہے یا سفر میں یا اس جگہ جہاں پانی نہ ملتا ہو تو آقائے کریم نے فرمایا یہ حکم عام ہے اگرچہ فرات ندی کے کنارے پر بھی پانی پلادے۔

مالک کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے حلال کھانے یا پانی سے روزہ افطار کرایا تو ماہ رمضان میں تمام فرشتے اس کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں اور فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام شب قدر میں اس کے لئے دعائے استغفار کرتے ہیں اور اس

سے مصافحہ کرتے ہیں۔

فرمان عالی شان ہے یہ وہ مہینہ ہے جس کا پہلا عشرہ (دس دن) رحمت کا ہے۔ دوسرا عشرہ (دس دن) مغفرت کا ہے اور تیسرا آخری عشرہ (دس دن) جہنم سے آزادی کا ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں یوں تو پورا رمضان عظمت رحمت خیر وبرکت کا ہے مگر اس ماہ کا آخری عشرہ بے شمار خصوصیات کی بنا پر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی عشرہ تو جہنم سے آزادی کا پروانہ لئے ہوئے ہے۔ یہی وہ عشرہ ہے جس میں ایک رات شب قدر کی ہے جو ہزار راتوں سے افضل ہے۔ جس میں دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے آخری کتاب نازل ہوئی۔

رمضان کا یہ عشرہ اپنے اندر چار خصوصیات رکھتی ہے۔ (۱) اسی عشرہ کی شب قدر میں قرآن کا نزول ہوا۔

(۲) یہ رات ہزار مہینوں سے افضل ہے (۳) اسی عشرہ کے شب میں سید الملائکہ حضرت جبریل علیہ السلام بہت سے فرشتوں کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں۔ (۴) یہ رات تمام تر اپنی رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ صبح صادق تک سایہ فگن رہتی ہے۔ رمضان کا آخری عشرہ اس لحاظ سے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ یہ عشرہ اعتکاف کا عشرہ ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور فرض کفایہ بھی ہے کہ اگر پورے شہر یا بستی میں سے کوئی ایک آدمی اعتکاف میں بیٹھ گیا تو تمام لوگ بریٔ الذمہ ہیں اور اگر نہیں بیٹھا تو سب گنہگار رہوئے۔

حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن ایک گنہگار دوزخ میں ڈالا جائے گا تو جہنم کی آگ اس سے دور بھاگے گی۔ داروغۂ جہنم حضرت مالک علیہ السلام دوزخ کی آگ سے کہیں گے تو اسے کیوں نہیں پکڑتی اور کیوں نہیں جلاتی۔ آگ عرض کرے گی میں اسے کیونکر پکڑوں اس کے منھ سے تو روزے کی بو آتی ہے۔ حضرت مالک علیہ السلام اس گنہگار سے پوچھیں گے تو روزہ دار مرا تھا وہ کہے گا جی ہاں فرمایا تبھی جہنم کی آگ نہیں جلاتی۔

قیامت میں رمضان اور قرآن روزے دار کی شفاعت کریں گے۔ رمضان اللہ کی بارگاہ میں کہے گا میں نے اسے دن میں کھانے پینے سے روکے رکھا تھا اور قرآن عرض

کرے گا اے میرے پروردگار میں اسے رات میں تلاوت قرآن اور تراویح کے ذریعے سونے سے روکے رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ رمضان اور قرآن کی شفاعت قبول کرے گا اور روزہ دار کو بخش کر جنت عطا فرمائے گا۔

فرمایا مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔
جو شخص ایمان و اخلاص سے روزے رکھے اللہ اس کے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے۔

فرمایا جس نے روزہ رکھ کر بھی فسق و فجور اور برائی نہیں چھوڑا اس کا حال صرف بھوکے پیاسے کے سوا اور کچھ نہیں۔ یعنی روزے کا مقصد ہے، برائیوں کو چھوڑ دینا اور تقویٰ والی زندگی اختیار کرنا۔ آنکھ کا روزہ یہ ہے کہ کوئی حرام چیز نہ دیکھے۔ کان کا روزہ یہ ہے کہ کوئی بری بات کانوں سے نہ سنے۔ زبان کا روزہ یہ ہے کہ گالی گلوج جھوٹ غیبت اور چغلی زبان سے نہ نکلے۔ ہاتھ کا روزہ ہے کہ غلط کام کے لئے نہ اٹھے۔ پاؤں کا روزہ یہ ہے کہ قدم غلط جگہ اور حرام کی طرف نہ جائے اگر واقعی وہ اپنے تمام اعضا کو گناہوں سے بچاتا ہے تو صحیح معنوں میں اسے روزے کی برکتیں حاصل ہوں گی۔ ورنہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ ان کو بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں تبھی عبادت کی سچی لذت ہمیں مل سکتی ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ ہم اس مبارک مہینے میں بھی اپنی اصلاح کی کوشش نہیں کر پاتے اور نہ ہی کچھ تبدیلی اپنے اندر لا پاتے ہیں۔ دوستو! اگر ہم اپنے اندر تقویٰ پیدا نہ کر سکے تو پھر روزوں سے ہمیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ جس روزے میں اور نیک اعمال میں تقویٰ کی بو نہ ہو وہ نیک اعمال بارگاہِ خدا میں قبول نہیں اور نہ ہی ہماری نجات کے ضامن ہیں۔

فرمانِ نبوی ہے رمضان شریف کی پہلی رات میں اللہ اپنی مخلوق پہ نظر رحمت فرماتا ہے۔ رمضان شریف کا روزہ رکھنے والا صدیقین اور شہداء کا ثواب پاتا ہے۔ رمضان کی ہر ساعت عبادت ہی عبادت ہے۔ مومن کا سونا جاگنا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب عبادت ہے۔ رمضان کے لئے پورے سال جنت کو سجایا جاتا ہے۔ ماہ رمضان ہی میں جنت کے

آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ جہنم کے ساتوں دروازوں کو بند کر دیا جاتا ہے اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

دوستو! شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور وہ انسان سے ہر وہ کام کروانے کی کوشش کرتا ہے جو انسان کو اللہ سے دور کر دے اور صرف شیطان ہی انسانی دشمنی میں اکیلا نہیں بلکہ ارواح خبیثہ اور جنات سے ایک گروہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے جنہیں شیاطین کہا جاتا ہے۔ شیاطین کے اس گروہ کو اتنی طاقت حاصل ہے کہ وہ بیک وقت دنیا میں ہر انسان کو دین حق سے غافل کرنے کے لئے پورا زور لگاتا ہے۔ انسانی نفس اور خواہشات پر قبضہ کر کے انسان کو راہ حق سے گمراہ کرنا شیاطین کا سب سے بڑا حربہ ہے مگر رمضان المبارک کی اتنی فضیلت ہے کہ اس مہینے میں شیاطین کے گروہ کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے تاکہ انسانوں سے برائی سرزد نہ ہو۔

یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے تو آخر لوگوں سے گناہوں کا صدور کیوں ہوتا ہے۔ جواباً صرف اتنا عرض ہے کہ شیطان انسان کو بہکانے میں لگا رہتا ہے اور انسان بھی شیطان کے چکر میں آ کر گناہ پر گناہ کرتا رہتا ہے۔ اس طرح انسانی ذہن گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے اور ماہ رمضان میں وہ گناہوں سے باز نہیں رہ پاتا چونکہ ان کا نفس گناہوں پر دلیر ہو چکا ہوتا ہے لہٰذا وہی نفس ماہ رمضان میں بھی ان کو گناہوں پر ابھارتا رہتا ہے۔ یعنی شیطانی اثرات جو اثر ہو چکے ہوتے ہیں، ان کے زیر اثر لوگ برے کام خود بخود کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی برائی میں ملوث کرنے کی جدو جہد کرتے ہیں۔ اس طرح رمضان کے مہینے میں جو برائی ہوتی ہے وہ انسانی نفس امارہ جو شیطان کی آماجگاہ خصوصی نشست ہے، اس کے ذریعے ہوتی ہے۔

فرمان عالی شان ہے تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ ایک عادل اور انصاف پسند بادشاہ کی۔ دوسرے روزہ دار کی اور تیسرے مظلوم کی۔ ارشاد ہوتا ہے میں تیری مدد ضرور کروں گا چاہے کسی مصلحت سے دیر ہی سہی مگر مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں ظالم کو سزا ضرور دوں گا اور مظلوم کی مدد کروں گا۔

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ افطار کے وقت دعا رد نہیں کی جاتی۔ بعض اوقات قبولیت دعا میں تاخیر ضرور ہوتی ہے تو اس سے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ دعا آخر قبول کیوں نہیں ہوتی جب کہ حدیث میں قبولیت دعا کی بشارت آئی ہے۔ جواباً یہاں صرف اتنا عرض ہے کہ اللہ روزے دار کی ہر جائز دعا قبول فرما کر اس کو تدبیر عمل میں ڈال کر کچھ عرصہ کے لئے موقوف کر دیتا ہے اور جب وہ عرصہ گزر جاتا ہے تو کام ہونے کے آثار پیدا ہو کر دعا مانگنے والے کے ساتھ آجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک آدمی دعا مانگ رہا ہے یا اللہ مجھے مال دار بنا دے، حاجی بنا دے۔ اس کی یہ دعا اگرچہ جائز ہے مگر ایسا نہیں ہے کہ صبح دعا مانگے اور شام کو مالدار ہو جائے۔ روپیوں کی آسمان سے بارش ہونے لگے۔ ایسا نہیں بلکہ کچھ عرصے تک اللہ اس کو دنیا میں اسباب مہیا فرمائے گا۔ دنیا میں دولت کمانے کا کچھ تدبیر اس کے ذہن میں ڈالے گا پھر وہ اس کو عملی طور پر انجام دے گا۔ کچھ کاروبار کرے گا اور اسی میں اس کو ترقی ہوگی اور مالدار بن جائے گا۔ اس لئے دعا کر کے پر امید رہنا چاہیے کیوں کہ دنیا میں اسباب کے بغیر کچھ نہیں ہوتا اور یہ بھی صحیح کہ ع

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک

سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ بندے کی دعا تین باتوں سے خالی نہیں ہوتی (۱) یا تو اس کا گناہ بخشا جاتا ہے (۲) یا اسے دنیوی فائدہ حاصل ہوتا ہے (۳) یا اس کے لئے آخرت میں بھلائی جمع کی جاتی ہے۔

●●●

اچھے پاکیزہ اخلاق

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہٖ الکریم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (پ۲۱، سورۃ الاحزاب، آیت ۲۱)

ترے خلق کو رب نے عظیم کہا ترے خلق کو حق نے جمیل کہا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم

(محدث بریلوی)

آج میری تقریر کا موضوع ہے ''اچھے پاکیزہ اخلاق''۔

اخلاق کا معنی ہیں خوبی، صفت، عادت، نیچر اور خصلت۔ انسانوں میں اچھی بری عادت صفت خصلت اور نیچر موجود ہے اور یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ ان میں سے کسی پر بھی عمل پیرا ہو۔ اسلام کی تمام تر تعلیمات کا نچوڑ اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ صرف اخلاق حسنہ ہے کیونکہ عمدہ اور پاکیزہ اخلاق آدمی کی شرافت اور بزرگی کی علامت ہوتی ہے۔ آدمی کا اخلاقی معیار جتنا بلند ہوگا، آدمی جتنا پاکیزہ کردار اور بلند اخلاق کا مالک ہوگا اسی قدر وہ لوگوں میں مقبول و محبوب ہوگا۔ انسانوں میں محسن انسانیت محمد عربی ﷺ کا اخلاقی معیار سب سے زیادہ بلند ہے جس کی گواہی قرآن نے ان الفاظ میں دی وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اے میرے محبوب آپ اخلاق کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ فرمان عالی شان ہے مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَلَّا يَعْلَمُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَاصِيَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۲۰۶)

فرمایا چند کافر انسانوں اور جنوں کے سوا کائنات عالم کی تمام مخلوق مجھ کو اللہ کا رسول مانتی ہے اور مجھ سے محبت کرتی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو چیز اللہ کی مخلوق ہے وہ حضور ﷺ کی امتی ہے اور

جس چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے حضور ﷺ اس چیز کے نبی اور رسول ہیں اور ہر مخلوق آپ سے محبت کرتی ہے خود اللہ تعالیٰ آپ سے محبت فرماتا ہے اس اعتبار سے آپ صرف محبوب عالم ہی نہیں بلکہ محبوب رب العلمین ہیں۔

● حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے مدنی آقا ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ عمدہ اور پاکیزہ اخلاق والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سخت اور جانی دشمن بھی آپ کی خدمت میں حاضری کے بعد آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا اور اپنی جان آپ کے قدموں پہ نچھاور کردیتا تھا۔ فرمانِ عالی شان ہے اِنِّیْ بُعِثْتُ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ میں پاکیزہ اخلاق کی تعلیم کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہوں۔ سچا مسلمان اور اچھا انسان وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جس کا اخلاق اچھا ہوگا۔

عزیزانِ ملت اسلامیہ! جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح انسان اپنے اخلاق سے پہچانا جاتا ہے جس درخت کا پھل اچھا ہو لوگ اسے اپنے گھروں میں لگا کر خوش ہوتے ہیں۔ اس کی حفاظت اور نگرانی کرتے ہیں تاکہ اسے کوئی بچہ یا جانور نقصان نہ پہونچائے اور اگر کوئی بچہ یا جانور اس درخت کو نقصان پہونچائے تو اس سے ناراض ہوتے ہیں اور جس درخت کا پھل کڑوا ہو جس کے پھلوں میں کیڑے پڑے ہوں جس میں کانٹے ہی کانٹے ہوں۔ لوگ اس کے قریب سے گزرنا بھی پسند نہیں کرتے بلکہ اس پیڑ کو کاٹ دیتے ہیں۔ اسی طرح انسان اپنے اخلاق اور پاکیزہ کردار سے پہچانا جاتا ہے جس انسان کے کردار پاکیزہ اور اخلاق اچھے ہوں گے لوگ اس انسان کے ساتھ رہ کر خوش ہوتے ہیں اسے اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہیں۔ اسے قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ رہنے کی دل میں آرزو اور تمنا کرتے ہیں۔ اسی طرح جس انسان کے کردار اور اخلاق اچھے نہ ہوں۔ لوگ اس کے پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اس کی مثال کانٹے دار درخت کی ہے۔

اس لئے اسلام نے اچھے کردار اور اچھے اخلاق پر بہت زور دیا ہے۔ انسان وہی ہے جس میں انسانیت ہو جو اللہ کے بندوں کے لئے رحمت بن کر رہے جو دوسروں کو فائدہ

پہونچائے، سکھ پہونچائے۔ دوسرے کی مصیبت میں کام آئے دوسرے کے عیبوں کی پردہ پوشی کرے۔ اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی، ہمدردی، شرافت اور انسانیت سے پیش آئے جس کے اخلاق اچھے ہوں وہ سچا اور اچھا انسان ہے اور جو انسان دوسروں کے دل کو دکھ اور تکلیف پہونچائے جو دوسرے انسانوں کے لئے وبال جان بن کر رہے وہ انسان نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ جن کے سیرت کردار اور اخلاق اچھے نہیں وہ جانور ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ آپ نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ آج میں نے فلاں کی خوب بے عزتی کی اس کے ہوش وحواس ٹھکانے لگا دیئے وہ بھی سوچے گا کہ کوئی ملا تھا۔ ایسے لوگ دوسروں کو دکھ پہونچاتے ہیں اور اس پر خوشیاں مناتے ہیں۔ میرے خیال میں دنیا میں کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو خوشی پاکر اتنا خوش نہیں ہوتے جتنا دوسروں کو دکھی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں ایسے لوگ سانپ اور بچھو سے بھی برے ہیں۔

● اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنایا تاج فضیلت سر پر رکھا۔ مرتبۂ انسانیت پر فائز فرمایا اس لئے ہمیں اخلاق کے ساتھ زندگی گزارنا چاہئے۔ معلم کائنات، محسن انسانیت محمد عربی ﷺ کا یہی پیغام محبت ہے کہ ہم اچھے کردار اور اچھے اخلاق کے ساتھ زندگی گزاریں۔ دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔ ایک دوسرے کا بھلا چاہیں دوسروں کا فائدہ سوچیں جتنا ہم دوسروں کا فائدہ سوچیں گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ ہمارا بھلا کرے گا۔ اللہ کی طرف سے روزی میں برکتیں۔ صحت اور تندرستی میں برکتیں، عزت میں برکتیں، ہر چیز میں اس کی وجہ سے برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہوگا کیوں کہ اچھا اور پاکیزہ اخلاق، بھلائی کا جذبہ، خدمت خلق اور ہمدردی کا جذبہ یہ اللہ رب العزت کو بے حد پسند ہے۔

قرآن مقدس میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ جارہے تھے، راستے میں چیونٹیاں جارہی تھیں، ایک چیونٹی نے محسوس کرلیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آرہا ہے اس نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ جلدی سے اپنی اپنی سوراخوں میں گھس جاؤ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آرہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں اپنے پاؤں کے نیچے کچل دے۔

سوچو! ایک چیونٹی اپنے برادری کی بھلائی اور خیر خواہی کر رہی ہے اور اپنی قوم کو تباہی و بربادی سے بچنے کے لئے نصیحت کر رہی ہے۔ اس کی یہ ادا یہ عمل یہ قوم سے ہمدردی کا جذبہ اللہ رب العزت کو اتنا پسند آیا کہ اپنے مقدس کلام میں اس کا تذکرہ فرماتا ہے۔ تو اب اگر انسان انسانوں کی خیر خواہی کریں۔ انسان انسانوں کا بھلا چاہیں۔ انسان انسانوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے تو اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو کتنا پسند آئے گا۔ اللہ رب العزت اس سے کتنا خوش ہوگا اندازہ لگاؤ۔ وہ معمولی کیڑی ہو کر اپنی برادری کی خیر خواہی کر رہی ہے اور یہ انسان ہو کر انسان کو ڈنک مار رہا ہے۔ اشرف المخلوقات ہو کر درندگی اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ صحابیٔ رسول حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بیلوں کو اکٹھے بندھے ہوئے دیکھا۔ جب ان میں سے ایک بیل کھڑا ہوا تو دوسرا بھی کھڑا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آپ رو پڑے اور فرمانے لگے۔ کاش! تمام انسان ایسے ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ آپ کے کہنے کا مطلب یہ کہ جانوروں میں وہ جانور جو بالکل بیل ہو جب اس کو اپنی ہم جنس اور برادری کا اتنا خیال ہے تو جو انسان انسان ہو کر انسانی برادری کے درد کو نہ سمجھ سکے وہ بیل سے بھی گیا گزرا ہے۔ اس سے اچھا تو بیل ہے جو اٹھنے بیٹھنے میں بھی ایک دوسرے کا خیال رکھتا ہے اور ساتھ دیتا ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم تمام انسانوں کے درد کو محسوس کریں انسانیت، بھائی چارہ، ہمدردی، حسن سلوک اور اخلاق و محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ رہیں تو ہماری زندگی میں لطف پیدا ہوگا اور ہمارا معاشرہ جنت کا ایک نمونہ بن جائے گا۔

اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے ہر نبی اور ہر پیغمبر نے اچھے اخلاق کا حکم دیا ہے۔ آج کتنے لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ یہ غلط ہے ایسا نہیں کر سکتے میرے بھائی! ہمارے پیغمبر محمد عربی ﷺ نے اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیا ہے بلکہ پتھروں کا جواب دعاؤں اور پھولوں سے دیا ہے۔ پوچھو مکہ کی وادیوں سے، پوچھو میدان طائف سے جن لوگوں نے آپ پر پتھروں کی بارش کی آپ نے ان پر رحمتوں کے پھول

برسائے جنھوں نے گالیاں دیں آپ نے انھیں دعاؤں سے نوازا جنھوں نے آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے آپ نے ان کو محبت سے گلے لگا لیا جنھوں نے آپ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی ناپاک منصوبے بنائے فتح مکہ کے دن آپ نے سب کو معاف فرما دیا۔ اس اخلاق نبوی کا اثر یہ ہوا کہ پورا مکہ داخل اسلام ہو گیا اور صبح قیامت تک مکہ کفر و شرک سے پاک ہو گیا۔

عزیزان محترم! ہم برائی کو برائی سے دور نہیں کر سکتے۔ برائی کو دور کرنے کے لئے اچھائی کی ضرورت ہے۔ نفرت کو نفرت سے دور نہیں کیا جا سکتا، نفرت کو دور کرنے کے لئے محبت کی ضرورت ہے، ہمدردی کی ضرورت ہے۔ خیر خواہی اور بھلائی کی ضرورت ہے۔ حسن سلوک اور پاکیزہ اخلاق کی ضرورت ہے۔ حکم ہے جو تمھارے ساتھ برا سلوک کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ارے اچھوں سے تو ساری دنیا اچھا سلوک کرتی ہے مزہ تو جب ہے کہ بروں سے اچھا سلوک کیا جائے۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

کہتے ہیں کہ ایک بزرگ کے پاس ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا کہ حضرت فلاں آدمی میری بدگوئی کرتا ہے، میری برائی بیان کرتا ہے۔ مجھے تنگ اور پریشان کرتا ہے۔ میرے راستے میں کانٹے بچھاتا ہے۔ میرے صبر و ضبط کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا ہے اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس سے بدلہ لوں۔ بس حضرت مجھے اجازت دے دیجیے میں اس کے ساتھ نپٹ لوں۔

اللہ والوں کی باتیں بڑی پیاری ہوتی ہیں۔ حضرت نے اس کو بڑے پیار سے ایک بات سمجھائی وہ بات ذہن میں نقش کر لینے کے قابل ہے۔ آپ بھی اس بات کو یاد کر لیجیے، زندگی میں بہت کام آئے گی۔ حضرت نے فرمایا بیٹا! اگر کوئی تمھارے راستے میں کانٹے بچھائے تو آپ اس کے راستے میں کانٹے نہ بچھانا ورنہ ساری دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔

عزیزانِ محترم! دین اسلام نے اچھے کردار اور اچھے اخلاق کو بڑی اہمیت دی ہے۔ انسانیت اچھے کردار اور پاکیزہ اخلاق ہی کا نام ہے۔ انسان 'اُنس' سے بنا ہے اور اُنس محبت کو کہتے ہیں تو جس انسان میں پیار و محبت نہ ہو، ہمدردی نہ ہو ایمانداری اور دیانت داری نہ ہو، بھائی چارہ نہ ہو، پاکیزہ اخلاق نہ ہو۔ اچھا کردار نہ ہو، انسانیت کا درد نہ ہو تو ایسے آدمی کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جس طرح درخت کی پہچان اس کے پھل سے ہوتی ہے اسی طرح انسان کی پہچان اس کے اچھے اخلاق اور پاکیزہ کردار سے ہوتی ہے۔ انسان اگر قابل احترام ہے لائق تعظیم ہے تو تقویٰ پرہیزگاری کی بنیاد پر۔ اچھے کردار و عمل کی بنیادی پر پاکیزہ اخلاق کی بنیاد پر علم و فضل کی بنیاد پر۔ انسان کا اصل پونجی اور سرمایہ اس کا پاکیزہ اخلاق و کردار ہے۔ یہ کردار دیکھنے میں معمولی سی نظر آتی ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ اس کردار کے ذریعہ اچھے اخلاق کے ذریعہ انسان دنیا کی قیمتی چیز خرید سکتا ہے۔ دنیا تلوار کا مقابلہ تو کرسکتی ہے مگر اچھے کردار اچھے اخلاق کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہے یہ مردوں کی شمشیریں

● آج اسلام پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ یہ مذہب جنگ بازوں کا مذہب ہے اور یہ تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کا کوئی بھی مذہب اور تحریک کسی زمانے میں بھی طاقت اور تلوار کے بل پر فروغ و ترقی حاصل نہیں کرسکی ہے اور اگر تلوار کے زور سے اسلام پھیلا ہوتا تو وہ تلوار کے زور سے فنا بھی ہو جاتا اور اب تک تلواروں سے اس پر جتنے بھی حملے ہوئے وہ اسے فنا کردینے میں بالکل کامیاب ہو جاتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اسلام بدر و حنین کے میدانوں سے گزرتا ہوا۔ کربلا کے تپتے ہوئے ریگستانوں سے ہوتا ہوا، آج بھی اسی شان و شوکت کے ساتھ چمک اور دمک رہا ہے اور صبح قیامت تک چمکتا اور دمکتا رہے گا۔ ہاں مسلمان اپنی بداعمالیوں سے سیاسی طور پر غالب اور مغلوب حاکم اور محکوم ضرور ہوتے رہیں گے مگر دینی فوقیت اور مذہبی بالا دستی پوری دنیا میں اسلام ہی کو حاصل ہے اور قیامت تک رہے گا۔

بجھی شمع مسلم بارہا پھر جگمگائی ہے
یہ تارا ٹوٹ جاتا ہے درخشانی نہیں جاتی
نکالی سیکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

دنیا کے نقشے پر نگاہ اٹھا کر دیکھو اس گئے گزرے زمانے میں بھی مسلمانوں کے پینسٹھ (۶۵) ممالک ہیں۔ اگر آج بھی مسلم ممالک سر جوڑ لیں اور متحد ہو جائیں تو دنیا میں بہت بڑی طاقت بن جائیں مگر اسلام دشمن طاقتیں مسلم ملکوں کو ایک نہیں ہونے دیتیں۔ مسلم ملکوں کو مسلم ملکوں سے لڑواتی ہیں افسوس کہ ان کے نصیب میں اتحاد و اتفاق نہیں۔ موجودہ مسلم ممالک کے اکثر حکمراں اسلام دشمنوں کے کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ ان کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔ یہ سب اپنے کرسی و اقتدار کی بھیک یورپ اور امریکہ سے مانگتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان کبھی باطل قوتوں سے نہ ڈرے نہ دبے بلکہ یہ آپسی نا اتفاقیوں اور خانہ جنگیوں کا شکار ہوئے ہمیشہ اپنوں نے ہی اپنوں کو کچلا اور یہود و نصاریٰ نے آپس میں مسلمانوں کو اور مسلم حکومتوں کو ایک دوسرے سے لڑوا کر کمزور کیا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا خدا دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کیا عجب بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کو مٹانے کے لئے بہت سی تیز آندھیاں آئیں اور اپنا اپنا زور دکھا کر چلی گئیں۔ کبھی اس پر یزیدی بادل آئے کبھی سامراجی غبار، کبھی تاتاری طاقت نے اس کے سامنے آنے کی جرأت کی اور کبھی خارجی طاقتیں اس سے ٹکرائیں لیکن ہر میدان میں ہر طاقت کو منہ کی کھانی پڑی۔ تاریخ کا مطالعہ کرو اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ اگر ایک طرف بغداد میں قتل عام جاری تھا تو دوسری طرف سماٹرا میں اسلام کی حکومت قائم ہو رہی تھی۔ اگر ایک طرف اسپین سے اسلام کو مٹایا جا رہا تھا تو دوسری طرف جاوا میں اسلام

کا پرچم بلند ہو رہا تھا۔ اگر ایک طرف رچرڈ کی فوجیں یورپ سے اسلام اور مسلمانوں کو مٹا رہی تھیں تو دوسری طرف سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں اسلام کو ایک نئی زندگی مل رہی تھی۔ اگر ایک طرف ہلاکو اور چنگیز کی فوجیں بغداد میں اسلام کے گلے پر چھری پھیر رہی تھیں تو دوسری طرف اسلام خود ان کے دلوں کو فتح کر رہا تھا۔ یہ سب اسلام کے کردار کی فتح نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ دیکھو! اسلام اس وقت مکہ میں پھیل رہا تھا جب بے سروسامانی کے عالم میں تھا اور تلواریں اہل اسلام کے ہاتھوں میں نہیں بلکہ مشرکین مکہ کے ہاتھوں میں تھیں اور اسلام اس وقت بھی رحمت کی گھٹا بن کر مکہ میں پھیل رہا تھا جب تلواریں فتح مکہ کے دن اہل اسلام اور محسن انسانیت محمد عربی ﷺ کے ہاتھوں میں تھیں مگر تاریخ گواہ ہے زمین وآسمان شاہد ہیں کہ میرے نبی نے تلوار چلا کر نہیں بلکہ قرآن سنا کر اسلام پھیلایا۔ انسانیت شرافت صداقت پیار ومحبت اور پاکیزہ اخلاق کی دیپ جلا کر اسلام پھیلایا۔ انسانی ہمدردی اور وفا کا درس دے کر اسلام پھیلایا۔

اسلام نہیں پھیلا تلوار کے سائے میں
اسلام تو پھیلا ہے کردار کے سائے میں

دنیا نے اسلام کو صحیح طور پر پڑھا ہی نہیں اور سمجھا ہی نہیں اگر انھوں نے اسلام کو صحیح سمجھا اور پڑھا ہوتا تو آج اسلام پر الزام نہ لگاتے تنقید نہ کرتے آؤ بتاتا چلوں کہ اسلام ایک چشمۂ رحمت ہے جس سے پیاسی اور پژمردہ انسانیت کو ایک نئی زندگی مل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بڑی تیزی سے اسلام کے شیتل چھایہ میں چلے آرہے ہیں۔ اسلام کے اسی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے آج پوری دنیا خوف زدہ ہے۔ اس لئے دنیا کے شیطان صفت انسان اپنے تمام آلات ومیڈیا کے ذریعہ اسلام کے متعلق غلط پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ اسلام سے بدظن ہو جائیں اور اسے قبول نہ کریں مگر ان عقل کے ماروں اور کفر وشرک کے بیماروں کو پتہ نہیں کہ اسلام خدا کا بنایا ہوا وہ عظیم مذہب ہے جو انسانوں کے دلوں تک پہونچنے کے لئے اپنا راستہ خود آپ بناتا ہے اور دنیا کے تمام نمرودوں اور فرعونوں کو چیلنج دیتا ہے کہ

ساحل ہے میرا نام مٹاؤ گے کیا مجھے
طوفان مجھ سے سینکڑوں ٹکرا کے رہ گئے

عزیزانِ محترم! انسانی ترقی کے لئے اس دنیا میں اگر کسی نے کام کیا ہے تو وہ تنہا صرف اور صرف محمد عربی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ کام کیا ہے انسانی ترقی کے لئے پیغمبر رحمت نے، دنیا کو ادب وتہذیب کا درس دیا ہے اس امی لقب نے، سماحۃ اور مانوتہ کا اُپدیش دیا ہے اس محبوب رب نے، پیار اور محبت کی تعلیم دی ہے اس شاہ عرب نے انسانیت پاکیزہ اخلاق اور بھائی چارہ کا دیپ جلایا ہے اس معلم کائنات نے۔ محسن انسانیت محمد عربی نے دنیا والوں کے سامنے جو اخلاق کے عملی نمونے پیش کئے دنیا کی کوئی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی کیا آپ اس تاریخی واقعہ کو فراموش کر دیں گے۔

● تاجدار حرم رحمت دو عالم ﷺ ایک تنگ وتاریک گلی سے گزر رہے ہیں ایک مکان کے چھت سے کوڑا کرکٹ کا انبار پھینکا جاتا ہے اور آپ سر سے پاؤں تک گرد آلود ہو جاتے ہیں۔ پھینکنے والی ایک بوڑھی یہودیہ عورت تھی جو آپ سے دشمنی رکھتی تھی۔ آپ کو گرد آلود کر کے اس طرح وہ اپنے دل کا بھڑاس نکالا کرتی تھی۔ آپ اس گلی سے روز روز گزرتے رہے اور کوڑا بھی روز روز آتا رہا۔ کچھ دنوں کے بعد کوڑے کی آمد یک بیک موقوف ہوگئی۔ جب کئی دنوں تک کوڑے کی آمد موقوف رہی تو آپ نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی۔ معلوم ہوا کہ کوڑا پھینکنے والی عورت سخت بیمار ہے اور اس قدر بیمار ہے کہ اس سے اٹھا بیٹھا نہیں جاتا وہ موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کے بیماری کی خبر سن کر آپ ﷺ بے چین ہوگئے۔ فوراً اس کی عیادت کو پہنچے آپ کو دیکھ کر وہ عورت کہنے لگی۔ اے محمد بن عبداللہ! آج جب میرے جسم کی طاقت ختم ہوگئی میرے ہاتھ اور پاؤں میں قوت نہیں رہی تو تم مجھ سے بدلہ لینے آئے ہو؟ میرے رحمت والے آقا نے فرمایا اے ماں نہیں میں بدلہ لینے نہیں آیا بلکہ تمھاری خیریت معلوم کرنے آیا ہوں بتاؤ تو سہی آپ کی طبیعت کیسی ہے۔

اس اخلاق نبوی کا اس یہودیہ عورت پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ تائب ہو کر اسلام میں داخل ہوگئی۔

دوستو! دنیا والے اپنی اخلاقی برتری کو ثابت کرنے کے لئے چاہے کتنی بھی ڈینگیں ماریں مگر میرے پیغمبر نے دنیا والوں کے سامنے اخلاق کا جو عملی نمونہ پیش کیا ہے صبح قیامت تک تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کرسکتی۔ آؤ اخلاق محمد عربی کا ایک اور واقعہ سماعت کیجیے۔

● پیغمبر رحمت محمد عربی ﷺ کی خدمت بابرکت میں دیہات سے ایک شخص ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ کافی دیر تک وہ محفل نور میں بیٹھا رہا۔ جب مجلس برخاست ہوئی اس کو پیشاب کرنے کی ضرورت ہوئی وہ اٹھا اور مسجد نبوی کی خالی جگہ پر جو کہ مسجد کا حصہ تھی وہاں پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ صحابہ نے دیکھا تو انھوں نے منع کرنے کی کوشش کی مگر رحمت عالم نے ان کو منع کر دیا کہ اسے کچھ نہ کہو۔ جب وہ فارغ ہوگیا تو آپ ﷺ نے اس نو مسلم صحابی کو بلایا اور محبت کے ساتھ پاس بیٹھا کر فرمایا۔ دیکھو! مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اس کے گھر کو پاک وصاف رکھنا چاہئے اور ناپاکی وگندگی سے بچانا چاہئے۔ حضور نے اتنے محبت اور پیار بھرے لہجے میں سمجھایا کہ یہ بات اس کے دل کے نہاخانے میں بیٹھ گئی، وہ صحابی جو ابھی ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے بڑے خوش ہوئے اور حیران بھی ہوئے کہ مجھ سے اتنے بڑی غلطی ہوئی لیکن انھوں نے نہ مجھے طعنہ دیا اور نہ ہی شرمندہ کیا اور نہ ہی انھوں نے مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی بلکہ پیار ومحبت اور اچھے اخلاق سے بات سمجھائی اور صرف یہی نہیں بلکہ مجھے کچھ ہدیہ اور کپڑے بھی تحفے میں دیئے اور جب رحمت عالم نے دیکھا کہ میں پیدل جارہا ہوں تو آپ ﷺ نے اپنی سواری بھی مجھے دے دیا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ وہ کپڑے پہن کر سواری پر بیٹھ گیا۔ اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ جب وہ اپنی بستی میں داخل ہونے لگا تو دور سے ہی بلند آواز میں پکارنے لگا۔ اے میرے چچا اے میرے بھائیو! اے میرے ماموں اے میری بیوی! اے میرے قوم کے لوگو! لوگوں نے پوچھا کہ یہ تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ اتنی بلند آواز میں چیخ رہے ہو۔ کہنے لگا میں ایک ایسے پاکیزہ اخلاق والے کو دیکھ کر آرہا ہوں کہ میں نے زندگی میں ایسی پاکیزہ ہستی نہیں دیکھی۔ میں نے بہت بڑی غلطی کی مگر انھوں نے میرے ساتھ پیار کا سلوک کیا حسن اخلاق سے پیش آئے مجھے معاف کر دیا کپڑے بھی دیئے اور سواری بھی دے دی۔ اے

میری قوم دیکھ کیسا پاکیزہ اخلاق ہے رسول کائنات کا۔ انسانوں کے ساتھ کتنا اچھا سلوک ہے محسن انسانیت کا۔ بستی والے یہ سنتے تو کہنے لگے اچھا اتنا بلند اور عظیم اخلاق والے کے پاس ہمیں بھی لے چلو۔ اس بستی سے تین سو آدمی حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب کلمہ پڑھ کر دولت ایمان سے مالا مال ہوگئے۔ (سبحان اللہ)

● اخلاق نبوی کا ایک اور اعلیٰ نمونہ دیکھئے۔ ایک مرتبہ کسی جنگ کے موقع پر کچھ غیر مسلم عورتیں جنگی قیدی بنا کر لائی گئیں۔ یہ سب اسلامی فوج کے خلاف سازش کے تحت پکڑی گئی تھیں۔ انھیں قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی جب وہ حضور کے سامنے آئیں تو ان کا سر کھلا تھا اوڑھنی سر پر نہیں تھی میرے آقا ﷺ نے جب یہ دیکھا تو آپ اپنی رحمت والی چادر کو ان کے سر پر ڈال دیا اور فرمایا بیٹی محمد کی ہو یا کسی اور کی میری نظر میں دونوں برابر ہیں۔

اللہ اللہ! کیا اخلاق تھا میرے آقا ﷺ کا۔ اخلاق کی اس سے اعلیٰ مثال اور کیا ہوسکتی ہے۔

● مسجد نبوی میں شام کے وقت چند مسافر آئے اور کہنے لگے ہم مسافر ہیں اور آپ کے یہاں رات بسر کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں ہیں بلکہ کافر ہیں۔ معلم اخلاق ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ اے صحابہ ایک ایک مسافر آپس میں بانٹ لو۔ صحابہ ایک ایک مسافر اپنے گھر لے گئے۔ آخر میں ایک مہمان مسافر باقی رہ گیا۔ فرمایا تم ہمارے مہمان بن جاؤ۔ آپ اس کو گھر لے گئے کھانا کھلایا مگر وہ مہمان بہت بھوکا تھا ضرورت سے زیادہ ہی کھا گیا جس کی وجہ سے رات کو اس کا پیٹ خراب ہوگیا اور نیند کی حالت میں بستر کو نجاست آلود کر دیا۔ صبح دیکھا تو بستر نجاست میں ڈوبا ہوا ہے۔ سوچنے لگا یہاں سے نکل کر جلدی بھاگ جانا چاہئے تا کہ شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ تھوڑی دیر بعد جب خدّام حجرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مہمان غائب ہے اور بستر غلاظت آلود ہے۔ بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مہمان بغیر اجازت لئے بھاگ گیا اور بستر بھی نجاست آلود کر گیا ہے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ مسکرا دیئے اور فرمایا اس

نجاست والی چادر کو ہم اپنی ہاتھوں سے دھوئیں گے۔صحابہ نے عرض کیا نہیں سرکار ہم چادر دھوڈالتے ہیں مگر آقا علیہ السلام نے ان کی بات منظور نہ فرمایا اور خود اپنی نورانی ہاتھوں سے چادر کو دھونا شروع کردیا۔مہمان کو راستے میں چلتے چلتے خیال آیا کہ وہ اپنا تلوار کا شانۂ نبوت میں بھول آیا ہے سوچنے لگا اب کیا کروں اگر تلوار واپس لینے جاؤں تو بہت شرمندگی اٹھانا پڑے گی اور اگر نہیں جاتا ہوں تو تلوار سے محروم ہونا پڑے گا۔آخر اس نے فیصلہ کیا کہ تلوار ہمارا ہتھیار ہے چلو واپس چلتے ہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

جب وہ واپس آیا تو دیکھا تمام نبیوں کے سردار، اللہ کے محبوب دانائے غیوب رحمت دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاظت آلود چادر کو اپنے دست نبوت سے دھو رہے ہیں جوں ہی سرکار کی نظر اس مہمان پڑ پڑی آپ نے مسکراتے ہوئے محبت سے فرمایا کہاں چلے گئے تھے تم اور پھر بڑے پیار سے فرمایا کہو واپس کیسے آئے ہو۔عرض کیا میرا تلوار رہ گیا ہے اسے لینے کے لئے واپس آیا ہوں۔آپ نے فرمایا اچھا یہ لو اپنا تلوار۔

اس نے جب آپ کے اس اخلاق کریمانہ کو دیکھا تو اس پر رقت طاری ہوگئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور روتے ہوئے عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں میں گناہگار اور کہاں آپ جیسا دونوں عالم کا تاجدار مجھے اپنے دامن کرم میں چھپا لیجیے۔ آپ نے بستر کی چادر سے غلاظت صاف نہیں کیا بلکہ میرے دل پر پڑی ہوئی کفر وشرک کی غلاظت کو صاف کیا ہے۔اتنا پاکیزہ اخلاق نبی کے سوا کسی اور کا نہیں ہوسکتا ہے۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہوکر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔سوچو آیا تھا تلوار لینے کے لئے مگر تلوار لے کر نہیں جاتا بلکہ ایمان کا انبار لے کر جاتا ہے۔

دوستو! اور بزرگو! دنیا میں بہت سے عظیم المرتبت معلم اخلاق گزرے ہیں مگر یہ خصوصیت صرف اور صرف محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو حاصل ہے کہ آپ نے جو اخلاقی تعلیم دوسروں کو دیئے سب سے پہلے آپ اس پر عمل پیرا ہوئے۔ ہزاروں لاکھوں سیرت کی کتابیں آپ کے اخلاقی تعلیمات اور عملی نمونوں سے لبریز ہیں۔مختصر یہ کہ ہمیں

اپنی زندگی کو سنوارنے کے لئے اپنے اخلاق کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔دنیا میں اسلام اگر پھیلا ہے تو اچھے کردار واخلاق کی بنیاد پر پھیلا ہے۔لوگ اسلام کو نہیں دیکھے۔قرآن کو نہیں پڑھے پہلے مسلمان کو دیکھا پھر اسلام کو پہچانا۔قرآن پڑھ کر دنیا میں اسلام نہیں پھیلا ہے بلکہ قرآن کی تعلیمات پر چلنے والوں کو دیکھ کر اسلام پھیلا ہے اس لئے مسلمانوں زندگی میں اچھا کردار اور پاکیزہ اخلاق بناؤ۔تم جس راہ سے گزرو تو دیکھنے والا کہہ دے کہ رسول اعظم کا غلام جارہا ہے غوث اعظم کا دیوانہ جارہا ہے خواجہ غریب نواز کا چاہنے والا جارہا ہے اولیائے امت کا ماننے والا جارہا ہے اسلام کا شیدائی جارہا ہے۔آج ہم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے مار کھا رہے ہیں۔اللہ رب العزت کے عزت وجلال کی قسم! اگر آج ہم صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں اپنا کردار وعمل اسلام کے سانچے میں ڈھال لیں۔اپنے اخلاق کو بلند اور پاکیزہ بنالیں۔اپنے نبی کی تعلیمات پر عمل کرنے لگیں سنتوں کے مطابق زندگی گزاریں تو دنیا کی کوئی قوم ہم کو نیچا نہیں دکھا سکتی۔

آج ہماری حالت کیا ہے ذرا غصہ آئے ہماری حقیقت اور اصلیت کھل جاتی ہے پھر ہمیں یاد بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے سر پر عمامہ ہے یا ٹوپی پیشانیوں پر سجدے کے نشان ہیں یا چہرے پر داڑھی۔بس گالیاں بکنا شروع کردیتے ہیں۔بیوی کو گالیاں دیتے ہیں، بچوں کو گالیاں بکتے ہیں دوستوں اور بھائیوں کو گالیاں دیتے ہیں۔بات بات میں گالی ہمارا تقیۂ کلام بن چکا ہے۔ہم نماز بھی پڑھتے ہیں مگر پھر بھی بداخلاقی اور برائی ہماری زندگی سے ختم نہیں ہوتی۔یہ قصور نماز کا نہیں ہے نمازی کا ہے نماز تو آپ کو برائی سے روک ہی رہی ہے مگر آپ رکتے نہیں ہیں یہ قصور آپ کا ہے نماز کا نہیں۔نماز کا مقصد ہے زندگی سے ہر برائی کا خاتمہ، انسان صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کا فرمابردار بن جائے اس کا اخلاقی معیار اونچا ہوجائے وہ پاکیزہ کردار کا مالک بن جائے۔اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوجائے اس کا دل دنیا کی محبت سے پاک ہوجائے اس کا کردار اچھا ہوجائے وہ سب کے ساتھ اخلاق ومحبت سے پیش آئے۔

اگر انسان میں اخلاق نہیں تو کچھ بھی نہیں۔اخلاق ومحبت انسانیت کا سب سے بڑا

زیور ہے۔ جب تک ہمارے اخلاق اچھے نہیں ہوں گے، اللہ کے یہاں ہماری کوئی قدر وقیمت نہیں ہوگی۔ ایمان لانے کے بعد جو سب سے بڑی نعمت نصیب ہوتی ہے، وہ اچھے اخلاق ہیں پاکیزہ کردار ہیں۔ آیئے بزرگوں کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں اور معلوم کریں کہ مخلوق خدا کے ساتھ ان کا سلوک رویہ اور اخلاق کیسا تھا۔

● حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مہمان کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ خادمہ کو حکم دیا کہ مہمان کے لئے کچھ لاؤ۔ اس نے شوربا گرم کیا اور پیالے میں لے کر آرہی تھی۔ جب وہ دروازے میں داخل ہوئی تو اس کے پاؤں پھسل گئے۔ پیالہ ہاتھ سے چھوٹ کر گرم گرم شوربا حضرت امام حسن کے اوپر گر گیا۔ اب جب ابلتا ہوا شوربا جسم پر گرے تو کیا ہوتا ہے کتنا غصہ آتا ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے چہرے پر جلال کے آثار ظاہر ہوئے مگر وہ خادمہ بھی اسی گھر کی تربیت یافتہ تھی ان کے اخلاق کو جانتی تھی، جیسے ہی اس نے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو اس نے فوراً قرآن کی آیت پڑھی۔ **وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ** اللہ والے ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں۔ آپ نے اسی وقت غصہ پی لیا۔ جب اس نے دیکھا کہ غصہ ختم ہو گیا تو پڑھنے لگی **وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ** اگر کچھ غلطیاں ہوجائے تو معاف کردیتے ہیں۔ فرمایا جا میں نے تجھے معاف کردیا۔ اس نے آگے پڑھا **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ** اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور ان سے محبت رکھتا ہے۔ فرمایا جا میں نے تجھے اللہ کے لئے آزاد کردیا۔

آج ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں۔ ہمارے اندر صبر وتحمل اور قوت برداشت نہیں ہے ہم تھوڑی سی باتوں پر بھڑک اٹھتے ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ کرتے ہیں آپے سے باہر ہوجاتے ہیں۔ انتقامی رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی باتیں کرتے ہیں۔ دل میں بغض وکینہ رکھتے ہیں مرض حسد میں مبتلا ہیں اور پھر سوچتے ہیں عبادت میں لذت نہیں سجدوں میں لطف اور مزہ نہیں۔ تہجد کی توفیق نہیں دعائیں قبول نہیں دل کو سکون نہیں جب دل میں حسد کینہ اور بغض ہو تو سکون کہاں سے ملے گا۔ جب دل یاد الٰہی سے غافل ہو تو طمانیت قلب کہاں سے حاصل ہوگی۔ دلوں کو سکون وقرار تو اللہ تعالیٰ

کی یاد سے ملتا ہے۔ سکون تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے ملتا ہے، گناہوں کو چھوڑ دینے سے ملتا ہے۔ کسی کو معاف کردینے سے ملتا ہے اچھے کردار اور اچھے اخلاق سے ملتا ہے۔ آؤ عہد کریں ہم بھی اللہ کے لئے معاف کرنا سیکھیں گے۔ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تم بدلہ لینا چاہتے تو ایسا بدلہ لو کہ تمھارا مخالف زندگی بھر یاد رکھے اور ایسا بدلہ معاف کردینا ہے۔

● ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کی بیوی سے غلطی ہوگئی اور وہ کوئی معمولی غلطی نہیں تھی بلکہ بڑی غلطی تھی اگر وہ چاہتا تو طلاق دے سکتا تھا۔ چاہتا تو اسے خوب مارتا۔ اس کی جو مرضی سزا دے سکتا تھا وہ سوچنے لگا کہ اب میں اگر اس کو سزا دوں گا اور طلاق دوں گا تو یہ پریشان ہوجائے گی۔ چلو اللہ کی بندی ہے غلطی کر بیٹھی ہے میں اس کو معاف کردیتا ہوں۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ کافی عرصہ گزر گیا اور وہ آدمی انتقال کرگیا۔ کسی نے دیکھا کہ وہ جنت کی سیر کررہا ہے اس نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہنے لگا میرے رب کے حضور جب میری پیشی ہوئی تو اس نے مجھے معاف کردیا۔ اس نے پوچھا تیرا کون سا عمل رب کو پسند آیا۔ کہنے لگا اور تو کوئی عمل ایسا نہیں۔ پروردگار نے فرمایا تم اپنی بیوی کو میری بندی سمجھ کر معاف کردیئے، جا میں تجھے اپنا بندہ سمجھ کر معاف کردیتا ہوں۔

عزیزان محترم! اپنی بیوی بچوں اور گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہر کسی کے ساتھ اخلاق ومحبت سے پیش آنا اللہ کے نزدیک یہ بھی عبادت ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ جب مومن اپنے کسی مومن بھائی سے مسکراتا ہوا ملتا ہے تو اس کا یہ مسکرانا بھی صدقہ ہے اور جب مصافحہ کرتا ہے تو ان دونوں کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جس طرح پت جھڑ کے موسم میں پتے جھڑتے ہیں۔

اسلام نے ہمیں محبت ورواداری کا درس دیا ہے محبت واخوت کے رشتے میں انسانوں کو پرودیا ہے اور اللہ کے حقوق کے ساتھ ساتھ کچھ بندوں کے حقوق بھی ایک دوسرے پر ادا کرنا واجب فرمادیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَ يُجِيبُ إِذَا دَعَاهُ**

وَيُشَمِّتُهٗ إِذَا عَطَسَ وَيَعُوْدُهٗ إِذَا مَرِضَ وَيَتْبَعُ جَنَازَتَهٗ إِذَا مَاتَ وَيُحِبُّ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ ص ۳۹۸) فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔(۱) جب اس سے ملے تو سلام کرے (۲) دوسرے جب وہ بلائے یعنی کہ دعوت دے تو وہ قبول کرے۔(۳) جب اسے چھینک آئے تو یَرْحَمُكَ اللهُ کہے۔ (۴) جب بیمار ہو تو اس کی خیریت پوچھے (۵) جب مرجائے تو اس کے جنازے کو کاندھا دے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرے۔(۶) اور جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی اس کے لئے بھی پسند کرے۔

محترم سامعین کرام! اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ میرے بندے پیار ومحبت سے رہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کریں۔اپنا نیچر اچھا بنائیں تا کہ ہم دوسروں کے لئے چین وسکون اور آرام کا سبب بن سکیں۔

آج حالت یہ ہے کہ ہم طیش میں آکر تھوڑی سی باتوں میں رشتہ کو توڑ دیتے ہیں جن رشتوں کو ہمارے رب نے ہمیں بنائے رکھنے کا حکم دیا ہے۔انھیں رشتوں پر ہم چھریاں پھیرتے ہیں۔چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہم بولنا چھوڑ دیتے ہیں۔رشتہ ناطہ توڑ دیتے ہیں۔ہم تحقیق نہیں کرتے کیا صحیح کیا غلط۔ہم رشتے کی اہمیت کو ذرا بھی نہیں سمجھتے جب کہ رشتے کے معاملات میں سمجھداری کی ضرورت ہے۔حکم ہے اگر رشتہ میں تلخی اور کڑواہٹ پیدا ہوجائے تو بلا تاخیر ہر کام چھوڑ کر فوراً اس کو سلجھاؤ۔فوری طور پر اس مسئلے کا حل نکالو ورنہ شیطان تمھارے دلوں میں مزید رنجیشیں نفرتیں پیدا کرے گا جس کی وجہ سے ممکن ہے رشتہ ٹوٹ بھی جائے اس لئے جب حالات بگڑ جائیں تو مزید بگڑنے نہ دیا جائے فوری طور پر اسے حل کرلیا جائے اسے طول نہ دیا جائے۔جانے انجانے میں تمھارے رشتے دار سے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اسے معاف کردو۔رشتہ اور تعلق نہ توڑو۔رشتہ توڑنا اسلام کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ شب قدر میں بڑے بڑے مجرموں اور گنہگاروں کی مغفرت ہوجاتی ہے مگر چند بندوں کی مغفرت ایسی رحمت والی رات میں بھی نہیں ہوتی ان میں ایک شخص وہ ہے جو رشتوں اور ناطوں کو توڑنے والا ہو اللہ تعالیٰ اس کی

مغفرت نہیں فرماتا۔

اس حدیث مبارکہ سے اندازہ لگائیے کہ رشتہ توڑنا اللہ کے نزدیک کتنا بڑا گناہ ہے۔ دین اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ تعلق بنا کر رکھیں، خاص کر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔اخلاق ومحبت اور حسن سلوک سے پیش آئیں۔سچی بات تو یہ ہے کہ بندہ کسی مسئلے کو سلجھانے کی نیت کرلے تو بڑے سے بڑے مسائل اور جھگڑے سلجھ جاتے ہیں اور اگر الجھانے پر آجائے تو ہر بات الجھ جاتی ہے۔اس لئے ہمیں چاہئے کہ معاملات کو سلجھانے کی کوشش کریں اور کوئی معاملہ اسی وقت سلجھ سکتا ہے جب دونوں فریقوں میں سمجھداری ہو۔مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے تمام الجھے ہوئے مسائل کو کورٹ کچہری میں لے جانے کے بجائے قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرلیں یہ تمھارے حق میں سب سے بہتر ہے۔

ترے دامن میں ہے کس لعل وجواہر کی کمی
تو کسی غیر کے دامن کی طرف کیوں دیکھے

ایک وقت وہ تھا جب ہم ایک دوسرے کے درد کو سمجھتے تھے ایک دوسرے کے بھوک اور پیاس کو محسوس کرتے تھے ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے، ایک دوسرے کو نفع پہنچاتے تھے۔آج معاملہ برعکس ہے اب کسی کو کسی سے کوئی ہمدردی اور دلچسپی نہیں۔اب کسی کی دکھ اور تکلیف کو دیکھ کر ہماری آنکھیں اشکبار نہیں ہوتیں۔شرافت، انسانیت اور خیر خواہی کا جذبہ دن بدن معدوم ہوتا جارہا ہے۔آیئے خیر خواہی کی ایک بہترین مثال آپ کے سامنے پیش کروں۔یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کا پوری دنیا پر غلبہ تھا پوری دنیا پر مسلمان حکمراں تھے اس وقت کسی غیر مسلم بادشاہ نے اپنا ایک آدمی بھیجا کہ جاؤ معلوم کرکے آؤ ان مسلمانوں کے پاس کیا خاص چیز ہے کہ وہ جدھر جاتے ہیں فتح وکامیابی ان کے قدموں کو چومتی ہے ان میں کون سا وہ جوہر ہے جو دوسرے لوگوں کو بڑا متاثر کردیتا ہے اور ان کو مسلمان بنا دیتا ہے۔یہ پتہ لگانے کے لئے کافروں کا ایک نمائندہ بغداد آیا بغداد اس وقت اسلامی دنیا کا مرکز تھا۔

جب وہ نمائندہ شہر بغداد میں آیا تو دوپہر کے وقت اس کو بھوک لگی، وہاں ایک ہوٹل تھا

وہ کھانا کھانے اس ہوٹل میں بیٹھ گیا۔اس نے محسوس کیا کہ اس کے قریب ہی ایک اور بندہ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے اور اس کی طرف بار بار دیکھ رہا ہے۔اس نے سوچا کہ میں اجنبی ہوں اس لئے وہ مجھے دیکھ رہا ہوگا۔جب اس نے کھانا کھالیا اور کاؤنٹر پر آکر پوچھا کہ مجھے آپ کے کھانے کے کتنے پیسے دینے ہیں۔کاؤنٹر والے نے جواب دیا کہ جناب آپ کے پیسے تو ادا ہو چکے۔اس نے پوچھا جی کیسے ادا ہوئے۔کھانا تو میں اب کھا کر آیا ہوں۔اس نے بتایا کہ آپ کے ساتھ وہ جو دوسرا بندہ بیٹھا ہوا تھا وہ مقامی تھا وہ جب اپنے پیسے دینے آیا تو مجھے کہنے لگا یہ شخص پردیسی معلوم ہوتا ہے یہ ہمارے دیش میں آیا ہے یہ ہمارا مہمان ہے چلو اس کے پیسے میں دے دیتا ہوں۔میری طرف سے ان کی دعوت سہی اور اس نے آپ کو بتایا بھی نہیں کیونکہ وہ اس کے بدلے میں آپ سے شکریہ کے الفاظ بھی نہیں چاہتا تھا بلکہ اللہ رب العزت سے اس کا صلہ چاہتا تھا لہٰذا آپ کا بل ادا کر کے چلا گیا۔یہ شخص بہت حیران ہوا کہ یہ لوگ کتنے اچھے لوگ ہیں مہمان نوازی بھی کرتے ہیں اور پتہ بھی نہیں چلنے دیتے کہ کس نے مہمان نوازی کی وہ بڑا خوش ہوا اور متاثر بھی ہوا۔

وہ شخص آگے چلا اس کو کسی چیز کے خریدنے کی ضرورت تھی۔ایک دکان پر اس نے وہ چیز دیکھی۔اس نے دکاندار سے کہا جناب! مجھے یہ چیز چاہئے۔دکاندار نے کہا کہ ہاں لے لو۔کہا کتنے میں دو گے اس نے جواب دیا اتنے میں دوں گا۔وہ شخص کہنے لگا ٹھیک ہے ایک دے دو۔دکاندار کہنے لگا تھوڑی سی تکلیف کریں وہ سامنے دکان سے یہی چیز اتنے ہی پیسوں میں مل جائے گی آپ مہربانی فرما کر اس سے لے لیں۔اس نے دوسرے دکاندار سے جا کر وہی چیز خرید لی لیکن اس کے دل میں خیال آیا کہ پہلے دکاندار نے چیز کیوں نہ دی۔اس نے واپس آکر اس سے پوچھا، کیا یہ چیز آپ کے پاس موجود نہیں تھی یا آپ نے مجھے دینا پسند نہیں کیا۔اس نے جواب دیا چیز تو موجود تھی لیکن میں نے چاہا کہ آپ میرے پڑوسی سے خرید لیں۔اس نے کہا کہ دکاندار تو ایسا نہیں کرتے کہ میرے بجائے اس سے خرید لیں۔اس نے جواب دیا کہ ایسا میں نے اس لئے کیا کہ آج میرے پاس اتنے گرہک آگئے کہ میرے اخراجات پورے کرنے کے لئے کافی تھے لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ

میرے اُس بھائی کے پاس کوئی گراہک نہیں آیا میرے دل میں خیال آیا کہ آپ اس سے وہ چیز خرید لیں گے۔تھوڑا اس کا بھی دھندھا ہو جائے گا اور اس کے بیوی بچوں کا انتظام ہو جائے گا۔

سبحان اللہ! کیا سوچ تھی۔کیا ہمدردی کا جذبہ تھا کیا اخلاق تھی کیا خیر خواہی تھی۔آج ہماری سوچ کتنی بگڑ گئی ہے۔ہمارا نیچر کتنا خراب ہو گیا ہے ایک وقت تھا کہ آمنے سامنے والے دکاندار ایک دوسرے کے اتنے خیر خواہ ہوتے تھے اور آج ہم کتنے خودغرض مطلب پرست ہو گئے ہیں ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔

عزیزان محترم! اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرنے کی ضرورت ہے صرف زبانی ہمدردی کافی نہیں جب تک عمل ساتھ نہ ہو۔آدمی کی شخصیت کی تصدیق اس کے عمل سے ہوتی ہے۔اگر ہم اچھے عمل کریں اور پاکیزہ اخلاق کو اپنائیں تو اللہ کے مقبول بندوں میں ہمارا شمار ہوگا۔دوسرے لوگ ہم سے متاثر ہوں گے۔یہ بھی فرمان عالی شان ہے کہ جس نے کوئی چیز دکاندار سے خریدی پھر اس نے اس چیز کو واپس کرنا چاہا اور دکاندار گراہک کی چیز کو واپس لے لے اور اس کے پیسے واپس دے دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکاندار کے گناہوں کو نیکیوں میں پھیر دے گا اس کے تمام گناہ معاف فرما دے گا اور اس کو دوزخ سے بچا لے گا۔

حضرات محترم! ابھی تک جو جو بیان کیا یہ تمام باتیں اخلاق میں شامل ہیں۔آیئے اس سلسلے میں ایک انوکھا مقدمہ اور نرالہ فیصلہ سماعت کیجئے۔اس کا بھی تعلق اخلاق ہی سے ہے۔

● خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا پوری دنیا میں آپ کے عدل وانصاف کا ڈنکا بج رہا تھا۔ایک آدمی نے زمین بیچی اور دوسرے نے خریدی۔جب خریدنے والے نے ہل چلایا تو اس زمین میں سے کچھ خزانے نکل آئے۔اس نے سوچا کہ میں نے تو صرف زمین خریدی تھی خزانہ تو نہیں خریدا تھا لہٰذا خزانہ اس کا ہے جس نے زمین بیچی ہے۔وہ اس کے پاس گیا اور کہا بھائی یہ آپ کا خزانہ چھپا ہوا تھا آپ واپس لے لیں۔بیچنے والے نے جواب دیا کہ بھائی جب میں نے اپنی زمین آپ کو بیچ دی تو اب اس

زمین سے جو بھی نکلے وہ آپ کا ہے۔ وہ کہنے لگا نہیں میں نے صرف زمین کی قیمت ادا کی تھی خزانے کی قیمت ادا نہیں کی تھی لہٰذا یہ خزانہ آپ ہی کا ہے۔ وہ کہنے لگا نہیں یہ خزانہ آپ کا ہے میرا نہیں۔ دونوں میں بحث چلتی رہی مشورہ یہ ہوا کہ عدالت میں چلتے ہیں، عدالت جو فیصلہ سنائے گی ہم دونوں مان لیں گے۔

حضرت عمرؓ کی عدالت میں دو مسلمان بھائیوں کے درمیان یہ پہلا مقدمہ تھا جو عدالت میں پیش ہوا اور وہ مقدمہ بھی ایسا کہ ایک فریق کہتا ہے کہ یہ آپ کا حق ہے اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ نہیں یہ آپ کا حق ہے۔

آج عدالتوں میں مقدمے آتے ہیں ایک فریق کہتا ہے کہ یہ میرا حق ہے دوسرا کہتا ہے میں اپنے حق کی حفاظت اور اس کی بازیابی کے لئے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دوں گا۔ جب اس نیت سے وہاں جاتے ہیں تو آج کی عدالتوں سے عداوتیں ملتی ہیں جہاں عدالت دیکھو سمجھ لو وہاں عداوت موجود ہے۔ جہاں عداوتیں ہوں گی وہاں عدالتیں ہوں گی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں طرف عداوتیں ہیں اس لئے جائز ناجائز حقوق کے لئے جھگڑا کرتے ہیں کہ یہ میرا حق ہے اور وہ میرا حق ہے لیکن حضرت عمرؓ کی عدالت میں یہ کیسا انوکھا جھگڑا آ گیا ہے۔ ایک بندہ کہتا ہے کہ یہ میرے بھائی کا حق ہے دوسرا کہتا ہے نہیں یہ میرا حق نہیں ہے بلکہ آپ کا حق ہے۔

اب جس کو فیصلہ کرنا تھا وہ حیران ہے کہ کس سے کہا جائے کہ اس کا حق ہے۔ اللہ نے ان حضرات کو سمجھ اور عقل بھی بڑی غضب کی دی تھی۔ دونوں طرف سے بیان سن لینے کے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آپ لوگوں کے گھروں میں اولاد ہے۔ فریقین میں سے ایک نے کہا کہ میری اولاد ہے۔ دوسرے نے کہا میری بھی اولاد ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک کے گھر میں جوان بیٹا ہے اور دوسرے کے گھر میں جوان بیٹی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا فیصلہ یہ ہے کہ آپ دونوں اپنے بیٹے اور بیٹی کا آپس میں نکاح کر دیں اور یہ خزانہ اس بیٹی کے جہیز میں دے دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

عزیزان محترم! پہلے وقتوں میں مسلمانوں کے جھگڑے ایسے ہوتے تھے۔ اب

مسلمانوں کے جھگڑے کیا ہوتے ہیں۔ ایک انچ زمین کے لئے بندے آپس میں کٹتے اور مرتے ہیں۔ معمولی چیز کے لئے تلواریں نکلتی ہیں، گولیاں چلتی ہیں، انسانیت لہولہان ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کی عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔ نتیجہ قتل و غارت گری، تباہی اور بربادی ہوتا ہے جس پیغمبر نے عرب کے دو بڑے خوں خوار قبیلے اوسؔ اور خزرجؔ کے درمیان ایک سو بیس سالہ خاندانی دشمنی کا خاتمہ کر دیا تھا آج اس نبی کی امت آپس میں دست بگریباں ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**۔

اس لئے ہمیں اخلاق سیکھنے کی ضرورت ہے اپنا نیچر اچھا بنانے کی ضرورت ہے۔ مومن کی شان اور مومن کا مقام سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے حضور اکرم نور مجسم رحمت عالم ﷺ نے ایک مرتبہ کعبہ شریف کی طرف دیکھا اور فرمایا اے خانۂ کعبہ بے شک تو اللہ کا گھر ہے اور اللہ کے یہاں تیرا بڑا مقام اور درجہ ہے لیکن اللہ کی نظر میں ایک مسلمان کی عزت و آبرو تجھ سے بھی زیادہ محترم ہے۔

سوچئے! ہم خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اس کو جا کر لپٹتے ہیں، غلاف کعبہ پکڑ دعائیں مانگتے ہیں اس کی عزت اور تعظیم کرتے ہیں اور دوسری طرف مومن کی تذلیل توہین کرتے ہیں۔ مومن کی تحقیر کرتے ہیں، اس کا گریبان پکڑ کر کہتے ہیں تجھ جیسوں کو یہیں کھڑے کھڑے خرید لوں گا تو مجھے سمجھتا کیا ہے، تیرے جیسے میں نے بہت دیکھے ہیں اگر تجھے دھول نہ چٹوا دوں تو میرا نام فلاں نہیں۔

عزیزان ملت اسلامیہ! دین سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت ہے اگر آج ہمارے اندر دین ہوتا دینی سمجھ داری اور سوجھ بوجھ ہوتی اسلامی تعلیمات ہوتی تو ہماری زبان سے ایسے دل آزاری کے الفاظ نہیں نکلتے۔ اگر ہم نے اسلامی اخلاق کا درس لیا ہوتا تو ہماری زندگی میں یہ گندگی نہیں ہوتی۔ اگر ہم عالم اور علماء کی محفل میں بیٹھے ہوتے تو آج ہماری زندگی بے عمل نہیں ہوتی۔ یہ اس بات کا پروف اور ثبوت ہے کہ اسلامی ماحول میں ہماری تربیت نہیں ہوئی، ہم دنیوی تعلیمات سے لیس ہیں مگر دینی تعلیم سے ہمارا دل خالی ہے۔ ہمیں کسی نے اخلاق نہیں سکھایا۔ یہ نہیں سمجھایا کہ انسانیت کیا ہے۔ ماں باپ کے حقوق کیا ہیں۔ بیوی

بچوں کے ساتھ ہمیں کیسا رہنا رہنا چاہیے۔ پڑوسی کیا ہوتا ہے ایک انسان کا انسان پر کیا حق ہے حقوق مسلم کیا ہیں حقوق غیر مسلم کیا ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کیا ہے حقوق استاد کیا ہے اخلاق کیا ہے۔ یہ تمام اسباق دنیا کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نہیں پڑھایا جاتا ہے یہ تعلیمات صرف اور صرف مسجد اور مدرسوں کی در و دیوار اور ان کی ممبر و محراب سے تمام انسانوں کو دیا جاتا ہے۔ یہ پیغام محبت صرف اور صرف معلم کائنات محمد عربی ﷺ کی درسگاہ سے پوری دنیا کو دیا جاتا ہے۔

جب ہمارے دل و دماغ سے ہمارے معاشرے سے جہالت کا اندھیرا دور ہوگا اور ہماری موجودہ اور آنے والی نسلیں دینی اور دنیوی تعلیم سے لیس ہوں گی تو ہمارے کردار وعمل ہمارے اخلاق و نیچر بھی صحیح اور پاکیزہ ہوجائیں گے۔ آج ہم اپنی حرکتوں سے اسلام کو بدنام کررہے ہیں، اس لئے ہمیں دینی اور دنیاوی تعلیم کی طرف توجہ دینا ہے۔ اپنے کردار و عمل کو سنوارنا ہے اپنے آپ کو ایک اچھا اور سچا انسان بنانا ہے جو کچھ ہم نے بیان کیا اللہ اس پر ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

گناہوں کی عادت چھڑا میرے مولیٰ
مجھے نیک انسان بنا میرے مولیٰ

●●●

تربیت اولاد

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

(سورۃ التحریم، پ ۲۸، آیت ٦)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آگ اور پتھر ہوں گے۔

حضرات محترم! آج میری تقریر کا موضوع ہے تربیت اولاد مگر آیئے سب سے پہلے کچھ ضروری اور بنیادی چیزوں پر گفتگو کروں۔

انداز مرا گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

● ہر ماں باپ پر بچے کے تین حقوق ہیں۔ پہلا حق یہ ہے کہ بچے کا اسلامی نام رکھا جائے دوسرا حق یہ ہے کہ اس کو دینی اور دنیوی تعلیمات سے آراستہ کیا جائے اور تیسرا حق یہ ہے کہ جب بالغ ہوجائے تو کسی اچھے شریف خاندان میں دین دار لڑکی سے اس کی شادی کی جائے جو سنی صحیح العقیدہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ تم دین دار عورت سے نکاح کیا کرو مگر آج یہ سب بہت کم دیکھا جاتا ہے۔ لوگ دین داری نہیں مالداری دیکھتے ہیں۔ خاندانی شرافت نہیں عہدہ اور منصب دیکھتے ہیں۔ رشتہ طے کرتے وقت لڑکی میں دین داری، حسن سیرت، پاکیزہ اخلاق و کردار نہیں دیکھتے بلکہ مال و دولت دیکھتے ہیں زمین وجاگیر دیکھتے ہیں سرکاری ملازمت دیکھتے ہیں، حسن و جمال دیکھتے ہیں ظاہری ٹیپ ٹاپ اور نقش و نگار کو دیکھ کر شادی کر لیتے ہیں تاکہ لوگ یہ کہیں کہ میں فلاں سیٹھ کا داماد ہوں فلاں جاگیردار کا سمدھی ہوں، فلاں وزیر کا رشتہ دار ہوں پھر بعد میں گھر میں جب دین داری نہیں ہوتی گھر کا

ماحول بگڑ جاتا ہے اولاد بگڑ جاتی ہے بیوی توجہ نہیں دیتی غلط راستے پر چل پڑتی ہے تو پھر روتے پھرتے ہیں تو اب کیوں روتے ہو اپنے آپ پر روؤ کہ ہم نے فیصلہ ہی غلط کیا تھا ہمارا انتخاب ہی غلط تھا۔

جس سے آنچل بھی نہیں سر کا سنبھالا جاتا
اس سے کیا خاک ترے گھر کی حفاظت ہوگی

جو لڑکی سر کا دوپٹہ نہیں سنبھال سکتی وہ تمھارے گھر کو کیا خاک سنبھالے گی۔ وہ تمھارے بچوں کی اچھی ماں کیسے بن سکے گی۔ وہ بچوں کی تعلیم وتربیت کیسے کرے گی اس لئے یہ بہت بڑی خامی اور غلط سوچ لوگوں میں آگئی ہے کہ جس کی وجہ سے گھر معاشرہ تباہ وبرباد ہورہا ہے لہٰذا بیٹے کے رشتے کے لئے کوئی ایسی لڑکی تلاش کریں جس کے دل میں خوف خدا ہو آنکھوں میں شرم وحیاء ہو۔ اخلاق وکردار میں پاکیزگی ہو، دینداری ہو اسلامی فکر ونظر ہو اگر ایسی بہو ہو تو آپ کے بیٹے کو ساری زندگی خوش رکھے گی اور آپ کی بھی خدمت کرے گی۔ اگر آپ کے داماد کے دل میں خدا کا خوف ہوگا تو آپ کی بیٹی کو بھی ساری زندگی خوش رکھے گا اور آپ کے بھی حقوق پورا کرتا رہے گا اس لئے شادی بیاہ کرنے سے پہلے آپ جہاں کہیں رشتہ دیکھیں تو یہ ضرور دیکھیں کہ اس کے دل میں خدا کا خوف ہے کہ نہیں۔ شرم وحیاء ہے کہ نہیں۔ دین داری اور اخلاق وکردار کی پاکیزگی ہے کہ نہیں۔ اگر لڑکی دین دار ہوگی پاکیزہ اخلاق وکردار کی مالک ہوگی اسلامی فکر ونظر سے آراستہ ہوگی تو اس کے ماحول سے ہمارا گھر ہمارا معاشرہ اسلامی معاشرہ ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام اور ہمارے بزرگان دین اسی معیار کو سامنے رکھتے تھے۔

● حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بڑا مشہور ہے۔ آپ سلطنت اسلامیہ کے دوسرے حکمراں ہیں۔ پورا عالم کفر آپ سے کانپتا تھا۔ مدینہ منورہ میں رات کو پہرہ دے رہے تھے۔ جب صبح کی اذان کا وقت ہوا ایک گھر میں سے آواز آرہی تھی۔ آپ نے قریب جا کر سنا تو ایک بڑھیا اپنی جوان بیٹی سے بات کہہ رہی تھی کہ بیٹی! کیا بکری نے دودھ دیا ہے؟ اس نے کہا ہاں امی دیا ہے۔ پوچھا کہ کتنا دودھ دیا ہے کہنے لگی تھوڑا دیا ہے۔ کہا جلدی کرو اس میں کچھ

پانی ملا دو تا کہ دودھ زیادہ ہو جائے۔ بیٹی نے کہا امی میں ایسا ہرگز ہرگز نہیں کروں گی۔ کل امیر المومنین حضرت عمر نے اعلان کروایا ہے کہ کوئی آدمی دودھ میں پانی کی ملاوٹ نہیں کر سکتا ہے۔ بڑھیا کہنے لگی بیٹی! امیر المومنین حضرت عمر تمھیں نہیں دیکھ رہے ہیں جلدی کرو تم دودھ میں پانی ملا دو۔ بیٹی نے جواب دیا امی اگر حضرت عمر نہیں دیکھ رہے ہیں تو کیا ہوا عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے میں دودھ میں ہرگز ہرگز پانی نہیں ملاؤں گی۔ حضرت عمر نے جب اس ایماندار لڑکی کی یہ بات سنی تو گھر آگئے نماز فجر ادا کی اور جب سورج نکل آیا اس کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تو آپ نے اس بڑھیا اور لڑکی کو اپنے گھر بلایا۔ پتہ چلا کہ وہ لڑکی ابھی تک کنواری ہے شادی نہیں ہوئی ہے۔ حضرت عمر نے اس بڑھیا سے کہا میں اپنے بیٹے کے لئے اس لڑکی کا رشتہ مانگتا ہوں کیا تمھیں یہ رشتہ منظور ہے کہاں حاکم وقت اور کہاں ایک غریب لڑکی۔ وہ خوش ہوگئی اور رشتہ منظور کر لیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے کے ساتھ اس ایماندار اور غریب لڑکی کا رشتہ کر دیا۔

حضرات محترم دیکھئے! حضرت عمر اپنے بیٹے کے لئے ایسی لڑکی کا رشتہ پسند کرتے ہیں جس میں خوف خدا ہے شرم وحیاء ہے، پاکیزہ اخلاق ہے عمدہ سیرت ہے ایمانداری اور دین داری ہے یہ وہ لڑکی تھی جس کو اللہ نے ایک بیٹی عطا فرمائی جس کے پیٹ سے اسلام کے عظیم حکمراں اور فرمانروا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ نے سلطنت وحکومت کے ساتھ ساتھ دولت روحانیت وولایت بھی عطا فرمایا۔ آپ اسلام کے پہلے مجدد ہیں۔ اتنی وسیع اور عظیم حکومت وسلطنت کے مالک ہونے کے باوجود آپ نے فقیرانہ زندگی بسر کی۔

آج کے حکمراں ایئر کنڈیشن بنگلوں میں رہتے ہیں مہنگی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں اپنی ذاتی سفر اور ذاتی تحفظ پر کروڑوں روپئے سرکاری خزانوں سے خرچ کرتے ہیں اور عوام بیچاری بھوکو مرتی ہے اس کی انھیں کوئی فکر نہیں۔ ہر سیاسی پارٹی کو اپنے ووٹ بینک کی فکر ہوتی ہے وہ اپنی حکومت وکرسی کی برقراری کے لئے گندی سیاست کا کھیل کھیلتے ہیں۔ آج کا حکمراں جب حکومت پالیتا ہے تو چنگیز بن جاتا ہے ہلاکو بن جاتا ہے۔ مسولینی

اور ہٹلر کا کردار ادا کرنے لگتا ہے۔ ماضی میں یہی سب کچھ ہوا اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ یاد رکھو! حکومت نام ونمود اور منصب کا نام نہیں قیمتی جوڑے پہن کر سیر وتفریح کا نام نہیں عوام پر رعب جمانے کا نام نہیں۔ میڈیا کو پیسہ دے کر اپنی شان میں قصیدہ پڑھوانے کا نام نہیں بلکہ رعایا کا سچا خادم بن کر خدمت کرنے کا نام ہے۔

دوستو! اور بزرگو! یہ دنیا بادشاہوں اور حکمرانوں سے خالی نہیں مگر ابوبکر وعمر وعثمان وعلی جیسے مدبر سیاست داں کی مثال یہ دنیا قیامت تک نہیں لاسکتی۔ یہ وہ مقدس اور عظیم ہستیاں ہیں جن کا طریقۂ حکمرانی دنیا کے تمام حکمرانوں کے لئے ایک نمونہ اور مثال ہے۔

حاضرین محترم! اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اولادیں نیک ہوں باکردار ہوں، تاریخ ساز ہوں بہادر ہوں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ عورتوں کو دین کی تعلیم دلائی جائے۔ اُن کے شعور اور فکر کو اسلامی بنایا جائے انھیں کردار وعمل کی پاکیزگی کا درس دیا جائے۔ یاد رکھو! ناچ گان دیکھنے اور سننے والوں کے صلب سے اور ناچنے گانے بجانے والی بے حیاء، بے شرم، بے غیرت، عیاش عورتوں کے شکم سے خالد، طارق اور صلاح الدین ایوبی پیدا نہیں ہوتے بلکہ اسلام کی غیرت مند ماؤں کی پاکیزہ کوکھ سے اسلام کے پاسبان جنم لیتے ہیں۔ اس لئے اولاد کے لئے ایسی ماں کا انتخاب کرو جو نیک سیرت ہو دین دار ہو پاکیزہ اخلاق وکردار کی مالک ہو۔ ان عورتوں سے شادی کرو جو دین اسلام کی تعلیمات سے آراستہ ہوں۔ اسلامی خیالات اور اسلامی فکر ونظر والی ہوں اگرچہ کسی غریب کی لڑکی کیوں نہ ہوں۔

● حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم دین اور شافعی مسلک کے بانی اور امام ہیں۔ آپ کی ایک بیٹی تھی جو نیک سیرت اور پاکیزہ اخلاق وکردار کی حامل تھیں۔ دینی تعلیمات سے آراستہ تھیں نکاح کے لئے بڑے بڑے رئیسوں امیروں، وزیروں اور بادشاہوں کے پیغام آئے مگر آپ نے اپنی لڑکی کی شادی شہزادوں اور امیروں سے نہیں کیا بلکہ اپنے مدرسہ کے ایک غریب طالب علم سے ان کی شادی کردی۔ اس طرح آپ نے ایک غریب عالم دین سے بیٹی کی شادی کرنا پسند فرمایا مگر کسی فاسق وفاجر امیر زادے کو اپنا داماد بنانا منظور نہیں فرمایا۔ آج معاملہ بالکل برعکس ہے۔

● میں نے تقریر کی شروع میں آپ کو بتایا تھا کہ والدین کی اولیں ذمہ داری یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا اسلامی نام رکھیں اور اس کو دنیوی تعلیم کے ساتھ دین اسلام کی تعلیم دلائیں تاکہ بچے بڑے ہوکر ماں باپ کا وفادار بنیں۔ اللہ رسول کا فرمانبردار بنیں اور جب بچہ جوان ہوجائے بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کسی ایماندار دین دار سنی صحیح العقیدہ گھرانے میں کردیا جائے۔

احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک باپ اپنے بیٹے کو لے کر آیا۔ بیٹا جوان تھا مگر ماں باپ کا نافرمان تھا۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے مگر میری کوئی بات نہیں مانتا نافرمان بن گیا ہے۔ آپ اسے سزا دیں یا سمجھا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باپ کی جب یہ بات سنی تو بیٹے سے پوچھا کہ بیٹے بتاؤ تم اپنے ماں باپ کی نافرمانی کیوں کرتے ہو۔ اس نے کہا امیر المومنین کیا والدین کے ہی اولاد پر حق ہوتے ہیں۔ کیا اولاد کا حق ماں باپ پر نہیں ہوتا۔ میرے باپ نے میرا کوئی حق ادا نہیں کیا۔ سب سے پہلے اس نے جو میرے لئے ماں کا انتخاب کیا وہ ایک باندی تھی جس کے پاس کوئی علم وشعور نہ تھا نہ اخلاق ایسا نہ علم ایسا۔ میرے باپ نے ایسی بے شعور عورت سے شادی کیا کہ جس کے ذریعے میری ولادت ہوئی اور جب میں پیدا ہوا تو میرے باپ نے میرا نام غیر اسلامی رکھا۔ جس کا لفظی معنی گندگی کا کیڑا ہوتا ہے۔ یہ بھی کوئی رکھنے والا نام تھا جو میرے باپ نے رکھا تھا۔ پھر ماں کے پاس چونکہ علم نہ تھا اس نے مجھے کوئی اچھی بات نہیں سکھائی اور میں بڑا ہوکر جوان ہوگیا۔ اب میں نافرمانی نہیں کروں گا تو اور کیا کروں گا۔ میرے ماں باپ نے میری تعلیم وتربیت نہیں کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ بیٹے سے زیادہ باپ نے اس کے حقوق کو پامال کیا اس لئے یہ اب بیٹے سے کوئی مطالبہ نہیں کرسکتے۔ یہ کہہ کر آپ نے مقدمہ کو خارج کردیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب اولاد جوان ہوجائے تو اس کی شادی بیاہ کے لئے اچھے کردار، پاکیزہ اخلاق، دین دار اور مہذب عورت کا انتخاب کریں تاکہ بچوں کی تعلیم وتربیت میں کوئی رخنہ پیدا نہ ہو۔ بچوں کے دل ودماغ اور ان کی فکر ونظر پر کوئی منفی اثرات

رونما نہ ہوں۔ان کی سوچ اچھی ہو،اچھی سوچ یہ ہے کہ میں حافظ قرآن بن جاؤں۔ میں عالم دین بن جاؤں، متقی بن جاؤں، نیک بن جاؤں، اللہ کا ولی بن جاؤں، حضور کی تعلیمات پر عمل کرنے والا بن جاؤں، اللہ کا فرمانبردار بن جاؤں، والدین کا خدمت گزار بن جاؤں، اسلام اور شریعت کا وفادار بن جاؤں۔ جب انسان کا نظریہ اور سوچ اچھا ہوتا ہے تو ایسا انسان معاشرہ اور سماج کے لئے فائدے مند ہوتا ہے۔ باعث خیر وبرکت ہوتا ہے اور جب نظریہ وسوچ بگڑ جاتا ہے تو اس کے وجود سے برائیوں کے سوا کچھ سرزد نہیں ہوتا اس لئے بچوں کے دل ودماغ اور خیالات کو سنوارنے کی ضرورت ہے اور انھیں اچھی تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلام میں اولاد کی تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ جو ماں باپ اپنی اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت دیتے ہیں اور انھیں اچھے برے کی تمیز سکھاتے ہیں۔ اللہ رسول کا وفادار بناتے ہیں انھیں اچھی لائن پر لگاتے ہیں، ان کے بچے دنیا میں بھی والدین کے فرمانبردار اور ان کی راحت کا ذریعہ بنتے ہیں اور آخرت میں بھی ماں باپ کے لئے ترقئ درجات، نجات اور مغفرت کا سبب بنتے ہیں۔ گویا نیک اولاد ماں باپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہے جس کا ثواب قیامت تک والدین کو ملتا رہے گا۔اولاد اگر نیک ہوگی۔ اللہ رسول کی فرمانبردار ہوگی، نمازی ہوگی، نیک عمل اور اچھے کام کرے گی تو خود بخود اس کا ثواب والدین کو پہونچتا رہے گا۔اس کے برعکس اگر ماں باپ بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت نہ کر سکے، لا پروائی سے کام لیا اچھی طرح سے ان کی تربیت نہیں کی تو ایسے بچے نافرمان بنتے ہیں۔ جو ان ہونے پر جرائم پیشہ بنتے ہیں ایسے بچوں اور جوانوں کی دنیا تو برباد ہوتا ہی ہے ان کی آخرت بھی تباہ وبرباد ہوجاتی ہے۔ ہماری لاپروائی اور بے توجہی سے بچے اگر بگڑ گئے اور صحیح راہ سے بھٹک کر وہ غلط راستے پر چل پڑے تو اس کے ذمہ دار ہم ہیں وہ جو بھی کوئی گناہ کریں گے ماں باپ اس میں برابر کے گنہگار ہوں گے۔اس لئے ہر ماں باپ کو چاہئے کہ وہ اولاد کے معاملے میں ان کی صحیح تعلیم وتربیت پر دھیان دیں اور ماں باپ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ اولاد جب جوان ہوجائے تو اسے بھی چاہئے کہ وہ اپنے

باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرے۔ان کی عزت وتعظیم کرے اور ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھے۔

والدین کو اسلام نے بہت بڑا مرتبہ دیا ہے، فرمانِ عالی شان ہے۔ اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّھَاتِکُمْ تمھاری جنت تمھاری ماں کے قدموں میں ہے۔ ماں کتنی بے عمل بے نمازی کیوں نہ ہو مگر پھر بھی اللہ نے اولاد کی جنت اس کی قدموں میں رکھ دیا ہے۔ یہاں پر ایک بات کی وضاحت کردوں کہ ماں اگر جنت ہے تو باپ جنت کا دروازہ ہے اس لئے دونوں کو راضی اور خوش رکھنا ضروری ہے۔

اس فرمانِ نبوی سے والدین کی عظمت کا پتہ چلتا ہے کہ ماں باپ کے قدموں تلے جنت ہے۔ وہ جنت جہاں اللہ رب العزت کا دیدار نصیب ہوگا۔ ماں باپ کی اطاعت وفرماں برداری کے بغیر اسے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ماں باپ کی دعائیں لی جائیں، ان کی خدمت کی جائے اور ان کو خوش رکھا جائے تو اللہ خوش ہوگا اس کا پیارا محبوب راضی ہوگا۔ یاد رکھو! ماں باپ کا احترام ان کی عزت اور خدمت سب سے افضل عمل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ بِوَالِدَیْہِ یَنْظُرُ اِلَیْھِمَا نَظْرَ رَحْمَۃٍ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَہٗ فِیْ کُلِّ نَظْرَۃٍ حَجَّۃً مَبْرُوْرَۃً۔ جو اپنے ماں باپ کے چہرے کو محبت کی نظر سے دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک حج مقبول کا ثواب عطا فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۴۲)

یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشیں کر لیجئے کہ انسانی زندگی کی شروعات ماں کی گود سے ہوتی ہے۔ ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ ہے، پہلی درسگاہ ہے۔ جب ماں کی گود بگڑ جاتی ہے تو اس گود میں پرورش پانے والا بچہ بگڑ جاتا ہے اس لئے ماں باپ کو اپنا گود، اپنا رہن سہن، اپنی گفتگو، اپنا اخلاق اپنی زبان اور اپنا کردار پاکیزہ رکھنا چاہیے تاکہ بچے اس پاکیزہ گود سے سبق حاصل کر سکیں بلبل شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خشتِ اول چوں نہد معمارِ کج
تا ثریا می رود دیوارِ کج

یعنی جب کوئی کاریگر کسی دیوار کی پہلی اینٹ ہی بنیاد ہی ٹیڑھی رکھ دیتا ہے تو وہ دیوار چاہے آسمان تک چلی جائے اس کا ٹیڑھا پن بڑھتا چلا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح سمجھ لو جب ماں باپ کی زندگی میں دین داری نہیں اور وہ بچے کی پرورش کر رہے ہیں تو وہ بچے میں دین کی محبت، قرآن کی محبت، اسلام کی محبت اور دین داری کیسے پیدا کر پائیں گے۔ ماں باپ جب خود بے نمازی ہوں تو بچے کیسے نماز پڑھیں گے۔ ماں باپ خود اخلاق اور اسلامی تہذیب سے خالی ہوں تو بچوں کا اخلاق اور کردار کہاں سے پاکیزہ ہوگا اس لئے زندگی کی بنیادی اور پہلی اینٹ کو ٹھیک اور صحیح کرنے کی ضرورت ہے۔ ماؤں کی گود کو دینی اور اسلامی گود بنانے کی ضرورت ہے یعنی عملی طور پر اسلامی زندگی گزارنے کی ضرورت ہے۔

آج معاشرہ میں جو تباہی و بربادی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ نسلوں کی تعلیم و تربیت صحیح طور پر نہیں ہوئی ہے۔ یاد رکھو قیامت کے دن ہر ماں باپ سے پوچھا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ۔ تم میں ہر ایک اپنے گھر کا چرواہا ہے اور حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی ماتحت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ خاوند ہے تو بیوی کے بارے میں پوچھا جائے گا اور بیوی ہے تو اس کے بچوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ افسر ہے تو ماتحت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ملک کا حاکم اور بادشاہ ہے تو اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا غرضیکہ ہر ایک سے اس کے ماتحت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے ان کا حق ادا کیا۔ رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کیا؟ ماں باپ سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے بچوں کو دین کی تعلیم کیوں نہیں دلوائی۔ اللہ رسول کے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔ پاکی اور ناپاکی کے مسائل کیوں نہیں سکھایا۔ حلال اور حرام کیوں نہیں سمجھایا۔ کفر اور اسلام کو کیوں نہیں بتایا۔ اسلامی ادب اور تہذیب کیوں نہیں دیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے بیوی بچوں کو اسلامی تعلیمات کی طرف مائل کریں انھیں اللہ رسول سے محبت کرنا سکھائیں۔ جن گھروں میں ماں باپ کی لاپروائی سے بچے بگڑ رہے ہیں بے دین اور بے عمل بن رہے ہیں ایسے ماں باپ کو قیامت کے دن جواب دینا ہوگا اور جب تک یہ جواب نہیں دیں گے خدا کی عدالت سے چھوٹ نہیں سکتے۔

● نیک اور فرماں بردار اولاد ماں باپ کے لئے نعمت ہے اور بری اولاد وبال جان ہے۔ نیک اولاد صدقۂ جاریہ ہے اور بری نافرمان اولاد عذاب ہے۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ۔

(مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف، ص ۲۳)

فرمایا جب انسان مرجاتا ہے اس کا دنیا کی تمام اعمال سے تعلق ختم ہو جاتا ہے اس کے اعمال کے دفتر کو سمیٹ دیا جاتا ہے مگر تین چیزوں کا تعلق مرنے کے بعد بھی برقرار رہتا ہے۔ ایک صدقۂ جاریہ یعنی مخلوق خدا کو پانی پینے کے لئے کنواں بنانا، مسافر خانہ بنانا مسجد مدرسہ تعمیر کرانا وہ کام کرنا جس سے مخلوق کو تادیر فائدہ حاصل ہو دوسرا وہ علم جس سے لوگ فائدہ حاصل کریں اور تیسرا وہ نیک اولاد جو ماں باپ کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہے۔

اس حدیث میں جو تیسرا عمل فرمایا گیا ہے وہ نیک فرماں بردار اولاد ہے اگر اس نے اپنے پیچھے نیک اولاد چھوڑی ہے تو اولاد کا جتنا نیک عمل ہوگا وہ جو بھی نیک کام کرے گا اس کا اجر وثواب اولاد کو بھی ملے گا اور اتنا ہی اجر وثواب اس کے والدین کو بھی ملے گا۔ نیک اولاد جو بھی نیک عمل کرے گی اس کا ثواب خود بخود والدین کو ملتا رہے گا۔

روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو نصیحت کیا کہ اگر میں مرجاؤں تو میرے بیٹے کو قرآن مجید ضرور پڑھانا۔ کچھ عرصہ بعد وہ شخص انتقال کر گیا۔ کفن دفن کیا گیا حساب وکتاب ہوا اور اسے عذاب ہونے لگا۔ ادھر جب اس کا بچہ پانچ سال کا ہوا تو اس کی بیوی نے بچے کو مدرسہ بھیجا استاد نے بچے کو درس دیا، بچے نے اپنی توتلی زبان سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی۔ اللہ رب العزت نے بسم اللہ کی برکت اور اس کے صدقے اس کے والد کے تمام گناہ معاف کر دیئے اور اس گنہگار باپ کی قبر سے عذاب ہٹا لیا گیا۔

دوستو! یہ بسم اللہ کی فضیلت ہے تو پورے قرآن کی کیا فضیلت ہوگی آپ اندازہ لگاؤ اس لئے آپ اپنے بچوں کو علم دین اور قرآن کی تعلیمات سے آراستہ کریں تاکہ وہ دنیا میں نیک عمل کرے اور مرنے کے بعد وہ آپ کی قبر پر فاتحہ اور دعائے مغفرت کرے اور آپ

اپنے بچوں کو دنیوی تعلیم سے آراستہ کریں تا کہ زمانے کے ساتھ وہ چل سکیں۔

بعض روایات میں ہے کہ بچہ جب دنیا میں پیدا ہوتا ہے اس وقت سے لے کر مرنے تک اگر وہ نیک بنا نمازی متقی پرہیز گار بنا حافظ قرآن بنا عالم دین بنا تو جتنی مرتبہ وہ دنیا میں سانس لیتا ہے ہر ہر سانس کے بدلے اس کے ماں باپ کو اجر دیا جاتا ہے اور اگر اولاد کی تعلیم وتربیت صحیح نہ ہو سکی اور وہ غلط راستے پر چل پڑی تو ایسی اولاد دنیا وآخرت میں ذلت ورسوائی کا سبب بنے گی اس لئے جب بھی اولاد کی دعا مانگو تو فرمانبردار نیک اولاد کی دعا مانگو کہ اللہ ! فرمانبردار اولاد دے تمام پیغمبروں نے یہی دعا مانگی ہے :رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ اے میرے رب مجھے نیک اور فرماں بردار اولاد عطا فرما۔

کہتے ہیں کہ ایک آدمی کے یہاں اولاد نہیں تھی وہ مکہ مکرمہ میں رہتا تھا بڑی دعائیں مانگتا تھا۔کسی نے اسے کہا کہ مقام ابراہیم پر جا کر دعائیں مانگو اللہ تمھیں اولاد عطا فرمادے گا لیکن اس بے چارے کو یہ سمجھ نہیں تھی کہ مجھے نیک اولاد کی دعا مانگنی ہے۔چنانچہ وہ مقام ابراہیم پر گیا اور وہاں جا کر اس نے دو رکعت نماز نفل پڑھ کر دعا مانگی ''اے اللہ مجھے بیٹا دے دے'' حالانکہ اسے وفادار فرماں بردار بیٹے کی دعا مانگنا چاہیے مگر اس نے صرف بیٹے کی دعا مانگی اس کی دعا قبول ہوگئی۔اللہ نے اس کو بیٹا دیا لیکن بیٹا نالائق نافرمان نکلا جیسے اس نے جوانی میں قدم رکھا عیاشی والے کام شروع کردیئے۔اس نے ماں باپ کا نام ڈبو دیا۔اس کی وجہ سے لوگ اس کے ماں باپ کو بھی گالیاں دینے لگے۔وہ نیک اور ہدایت کے راستے سے بھٹک گیا غلط راہ پر چل پڑا۔ماں باپ بہت سمجھاتے مگر اس کے سمجھ میں کچھ نہیں آتی۔نوجوان نے سنا تھا کہ فلاں جگہ جا کر اگر دعا مانگی جائے تو دعا قبول ہو جاتی ہے۔غصے میں آکر وہ نوجوان کعبہ شریف میں آیا اور مقام ابراہیم پر جہاں پہلے باپ نے بیٹے کے پیدا ہونے کی دعا مانگی تھی اسی جگہ پر کھڑے ہو کر نوجوان بیٹا باپ کے مرنے کی دعائیں کرنے لگا۔یہ دراصل دینی تعلیمات اور صحیح تربیت نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔اگر ہم نے بچے کو دینی تعلیم دلایا ہوتا قرآن سمجھ کر پڑھنا سکھایا ہوتا علماء کی محفل میں بٹھایا ہوتا صحیح تعلیم وتربیت دیا ہوتا تو آج یہ دن دیکھنے کو نہ ملتا۔

انسان اپنی اولاد کو پیار ومحبت سے پالتا ہے مگر وہ بڑے ہو کر ماں باپ کے دشمن اور نافرمان بن جاتے ہیں۔ماں باپ کو سر کا بوجھ سمجھتے ہیں۔ان کو ستاتے اور رلاتے ہیں۔ان کی بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں قیامت کے دن ایسے بدکار اور نافرمان اولاد کو خدا کی بارگاہ میں کھڑا کیا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہماری باتوں کو کیوں نہیں مانا کیوں تم ماں باپ کا نافرمان بنے رہے تو وہ اپنا سارا بوجھ ماں باپ کے کندھوں پر ڈال دیں گے اور کہیں گے رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۔

اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا پس انھوں نے ہم کو گمراہ کردیا۔ہم نے اپنے ماں باپ کے حکم کی تعمیل کی۔انھوں نے کہا بیٹی تجھے عالمہ نہیں بننا ہے گریجویشن کرنا ہے میں نے کر کے دکھادی۔انھوں نے کہا بیٹا تجھے عالم نہیں بننا ہے،ایم بی اے کرنا ہے بزنس چمپئن بننا ہے۔ڈاکٹر اور انجینئر بننا ہے۔میں نے بن کر دکھا دیا دنیا کے جو تارگیٹ انھوں نے دیئے تھے اے اللہ میں نے کر کے دکھا دیئے۔کاش ماں باپ مجھے دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دیتے قرآن سمجھ کر پڑھنا سکھاتے مجھے دین اسلام کے راستے پر ڈالتے۔اچھی طرح میری تربیت کرتے تو میں بھی دین دار بن جاتا۔انھوں نے مجھے دنیا کی تعلیم تو دلایا مگر دینی تعلیمات اور تربیت سے مجھے محروم رکھا۔دنیا کے عزتوں کے پیچھے لگادی کہ دنیا میں نام رہے کہ میں فلاں کا باپ ہوں۔فلاں کا بیٹا ہوں۔دنیا میں میری تعریفیں ہوں۔اے اللہ انھوں نے مجھے جو کہا وہ میں نے کر کے دکھا دیا یہ ہمارا قصور نہیں ہے یہ ہمارے والدین کا قصور ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر ہم نے اپنی اولاد کو دین نہیں سکھایا اسلامی ادب وتہذیب کی تعلیم نہیں دی۔انھیں نیک نہ بنایا ان کی اچھی تعلیم وتربیت نہ کی تو یہ قیامت کے دن ہمارے خلاف مقدمہ کریں گے۔اولاد اگر بدچلن آوارہ ہوگئی تو ماں باپ پکڑے جائیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی اولاد کی صحیح تربیت کیوں نہیں کی۔ان کا خیال کیوں نہیں رکھا۔ان کی غلطیوں پر کیوں نہیں ٹوکا۔آوارہ بدچلن نافرمان اولاد سے اللہ سب کو

محفوظ رکھے۔(آمین)

طفل سے بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ ڈبے کا پیا تعلیم ہے سرکار کی

جب نہ دین کی تعلیم پائی ہے نہ ماں کا دودھ پیا ہے تو پھر ایسی اولاد میں اچھے اخلاق کہاں سے آئیں گے۔ کہتے ہیں کہ ایک ماں اپنے بیٹے سے ناراض ہوگئی۔ کہنے لگی بیٹے! اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں کبھی بھی اپنا دودھ تمھیں معاف نہیں کروں گی۔ بیٹے نے مسکرا کر کہا امی میں تو ڈبے کا دودھ پی کر بڑا ہوا ہوں۔ آپ نے تو مجھے اپنا دودھ پلایا ہی نہیں مجھے معاف کیا کریں گی۔

دوستو! واقعی ایسا دیکھا گیا ہے کہ ڈبو کے دودھ کی تاثیر کچھ اور ہوتی ہے اور ماں کے دودھ کی تاثیر کچھ اور ہوتی ہے۔ ماں کو چاہئے کہ بچے کو باوضو ہو کر خود دودھ پلائے یہ اس کی تربیت میں شامل ہے۔ ہمارے مشائخ اور بزرگان دین کی ان کی ماؤں نے ایسی تربیت کی کہ وہ باوضو ہو کر اپنے بچوں کو دودھ پلاتی تھیں تو بیٹا وقت کا بایزید بسطامی ہوتا تھا جنید بغدادی ہوتا تھا غوث الاعظم ہوتا تھا زکریا ملتانی ہوتا تھا خواجہ اجمیری ہوتا تھا رومی اور جامی ہوتا تھا چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر نوے(۹۰) لاکھ غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ ماں نے کہا بیٹا یہ تیرا کمال نہیں ہے یہ میرا کمال ہے۔ کہا وہ کیسے؟ کہنے لگیں کہ بیٹا جب تو چھوٹا تھا تو میں نے تجھے کبھی بے وضو دودھ نہیں پلایا۔ یہ وضو کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ہاتھ پر نوے(۹۰) لاکھ انسانوں کو کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمادی۔(سبحان اللہ)

تو یہ ہے کہ باوضو ہو کر کھانے پینے اور رہنے کی برکت۔ ہمیشہ باوضو رہنے سے دین دنیا کے بہت سے فائدے ہیں۔ اللہ کے فرشتے زندگی کے ہر موڑ پر اس کی ہر طرح سے حفاظت کرتے ہیں فضل ربی شامل حال رہتی ہے۔ روزی میں برکت ہوتی ہے۔ حادثات اور خطرات وضو کی برکت سے ٹل جاتے ہیں۔ موت کے وقت نزع کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ شہیدوں کے فہرست میں اس کا نام لکھا ہوتا ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں

اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ جائے گا۔

آج عالم یہ ہے کہ ماں بچے کو دودھ پلا رہی ہے مگر بے وضو پلا رہی ہے۔ حالت ناپاکی میں پلا رہی ہے اور صرف بے وضو ہی نہیں بلکہ ٹی وی پر بیٹھی ڈرامہ اور سیریل دیکھ رہی ہے۔ دودھ پلا رہی ہے اور بلیو فلمیں دیکھ رہی ہے۔ ماں یہ بات خوب اچھی طرح سے یاد رکھے کہ اگر گناہ کی حالت میں بچے کو دودھ پلائے گی تو یہ بچہ نافرمان بنے گا۔ اللہ کا بھی نافرمان بنے گا اور اپنے ماں باپ کا بھی بعد میں رونے سے کیا فائدہ کہ اولاد نالائق ہے۔ اس لئے بچپن ہی سے بچے اور بچیوں کی تعلیم و تربیت بہترین ڈھنگ سے کرو۔

● کہتے ہیں کہ ایک آدمی روتا ہوا ایک عالم کے پاس آیا اور اپنے جوان بیٹی کی فرار ہونے کا واقعہ بیان کیا اور کہا حضرت تعویذ دے دیں اور دعا فرمادیں کہ بیٹی واپس آجائے۔ پوچھا کیا تمہارے گھر میں ٹی وی ہے۔ کہا ہاں ہے اور لڑکی دیکھتی تھی میں منع نہیں کرتا تھا۔ فرمایا راستہ تو تم نے خود ہی دکھایا ہے اب روتے کیوں ہو۔

آج اس سے بھی زیادہ خطرناک چیز ہم نے اپنی بیٹی کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور وہ ہے موبائل جس کا زیادہ تر استعمال غلط ہو رہا ہے۔ ٹی وی سیریل نے ہمارے بچوں اور بچیوں کے دل و دماغ کو بگاڑا اور موبائل نے فرار ہونے کا راستہ دکھایا، والدین کو ان تمام باتوں پر دھیان دینا چاہئے یہ بھی ان کی تربیت میں شامل ہے۔

آج ماؤں کی ایک غلط فہمی یہ ہے کہ اگر بچہ کچھ غلطی کرے اور اس کو سمجھایا جائے تو کہتی ہیں کیا ہمیشہ بچوں کے پیچھے پڑے رہتے ہو بڑا ہو کر خود ہی سمجھ جائے گا۔ یعنی دیوار ٹیڑھی ہو کر اٹھ رہی ہے اٹھنے دو اونچی ہو کر سیدھی ہو جائے گی۔ یہ کتنی بیوقوفی ہے کتنا احمقانہ سوچ ہے۔ جو دیوار شروع ہی سے ٹیڑھی ہے جتنا اونچی جائے گی ٹیڑھا پن بڑھتا ہی جائے گا۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ پگھلی ہوئی دھات کی طرح ہے۔ آپ اس کو جس سانچے میں ڈھالیں گے ڈھل جائے گا۔

بچے کے دل و دماغ پر اثر انداز ہونے والی دو چیزیں ہیں جو بچے کی مستقبل اور اس کی شخصیت کے بننے اور بگڑنے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ پہلے نمبر پر اس کے والدین ہیں

جن کی تعلیم وتربیت کا اثر بچے پر رونما ہوتے ہیں۔دوسرے نمبر پر ماحول ہے۔بچوں کو جیسا ماحول دیں گے جس ماحول میں رکھیں گے اسی کے اثرات اس پر نقش ہوتے جائیں گے۔

جس طرح نیک ماں کے اثرات بچے کی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں اسی طرح نیک باپ کے بھی اثرات بچے پر پڑتے ہیں۔آپ کہیں گے کہ بعض نیک لوگوں کے گھروں میں برے نافرمان بچے پیدا ہوتے ہیں تو یہ تو کوئی اصول نہیں ہے کہ والدین نیک ہوں گے تو اولاد نیک ہوگی۔جواباً صرف اتنا ہی کہوں گا کہ یہ بھی اللہ کی قدرت ہی ہے کہ نیک بختوں کے گھر میں بد بخت اور بد بختوں کے گھر میں نیک بخت پیدا ہوئے ہیں یہ تو اس کی قدرت اور حکمت ہے۔

● تربیت اولاد کے سنہرے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ بچے سے اگر کوئی غلطی ہوجائے تو اسے ڈانٹ ڈپٹ نہ کیجئے اور نہ ہی ان کو ماریئے بلکہ پیار ومحبت سے سمجھایئے اسے ہر چیز کا نفع نقصان بتایئے۔جب آپ کی بات اس کی سمجھ میں آجائے گی تو وہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

اولاد سے محبت کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہر ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانۂ نبوت میں تشریف فرما ہیں۔امام حسن تشریف لاتے ہیں بچپن کا زمانہ ہے۔نبی کی خدمت میں آئے گود میں بیٹھ گئے۔میرے نبی نے ان کی پیشانی کو چوم لیا۔سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور خوب پیار کیا۔اس وقت ایک صحابی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جن کا نام اقرع بن حابس تمیمی ہے وہ دیکھ کر حیران ہوگئے۔کہنے لگے اے اللہ کے نبی میرے تو دس بچے ہیں میں نے کبھی ان کو اس طرح پیار نہیں ،کیا جیسا آپ کرتے ہیں۔نبی نے فرمایا اگر تیرے دل سے اللہ نے رحمت کو نکال لیا ہے اور تجھے اس سے محروم کردیا تو کوئی کیا کرے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بچوں سے پیار کرنا انسانی فطرت ہے اور نبی کی عادت وسنت ہے۔اس لئے اپنے بچوں کے ساتھ پیار ومحبت سے پیش آیا کرو۔جب اسکول مدرسہ سے پڑھ کر بچے گھر آئیں تو آپ ان کو ان کا پسندیدہ کوئی چیز کھانے کو دیں۔

● ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت اپنی چھوٹی چھوٹی دو

بیٹیوں کے ساتھ آئی۔ام المومنین نے ان کو تین کھجوریں کھانے کو دیں۔عورت نے ایک کھجور پہلی بیٹی کو دے دی اور دوسری کھجور دوسری بیٹی کو دے دی اور تیسرا کھجور خود کھانے کے لئے ہاتھ میں پکڑ لی۔دونوں بیٹیوں نے جلدی جلدی اپنی کھجوریں کھالیں۔ماں اپنی تیسری کھجور کھانے کے لئے منھ تک لے گئی کہ اتنے میں بچیوں نے ماں کی کھجور کو للچائی ہوئی ،نظر سے دیکھا۔ماں نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کرلئے۔آدھا ٹکڑا ایک کو دیا اور آدھا دوسرے کو دے دیا۔دونوں بچیوں نے ماں کا حصہ بھی کھالیا اور خوش ہوگئیں۔یہ ماں کی ممتا ہے کہ ماں خود نہیں کھائی بچیوں کو کھلا دیا۔ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ماں کی ممتا سے بھرا یہ پیار دیکھا تو بے حد خوش ہوگئیں۔کچھ دیر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور یہ پورا واقعہ حضور کو سنایا۔حضور ماں کی ممتا کی یہ داستان سن کر بے حد خوش ہوگئے اور فرمایا جو عورت اپنی اولاد سے اس قدر پیار ومحبت کرتی ہے وہ جنتی ہے۔(سبحان اللہ)

● بچوں کی تعلیم وتربیت میں یہ بھی ہے کہ بچوں کو اللہ کی وحدانیت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقام نبوت ورسالت اور ان سے عشق ومحبت کی تعلیم دی جائے۔انھیں اہل بیت کی تعظیم ومحبت کا سبق پڑھایا جائے۔بڑے بوڑھوں اور بزرگوں کی عزت کرنا سکھایا جائے۔استاد اور علمائے کرام سے محبت اور ان کا ادب واحترام واونچا مقام بتایا جائے اور یہ بات بھی بچوں کو خاص طور سے سکھاؤ کہ تم کسی کو دکھ نہیں دینا کسی کو تکلیف نہیں پہونچانا۔حرام نہیں کھانا سود، بیاز اور رشوت نہیں لینا۔جب ہم اپنے اولاد کو اس طرح کی تعلیم وتربیت دیں گے تو بچے کے دل میں یہ بات گھر کر جائے گی کہ دوسروں کا دل دکھانا کسی کو تکلیف پہونچانا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔جب آپ بچے کو اس طرح کی تعلیم وتربیت دیں گے تو بچے کو احساس ہوگا کہ مجھے اخلاق اپنانے ہیں۔کسی کے دل کو صدمہ اور تکلیف نہیں پہونچانا ہے۔ اللہ رسول کی نافرمانی نہیں کرنا ہے۔یقین جانئے آپ کا یہ بچہ آپ کے لئے دین دنیا میں کامیابی اور بخشش کا ذریعہ بن جائے گا۔

یہاں پر ایک اور اہم بات آپ کو بتادوں جس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔وہ یہ ہے کہ ماں باپ بچوں کے سامنے آپس کی تکرار بحث مباحثہ اور لڑائی جھگڑے سے

بچیں۔ جب میاں بیوی آپس میں لڑیں گے ایک دوسرے کو گالی گلوج کریں گے تو یہ بچوں پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اپنے ذہن میں وہ سوچتے ہیں کہ نہ امی کی کوئی قدر ہے نہ ابو کی کوئی عزت ہے۔ ان کے آپس میں جھگڑے ہی ختم نہیں ہوتے، ہمارے اوپر خواہ مخواہ رعب جماتے ہیں۔ چنانچہ ماں جب بچوں کو نصیحت کی بات کرتے ہوئے ذرا غصے ہو جاتی ہے تو بچے اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ابو کی ناراضگی اور غصہ ہم پہ نکال رہی ہے۔ اسی طرح جب باپ غصے میں ہوتا ہے تو بچے دل میں سوچتے ہیں کہ امی ابو کی بات نہیں مانتی اس لئے وہ غصہ ہمارے اوپر نکالتے ہیں۔ اس طرح گھر میں لڑنے جھگڑنے سے بچوں کی تربیت صحیح نہیں ہو پاتی جو آدمی اپنے بچوں کے سامنے اپنی بیوی کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے۔ بیوی سے لڑتا اور جھگڑتا ہے تو وہ اچھی طرح میری بات سمجھ لے کہ وہ اپنے بچوں کو بگاڑنے کی مکمل کوشش کر رہا ہے۔ اس لئے کہ بیوی کے ذمہ بچوں کی تربیت اور ٹریننگ ہے جب بیوی ہی کو ڈانٹ پڑ رہی ہے تو بچوں کی نظر میں کیا اہمیت رہے گی۔

اس لئے خاوند کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی نظر میں اپنی بیوی کا احترام بنائے رکھے اور بیوی کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی نظر میں اپنے خاوند کا احترام اور عزت بنائے رکھے۔ باپ جب بھی بچوں کے ساتھ بیٹھے تو کہے بچو! تم اپنی ماں کی بات مانا کرو اور ماں جب بچوں کے ساتھ بیٹھے تو بچوں کو سمجھائے کہ بیٹو! تم باپ کی بات مانا کرو۔ جب دونوں میاں بیوی اس اصول پر چلیں گے تو بچے ماں کی بھی مانیں گے اور باپ کی بھی مانیں گے اور ان کی تربیت اچھی ہوگی۔ آیئے اپنے بزرگوں کی قابل رشک زندگی کا مطالعہ کیجئے اور ان پاکیزہ ہستیوں کی طرز عمل سے اپنی زندگی سنواریئے۔

● حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ آپ عالم اسلام کے ایک عظیم حکمراں گزرے ہیں۔ اللہ نے آپ کو بارہ بیٹے دیئے تھے۔ آپ نے بچوں کی خوب اچھی طرح سے تربیت کی۔ وقت کے بادشاہ تھے مگر زندگی فقیرانہ تھی۔ وقت کا حکمراں اسلامی دنیا کا فرمانروا مگر بچوں کو عید کے دن بھی نئے کپڑے نصیب نہیں۔ آپ نے اپنی اولاد کی بڑی اچھی تعلیم وتربیت کی۔ ان کو اسلام کی تعلیمات سے لیس کیا۔ نیکی اور ہدایت کے راستے پر

لگایا جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو لیٹے ہوئے تھے۔ ان کا ایک دوست آیا اور کہنے لگا اے عمر بن عبدالعزیز آپ نے اپنی اولاد کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔ آپ نے کہا اچھا مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ آپ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ بتاؤ میں نے کیا ظلم کیا ہے۔ اس نے کہا تم سے پہلے جتنے بھی حکمراں اور فرمانرواں آئے انھوں نے اپنی اولادوں کے لئے سرکاری خزانے سے بڑی بڑی جائیدادیں وقف کردیں۔ ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیئے اور ان کی اولادیں عیش کرتی پھر رہی ہیں اور آپ نے اپنی اولاد کے لئے کچھ بھی نہیں بنایا۔ کیا یہ اولاد پر ظلم نہیں ہے؟ فرمایا میری بات غور سے سنو! میں نے اپنی اولاد کو علم وادب کی تعلیم دی ہے نیکی کی تعلیم دی ہے خوف خدا کی تعلیم دی ہے قرآن واحادیث کی تعلیم دی ہے اور اولاد کی تربیت اچھی کی ہے۔ اگر میں نے اولاد کی تربیت اچھی کی اور یہ نیک بنے رہے تو اللہ کا قرآن میں اعلان اور فیصلہ ہے۔ **وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ**۔ اللہ اچھے اور نیک لوگوں کا سرپرست ہے تو اگر میں نے ان کو اچھی تعلیم وتربیت کے ذریعے نیک بنا دیا ہے تو میں ان کو اللہ کی سرپرستی میں دے کر جارہا ہوں۔ اللہ ان کا بہترین خیال فرمائے گا اور اگر یہ نیک اور اچھے نہیں بنے برے بنے تو پھر بھی میں نے اچھا ہی کیا ہے کہ میں ان کی برائی میں ان کا معاون ومددگار نہیں بننا چاہتا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ یہ کہہ کر فوت ہوگئے۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ ایک وقت وہ بھی آیا جب عمر بن عبدالعزیز کے بارہ بیٹے جوان ہوئے اور اتنے لائق بنے کہ بارہ کے بارہ بیٹے مختلف صوبوں کے گورنر بنے اور وہ فرمانروا جو اپنی اولاد کے لئے زمین جاگیر حکومت وسلطنت اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ذخیرے ہیرے جواہرات کے بڑے بڑے انبار چھوڑ کر گئے ان کی اولادوں میں سے کچھ لوگ جامع مسجد کے دروازوں پر کھڑے بھیک مانگ رہے تھے۔ کیا آپ نے نہیں سنا کہ مغلیہ خاندان کے شہزادے جنھیں آج کوئی پہنچانتا ہی نہیں وہ افیم، گانجہ اور نشہ کے لئے دہلی، کلکتہ، ممبئی اور مدراس کے گلیوں میں بھکاریوں کی طرح بھیک مانگ رہے ہیں اور انھیں کوئی دیتا بھی نہیں کیوں کہ سب کو معلوم ہے کہ یہ لوگ شراب ہی نوش فرمائیں گے۔

قوت فکر وعمل پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

حضرات محترم! اصل کامیابی تو وہی ہے کہ اولاد کو ہدایت اور نیکی کے راستے پر لگایا جائے ان کی اچھی طرح تعلیم وتربیت کی جائے۔اب یہ ہمارے اوپر منحصر ہے کہ ہم اپنی اولاد کو نیکی کے راستے پر لاتے ہیں یا برائی کے راستے پر ڈالتے ہیں۔ان کو دنیوی اور مذہبی تعلیمات سے آراستہ کرتے ہیں یا جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے اے ہندی مسلمانو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

●●●

جواہر پارے

اے میرے بندو! جو میں چاہتا ہوں وہ تم نہیں چاہتے اور جو تم چاہتے ہو وہ میں نہیں چاہتا اور ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔(اللہ تعالیٰ)

- ماں باپ کے چہرے کو ایک بار محبت کی نگاہ سے دیکھنا ایک حج مقبول کے برابر ہے۔(فرمان نبوی)
- دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔(فرمان نبوی)
- ماں جنت ہے اور باپ جنت کا دروازہ ہے۔(فرمان نبوی
- ماں باپ کا نافرمان کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔(فرمان نبوی)
- تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔(فرمان نبوی)
- جو پانچوں نمازیں چھوڑ دیتا ہے اس پر اللہ کی کوئی ذمہ داری نہیں۔(فرمان نبوی)
- جو کسی کو علم وہنر سکھادے اور وہ اس کے ذریعہ پاک اور حلال روزی کمائے تو سکھانے والے کے نامۂ اعمال میں صدقۂ جاریہ لکھا جاتا ہے۔(فرمان نبوی)
- جو شخص اپنے اہل وعیال کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرے وہ جنتی ہے۔(فرمان نبوی)
- جو شخص بکا ہوا مال واپس لے لے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو تمام تکلیف سے آزاد فرمادے گا۔(فرمان نبوی)
- مجھے اس آنکھ کے سونے پر تعجب ہوتا ہے جسے معلوم ہے کہ اسے قبر کی تاریکیوں میں دیر تک سونا ہے۔(ابوالحسن نوری)
- لذت کی شوق میں گناہ مت کرنا، لذت مٹ جائے گی، گناہ تیرے نامۂ اعمال میں باقی رہے گا۔(غوث الاعظم)
- تکلیف کے خوف سے نیکی کا کام مت چھوڑ، تکلیف مٹ جائے گی، نیکی تیرے

نامۂ اعمال میں برقرار رہے گی۔ (غوث الاعظم)

- صاحب علم اور مُصنّف (صاحب قلم) مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ (امام غزالی)
- خوش نصیب وہ نہیں ہے جس کا نصیب اچھا ہے بلکہ خوش نصیب وہ ہے جو اپنے نصیب پر راضی اور خوش ہے۔ (حضرت لقمان)
- غصہ سے بچوں کیوں کہ یہ پاگل پن سے شروع ہوتا ہے اور ندامت وافسوس پر پورا ہوتا ہے۔ (حضرت علی ؓ)
- جس نے زبان اور غصے پر قابو پالیا وہ امن وسکون میں رہا۔ (حضرت علی ؓ)
- عقل جب مکمل اور پختہ ہوجاتی ہے تو گفتگو مختصر ہوجاتی ہے۔ (حضرت فاروق اعظم)
- اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو ایسا بدلہ لو کہ تمہارا مخالف زندگی بھر یاد رکھے اور ایسا بدلہ معاف کردینا ہے۔ (حضرت عثمان غنی ؓ)
- ظلم کرنے والوں سے زیادہ ظلم سہنے والے گنہگار ہیں۔ (حضرت امام حسین)
- اے انسان اگر تجھے ساری دنیا کی دولت مل جاتی تب بھی تجھے دو وقت کی روٹی ہی میسر آتی۔ (حضرت عیسیٰ ؑ)
- اے مال دولت جمع کرنے والے تو نے دولت جمع کر لی سچ بتا کیا تو نے اسے خرچ کرنے کے لئے اپنے دن بھی جمع کر لئے ہیں۔ کیا تجھے اس فانی زندگی پر بھروسہ ہے؟ (عیسیٰ ؑ)
- تیری اصل دولت وہی ہے جو تو نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ بقیہ جو کچھ تیرے پاس ہے وہ تیرا نہیں بلکہ وارثوں کا ہے۔ (حضرت جنید بغدادی)
- مالداروں کے سب لوگ محتاج نہیں ہوتے مگر علم والے کا ہر شخص محتاج ہوتا ہے۔ (حضرت علی ؓ)
- عالم اگرچہ غریب اور حقیر حالت میں ہو اسے ذلیل نہ سمجھو۔ جاہل اور بیوقوف اگر مالدار اور بڑے رتبے پر ہو اسے بڑا مت خیال کر۔ (حضرت علی ؓ)
- علم جان ہے، عمل جسم ہے، علم باپ ہے عمل بیٹا ہے۔ (حضرت علی ؓ)

- تم میں سب سے بڑا عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہو۔ (غوث الاعظم)
- غریب بن کر جینا یہ عیب نہیں بلکہ بے ایمان بن کر جینا یہ عیب ہے۔ (حضرت علی ؓ)
- کسی آدمی کا تندرست ہونا دولت مند ہونا حکومت اور اقتدار حاصل ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ اس سے راضی ہے اور کسی آدمی کا بیماری میں مبتلا ہونا۔ طرح طرح کی پریشانیوں میں گھر جانا تنگ دست اور غریب ہونا اس بات کی بھی دلیل نہیں کہ اللہ اس سے ناراض ہے۔ (فرمان نبوی)
- دنیا میں دکھ تکلیف آفت مصیبت مومن کے لئے آزمائش ہے اور بے عمل فاسق وفاجر کے لئے عذاب ہے۔ (فرمان نبوی)
- اچھے اور نیک لوگوں کی دنیا میں ہر طرح آزمائش ہوتی ہے۔ (غوث الاعظم)
- تین کام جلدی کرو (۱) میت کو دفانے میں (۲) مہمان کو کھانا کھلانے میں (۳) جوان بیٹی کی شادی کرنے میں۔ (حضرت علی ؓ)
- مجھے جنت سے زیادہ مسجد میں بیٹھنا پسند ہے کیوں کہ جنت میں میرا دل خوش ہوگا جبکہ مسجد میں میرا رب خوش ہوگا۔ (حضرت علی ؓ)
- گناہ کرنے میں وہ لذت نہیں جو گناہ سے بچنے میں ہے۔ (ابوالحسن نوری)

تمت بالخیر

●●●

Muhammad Jamaluddin Khan Qadiri +917860520899
تمنائے رحمت
یہ کتاب میرے اکلوتے بیٹے محمد ریاض خاں مرحوم کی یاد میں ہے، جو ۱۹؍فروری ۲۰۲۲ء مطابق: ۱۷؍رجب المرجب ۱۴۴۳ھ ۳۱؍سال کی عمر میں مجھے ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے کر اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ گئے۔
ابر رحمت ان کی مرقد پہ گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے
اپنے تمام قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی التجا ہے۔ اللہ میرے والد گرامی مرحوم رمضان علی خاں، بیٹی مرحومہ آمنہ بانو اور نور نظر لخت جگر مرحوم محمد ریاض خاں کی مغفرت فرمائے۔ قبر کے تمام عذاب اور پریشانیوں سے انہیں محفوظ رکھے۔ آقائے کریم ﷺ کا پڑوس عطا فرمائے اور کل بروز قیامت آقائے کریم (ﷺ) کی شفاعت نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)
کیا بھروسہ ہے زندگانی کا
آدمی بلبلہ ہے پانی کا
ایک غمزدہ باپ
محمد الیاس خان نوری
رتن پور، کھیڑا (گجرات)
RAZAVI KITAB GHAR
423, Urdu Market, Matia Mahal Jama Masjid Delhi-6
Contact:. 9350505879,011-23264524
E-MAIL : RAZAVIKITABGHAR@GMAIL.COM
Rs. 280/-
ایمان افروز تقریروں کا حسین گلدستہ
صدائے منبر
مؤلف
مولانا محمد الیاس خان نوری
رضوی کتاب گھر دہلی
محمد جمال الدین خان قادری 7860520899